

بلوغ المرام

من أدلة الأحكام

جلد دوم

تألیف ابو الفضل شهاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی

شاح / مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی

اس کتاب کے جملہ حقوق ترجمہ، نقل و اشاعت محفوظ ہیں

جمادی الاول ۱۴۱۸ھ ستمبر ۱۹۹۷ء



دارالافتاء

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۷۴۳ ریاض ۱۱۴۱۶ مملکت سعودی عرب

فون نمبر ۲۰۳۳۹۶۲ فیکس ۲۰۲۱۶۵۹

(میرانچ پاکستان)

دارالافتاء

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

۵۰۔ لوئر مال (نزد ایم اے او کالج لاہور) فون: ۲۲۰۰۰۲۲ فیکس ۲۳۵۴۰۰۲

(سیل نمبر) رحمن مارکیٹ (غزنی سٹریٹ) اردو بازار لاہور پاکستان

بُلُوغُ الْمَلِكِ

مِنْ أَدِلَّةِ الْأَحْكَامِ

جلد دوم

تأليف

ابو الفضل شهاب الدین احمد بن حجر عسقلانی

(۷۸۵۲-۷۷۳ھ)

تحف الکرام شرح بلوغ المرام

منتجم
مولانا عبد الوکیل علوی

شرح
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

تصحیح و تنقیح
مولانا ارشاد الحق الاثری

دارالاسلام

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

ریاض - لاہور

۶۳۶	نکاح کے مسائل کا بیان	۵۰۶	خرید و فروخت کے مسائل
۶۵۴	کفو (مثل، ہمسری) اور اختیار کا بیان	۵۰۶	بیع کی شرائط و اور بیع ممنوعہ کی اقسام
	عورتوں (بیویوں) کے ساتھ رہن سہن و	۵۴۱	بیع میں اختیار کا بیان
۶۶۵	میل جول کا بیان	۵۴۵	سود کا بیان
۶۷۴	حق مہر کا بیان		بیع عرایا، درختوں اور (ان کے) پھلوں کی
۶۸۱	ولیمہ کا بیان	۵۵۵	بیع میں رخصت
۶۸۸	بیویوں میں باری کی تقسیم کا بیان	۵۵۹	پیشگی ادائیگی، قرض اور رہن کا بیان
۶۹۳	خلع کا بیان		مفلس قرار دینے اور تصرف روکنے کا
۶۹۵	طلاق کا بیان	۵۶۵	بیان
۷۰۷	(طلاق سے) رجوع کرنے کا بیان	۵۷۴	صلح کا بیان
۷۰۸	ایلاء، نفاہ اور کفارہ کا بیان	۵۷۷	ضمانت اور کفالت کا بیان
۷۱۲	لعان کا بیان	۵۸۰	شراکت اور وکالت کا بیان
۷۱۹	عدت، سوگ اور استبراء رحم کا بیان	۵۸۴	اقرار کا بیان
۷۳۰	دودھ پلانے کا بیان	۵۸۴	ادھار لی ہوئی چیز کا بیان
۷۳۷	نفقات کا بیان	۵۸۷	غصب کا بیان
۷۴۴	پرورش و تربیت کا بیان	۵۹۰	شفعہ کا بیان
۷۵۰	جنایات (جرائم) کے مسائل	۵۹۵	مضاربت کا بیان
۷۶۴	اقسام دیت کا بیان	۵۹۷	آپہابی اور زمین کو ٹھیکہ پر دینے کا بیان
۷۷۳	دعویٰ خون اور قسامت	۶۰۲	بے آباد و بنجر زمین کو آباد کرنے کا بیان
۷۷۷	باغی لوگوں سے جنگ و قتال کرنا	۶۰۷	وقف کا بیان
	مجرم (بدنی نقصان پہنچانے والے) سے	۶۱۰	حبہ، عمری اور ربئی کا بیان
۷۸۰	لڑنے اور مرتد کو قتل کرنے کا بیان	۶۱۷	لفظہ (گری پڑی چیز) کا بیان
۷۸۶	حدود کے مسائل	۶۲۳	فرائض (وراثت) کا بیان
۷۸۶	زانی کی حد کا بیان	۶۳۱	وصیتوں کا بیان
۸۰۰	تہمت زنا کی حد کا بیان	۶۳۵	ودیعت (امانت) کا بیان
۸۰۳	چوری کی حد کا بیان		

۸۹۴	شہادتوں (گواہیوں) کا بیان	۸۱۱	شراب پینے والے کی حد اور نشہ آور چیزوں کا بیان
۸۹۹	دعویٰ اور دلائل کا بیان	۸۱۶	تجزیر اور حملہ آور (ڈاکو) کا حکم
۹۰۵	غلامی و آزادی کے مسائل	۸۲۰	مسائل جہاد
۹۱۰	مدبر، مکاتب اور ام ولد کا بیان	۸۳۵	جزیہ اور صلح کا بیان
۹۱۶	متفرق مضامین کی احادیث	۸۵۰	گھروڑ اور تیر اندازی کا بیان
۹۱۶	ادب کا بیان	۸۵۴	کھانے کے مسائل
۹۲۳	نیکی اور صلہ رحمی کا بیان	۸۶۰	شکار اور ذبائح کا بیان
۹۲۹	دنیا سے بے رغبتی اور پرہیز گاری کا بیان	۸۶۷	(احکام) قربانی کا بیان
	برے اخلاق و عادات سے ڈرانے اور	۸۷۳	عقیدہ کا بیان
۹۳۷	خوف دلانے کا بیان	۸۷۶	قسموں اور نذروں کے مسائل
	مکارم اخلاق (ایچھے عمدہ اخلاق) کی		قاضی (جج) وغیرہ بننے کے
۹۵۶	ترغیب کا بیان	۸۸۷	مسائل
۹۶۶	ذکر اور دعا کا بیان		



۷۔ کِتَابُ الْبُيُوعِ

خرید و فروخت کے مسائل

بَابُ شُرُوطِهِ وَمَا نَهِيَ عَنْهُ مِنْهُ بیع کی شرائط و اور بیع کی ممنوعہ اقسام کا بیان (۶۴۸) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ. حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روای ہے کہ نبی ﷺ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سئلَ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: «عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ تَجَارَتْ جُودُهُ» (۱) «اے مِیْرُور!». رَوَاهُ الْبُزَّارُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. بیع کی روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

لغوی تشریح: ﴿کتاب البیوع﴾ بیوع بیع کی جمع ہے، لغت میں مال دے کر کوئی چیز خریدنے کا نام بیع ہے۔ شرعی اصطلاح میں بھی اس کے یہی معنی ہیں، لیکن اس میں باہمی رضامندی کی قید کا اضافہ ہے۔ جمع اس لئے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی اقسام و انواع ہیں اور تمام بیوع کی چار قسمیں ہیں (۱) "بیع العروض بالعروض" یعنی سلمان کو سلمان کے بدلہ فروخت کرنا، اسے مقابلہ (بیع تبادلہ) بھی کہتے ہیں۔ (۲) "بیع العروض بالنقد" یعنی نقدی کے ذریعے سلمان کی بیع کرنا اور اسی کو ہی بیع کہا جاتا ہے، کیونکہ بیع کی ساری قسموں میں یہ سب سے زیادہ مشہور ہے اور یہی زیادہ معمول بہ ہے۔ (۳) "بیع النقد بالنقد" نقدی کے بدلے نقدی کی بیع یعنی مروجہ سکہ کو مروجہ سکہ کے بدلے خرید و فروخت کرنا، اسے بیع صرف بھی کہتے ہیں۔ (۴) "بیع المنفعۃ بالمال" یعنی منافع کو مال کے بدلے بیچنا، بصورت سلمان ہو یا نقد۔ اسے "اجارہ" کہتے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کے تحت ۲۲ ابواب قائم کئے ہیں۔ جبکہ کئی باب ایسے ہیں جن کا بیع سے کوئی تعلق نہیں، اگر مصنف اس کا نام کتاب البیوع کی بجائے "کتاب البیوع والاموال" رکھتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

﴿باب شروطہ﴾ شروط میں "و" ضمیر کا مرجع بیع ہے۔ یعنی بیع کی شروط کا بیان۔ شرط اسے کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائے تو اس کا حکم و سبب بھی معدوم ہو جائے۔ ﴿وما نہی عنہ﴾ بصیغہ مجہول بیع کی

کی روایت میں ہے کہ مردار کی چربیوں کی تجارت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ﴿فانہ﴾ شان یہ ہے ”یطلى“ طلا سے ماخوذ ہے، اور باب ضرب بضر ب صیغہ مجہول ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کشتیاں اس سے طلاء کی جاتی ہیں (یعنی چربی سے ان کی طمع سازی کی جاتی ہے کہ جس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ نمبراً چربی سے دراڑیں بند ہو جاتی ہیں اور پانی اندر نہیں جاتا۔ نمبراً ۲۔ چربی، تختوں کو پانی کی خرابی سے محفوظ کر دیتی ہے۔ مترجم) ﴿السفن﴾ سین اور فادونوں پر ضمہ ہے۔ سفینہ کی جمع ہے یعنی کشتیاں ﴿یدھن﴾ ادھان یا تدھین سے ماخوذ اور صیغہ مجہول ہے۔ ﴿ویستصبح بها الناس﴾ لوگ اس کے ذریعہ چراغ جلاتے اور دیے روشن کرتے ہیں۔ پوچھنے والے کے پیش نظر یہ تھا کہ جس سے اتنے فوائد اور مصالح حاصل ہوتے ہیں وہ اس کی تجارت کی صحت کو مقتضی ہیں۔ ﴿فقال لا هو حرام﴾ ہو ضمیر کے متعلق ایک رائے اور قول یہ ہے کہ فانہا تطلى بها السفن میں جو انتفاع کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس کی طرف لوٹتی ہے لیکن راجح بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ضمیر (هو) بیع کی جانب راجع ہے، کیونکہ مسائل نے صرف اس کی بیع کے بارے میں سوال کیا تھا اور گفتگو بھی اسی کیلئے کی تھی۔ اس کی تائید حدیث کا آخری حصہ ثم باعوه سے بھی ہوتی ہے۔ ﴿جملوه﴾ جیم اور میم دونوں پر فتح۔ انہوں نے اسے پگھلایا۔ اس میں مذکورہ تاویل کی بنا پر ضمیر منصوب شحوم کی طرف راجع ہے، یا پھر چربیوں میں سے جو چربی ذہن میں تھی، اس کی طرف راجع ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جس چیز کا ذکر ہوا اسے فروخت کرنا حرام ہے، بلکہ مردار کے تمام اجزاء کی فروخت حرام ہے، البتہ اس کا چمڑا جب اسے رنگ دیا جائے، اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ آغاز کتاب میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی گزر چکا ہے، ﴿ایما اهاب دبغ فقد طهر﴾ جو کچا چمڑا دباغت دے دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ جمہور نے مردار کے بالوں اور اون کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ ان پر مردار کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ اس پر زندگی وارد ہوتی ہے اور جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام نہیں کیں، ان سے فائدہ حاصل کرنے اور نفع اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ مثلاً چراغ جلانا، شکرے اور باز کو کھلانا۔ ایک رائے یہ ہے کہ ان سے انتفاع مطلقاً حرام ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں جواز ہے جن کی ظاہری اور باطنی ہیئت و شکل تبدیل ہو جائے اور علامہ خطابی نے بلاجماع ان سے انتفاع کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جب کسی کا جانور مر جاتا ہے تو اسے شکاری کتوں کے کھانے کیلئے پیش کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح مردار کی چربی سے کشتیوں کو طلاء کرنا بھی جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ عون المعبود (ج ۳) ص: ۲۹۸ میں فتح الباری کے حوالہ سے منقول ہے اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (ج ۴) ص: ۲۴۲ میں کہا ہے کہ یہ بات معلوم رہنی چاہئے کہ انتفاع کا باب، بیع سے زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جسے فروخت کرنا حرام ہے، ضروری نہیں کہ اس کا انتفاع بھی حرام ہو۔ ان دونوں کے مابین تلازم نہیں ہے لہذا جس چیز کا فروخت کرنا حرام ہے اس سے حرمت انتفاع اخذ نہیں کی جائے گی۔ اصنام (بتوں) کی خرید و فروخت تو صرف اس لئے حرام کی گئی ہے کہ یہ شرک کے آلات میں سے ایک آلہ ہیں

اور اسی سے ہر آلہ شرک کی حرمت مستفید ہوتی ہے اور اسی پر باجے اور گانے بجانے کے آلات کو قیاس کیا گیا ہے اور شراب کی حرمت میں ہر نشہ آور چیز کی حرمت شامل ہو گئی۔ خواہ وہ چیز مائع (بننے والی) ہو یا منجمد و جامد۔ کشید کی گئی ہو یا پکا کر تیار کی گئی۔ یہ حدیث تین قسم کی اجناس کی حرمت پر مشتمل ہے۔ مشروبات (پینے کی اشیاء) جو عقل کو فاسد کر دیتے ہیں۔ کھانے جو طبع میں فساد پیدا کرتے ہیں اور خبیث غذا بنتے ہیں اور نقود (دولت) جو فساد ادیان کا باعث ہوتے ہیں اور فتنہ اور شرک کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (الحدی) اس حدیث میں تنبیہ شدید ہے کہ ہر وہ حیلہ جو حرام کو حلال بنانے کے راستے کی طرف لے جاتا ہو وہ باطل ہے۔

(۶۵۰) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا اخْتَلَفَ فَرْخُكَ وَالْوَاحِدُ فِي شَيْءٍ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالْقَوْلُ مَا يَقُولُ رَبُّ السَّلْعَةِ أَوْ پَاسْ نَهْ تَو صَاحِبُ مَالِ كِي بَات مَعْتَبَرُ هُو كِي يَا وَه يَنْتَارَكَانِ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. (اے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اذا اختلف الفرخ والواحد﴾ متبايعان سے مراد سودا فروخت کرنے والا اور خریدنے والا۔ اختلاف خواہ تعین قیمت میں ہو، یا فروخت شدہ چیز کے بارے میں، یا کسی شرط کے طے کرنے میں ﴿بینة﴾ یعنی شہادت و گواہی اور دلیل ﴿رب السلعة﴾ فروخت شدہ چیز کا مالک اور ﴿السلعة﴾ سین کے نیچے کسر اور لام ساکن۔ یعنی ساز و سامان ﴿ينتاركان﴾ دونوں فروخت شدہ چیز کو واپس کر دیں اور بیچ کو فسخ کر دیں اور صاحب مال کی بات کو تسلیم کیا جائے گا، جب کہ قواعد شرع کے مطابق وہ قسم کھائے، جس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا قسم بھی اسی پر لازم ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین کسی چیز کے بارے میں اختلاف واقع ہو جائے تو فروخت کرنے والے کی بات کو ترجیح ہوگی، ورنہ خریدار اپنی ادا شدہ رقم واپس لے اور فروخت کرنے والا اپنی فروخت شدہ چیز واپس لے اور سودا فسخ کر دیا جائے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہی چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ فروخت کنندہ کو قسم کھا کر کہنا ہوگا کہ جو بیان میں دے رہا ہوں وہ درست اور ٹھیک ہے اور قسم بھی شرعی قواعد کے مطابق ہوگی۔

(۶۵۱) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا اخْتَلَفَ فَرْخُكَ وَالْوَاحِدُ فِي شَيْءٍ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالْقَوْلُ مَا يَقُولُ رَبُّ السَّلْعَةِ أَوْ پَاسْ نَهْ تَو صَاحِبُ مَالِ كِي بَات مَعْتَبَرُ هُو كِي يَا وَه يَنْتَارَكَانِ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. (اے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

مضائقہ و حرج نہیں تھا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دونوں کیلئے اس میں نرمی و آسانی تھی اور دونوں کی مصلحت کی رعایت بھی تھی۔ پس حدیث میں اس سے زائد شرط کی کوئی دلیل نہیں کہ فروخت کنندہ اور خریدار کی مصلحتوں کا جو خاطر خواہ لحاظ رکھا گیا ہے، وہ جائز ہے، یوں نہیں کہ یہ شرط مطلقاً جائز ہے، خواہ خریدار کا اس میں نقصان ہی ہو اور نہ ہی مطلقاً ممنوع ہے، کیونکہ اس میں بغیر کسی مناسب وجہ کے حدیث کی تردید پائی جاتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی سے از خود یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنی فلاں چیز اسے فروخت کر دے، جائز ہے۔ قیمت طے کرنا اور قیمت میں کسی کا تقاضا کرنا بھی جائز ہے۔ اگر سواری ہو تو یہ شرط لگانا کہ میں اپنے گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا، جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کسی کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو یا رہائشی جگہ ہو تو خریدار سے کچھ مدت تک کیلئے رہائش کی شرط طے کرنا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مکان فروخت کیا۔ خریدار سے ایک ماہ تک رہائش کی شرط طے کر لی۔ اس حدیث سے یہ بھی مترشح ہو رہا ہے کہ کسی چیز کی قیمت کم کرانے میں جائز حدود سے اپنے اثر و رسوخ اور منصب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔ اسوۂ رسول سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ایثار سے کام لینا چاہئے اور اپنے بھائی کی حیثیت کا خیال رکھنا چاہئے۔ نیز اونٹ کی تیز رفتاری سے حضور ﷺ کا معجزہ بھی ثابت ہوا۔

(۶۵۳) وَعَنْهُ قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِّنَّا حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ عَبْدًا لَهُ عَن دُبُرٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ہم میں سے کسی شخص نے اپنا غلام مدبر کر دیا۔ اس غَیْرُهُ، فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَبَاعَهُ. مَنَّقَ غلام کے سوا اس کے پاس اور کوئی مال نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے اس غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔
(بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿رجل منا﴾ بعض انصار میں سے کوئی آدمی۔ اس کا نام ابو مذکور انصاری تھا اور اس کے غلام کا نام یعقوب تھا اور وہ قبلی تھا۔ عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے آغاز ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ ﴿دبر﴾ دال اور بادونوں پر ضمہ، معنی پیچھے۔ کسی چیز کا آخری حصہ۔ یعنی اس نے غلام سے کہا کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ ﴿فباعہ﴾ آپ نے اسے آٹھ سو درہم میں فروخت کر دیا اور نعیم بن نعام رضی اللہ عنہ نے اسے خرید لیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ مقروض تھا، اسی لئے آپ نے اسے فروخت کیا تاکہ اس کا قرضہ اتار دیا جائے۔) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام کو ضرورت و حاجت کے وقت فروخت کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اہل حدیث اور عام فقہاء اس کی مطلقاً فروخت کے قائل ہیں۔ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر فروخت کرنا جائز ہے۔

(۶۵۴) وَعَنْ مِثْمُونَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے

روایت ہے کہ ایک چوبیا گھی میں گر کر مر گئی۔ اس کے متعلق نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ (جواب میں) آپؐ نے فرمایا ”اسے نکال کر باہر پھینک دو اور اس کے ارد گرد کا گھی بھی باہر ڈال دو اور (بقیہ) استعمال کر لو۔“ (بخاری) نسائی اور احمد نے اتنا اضافہ نقل کیا ہے۔ ”منجد گھی میں۔“

(۶۵۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِي السَّنَنِ، فَإِنْ كَانَ جَامِداً فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَائِعاً فَلَا قَرِيبَ بِهِيَ نَهْ يَهْكُو.» (اسے احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور ابوحاتم نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے) عَلَيْهِ الْبَخَارِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ بِالزَّهَمِ.

حاصل کلام: ﴿ماحولہا﴾ وہ حصہ جو اس چوہے کے جسم سے لگ ہو گیا ہو۔ ﴿مائعاً﴾ پنے والا سیال ہو۔ اسے باہر پھینکنے کا حکم اور اس کے قریب پھینکنے کی ممانعت، اس بات کی دلیل ہیں کہ نجس چکنائی (گھی، تیل) سے انشاع مطلقاً جائز نہیں۔ لیکن پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ انشاع کا باب، باب بیع سے کیس زیادہ وسیع ہے۔ تمام دلائل میں تطبیق یوں ہے کہ یہ ممانعت صرف انسان کے کھانے اور بطور تیل استعمال کرنے پر محمول ہے۔ جب اس کا کھانا اور بطور تیل استعمال کرنا درست نہیں تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا بالاولیٰ حرام ہے۔

جلد اور مائع کا فرق اس لئے ہے کہ جلد میں چوہے کی تمیز ہو سکتی ہے جبکہ مائع میں اس کا امکان نہیں کہ کس اور کتنے حصہ سے چوہے کا بدن ملوث ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور ابوحاتم رحمہ اللہ نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مسند میمونہ کی ہے۔ مسند ابی ہریرہ سے نہیں ہے، لہذا اس پر وہم کا حکم سند کے اعتبار سے ہے متن کے اعتبار سے نہیں۔

(۶۵۶) وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ ثَمَنِ السَّنُورِ وَالْكُتْبِ. فَقَالَ: زَجَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتَّسَنُّيُّ وَزَادَ: «إِلَّا

حضرت ابو الزبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رحمہ اللہ سے بلی اور کتے کی قیمت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے اس بارے میں زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ (مسلم و نسائی) اور

کَلْبَ صَنِيدٍ۔ نسائی میں اتنا اضافہ ہے کہ ”شکاری کتے کے علاوہ۔“

لعنوی تشریح: ﴿السُّنُور﴾ سین کے نیچے کسرہ اور نون پر تشدید اور فتح، واو ساکن، معنی بلا۔ ﴿زَجَر﴾ ڈانٹ ڈپٹ کر روک دیا، منع کر دیا۔ نہی دراصل تحریم کیلئے ہے۔ بالخصوص جبکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی ساتھ ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلی کا فروخت کرنا حرام ہے۔ یہ رائے ایک گروہ کی ہے اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اس کا فروخت کرنا جائز ہے اور اس حدیث میں جو نہی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے اور اس کا فروخت کرنا مکرم اخلاق اور مروت میں سے نہیں۔ یہ بات بھی مخفی نہیں کہ بغیر کسی مقتضی کے نہی کو اس کے حقیقی معنی سے خارج کرنا درست نہیں، جیسا کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور جو شکاری کتے کے استثناء کا اضافہ ہے تو اس کے متعلق نسائی نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس لفظ سے باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ صاحب سبل السلام نے کہا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوالزبیر﴾ محمد بن مسلم بن مدرس الاسدی المکی، یہ حکیم بن حزام کے غلام تھے، تابعی تھے۔ ان کے ثقہ ہونے اور ان کی روایت کے جنت ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے، البتہ مدلس ہیں۔ ۱۲۸ھ کو فوت ہوئے۔

(۶۵۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ، فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتِبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَةً، فَأَعِينِي! قُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكَ أَنْ أَعِدَّهَا لَهُمْ، وَيَكُونُوا وَلَآؤُكَ لِي، فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ فَإِنَّمَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا (لوندی) میرے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کر لی ہے کہ ہر سال میں ایک اوقیہ ادا کرتی رہوں گی۔ لہذا میری (اس بارے میں) مدد کریں۔ میں نے (اسے) کہا کہ اگر تیرے مالک کو یہ پسند ہو کہ میں تیری مجموعی رقم یکمشت ادا کر دوں اور تیری ولاء میری ہو جائے تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔ بریرہ رضی اللہ عنہا یہ تجویز لے کر اپنے مالک کے پاس گئی اور ان سے یہ کہا تو انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس سے واپس آئی، اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں کے سامنے وہ تجویز پیش کی تھی، مگر انہوں نے اسے تسلیم کرنے

الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ»، فَفَعَلْتُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّاسِ خَطِيبًا، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةً شَرْطٍ، قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». ثُمَّ قَالَ: وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَعِنْدَ مُسْلِمٍ: قَالَ: «اشْتَرَيْهَا، وَأَغْنَيْنَهَا، وَاشْتَرِطَنِي لَهُمُ الْوَلَاءَ».

یہ بات نبی ﷺ نے سنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس واقعہ سے نبی ﷺ کو باخبر کیا۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا ”اسے لے لو اور ان سے ولاء کی شرط کر لو کیونکہ ولاء کا حق دار وہی ہے جو اسے آزادی دے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں میں خطاب فرمانے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا ”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ (یاد رکھو! کہ) جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے، خواہ سینکڑوں شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ نہایت برحق ہے اور اللہ کی شرط نہایت ہی پختہ اور پکی ہے۔ ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے۔“ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں) مسلم کے ہاں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اسے خرید لو اور آزاد کر دو اور ان سے ولاء کی شرط کر لو۔“

لعنوی تشریح: ﴿کاتبت﴾ مکاتب سے ماخوذ ہے۔ مکاتب وہ پیمان ہے جو مالک اور اس کے غلام کے مابین ایک متعین رقم کے بدلہ میں طے ہوتا ہے کہ غلام جب وہ طے شدہ رقم ادا کر دے، وہ آزاد ہے۔ ﴿اہلی﴾ میرے مالک و آقا اور وہ قبیلہ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ ﴿اواق﴾ اوقیہ کی جمع ہے، ایک اوقیہ چالیس درہم (سکہ چاندی) کا ہوتا ہے۔ ﴿فی کل عام اوقیہ﴾ یعنی قسط وار۔ ہر سال ایک اوقیہ خرید و فروخت میں اس طرح قسط طے کر لینا جائز ہے، یہ شرط کے طور پر نہیں تھا۔ ﴿فاعینسی﴾ اعانہ سے ماخوذ ہے۔ امر سے مؤنث مخاطبہ کا صیغہ۔ مطلب ہے کہ میری مدد و اعانت کرو۔ ﴿الولاء﴾ ولاء کی واؤ پر فتح۔ مالک اور غلام کے درمیان آزادی سے حاصل ہونے والا ربط۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مالک آزاد کردہ غلام کی میراث کا مستحق ہو جاتا ہے جبکہ اس کے نہ اصحاب فروض ہوں اور نہ ہی نسبی عصبہ۔ ﴿فابوا﴾ اباء سے ماخوذ ہے۔ انہوں نے اس شرط کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿خذبھا﴾ اخذ سے امر کا صیغہ ہے۔ اسے خرید کر لے لو۔ ﴿واشترطی لھم الولاء﴾ اور تو ان سے ولاء کی شرط کر لے۔ یہاں لام علی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے۔ ”وان اساتم

(جو وہم ہے)

لغوی تشریح: ﴿عَنْ بَيْعِ امْهَاتِ الْاَوْلَادِ﴾ ان لونڈیوں کی بیع جن کی ان کے مالکوں سے اولاد پیدا ہو چکی ہو۔ ﴿لَيْسَ مَتَّعَ بِهَا﴾ اس کا مالک فائدہ اٹھائے۔ ﴿مَابِدَا﴾ جب تک چاہے۔

حاصل کلام: امہات الاولاد کا واحد ام ولد ہے، اس لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک کا بچہ جنم دے۔ جب تک مالک زندہ رہے اس وقت تک وہ اس کی لونڈی ہے، اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جب فوت ہو جائے تو از خود آزاد ہو جاتی ہے۔ آقا کی اولاد کا اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں رہتا۔ لونڈی جب مالک سے بچہ جنم دے دے تو کیا اسے بیچا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ام ولد کی خرید و فروخت حرام ہے۔ خواہ بچہ زندہ ہو یا نہ ہو۔ مگر امام داؤد ظاہری کے نزدیک یہ جائز ہے۔ آگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ممانعت کا فرمان حرمت بیع کی تائید کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان اس وقت کا ہو جب بیع کی ممانعت کا فرمان جاری نہ ہوا ہو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے مرفوع ہونے سے اختلاف ہے۔ محدثین کے طریق پر یہ حدیث اس حیثیت سے مرفوع ہو سکتی ہے کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ عموماً صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو قبول کیا ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے۔

(۶۵۹) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ ہم ام ولد تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَبْنِعُ سَرَادِينَا لَوْنْدِيَّوْنَ كُوْنِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کی موجودگی میں فروخت کر دیا اُمّهَاتِ الْاَوْلَادِ، وَالنَّبِيِّ ﷺ حَيًّا، کرتے تھے۔ آپ اس میں کوئی قباحت و مضائقہ لَا يَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَابْنُ نَهْسٍ سمجھتے تھے۔ (اسے نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی تینوں مَاجِهٌ وَالدَّارِقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿سَرَادِينَا﴾ اس میں ”یا“ پر تشدید، سربہ کی جمع ہے، سربہ کے ”سین“ پر ضم ”را“ پر تشدید اور ”یا“ پر بھی تشدید۔ لونڈی جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ یہ حدیث ام الولد کی بیع کے جواز کی مقتضی ہے، لیکن اکثر علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ متاخرین کی ایک جماعت نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسے فروخت کرنے سے منع کرنا اور صحابہؓ کا مخالفت نہ کرنا، اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی ممانعت پر متفق تھے اور ان کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے ایما امراء ولدت من سبدها فہی معتقة عن دبرمنہ کہ جو لونڈی اپنے مالک سے بچہ کو جنم دے، وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ اسے احمد، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق اور الفاظ ہیں۔ ملاحظہ ہو عون المعبود (ج ۴، ص: ۴۷) اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل عام اور ضابطہ کلیہ پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ

ہے کہ لونڈی جو ام الولد ہو، مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ اس اصل پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب ام الولد لونڈی کی بیع ممنوع ہو اور ربی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت تو وہ بہت سے احتمالات رکھتی کسی وقت کسی فعل پر مجرد خاموشی ایسی تحدید کی معرفت فراہم نہیں کرتی جو اصل عام اور ضابطہ کلیہ کا مقابلہ کر سکے۔

(۶۶۰) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَزْدَ مِنْهُ أَنْ يَبْعَ فِضْلُ فَرْخَتِ كَرْنِ سَمْعِ فَرَامِ نَحْنِ كَرْتِ جَوَاصِلِ عَامِ أَوْرَضَابِلِ كَلِيَهْ كَامْقَابِلِ كَرَسَكِ۔
(۶۶۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَزْدَ مِنْهُ أَنْ يَبْعَ فِضْلُ فَرْخَتِ كَرْنِ سَمْعِ فَرَامِ نَحْنِ كَرْتِ جَوَاصِلِ عَامِ أَوْرَضَابِلِ كَلِيَهْ كَامْقَابِلِ كَرَسَكِ۔
معاوضہ لینا بھی ممنوع ہے۔

لغوی تشریح: ﴿عن بیع فضل الماء﴾ زائد از ضرورت پانی سے مراد وہ پانی ہے جو ایسی مباح زمین میں ہو جو کسی اور کی ملکیت نہ ہو، اس پر جو سبقت کر کے پہلے بیچ جائے، اس کیلئے خود پانی پینا، اپنی زمین کو سیراب کرنا اور جانوروں کو پلانا درست ہے۔ اپنی ساری ضرورت پوری کرنے کے بعد جتنا کچھ پانی بیچ جائے اسے فروخت کرنا، اس کیلئے جائز نہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ایک آدمی اپنی ملکیت والی زمین میں گڑھا کھودتا ہے اور اس میں باہر سے پانی ذخیرہ کر لیتا ہے، یا اپنی زمین میں کنواں کھودتا، یا اس میں چشمہ پھوٹ پڑتا ہے تو بلا ریب وہ دوسرے کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہے۔ اب اس پر واجب و لازم نہیں کہ جو اس کی اپنی اور مویشیوں کی ضرورت کے بعد بقیہ پانی ہے، وہ اسے بطور عطیہ و بخشش کے دوسرے کو دے۔ عام فقہاء کی یہی رائے ہے، مگر شوکانی نے نیل الاوطار میں بیان کیا ہے ”بظاہر اپنی مملوکہ زمین میں جمع ہونے والے پانی اور مباح زمین میں پائے جانے والے پانی کا کوئی فرق نہیں خواہ وہ اپنے پینے کیلئے ہو، یا غیر کیلئے، خواہ جانوروں کی ضرورت کیلئے ہو، یا زمین کو سیراب کرنے کیلئے، خواہ وہ کسی وسیع بیابان میں ہو، یا اور کسی دوسری جگہ“ رہا اس آدمی کا معاملہ جس نے اپنے مشکیزے یا برتن میں پانی ذخیرہ کیا ہو تو وہ اس حدیث میں مذکور نہیں۔ وہ تو دوسرے مباحات کی طرح ہے کہ جب وہ اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے، مثلاً لکڑیاں، گھاس اور نمک وغیرہ تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے (الہدیٰ، ج ۴ ص ۲۵۹) میں وضاحت کی ہے۔ ﴿وعن بیع ضراب الجمل﴾ الضراب میں ضاد کے نیچے کسرہ۔ نہ جانور کا اپنی مادہ سے جفتی کرنے کو کہتے ہیں، تاکہ وہ نہ اس جفتی سے مادہ کو حاملہ کر دے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس جفتی کا کرایہ اور اس کے ڈالے ہوئے پانی کی اجرت و معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ جمہور کے نزدیک بھی تحریم کیلئے ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

(۶۶۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَزْدَ مِنْهُ أَنْ يَبْعَ فِضْلُ فَرْخَتِ كَرْنِ سَمْعِ فَرَامِ نَحْنِ كَرْتِ جَوَاصِلِ عَامِ أَوْرَضَابِلِ كَلِيَهْ كَامْقَابِلِ كَرَسَكِ۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ کی جفتی کے معاوضہ کو ممنوع قرار دیا

عَنْ عَسْبِرِ الْفَحْلِ . رَوَاهُ . (بخاری)

الْبَخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿عَسْبِرِ الْفَحْلِ﴾ دونوں گلے اپنے پہلے حرف پر فتح کے ساتھ ہیں اور دوسرے کے سکون کے ساتھ۔ ”فحل“ نر حیوان کو کہتے ہیں، گھوڑا ہو، یا اونٹ، یا بکرا وغیرہ اور عسب کہتے ہیں نر کی جفتی کو، یا اس سے خارج ہونے والے پانی کو، یا اس کی نسل اور اولاد کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور جفتی کے عوض کرایہ دینے کو بھی کہتے ہیں، جیسا کہ صاحب قاموس نے کہا ہے اور اس حدیث میں بھی کامور دراصل وہ معلوضہ ہے جو نر کی جفتی کے عوض لیا جاتا ہے۔

(۶۶۲) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا بَتَّائِعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَتَنَاقُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجَجَ الْتِي فِي بَطْنِهَا. مُتَّفَقٌ وَه (ایک آگے بچہ) جنے۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿حَبْلِ الْحَبْلَةِ﴾ حبل اور حبلہ دونوں پر فتح ہے اور حبل مصدر ہے۔ مراد اس سے حمل ہے یعنی پیٹ میں جنین اور حبلہ، حامل کی جمع ہے جیسے ظلمة اور كسبة ظالم اور کاتب کی جمع ہے اور حامل جس کے پیٹ میں بچہ ہو۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنین کی فروخت ممنوع ہے، جبکہ وہ اپنی ماں کے شکم میں ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مادہ کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے، اس کا بچہ فروخت کرنا ممنوع ہے۔ یعنی اونٹنی کے حمل کا حمل۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع معدوم اور مجہول دونوں پہلو رکھتی ہے۔ اور اس پوزیشن میں ہیں کہ اس کو قبول کیا جائے، کیونکہ ایک طرح یہ دھوکے کی بیع ہے اور یہ قول بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی شے کی بیع اس وقت تک کہ اونٹنی بچہ جنم دے، یا اس اونٹنی کا بچہ جوان ہو کر بچے جنے۔ اس میں بھی کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع ایسی ہے جس کی مدت نامعلوم ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جس بیع کی ممانعت مذکور ہے، اس کی دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں: ایک یہ کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے، وہ پیدائش کے بعد جوان ہو کر جو بچہ جنے گی، اسے میں خریدتا ہوں اور اس کی قیمت اتنی آج مجھ سے لے لو اور دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ یہ اونٹنی میں تجھے دیتا ہوں اس قیمت پر کہ یہ جو بچہ جنے گی، اس کا بچہ مجھے دیتا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی تو کیفیت و ہیئت اور نوعیت ہی نامعلوم اور مجہول ہے، اس لئے مجہول اور نامعلوم چیز کا فروخت

کرنا، اسلام میں ممنوع ہے۔ نیز اس میں دھوکہ دہی کی بیع کا بھی اشتباہ ہے اور بیع غرر بھی اسلام میں ممنوع ہے۔ یہی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ اور اسحق رحمہ اللہ وغیرہ کا۔ اس کی جو تفسیر وکان بیعاً الخ کے ساتھ نافع یا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائیگی قیمت کی میعاد مقرر کی جاتی تھی، اس طرح کہ جو بچہ اس وقت اونٹنی کے پیٹ میں زیر پرورش ہے اس کے جوان ہونے پر جو بچہ پیدا ہو گا وہ اس اونٹ کی قیمت ہوگی۔ اس تفسیر کو امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ وہ اس صورت میں ممانعت کی توجیہ کرتے ہیں کہ رقم کی ادائیگی کی میعاد غیر متعین ہے، اس لئے ایسی بیع بھی ممنوع ہے۔

(۶۶۳) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هَبْتِهِ. مَثَقٌ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کے فروخت کرنے اور اس کے حبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں ولاء کے فروخت کرنے اور اسے حبہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ولاء وراثت کے حق کو کہتے ہیں۔ جو آزاد کرنے والے کو آزاد کردہ غلام کی طرف سے ملتا ہے۔ اہل عرب آزاد ہونے والے کی وفات سے پہلے ہی غلام کو فروخت کر دیتے، یا ہمہ کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ممنوع قرار دے دیا، تاکہ ولاء آزاد کرنے والے کے وارثوں کو ملے، یا اگر خود زندہ ہے تو وہ خود حاصل کر لے۔ لہذا ایسے غلام کا فروخت کرنا یا اسے ہمہ کرنا جائز نہیں۔ جمہور علماء سلف و خلف سب کا یہی مسلک ہے۔

(۶۶۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینک کر تجارت کرنے اور دھوکہ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ، وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ. کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عن بيع الحصة﴾ یہ مصدر کی اضافت اپنی نوع کی طرف ہے۔ مصدر کی اضافت اس کے مفعول کی طرف نہیں ہے اور کنکری پھینک کر بیع کی نوعیت یہ تھی کہ فروخت کرنے والا کتنا تھا کہ یہ کنکری پھینکو جس کپڑے پر جا لگی، وہ درہم کے عوض تمہارا اور اس کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنی اتنی زمین اسے فروخت کر دے گا جہاں پھینکی ہوئی کنکری پہنچے گی اور یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنی مٹھی میں کنکریاں بند کر کے کہتا۔ فروخت شدہ چیز کے بدلے جتنی کنکریاں میری مٹھی سے نکلیں، اتنی چیزیں میری ہوں گی، یا وہ کوئی سودا فروخت کرتا اور اپنی مٹھی میں کنکریاں بند کر لیتا اور کہتا کہ ہر کنکری کے بدلہ میرا ایک درہم اور یہ تفسیر بھی ہے کہ ایک مٹھی بند کر لیتا اور اس کے ایک ہاتھ میں کنکریاں ہوتیں اور وہ کہتا جو مٹی کنکریاں نیچے گریں بیع واجب ہو جائے گی اور یہ تفسیر بھی ہے کہ دونوں سودا کرتے اور ایک دوسرے سے کہتا کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینکوں، بیع واجب ہو جائے گی اور یہ تفسیر بھی ہے کہ

بکریوں کا ریوڑ اس کے سامنے آتا اور وہ کنکریاں مٹھی میں پکڑ کر کہتا جس بکری کو یہ کنکری جا لگے وہ تمہاری اتنی قیمت کے بدلہ۔ یہ تمام صورتیں فاسد ہیں، کیونکہ مال کو ناحق و باطل طریقہ سے، نیز ایسے دھوکہ اور ایسی شرط لگا کر کھانے کو، جس میں قمار و جوئے کا اشتباہ ہے، متضمن ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیم نے (الہدی: ج ۴، ص: ۲۶۶) میں بیان کیا ہے۔ ﴿وعن بیع الغرر﴾ اس میں مصدر کی اضافت اپنے نوع کی طرف ہے اور ”غرر“ کے غین اور راء دونوں پر فتح ہے۔ اس دھوکہ اور فریب کو کہتے ہیں جس میں یہ گمان ہو کہ جب بیع واقع ہوگی تو اس وقت رضامندی ہوگی یا نہیں اور جس کا انجام نامعلوم ہے۔ اس خطرے کی وجہ سے جس کے متعلق معلوم ہی نہیں کہ آیا یہ بیع متحقق بھی ہوگی یا نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دھوکہ کی خرید و فروخت سے ممانعت کتاب الیبوع کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور اس میں بے شمار اور ان گنت مسائل داخل ہیں۔ مثلاً بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کرنا۔ معدوم و مجہول شے کی بیع۔ جسے آدمی کسی کے سپرد کرنے کی قدرت ہی نہ رکھتا ہو اور وہ چیز جس پر بیچنے والے کی ملکیت مکمل نہ ہوئی ہو۔ کثیر پانی میں موجود مچھلی کی بیع، جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع، پیٹ میں موجود جینن کی بیع اور مبہم (غیر واضح) غلہ کے انبار و ڈھیر میں سے بعض حصہ کی بیع۔ بہت کپڑوں میں سے کسی ایک کپڑے کی بیع اور بہت سی بکریوں میں سے کسی ایک بکری کی بیع وغیرہ، ایسی ہی دیگر مثالیں موجود ہیں۔ اس قسم کی ہر بیع باطل ہے، کیونکہ اس میں بلا ضرورت دھوکہ پایا جاتا ہے۔ معلوم رہے کہ بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع حبل الحبلہ، بیع الحصاة اور عسب الفحل وغیرہ سے ملتی جلتی بیوع کی ایسی صورتیں جن کے بارے میں بالخصوص نصوص وارد ہیں، یہ سب دھوکہ کی بیع کی ممانعت میں داخل ہیں۔ لیکن خاص طور پر بیع غرر کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دور جاہلیت کی مشہور و معروف بیوع میں سے ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

(۶۶۵) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول قَالَ: مَنْ اشْتَرَى طَعَامًا فَلَا يَبِيعُهُ اللَّهُ ﷻ نے فرمایا ”جو شخص کوئی غلہ خریدے تو حَتَّى يَكْتَالَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. جب تک اسے ماپ نہ لے، اسے آگے فروخت نہ کرے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿حتی یکتالہ﴾ یعنی جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے اور ناپ تول نہ لے۔ یعنی جب ایک شخص کوئی چیز ناپ کر لیتا ہے اور اس پر اپنا قبضہ بھی کر لیتا ہے، اس کے بعد اسے فروخت کرتا ہے تو اسے پہلی ناپ تول پر آگے فروخت کرنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک کہ از سر نو اسے ناپ یا تول نہ لے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ دوسرے شخص کو فروخت کرتے وقت نئے سرے سے اسے ناپنے یا تولنے کے حکم کی وجہ اور علت عین ممکن ہے یہ ہو کہ دوبارہ وزن کرنے سے یہ متحقق ہو جائے کہ تول و ماپ میں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ (تخصیص از سبل السلام)

رَوَاهُ الْحَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التَّوَمِيذِيُّ وَابْنُ حُزَيْمَةَ نَحْنُ اور جو تیرے (اپنے) پاس موجود نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز و حلال نہیں۔“ اسے پانچوں نے

وَأَخْرَجَهُ فِي غُلُومِ الْحَدِيثِ، مِنْ رِوَايَةِ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ عَمْرِو الْمَذْكُورِ، بِلَفْظٍ «نَهَى عَنْ بَيْعِ» ابوحنیفہ کی روایت سے مذکورہ عمرو رضی اللہ عنہ کے واسطے وشرطاً. وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ أَخْرَجَهُ سَے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ”آپ“ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَهُوَ غَرِيبٌ. نے بیع شرط کے ساتھ منع فرمائی ہے“ (اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اسی طریق سے نقل کیا ہے اور وہ غریب ہے)

لغوی تشریح: ﴿سلف﴾ سین، لام، دونوں پر فتح۔ قرض ﴿وبیع﴾ قرض کے ساتھ۔ یعنی ایسی بیع حلال نہیں جس میں قرض کی شرط ہو۔ بایں طور کہ وہ کہے کہ میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ دس روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض دے، یا یوں کہے کہ میں تمہیں دس روپے قرض دیتا ہوں، بشرطیکہ تم اپنا سامان مجھے فروخت کرو اور میرے سوا کسی اور کو نہ بیجو۔ ﴿ولا شرطان فی بیع﴾ اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک بیع میں دو بیع ہیں اور امام احمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی شکل یہ ہے کہ میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں، اس شرط پر میں ہی اسے درزی سے سلواؤں گا اور میں ہی اس کی کٹائی کروں گا۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ترمذی نے ذکر کیا ہے ﴿ولا ربح مالم یضمن﴾ ربح کے معنی منافع اور فعل صیغہ مجہول ہے۔ یعنی جب تک وہ اس کا مالک نہ ہو اور اسے اپنے قبضہ میں نہ لے۔ یعنی کسی سلمان کا منافع حاصل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اسے خرید کر اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔ پس جب اسے اپنے قبضہ میں لے لے گا اور وہ چیز اس کی ضمانت میں داخل ہو جائے گی تو اس وقت اس کا فروخت کرنا اور اس پر منافع لینا جائز ہے۔ ﴿مالیس عندک﴾ ایسی چیز کی خرید و فروخت جو فروخت کے وقت اس کی ملکیت میں نہ ہو۔ ﴿نہی عن بیع و شرط﴾ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ مسلمانوں کی کتابوں میں اس کا کچھ بھی وجود نہیں، یہ تو منقطع حکایات میں بیان کی گئی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ ائمہ اربعہ میں سے ایک مشہور و معروف امام۔ نعمان بن ثابت کوئی نام۔ بنو تیم اللہ بن ثعلبہ کے مولیٰ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ابناء فارس میں سے ہیں۔ ریشم فروش تھے۔ روایت حدیث میں ایک جماعت نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے لوگوں نے ضعیف۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فقہ میں میں نے ان کا شیل نہیں دیکھا۔ اپنی خدا داد شہرت کی وجہ سے تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں۔ فقہ، ورع، زہد اور سخاوت میں مشہور ہیں۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں

وفات پائی۔

(۶۶۸) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ. رَوَاهُ مَالِكٌ، قَالَ: بَلَغَنِي عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعْبَةَ بِهِ.

حضرت عمرو بن شعیب ہی نے اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عریان سے منع فرمایا۔ (اسے مالک نے روایت کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے عمرو بن شعیب سے یہ روایت پہنچی ہے)

لغوی تشریح: ﴿عریان﴾ عین پر ضمہ اور ”را“ ساکن۔ عریان۔ بیعانہ کو کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے پلاٹ یا مکان کا سودا کیا۔ قیمت طے ہونے کے بعد خریدار نے فروخت کنندہ کو ہزار روپیہ بیعانہ کے طور پر ادا کر دیئے اور مدت طے کر لی کہ اتنی مدت تک اگر میں نے باقی رقم ادا کر دی تو مکان میرا اور رقم کی ادائیگی کے موقع پر ہزار روپیہ بیعانہ والا وضع کر لوں گا، اگر میعاد مقررہ پر بقیہ رقم ادا نہ کر سکوں تو ہزار روپیہ بیعانہ تمہارا۔

حاصل کلام: امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اسی روایت کی بنا پر اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں، مگر یہ روایت قطعی بلاغات میں سے ہے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں یہ متصل بھی مروی ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور امام احمد رحمہ اللہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ (ابل)

(۶۶۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ابْتِئْتُ زَيْنًا فِي السُّوقِ، فَلَمَّا اسْتَوْجَبْتُهُ لَقِيَنِي رَجُلٌ فَأَعْطَانِي بِهِ رِبْحًا حَسَنًا، فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِي بِذِرَاعِي فَالْتَفْتُ فَإِذَا هُوَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، فَقَالَ: لَا تَبِعْهُ حَيْثُ ابْتِئْتَهُ، حَتَّى تَحُوزَهُ إِلَى رَحْلِكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ السَّلْعُ حَيْثُ تُبْتَنِعُ، حَتَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَخُوزَهَا التَّجَارُ إِلَى رِحَالِهِمْ. رَوَاهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بازار سے روغن (زیتون) خریدا۔ جب میرا سودا پکا و پختہ ہو گیا تو مجھے ایک آدمی ملا جس نے مجھے اچھا منافع دینے کی پیش کش کی۔ میں نے اس آدمی سے سودا کرنے کا ارادہ کر لیا، اتنے میں پیچھے سے کسی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے کہا جس جگہ سے تم نے سودا خریدا ہے، اسی جگہ پر اسے فروخت نہ کرنا، رَحْلُكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ السَّلْعُ حَيْثُ تُبْتَنِعُ، حَتَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَخُوزَهَا التَّجَارُ إِلَى رِحَالِهِمْ۔ رَوَاهُ

کہ تاجر و سوداگر حضرات اس خریدے ہوئے مال و

أَخَذَ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ اسباب کو اپنے گھروں میں لے نہ جائیں۔ (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ وَالْحَاجِمُ۔)

ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿ابتعت﴾ اشتريت کے معنی میں۔ یعنی میں نے خریدا۔ ﴿استوجبته﴾ خرید و فروخت کے معاملہ کی صورت میں وہ میری ملکیت میں آگئی ہو۔ ﴿ان اضرب علی ید الرجل﴾ میں اس سے سودا بچتہ کر لوں۔ کیونکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا اس زمانے میں سودا طے کرتے وقت اہل عرب کی عادت تھی۔ ﴿فالتفت﴾ میں نے توجہ کی ﴿حتیٰ تحوزہ الی رحلک﴾ یعنی اسے جمع کرے، اکٹھا کر کے اپنے مکان کی طرف منتقل کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے قبضہ میں کر لے۔ خریدار کے قبضہ کی غالب صورت یہی تھی کہ وہ خریدے ہوئے مال و متاع کو اس کے محفوظ کئے جانے کی جگہ پر لے آئے۔ ﴿السلع﴾ سین کے نیچے کسرہ اور لام پر فتح۔ سلعہ کی جمع ہے سامان، مال و متاع، خریدی ہوئی چیز۔

(۶۷۰) وَعَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَيْعِ عَرْضُ كَيْمَا أَلِے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں بیع میں اونیوں کی تجارت کرتا ہوں۔ دینار میں فروخت کر کے درہم وصول کرتا ہوں اور (کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) میں فروخت تو درہم میں کرتا ہوں اور وصول (ہذا) مِنْ هَذِهِ، وَأَعْطِي هَذِهِ مِنْ هَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسَعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَتَفَرَّقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ». رَوَاهُ الْحَنَسَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ۔

تبادلہ کر لو اور خرید و فروخت کرنے والوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے رقم کا کوئی حصہ کسی کے ذمہ باقی نہ رہے تو جائز ہے۔“ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لعنوی تشریح: ﴿بالبيع﴾ بقیع الغرقہ مدینہ کا قبرستان مراد ہے۔ اسے قبرستان بنائے جانے سے پہلے یہ جگہ بطور تجارتی منڈی کے تھا اور ایک نسخہ میں ”بقیع“ بھی ہے، یعنی ”باء“ کی جگہ نون۔ جو مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ﴿فابیع بالمدنانیر﴾ دینار، سونے کا مروج سکہ۔ ﴿واخذ الدرہم﴾ درہم چاندی کا سکہ۔ سونے کے سکہ کے بدلہ میں چاندی کا سکہ لے لیتا ہوں۔ ﴿بسعیر یومہا﴾

کے سین کے نیچے کسرہ۔ منڈی کا مروج روزمرہ کا بھاؤ۔ فارسی میں اسے نرخ کہتے ہیں، یعنی دینار کے بدلہ میں دراهم لینے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ ان کا تبادلہ منڈی کے روزمرہ کے نرخ کے مطابق ہو۔ ﴿مسالم تنصرفا وبینکما شئی﴾ یعنی اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہ ہونا جب تک کہ تمہارے درمیان کسی واجب الادا چیز کی ادائیگی باقی (یعنی جدائی اور علیحدگی سے پہلے پہلے باہمی ادائیگی کر لینا) یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ سونے چاندی کا تبادلہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ دست بدست ہو اور پوری ادائیگی موقع پر ہو۔ ادھار نہ ہو۔

(۶۷۱) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ النَّجَشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿نجش﴾ نون پر فتح اور جیم ساکن۔ نجش کی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی سامان فروخت پڑا ہوا دیکھتا ہے، لوگ اس کی قیمت لگا رہے ہیں، فروخت کرنے والے مالک سامان سے خریدنے کی بات کرتے ہیں اور یہ شخص وہاں حاضر ہو کر اس سامان کی تعریف و توصیف کر کے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے، یعنی محض اس چیز کی قیمت بڑھانے کی خاطر زیادہ بولی دینا شروع کر دیتا ہے، جبکہ وہ اس چیز کا خریدار نہیں ہوتا، محض قیمت میں اضافہ کرنے کیلئے ایسا کرتا ہے، جس سے لوگوں کو دھوکا دینا اور فریب میں مبتلا کرنا مقصود ہوتا ہے، تاکہ چیز کی قیمت زیادہ لگے اور فروخت کنندہ سے پہلے ہی طے کر لیتا ہے اور طے شدہ بات کے مطابق اس سے کچھ وصول کر لیتا ہے، چونکہ یہ شخص حقیقت میں خریدار نہیں، بلکہ خریدار کے روپ میں دھوکہ باز ہے اور اس میں دھوکا پایا جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بیع بالاجماع حرام ہے۔

(۶۷۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضي الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَعَنِ الثَّنَاءِ، إِلَّا أَنْ يُقَالَ: رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ. حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ، مزابنہ، مخابره و الثناء سے منع فرمایا ہے مگر اس صورت میں (بیع اشتناء) جائز ہے کہ اس کی مقدار مقرر کر لی جائے۔ (اسے ابن ماجہ کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿المحاقلة﴾ بایوں میں کھڑی کھیتی کو غلہ کے عوض فروخت کرنا، جیسے گندم کے کھیت کے بدلہ میں گندم فروخت کرنا۔ ﴿المزابنة﴾ درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا۔ مثلاً خشک کھجوروں کے بدلہ کھجور کے درخت پر تازہ اور تر

کھجوروں کی بیج اور انگور کے بدلہ خشک انگور (کشمش) کی فروخت۔ ان دونوں میں وجہ تحریم یہ ہے کہ دونوں کی صحیح مقدار کا علم نہیں ہو سکتا کہ ترمیہ خشک ہو کر کتنا رہ جائے گا، زیادہ کا بھی امکان ہے اور کمی کا بھی۔ دونوں صورتوں میں فریقین میں سے کسی کو نقصان ہو سکتا ہے۔ جب جنس ایک ہو تو پھر برابری ضروری ہے۔ اس صورت میں بڑھوتری اور زیادتی سود ہو گا (اور سود کسی صورت میں بھی حلال نہیں۔) ﴿المخابرة﴾ بخبرہ مزارعت کا دوسرا نام ہے، وہ یہ کہ مزارع اور مالک زمین کے درمیان پیداوار کے نصف، ثلث یا ربع پر معاملہ طے ہو جائے (کہ مزارع اپنی خدمت کے بدلہ میں کل پیداوار کا ۱/۲ یا ۱/۳ یا ۱/۴ وصول کرے گا اور باقی مالک زمین کا ہو گا)۔ یہ بیع مطلقاً ممنوع نہیں، بلکہ لوگ زمین کے کسی حصہ کی پیداوار مزارع کیلئے اور کسی حصہ کی پیداوار کو مالک زمین کیلئے مخصوص کر لیتے تھے۔ بسا اوقات مزارع والا حصہ صحیح سلامت رہ جاتا اور مالک والا تباہ ہو جاتا اور کبھی اس کے برعکس ہو جاتا، اس طرح معاملہ باہمی نزاع اور جھگڑے تک پہنچ جاتا۔ اس لئے نبی ﷺ نے اس طرح کی بیع سے منع فرما دیا۔ اس طرح کا طے شدہ معاملہ کہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہو، اس کو طے شدہ حصہ، یا مقدار میں مالک زمین اور مزارع تقسیم کریں گے، مثلاً چوتھا یا تیسرا حصہ پیداوار مزارع (کاشتکار) کا اور بقیہ سارا مالک زمین کا تو اس میں کوئی مضائقہ ہے نہ حرج۔ نبی ﷺ نے بذات خود اہل خیبر سے اسی اصول پر معاملہ طے فرمایا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس بیع کو مخبرہ کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ اور سبب یہی ہے۔ ﴿الثنیاء﴾ ”ثنا“ پر ضمہ اور نون ساکن برون دنیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ”ثنا“ پر ضمہ اور نون پر فتح اور یا پر تشدید برون ثریا۔ اشتیاء سے اسم ہے اور خرید و فروخت ”ثنیاء“ یہ ہے کہ نامعلوم مقدار کا اشتیاء کرنا۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ میں یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں، مگر اس کا بعض حصہ فروخت نہیں کروں گا، اس بعض کا تعین نامعلوم ہے، یا مثلاً یہ درخت ہیں، بکریاں اور کپڑے ہیں، میں ان کو فروخت کرتا ہوں، مگر بعض کو فروخت نہیں کرتا۔ ان صورتوں میں بھی بعض کا تعین نہیں۔ ﴿الا ان تعلم﴾ ”ان تعلم“ کا تعلق آخری جز (ثنیاء) سے ہے۔ اس صورت میں بیع جائز ہوگی جبکہ مستغنی چیز کا علم ہو کہ کتنی ہے اور کونسی ہے؟ مثلاً فروخت کرنے والا یوں کہتا ہے کہ میں نے یہ درخت اور بکریاں اور کپڑے بجز اس درخت کے اور اس بکری کے اور اس کپڑے کے تمہیں فروخت کئے تو اس صورت میں یہ بیع صحیح ہوگی۔

(۶۷۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيْعَ مَحَاقِلَ، وَمَا حَاضِرَةٍ، وَالْمُحَاقِلَةُ، وَالْمُحَاضِرَةُ، وَالْمَلَامَسَةُ، وَالْمُنَابَذَةُ، وَالْمُرَابَنَةُ.

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

لعنوی تشریح: ﴿المحاضرة﴾ یعنی پھلوں اور غلہ جات کی فروخت ان کے پکنے سے پہلے۔ ﴿

کرتے ہیں، نیز یہ بھی معمول ہے کہ جب مارکیٹ و منڈی میں سامان زیادہ مقدار میں آجاتا ہے تو اس کا نرخ اور بھاؤ گر جاتا ہے اور عام لوگ اس سے زیادہ نفع کھاتے ہیں ﴿وَلَا يَبِيعُ حَاضِرُ لِبَادٍ﴾ حاضر سے مراد شہری باشندہ۔ اس میں شہروں، بڑے بڑے قصبوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کے رہنے والے سبھی داخل ہیں اور ”البادی“ سے مراد بادیہ نشین، خانہ بدوش، بادیہ اور بدو دیہاتی کے معنی میں جو شہری کے مقابلہ میں ہوتے ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اجنبی آدمی دیہات سے، یا دوسرے شہر سے ایسا ساز و سامان جس کی سبھی کو ضرورت ہے، اس روز کے نرخ کے مطابق فروخت کرنے کیلئے لے کر آتا ہے، مگر اسے شہری کہتا ہے کہ اس سامان کو میرے پاس چھوڑ دے، تاکہ میں اسے بتدریج اعلیٰ نرخ پر بیچ دوں۔ (انتہی) ﴿مَاقُولًا لَا يَبِيعُ الْخَبْءُ﴾ یعنی اس قول کا کیا مطلب ہے کہ شہری دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے؟ ﴿سَمْسَادًا﴾ سین کے نیچے کسر، میم ساکن، ایسا دلال جو بڑھ کر بولی دینے والا ہو۔ سبیل السلام میں ہے کہ اس کے اصل معنی تو ناظم و منتظم کے ہیں جو معاملہ کا نگران و نمائندہ ہو اور حفاظت کرنے والا ہو۔ پھر دوسرے کا مال معاوضہ لے کر فروخت کرنے کی وجہ سے خرید و فروخت کا نگران و محافظ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

راوی حدیث: ﴿طَاوُسٌ﴾ ان کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے اور نسب یوں ہے۔ طَاوُسُ بْنُ كَيْسَانَ حِمِيرِي۔ حمیر قبیلہ والوں کے مولا ہیں۔ فارسی النسل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ذکوان ہے اور طَاوُسُ ان کا لقب ہے۔ ثقہ ہیں۔ نہایت فاضل فقیہ ہیں اور تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پچاس صحابہ کرامؓ کو پایا ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ طَاوُسُ جنتی ہے۔ عمرو بن دینارؓ کا قول ہے کہ میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

(۶۷۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتُ ابُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَلْقُوا الْجَلْبَ، فَمَنْ تَلَقَّى آگے جا کر نہ ملو۔ جس کسی سے راستہ ہی میں ملاقات فَأَشْتَرِيَ مِنْهُ فَإِذَا أَنَّى سَيِّدُهُ السُّوقِ کر کے اس کا سامان خرید لیا گیا تو منڈی میں بیچنے کے فَهُوَ بِالْخَبَارِ». رَوَاهُ مُسْنَدُ. بعد مال کے مالک کو اختیار ہے (چاہے سودا باقی رکھے

یا منسوخ کر دے) (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الجلب﴾ جیم اور لام دونوں پر فتح، مصدر ہے۔ مجلوب کے معنی میں۔ کہتے ہیں جلب الشئ یعنی تجارت کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں سامان لایا۔ مراد یہاں قابل فروخت اشیاء اور ان اشیاء کے مالک ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی بے خبر لوگوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کی ممانعت ہے۔ مسلمان، مسلمان کا خیر خواہ اور ہمدرد و غمگسار ہونا چاہئے۔ اس طرح تو خود غرضی اور مفاد پرستی کو تقویت

ملتی ہے کہ اپنا مفاد سامنے رکھا جائے اور بے خبر لوگوں کی بے خبری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔

(۶۷۶) وَعَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول ﷺ أَنْ يَبْنَعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبْنِعَ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعٍ بَيْعِهِ، وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَحِيهِ، وَلَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخِيهِ، لِتَخْضَعَ مَا فِي إِيَّانِهَا. مَنْفَقَ عَلَيْهِ، وَلِلْمُسْلِمِ: لَا يَسُومُ الْمُسْلِمَ عَلَى سَوْمٍ لِي. (بخاری و مسلم) اور صحیح مسلم میں ہے کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔

لغوی تشریح: ﴿لَا يَبْنِعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَحِيهِ﴾ لا یبیع المضارع مرفوع اور ”لا“ اس پر نافیہ ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ اپنے بھائی کی بیع پر کسی کی بیع نہیں اور مجزوم بھی ہے، اس صورت میں لاضی کا ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیع خیار واقع ہوئی ہو۔ جتنی مدت اختیار کیلئے دی گئی اسی دوران ایک آدمی آجاتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ تو اس سے سودے کو فسخ کر دے اور میں تجھے اس سے ارزاں اور اس سے عمدہ اور بہترین فروخت کر دیتا ہوں۔ تو جس طرح بیع پر بیع جائز نہیں، اسی طرح شراء پر شراء بھی جائز نہیں۔ وہ بایں صورت کہ فروخت کرنے والے سے مدت خیار کے دوران یوں کہے کہ تو یہ بیع فسخ کر دے، میں تجھ سے یہی چیز اس سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔ (سبل السلام اختصار اور تبدیل کے ساتھ) ﴿وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَحِيهِ﴾ خطبہ کے ”خا“ کے نیچے کسرہ۔ عورت سے شادی کا مطالبہ کرنا۔ یعنی جب ایک آدمی کسی عورت کو پیغام نکاح دیتا ہے، ایک دوسرے کی طرف میلان اور جھکاؤ ہو جاتا ہے اور باہمی اتفاق ہو جاتا ہے۔ بس اب صرف دونوں میں عقد نکاح باقی رہ جاتا ہے تو اس وقت اس عورت کو دوسرے کا پیغام نکاح دینا جائز نہیں۔ تا آنکہ وہ دونوں نکاح کر لیں تاکہ کسی دوسرے کیلئے اس کا دروازہ ہی بند کر دیں، یا ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں۔ اب ہر ایک کیلئے دروازہ کھلا ہے جو چاہے اس سے نکاح کر لے۔ ﴿لَا يَسُومُ الْمُسْلِمَ عَلَى سَوْمٍ لِي﴾ یہ کفاء الاناء سے ماخوذ ہے۔ یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب برتن اوندھا اور پلٹ کر جو کچھ اس میں موجود ہو اسے نیچے گرا کر خالی کر دیا جائے۔ یعنی کسی اجنبی عورت کیلئے یہ جائز نہیں جو کسی مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہو کہ اس سے پہلی بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ و تقاضا کرے، تاکہ جو سہولتیں اس عورت کو اپنے شوہر سے حاصل ہیں۔ نان و نفقہ، لباس اور رہن سہن کی آسانیاں وغیرہ سے اسے محروم کر کے خود حاصل کرے۔ اسی طرح کسی بیوی کیلئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے شوہر سے اپنی سوکن کو طلاق دینے کا تقاضا کرے۔ تاکہ وہ بلا شرکت غیرے تمام حقوق

وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ جَبَّانٍ خَزِيمَةُ ابْنُ جَارُودٍ ابْنُ حَبَانٍ حَاكِمٌ طَبْرَانِيٌّ اُور ابْنِ قَطَّانٍ لَمْ يَصَحِّحْهُ اَبْنُ الْقَطَّانِ .
 صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: پہلی حدیث ماں اور بچے میں جدائی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، خواہ وہ علیحدگی بیع کے ذریعہ سے ہو، یا جہ کی صورت میں، یا دھوکہ بازی سے الگ کرنے وغیرہ کی شکل میں اور والدہ کے لفظ کا اطلاق والد پر بھی ہے، یعنی ماں باپ سے جدا نہ کیا جائے اور یہ حدیث بھائیوں کے درمیان تفریق و جدائی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور قیاس کے ذریعہ ان کے ساتھ دوسرے ذوی الارحام کو بھی ملا لیا گیا ہے، مگر شوکانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ذوی الارحام کو اس میں شامل کرنا محل نظر ہے، کیونکہ ان کی جدائی سے وہ مشقت و پریشانی نہیں ہوتی جو ماں اور بچے کے مابین یا بھائی، بھائی کے درمیان جدائی سے حاصل ہوتی ہے۔ لہذا دونوں میں واضح فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملایا جائے اور صرف نص پر توقف کیا جائے۔ انتہی۔

اور یہ بات بھی معلوم رہے کہ تفریق کی حرمت چھوٹے نابالغ بچے کے ساتھ مخصوص ہے۔ بالغ کی جدائی کب جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ باعتبار دلیل راجح یہ ہے کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے اور بچی کو ایام حیض شروع ہو جائیں، اس وقت تفریق حرام نہیں۔

(۶۷۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: غَلَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَعَمْدٍ فِي مَدِينَةِ مَنُورَةٍ فِي مِيزَانِ السَّعْرِ فِي الْمَدِينَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! غَلَا السَّعْرُ، فَسَعَّرَ لَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ، وَإِنِّي لأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ». تعالیٰ سے میں اس حال میں ملاقات کروں کہ کوئی شخص تم میں سے مجھ سے خون میں اور مال میں ظلم و نالانصافی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔“ (نسائی کے علاوہ

اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)

لعوی تشریح: ﴿غلا﴾ غلاء سے ماخوذ ہے۔ یعنی نرخ چڑھ گیا، بھاؤ بڑھ گیا۔ معمول کے اندازے سے

زیادہ ہو گیا۔ ﴿سَعَرْنَا﴾ تسعیر سے امر کا صیغہ ہے۔ یعنی بھاؤ و نرخ مقرر فرما دیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ سلطان یا اس کا نائب یا کوئی حاکم منڈی میں فروخت کرنے والوں کو احکام کے ذریعہ پابند کر دے کہ وہ اتنے نرخ سے زائد اپنی اشیاء فروخت نہ کریں۔ نرخ کے اتار چڑھاؤ، کمی و بیشی کو مصلحتاً روک دیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ﴾ عین پر تشدید اور نیچے کسرہ۔ یعنی وہ تمہا کی اور بیشی کرنے والا ہے ﴿بِمُظْلَمَةٍ﴾ میم پر فتح اور لام کے نیچے کسرہ۔ یعنی جو حق کے بغیر لیا جائے اور لام کے فتح کے ساتھ بھی ہے۔ اس صورت میں ظلم کا مصدر ہوگا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی قیمتوں پر سرکاری کنٹرول ممنوع ہے۔ اس سے ایک طرف اگر تجارت پیشہ حضرات کو نقصان پہنچتا ہے تو دوسری جانب تاجروں کا اشیاء کو روک لینا خط کا سبب بن جاتا ہے۔ عوام ضروریات زندگی کی فراہمی سے مجبور ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں بلیک مارکیٹنگ کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عوام معاشی بد حالی کا شکار ہو جاتے ہیں جس سے معاشرے میں بے چینی، اضطراب اور بد امنی جنم لیتی ہے۔

(۶۸۰) وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ حَضْرَتِ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَے فرمایا ”خطا کار کے سوا ذخیرہ اللہ ﷻ، قَالَ: «لَا يَحْتَكِرُ إِلَّاَّ اَنْدُوزِي كُوفِي نَہیں کرتا۔“ (مسلم) خَاطِيءٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿لَا يَحْتَكِرُ﴾ احتکار سے ماخوذ ہے یعنی غلہ کو روک لینا، فروخت نہ کرنا۔ اس انتظار میں کہ نرخ چڑھے، عوام کو اس کی شدید ضرورت ہو۔ فروخت کرنے والا اس سے مستغنی ہو۔ ﴿الْاَخَاطِيءُ﴾ یعنی نافرمان، گناہ گار، خطا کار۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک آدمی کوئی چیز خرید کر ذخیرہ کر لے کہ جب نرخ بڑھیں گے تو اس وقت اسے فروخت کروں گا، حالانکہ عوام میں اس کی بہت مانگ ہو۔ حدیث کے الفاظ عام ہیں، مگر جمہور نے اس سے مراد صرف انسانوں اور حیوانوں کے خورد و نوش کی چیزیں لی ہیں۔ دوسری اشیاء اس نئی سے مستثنیٰ ہیں۔ احتکار ایسی شکل میں تو بلاشبہ حرام ہے کہ اشیاء صرف کی قلت پیدا ہو جائے اور جن کے پاس یہ چیزیں ہوں وہ انہیں چھپا کر رکھ لیں۔ احتکار تجارت پیشہ حضرات کیلئے حرام ہے۔ زمیندار اپنی پیداوار روک لے تو اس کیلئے گنجائش ہے۔ مگر جب غلہ کی قلت شدت اختیار کر جائے تو پھر ان کیلئے غلہ کو روک لینا بھی جائز نہیں ہوگا۔

راوی حدیث: ﴿مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَافِعٍ﴾ بن نضلة بن حروث بن العدوی رضی اللہ عنہ۔ وہ ابن ابی معمر ہیں۔ بڑے مرتبہ کے صحابی اور قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت حبشہ کی اور مدینہ کی طرف ہجرت میں ذرا تاخیر ہوئی تو پھر مدینہ کی جانب بھی ہجرت کی اور وہیں سکونت اختیار کی۔

(۶۸۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنْ ابْتَنَاعَهَا بَعْدَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرِينَ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ». مَنَّكَ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَثَابٍ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَقْلَهَا الْبُخَارِيُّ: «وَرَدَّ مِمَّا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمَرَاءَ». قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَالْتَمَزُ أَكْثَرُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کا دودھ فروخت کرتے وقت ان کے تھنوں میں روکے نہ رکھو۔ جو شخص ایسا جانور خرید لے تو اسے دو باتوں میں سے بہتر کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے اس جانور کو اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو ایک صاع کھجور ساتھ دے کر واپس کر دے۔“ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے تین دن تک اختیار ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے، جسے بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ ”اس کے ساتھ ایک صاع کسی کھانے والی چیز سے واپس کرے۔ گندم نہیں۔“ بخاری نے کہا کہ اکثر روایات میں کھجور کا ذکر ہے۔

لغوی تشریح: ﴿لَا تُصَرُّوا﴾ ”تا“ پر ضمہ اور صاو پر فتح اور ”را“ پر تشدید۔ تصریہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ اونٹنی یا بھیڑ بکری کا دودھ تھنوں سے نہ نکالا جائے، تاکہ وہ تھنوں میں جمع ہوتا رہے اور کثیر مقدار میں معلوم ہو کہ خریدار کو دھوکہ اور فریب دیا جائے اور وہ سمجھے کہ یہ تو بڑی دودھیل جانور ہے۔ اس جھانے میں آکر خریدار اس کی قیمت زیادہ دینے کیلئے آمادہ ہو۔ ﴿فَمَنْ ابْتَنَاعَهَا بَعْدَ﴾ بعد کا لفظ ایسا ہے جس پر ضمہ ہی آتا ہے، اسے مبنی بر ضمہ کہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مضاف الیہ نیت میں ہوتا ہے، مگر عبارت میں مذکور نہیں ہوتا اور بعد گویا اصل میں بعد ذلک ہے۔ ﴿فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرِينَ﴾ نظریں اس مقام پر دورائے کیلئے استعمال ہوا ہے، یعنی خریدار کو دورایوں میں سے ایک کو جسے وہ مناسب اور اچھی سمجھے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ﴿وَصَاعًا﴾ صاعاً کا ضمیر منصوب پر عطف ہے، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”واو“ مع کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں معنی ہو گا کہ خریدار واپس کرتے وقت جانور کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے گا۔ ﴿سَمَرَاءَ﴾ سین پر فتح اور میم ساکن۔ معنی گندم اور ایک صاع کھجوریں ساتھ واپس دینے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اس جانور سے حاصل کردہ دودھ کا معاوضہ ہو جائے، کیونکہ کچھ دودھ تو خریدار کی ملکیت میں نئی چیز ہے اور کچھ دودھ اس نے خریدا ہے۔ اب چونکہ خریدار کو یہ تمیز کرنا دشوار ہے کہ کتنا دودھ خریدا ہوا ہے اور کتنا نیا داخل ہے، چنانچہ عدم تمیز کی بنا پر اسے واپس کرنا یا اس کی قیمت واپس کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے شارع نے

ایک صاع مقرر فرما دیا کہ فروخت کرنے والے اور خریدار کے مابین تنازع اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔ خریدار نے جو دودھ حاصل کیا ہے اس کا معاوضہ ہو جائے۔ قطع نظر اس سے کہ دودھ کی مقدار کم تھی یا زیادہ (ملا علی قاری بحوالہ مرقاة) جمہور اہل علم تو حدیث کے ظاہر کی جانب ہی گئے ہیں اور صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی فتویٰ اسی کے مطابق دیا ہے اور کسی صحابی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں۔ البتہ اکثر احناف نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے لیکن وہ کوئی ایسی چیز پیش نہیں کر سکے جو ان کیلئے مفید ہو اور انہوں نے اس میں بڑا تشدد اختیار کیا ہے، یہاں تک کہ اسی کو انہوں نے کسوٹی بنالیا ہے، جس پر وہ دوسروں کو جانچتے پرکتے رہتے ہیں (اور وہ کسوٹی یہ ہے) کہ کون موافقت کر کے ان کے امام کی تعظیم کرتا ہے اور کون مخالفت کر کے ان کے امام کی توہین کرتا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے بارے میں طعن کیا۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق انہوں نے قلت درایت اور عدم فقہت کی پھبتی ان پر محض اس حدیث کی روایت کرنے کی بنا پر کس دی۔ غیر فقہ اور درایت سے خالی گردان دیا۔ باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی نہ صرف اس روایت کو بیان کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو ایسا ہی فتویٰ بھی دیا ہے۔ جبکہ ان کے فقیہ ہونے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

(۶۸۲) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: مَنْ اشْتَرَى شَاةً مُحْفَلَةً فَرَدَّهَا فَلْيُرَدِّ مَعَهَا صَاعًا. زَوَاهُ الْبَحَارِيُّ، وَزَادَ الْإِسْمَاعِيلِيُّ؛ اس کے ساتھ ایک صاع واپس کرے۔ (بخاری) اور اسماعیلی نے اتنا اضافہ نقل کیا ہے کہ ایک صاع کھجوریں۔

لغوی تشریح: ﴿محفلہ﴾ محفلہ میں ”فا“ پر فتح اور تشدید۔ وہ جانور جس کا دودھ تھنوں میں ہی زیادہ دکھانے کیلئے روک دیا گیا ہو اور محفلہ دراصل ”من حفل القوم واحتفلوا“ سے ماخوذ ہے۔ جب ان کی تعداد بہت جمع ہو جائے اور ہوں سب ایک ہی مقصد کیلئے اور حائل عظیم کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا نام محفلہ اس لئے رکھا گیا کہ دودھ اس بکری کے تھنوں میں کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت کی مکمل تائید کر رہا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہ پر احناف کے اکثر مسائل کا دارومدار ہے۔ سوچ لیں اگر ابو ہریرہؓ غیر فقیہ اور درایت سے خالی ہیں تو عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(۶۸۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَمُرُّ بِالْغُلَامِ (غلمہ) کے ایک ڈھیر پر ہوا۔ آپ

عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ، فَأَذْخَلَ يَدَهُ، فَتَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ: نَمِي لَگِي۔ آپؐ نے فرمایا ”اے اناج کے مالک! یہ کیا مَا هَذَا؟ يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ! قَالَ: مَا جَرَا هَ؟“ اس نے عرض کیا! اے اللہ کے رسولؐ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! (ﷺ) اس پر بارش برس گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا قَالَ: «أَفَلَا جَعَلْتُهُ فَوْقَ الطَّعَامِ، پھر تو نے نَمِي زدہ حصہ کو اناج کے اوپر کیوں نہ ڈال كُنِيَ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ عَشَّ فَلَيْسَ دیا تاکہ خریدار لوگ اسے دیکھ لیتے۔ جس نے مَنِي“۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ ہو کہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿صبرۃ﴾ صادر پر ضمہ اور با ساکن۔ اناج و غلہ وغیرہ جو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا ہے، جیسے مٹی کا اونچا ڈھیر ہوتا ہے۔ اس کی جمع صبر آتی ہے، صادر کے ضمہ اور ”با“ کے فتح کے ساتھ اور ﴿طعام﴾ سے مراد اناج و غلہ وغیرہ ﴿فنالت﴾ محسوس کیا، پلایا۔ ﴿السماء﴾ سے مراد یہاں بارش ہے۔ ﴿من عَشَّ﴾ غش سے ماضی کا صیغہ ہے اور یہ نصیح یعنی خیر خواہی و ہمدردی کے متضاد ہے، یعنی خیانت اور دھوکہ ﴿فلیس منی﴾ تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ الاصول میں ”یاء“ متکلم کے ساتھ ہی منقول ہے اور معنی اس کا ہے کہ اس نے میری ہدایت کے مطابق راہ طلب نہیں کی اور میرے علم و عمل کی اور میرے عمدہ طریقہ و راستہ کی پیروی نہیں کی۔ سفیان بن عیینہ اس طرح کی تفسیر کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ارشاد کی تاویل سے رک جائیے، تاکہ وہ دلوں میں زیادہ اثر انداز ہو اور زجر و توبیخ میں زیادہ مبالغہ آمیز ثابت ہو۔ (طحطا)

(۶۸۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے والد بریدہ بن مسعودؓ سے عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ شَرِبَ اَنْجُوْرَ اَتَارَنِیْ كَیَامِیْنِ اِنْ كُورُوكَ لَیَا، حَبَسَ الْعَنْبَ اَیَّامَ الْقَطَافِ، حَتَّى تَاكُهُ اَسَیْ شَرَابَ بَنَانِیْ وَالِیْ كَیَاكُهُ فَرُوحَتِ بَیْیَمَیْ مِمَّنْ یَتَّخِذُهُ حَمْرًا، فَقَدْ تَقَحَّمَ كَرِیْ تُو وَهَیْ جَانَتِیْ بُوَجَّهَتِ اَآتَشَ جَنَمِیْ مِیْنِ دَاخِلِ النَّارِ عَلَیْ بَصِیْرَةٍ“۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی هَوَاکِ۔“ (اسے طبرانی نے اوسط میں حسن سند سے روایت الاوسط بإسناد حسن۔ کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿من حبس العنب﴾ انگور کو روک لیا اور اسے فروخت نہ کیا۔ ﴿ایام القطاف﴾ قطاف کے قاف کے نیچے کسرہ اور فتح بھی جائز ہے۔ وہ موسم جس میں انگور اتارے جاتے ہیں اور قطف کہتے ہیں انگور کی بیل سے انگور اتارنے کو اور قطف قاف کے کسرہ سے پگھلے اور خوشے کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں قطف کی جمع بیان ہوئی ہے ﴿قُطُوفُهَا دَانِیَۃٌ ۶۹: ۲۳﴾ یعنی جنت کے خوشے جھکے

ہوئے ہوں گے۔ ﴿تفحم النار﴾ اس میں اپنے آپ کو داخل کر لیا اور بغیر دیکھے اپنے آپ کو اس میں پھینک دیا۔ ﴿علی بصیرۃ﴾ یعنی سبب دخول کا علم رکھنے کے باوجود۔

(۶۸۵) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نے فرمایا ”آدمن ضمان (کفالت) کا بدلہ ہے۔“
 ﴿الْخَرَجُ بِالْضَّمَانِ﴾. رَوَاهُ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور ابوداؤد نے الْخَمْسَةُ، وَصَعْفَةُ الْحَارِثِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ؛ وَصَحَّحَهُ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جارود، الترمذی، وَابْنُ حُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ جَبَانَ ابن حبان، حاکم اور ابن قتان نے اسے صحیح کہا ہے) وَالْحَاكِمُ وَابْنُ الْفَقَّانِ.

لغوی تشریح: ﴿الخراج﴾ ”خا“ پر فتح۔ گھر کے کرایہ کی آمدن یا زمین کا حاصل اور کرایہ۔ یعنی وہ فوائد و منافع جو فروخت شدہ چیز سے حاصل ہوں۔ خواہ وہ غلام ہو یا لونڈی، حیوان ہو یا کوئی دوسری چیز۔ ﴿بالضمان﴾ ضار پر فتح۔ کفالت و ذمہ داری اور ”با“ اس میں محذوف سے متعلق ہے یعنی فروخت شدہ چیز کو قبضہ میں لینے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے منافع اور فوائد خریدار کیلئے باقی رہتے ہیں، اس ضمان کے بدلہ میں جو اس پر لازم ہے، فروخت شدہ چیز کے تلف ہونے اور اس کے خرچ ہونے اور اس پر مشقت برداشت کی صورت میں اور اسی سے یہ قول ماخوذ ہے جس پر تاوان ہے۔ اس کا فائدہ و مفاد بھی اسی کیلئے ہے اور اس طرح کہ وہ ایک چیز خریدتا ہے اور ایک مدت تک اس سے استفادہ کرتا ہے، اس کے بعد اسے اس چیز کے قدیم عیب کا علم ہوتا ہے، جس کا علم فروخت کرنے والے کو نہیں تھا اور نہ ہی اس سے باخبر تھا۔ بایں صورت خریدار کیلئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ فروخت شدہ چیز کو بعینہ واپس کر کے اپنی قیمت وصول کر لے۔ اس دوران خریدار نے اس چیز سے جتنا مفاد حاصل کیا، یہ اسی کا استحقاق تھا، کیونکہ اگر فروخت شدہ چیز اس سے ضائع ہو جاتی تو اس کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا اور فروخت کنندہ پر کوئی چیز لازم نہ آتی۔ جیسا کہ ضعی نے کہا ہے۔ (ملخصاً) اور صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب فروخت شدہ چیز کی آمدنی ہو اور گھر کے کرایہ کی آمد یا زمین کا حاصل ہو تو (غلام) کا مالک جو اس کا ذمہ دار ہے، اس کی آمدن کا مالک ہوگا، اس کی اصل کی ذمہ داری و کفالت کی وجہ سے۔ پس جب کسی آدمی نے کوئی زمین خریدی اور اس کو استعمال بھی کیا، یا چوپایہ خریدا اور اس نے بچے کو جنم دیا، یا چوپایہ خریدا اور اس پر سوار ہوا، یا غلام خریدا، اس سے خدمت لی، پھر اس میں کوئی نقص و عیب پایا تو اس کیلئے اس غلام کو واپس کرنے کی گنجائش ہے اور جتنا فائدہ اس سے حاصل کیا ہے اس کے عوض اس پر کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ فسخ و عقد کی مدت کے درمیان تلف و ضائع ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوتی۔ تو پھر اس کی آمدن کا بھی وہی حقدار ہے۔

(۶۸۶) وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ حضرت عروہ باریقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِيَ بِهِ أَضْحِيَّةً أَوْ شَاةً، فَاشْتَرَى بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى تَرَابًا لَرَبِحَ فِيهِ. رَوَاهُ الْخَنَسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ. وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي ضَمْنِهِ حَدِيثًا، وَأَوْرَدَ التِّرْمِذِيُّ لَهُ شَاهِدًا مِنْ حَدِيثِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ.

نے ان کو قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کیلئے ایک دینار عطا فرمایا۔ اس نے ایک دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں۔ پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کیلئے اس کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ پس وہ ایسا تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتا تو اس میں بھی اسے ضرور منافع حاصل ہوتا۔ (نسائی کے علاوہ پانچوں نے اسے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے ضمن میں اسے روایت ہے، مگر یہ الفاظ نقل نہیں کئے اور ترمذی نے حکیم بن حزام رحمہ اللہ سے مروی حدیث کو اس کے لیے بطور شاہد بیان کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے چند نہایت بنیادی چیزوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً (۱) وکیل مؤکل کے مال میں تصرف کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے، جبکہ اسے مال کی وکالت سپرد کی جائے اور اسے اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی آزادی دی جائے۔ ورنہ طے شدہ اور حدود کے اندر ہی وکیل کو کام کرنا ہوگا۔ (۲) دوسرے کا مال اسے اطلاع دیئے بغیر فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اطلاع ملنے پر مالک رضامندی کا اظہار کرے۔ (۳) قربانی کیلئے خرید گیا جانور فروخت کیا جاسکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا جانور خریدنا جائز ہے۔ (۴) جو مالک کیلئے ایسی ضرورت انجام دے اس کیلئے دعاء خیر و برکت کرنی چاہئے۔

راوی حدیث: «عروہ باریقی رحمہ اللہ» انہیں ابن الجعد اور ابن ابی الجعد دونوں طرح بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد کا نام عیاض تھا۔ باریق کی طرف نسبت کی وجہ سے باریق کہلائے۔ باریق میں "را" کے نیچے کسرہ ہے۔ یہ قبیلہ ازد کی شاخ ہے اور نسب نامہ اس طرح ہے، باریق بن عدی بن حارث۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ باریق نامی ایک پہاڑ کے پاس فروکش ہونے کی وجہ سے باریق کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر رحمہ اللہ نے ان کو اپنے دور خلافت میں کوفہ کے منصب قضاء پر فائز فرمایا۔ انہوں نے کوفہ ہی میں سکونت اختیار کر لی، انہی میں شمار کئے گئے اور اہل کوفہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۶۸۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ خُدْرِيٌّ عَنْ رِوَايَةٍ عَنْ نَبِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَجَّحَ كَوْاسَ كِيْطَانِشَ مِنْ بَهْلَةَ خَرِيدَ مِنْ

حَتَّى تَضَعَ، وَعَنْ بَيْعٍ مَا فِي ضُرُوعِهَا، وَعَنْ شِرَاءِ الْعَبْدِ وَهُوَ أَبْقَى، وَعَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُفْسَمَ، وَعَنْ شِرَاءِ الصَّدَقَاتِ حَتَّى تُقْبَضَ، وَعَنْ ضَرْبَةِ الْغَائِصِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَزَّازُ وَالْثَّارِقُطِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

تھنوں میں (جمع شدہ) دودھ کو دوہنے سے پہلے فروخت کرنے سے اور بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے اور اموال غنیمت کو ان کی تقسیم سے پہلے خریدنے سے اور صدقات کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے خریدنے سے اور غوطہ لگانے والے کو اس کے ایک غوطہ کا معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے ابن ماجہ، بزار اور دارقطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

لعوی تشریح: ﴿تضع﴾ یعنی بنے۔ ﴿ما فی ضروعہا﴾ جو کچھ تھنوں میں ہو، سے مراد دودھ ہے اور ﴿ضرع ضرع﴾ کی جمع ہے، جانور کے تھن کو کہتے ہیں جس طرح عورت کے پستان ہوتے ہیں، اسی طرح حیوان کے تھن ہوتے ہیں۔ ﴿أبقی﴾ بھاگنے والا، ﴿المغانم﴾ مغنم کی جمع ہے۔ مغنم اور غنیمت ان اموال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی افواج دوران جنگ دشمنوں سے پھینکتی اور حاصل کرتی ہیں۔ ﴿الغائص﴾ غوص سے ماخوذ ہے۔ پانی میں نیچے اترنے کو کہتے ہیں۔ غائص غوطہ خور کو کہتے ہیں۔ غوطہ مارنے کی نوعیت اس طرح کہ غوطہ لگانے والا غوطے کے خریدار سے کہے کہ میں سمندر میں غوطہ لگاتا ہوں۔ اس غوطہ میں جتنا کچھ حاصل ہوا وہ اتنے مال کے بدلہ میں تمہارا ہے۔ اس بیع سے منع اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں دھوکہ اور فریب ہوتا ہے۔ معلوم نہیں ایک غوطہ میں کیا حاصل ہوتا ہے اور وہ طے شدہ مال سے کم قیمت کا ہے یا زیادہ کا۔

(۶۸۸) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ، كَيْونَكَ يَدُوهَا» (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور فائز غرر)۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَشَارَ إِلَى أَنَّ اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اس روایت کا موقوف الضَّوَابِ وَفَقَّهُ.

ہونا قرین صواب ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے پانی میں موجود مچھلی کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں صحیح طور پر معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ مچھلیوں کی تعداد و مقدار کتنی ہے، کونسی مچھلی ہے، عمدہ اور بہترین نسل کی ہے یا کم تر نسل کی، جسامت و ضخامت میں بڑی ہے یا چھوٹی ہے، مچھلیاں ہیں یا مگر مچھ ہیں؟ جب صحیح علم ہی نہیں تو پھر فروخت کس چیز کی؟ نہ فروخت کنندہ کے قبضہ میں ہے اور نہ اس کی ذاتی ملکیت، اگر ذاتی تالاب وغیرہ بھی ہوں تب بھی مقدار و تعداد اور تعین جنس ناممکن ہے۔

یہ حدیث موقوف ہے، نیز ضعیف بھی ہے۔ اس لئے کہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے اور مسیب بن رافع اور عبد اللہ بن مسعود کے مابین ار سال ہے۔ لیکن اس کا شاہد بھی ہے (تلخیص)

(۶۸۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ أَنْ يُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتَّى تُطْعَمَ،
وَلَا يُبَاعَ صُوفٌ عَلَى ظَهْرٍ، وَلَا لَبَنٌ
فِي ضَرَعٍ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ
وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرْاسِيْلِ
لِإِكْرَمَةِ، وَهُوَ الرَّاجِحُ، وَأَخْرَجَهُ أَنْبُضًا مَوْفُوفًا
عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ. وَرَجَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿حَتَّىٰ نَطْعَمَ﴾ باب افعال سے مضارع معلوم کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ پھل کھانے کے قابل ہو جائے اور اس کا کھانا عمدہ اور لذیذ ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ پھل پکنے اور پختہ ہونے دیا جائے۔ ﴿اٰخِرَ جِهَةِ ابُو دَاوُدَ فِي الْمَرٰسِلِ لِعَكْرَمَہٗ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک نہیں پہنچی اور نہ انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس پہلو سے یہ روایت مرسل ہے۔

(۶۹۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ
بَيْعِ الْمَضَامِينِ وَالْمَلَاقِيحِ . رَوَاهُ
الْبَرْزُؤُ ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ
نے مضامین اور ملاقیح کی خرید و فروخت سے منع
فرمایا ہے۔ (اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند
میں ضعف ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿المضامین والملاقیح﴾ مضامین مضمونہ کی جمع ہے اور ملاقیح ملقوۃ کی۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے ”الہدی“ (ج ۴، ص: ۲۲۶) میں لکھا ہے کہ ابو نعیم کے نزدیک ملاقیح سے مراد چارپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں اور مضامین سے مراد زاونٹ وغیرہ کی پشتوں میں منی کے قطرات، جن سے بچے بنتے ہیں۔ وہ لوگ مادہ اونٹنی کے پیٹ میں جو بچے ہوتے ہیں اور جو اونٹ وغیرہ جفتی لگاتا ہے اسے سال یا کئی سالوں کیلئے فروخت کرتے تھے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ۷

ان المضامين التي في الصلب ماء الفحول في الظهور الحذب

یعنی بے شک ”مضامین“ سے نراونٹوں کی کبڑی پشتوں میں منی مراد ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ان دونوں قسم کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کا سبب بیع

محول اور دھوکہ ہے، جو حرام ہے۔

(۶۹۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا بِنِعْمَتِهِ أَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَبَّانَ وَالتَّحَايِمُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو فروخت کنندہ، کسی مسلمان سے فروخت شدہ مال واپس کر لے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ و لغزشیں معاف فرما دے گا۔“ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اقال﴾ اقالہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے، خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کے مابین جو معاہدہ طے پایا ہے، اسے ختم کر دینا۔ اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ ﴿اقال اللہ عشرتہ﴾ اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور ﴿اقالہ﴾ کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی سے کوئی چیز خریدتا ہے۔ پھر اس میں دھوکہ کے ظاہر ہونے یا ضرورت و حاجت کے ختم ہونے اور یا کسی وجہ سے وہ نادم و پریشان ہوتا ہے تو وہ فروخت کنندہ سے التماس کرتا ہے کہ وہ اپنی فروخت کردہ چیز کو واپس لے کر اس کی قیمت واپس کر دے۔ جب فروخت کرنے والا خریدار کو ادائیگی واپس کر دے گا تب اقالہ کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور خریدار پر اس کا احسان ہوگا، کیونکہ بیع تو مکمل ہو چکی تھی اور خریدار اسے فسخ نہیں کر سکتا۔

بیع میں اختیار کا بیان

۲ - بَابُ الْخِيَارِ

(۶۹۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا ابْتَاعَ رَجُلَانِ فِكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعًا، أَوْ يُخَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَبَيَاعًا عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب دو آدمی آپس میں سودا کرنے لگیں تو جب تک وہ اکٹھے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے، یا ایک دوسرے کو اختیار دے دے، اگر ایک دوسرے کو اختیار دے دے، پھر اس پر سودا طے ہو جائے تو سودا پختہ ہو گیا اور اگر سودا طے کرنے کے بعد ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں اور دونوں میں سے کسی نے بھی بیع کو فسخ نہ کیا ہو تو بیع پختہ ہو جائے گی۔“ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔)

مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿باب الخيار﴾ خیار میں خاء کے نیچے کسرو اور یاء پر تخفیف۔ اختیار یا تجر سے اسم ہے۔ اختیار یہ ہے کہ آدمی اپنے معاملے میں صاحب اختیار ہو۔ چاہے اسے عملی جامہ پہنائے یا چاہے چھوڑ دے اور یہاں خیار سے یہ مراد ہے کہ سودے کو جاری رکھتا ہے، یا اسے فسخ کرنا ہے۔ بیع میں خیار کی بہت سی اقسام و انواع ہیں۔ اس باب میں مصنف نے صرف دو پر اکتفاء کیا ہے اور وہ یہ ہیں ”خیار الشرط“ اور ”خیار المجلس“ اور بالعموم انہیں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور اکثر انہی دونوں پر عمل ہوتا ہے۔ ﴿اذا ابتاع رجلاً﴾ دونوں میں سودا پختہ ہو گیا اور بیع ہر پہلو سے مکمل ہو گئی ہو صرف جدا ہونے کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ رہی ہو۔ ﴿مالم یسفرقا﴾ اور ایک روایت میں ﴿یسفرقا﴾ بھی ہے۔ معنی یہ ہے کہ اختیار کی مدت دونوں کے جدا نہ ہونے تک دراز ہے۔ ﴿وکانا جمیعاً﴾ دونوں ایک ہی مجلس میں اکٹھے ہوں۔ یہ پہلے کا بیان اور اس کی تاکید ہے۔ باہمی اجتماع اس بات کی دلیل ہے کہ جدا اور الگ ہونے سے مراد دونوں کے بدن اور جسم ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ گفتگو کے ذریعہ سے علیحدگی اور جدائی مراد نہیں اور بلاشبہ یہ اس کو مقتضی ہے کہ جب تک وہ ایک مجلس میں ہوں، اس وقت تک اختیار دینا واجب و لازم ہے، خواہ خاموش رہیں یا باتیں کرتے رہیں اور خواہ ایک ہی نوع کی گفتگو ہو، یا باہم مختلف پہلوؤں پر باتیں کریں۔ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسی پر ہم نے لوگوں کے معاملہ کو پایا ہے، اہل لغت نے پہچانا ہے اور کلام کا بھی ظاہر بتاتا ہے کہ جب ﴿تفرق الناس﴾ (لوگ جدا ہو گئے) کہا جاتا ہے تو اس سے بدنوں کا الگ ہونا مراد لیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ گفتگو اور رائے کا الگ اور جدا ہونا اس وقت ہی سمجھا جاتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی قید ہو اور کوئی قرینہ ہو اور اگر حدیث کی وہ تاویل کی جائے جس کی جانب امام نخعی گئے ہیں، یعنی گفتگو سے جدائی تو پھر اس حدیث کا کوئی فائدہ نہیں رہتا اور اس کے معنی ہی ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ خریدار میں جب تک فروخت شدہ چیز کی قبولیت نہ پائی جائے، اس وقت تک اسے اختیار ہے۔ بعینہ فروخت کنندہ کا خیار اس چیز کی ملکیت سودا طے ہونے سے پہلے تک ثابت ہے اور یہ ایسی معروف بات ہے جو اپنے معنی میں بالکل ظاہر ہے، بایں طور اس حدیث میں خریدار کے اختیار کا ذکر بے معنی ہے۔ (مُخَصَّماً) اویخیر احدھما الآخر﴾ بخیر تخییر سے ماخوذ ہے۔ صیغہ فعل مضارع معلوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے ایک، دوسرے کو ایک متعین مدت تک اختیار دیتا ہے تو پھر علیحدگی سے خیار ختم نہیں ہوتا، بلکہ مدت معینہ تک دراز ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ایک دوسرے کو بیع کے نافذ کرنے کا اختیار دے اور دوسرا نافذ کرنے کو علیحدگی سے پہلے منتخب کر لے تو اسی وقت بیع پکی اور پختہ ہو جائے گی اور خیار کو پھر جدائی تک باقی نہیں رکھا جائے گا۔ بلکہ جدائی کا اعتبار باطل ہو جائے گا۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے ﴿فان خیر احدھما

الاخر... الخ) گویا کہ اس نے کہا کہ بیع کے نافذ کرنے کو اختیار کر یا اسے مسخ کر۔ ﴿فنبیابعا علی ذالک﴾ پس دونوں نے اس پر سودا طے کر لیا ﴿فقد وجب البیع﴾ پس سودا پکا ہو گیا۔ یعنی بیع مکمل اور نافذ ہو گئی، خواہ دونوں اسی جگہ ہوں اور جدا نہ ہوئے ہوں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بیوپاری اور سوداگر کو خرید و فروخت کے رکھنے یا توڑنے کا حق دیا گیا ہے۔ اختیار یا خیار کا بھی یہی معنی ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ کو سودا باقی رکھنے یا توڑنے کا حق ہے۔ اس کی بہت سی انواع ہیں۔ ان میں سے دو کا بالخصوص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک خیار مجلس جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ دوسرا خیار شرط۔ یہ کہ دونوں میں سے ایک یا دونوں یہ شرط کر لیں کہ اتنی مدت تک سودے کا باقی رکھنے، یا واپس کرنے کا اختیار رہے گا۔ اگر خریدار اسے واپس کرنا چاہے تو فروخت کنندہ کو بغیر لیت و لعل اور حیل و حجت کے واپس لینا ہو گا۔ اس کے علاوہ دو تین صورتیں مزید یہ ہیں۔ ﴿خیار عیب﴾ یہ کہ خریدنے والا کہے گا کہ اگر اس میں کوئی نقص و عیب ہوا تو میں اسے واپس کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ ﴿خیار روئیت﴾ یہ ہے کہ خریدار کہے کہ سودا تو طے ہوا، مگر میں اسے دیکھ کر ہی فیصلہ کروں گا، اسے لینا ہے یا نہیں۔ دیکھنے پر اسے یہ سودا منظور نہ ہوا تو بیع منعقد نہ ہوگی۔ ”خیار تعین“ یہ کہ خریدار کہے کہ ان میں سے جو چیز یا جانور مجھے پسند ہو گا، وہ لے لوں گا۔ بہر حال شریعت نے فریقین کے لئے بے شمار آسانیاں اور سولتیں رکھی ہیں، تاکہ کسی طرح بھگڑا اور تنازع نہ ہو۔ خریدنے اور فروخت کرنے میں دونوں کی باہمی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۶۹۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے، انہوں
عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے
قَالَ: «الْبَائِعُ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ حَتَّى فرمایا ”خريدار اور فروخت کرنے والے کو اختیار
يَتَفَرَّقَا، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةً خِيَارًا، حاصل ہے، تا وقتیکہ ایک دوسرے سے جدا ہوں،
وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَفَارِقَهُ خَشْيَةً أَنْ بشرطیکہ سودا اختیار والا ہو اور سودا واپس کرنے کے
يَسْتَقِيلَهُ“. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَه، وَرَوَاهُ اندیشے کے پیش نظر جلدی سے الگ ہو جانا حلال
الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ حُرَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ، وَفِي نہیں ہے۔“ (اسے ابن ماجہ کے سوا پانچوں نے روایت کیا
رَوَايَةُ: «حَتَّى يَتَفَرَّقَا مِنْ مَكَانَيْهِمَا»۔ ہے۔ نیز دارقطنی اور ابن خزیمہ اور ابن جبارود نے بھی

روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ ”جب تک وہ اپنی جگہ سے جدا (نہ) ہو جائیں۔“

لعنوی تشریح: ﴿صفت خیار﴾ صفت پر رفع ہے۔ کان کے تامہ ہونے کی وجہ سے، یعنی اگر سودے میں خیار پہلے ہی موجود ہے اور صفتہ کو منصب پڑھیں تو پھر کان ناقصہ ہو گا۔ اور اس کا اسم

مضمر ہو گا۔ اور عبارت اس طرح ہو گی ”الا ان تكون الصفقة صفقة خيار“ الایہ کہ ایسا سودا ہو جس میں اختیار ہو اور اس کا مفہوم یوں ہو گا کہ سودا کرنے والوں میں سے اگر ایک نے اپنے لئے شرط لگائی تو اس کا خيار جدائی کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جب تک خيار کی مقرر مدت ختم نہ ہو جائے اور یہ بھی مفہوم کیا گیا ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ میں سے جب ایک دوسرے سے یوں کہے کہ بیع کے نفاذ کو اختیار کر لو یا اسے فسخ کرو۔ اس نے دونوں میں سے ایک منتخب کر لیا تو بیع مکمل ہو گی، خواہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں۔ یہ علامہ شوکانی کی رائے ہے۔ ”خشية ان يستقبله“ اس اندیشہ کے پیش نظر کہ وہ اسے واپس کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ اس حدیث سے خيار مجلس کے عدم ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مالک واپس کرنے کے سوا اور کوئی راستہ فسخ کرنے کا نہیں رکھتا اور کسی چیز کی واپسی تو اسی صورت میں معتبر ہوتی ہے جب بیع مکمل ہو جائے۔ لہذا اس سے تو ظاہر ہوا کہ بیع تو جدا ہونے سے پہلے پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر استقالہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر ﴿ولا يفارقه خشية ان يستقبله﴾ کا کوئی معنی ہی نہیں، کیونکہ استقالہ مجلس عقد کے ساتھ مختص نہیں ہے اور نہ باہمی جدائی میں مانع ہے، نیز پہلی حدیث سے خيار ثابت ہے اور اس کی مدت جدائی تک وسیع و دراز ہے اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جسے اختیار حاصل ہے وہ تو استقالہ کا محتاج ہی نہیں۔ پس متعین ہو گیا کہ استقالہ سے مراد فسخ بیع ہے، اس سے حقیقی معنی مراد نہیں۔ حاصل کلام: اس حدیث میں بھی خيار مجلس کا ذکر ہے۔ خيار مجلس امام شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ اور اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک ثابت ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں، حالانکہ پہلی حدیث اس مسئلہ میں واضح نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن دیوبندی نے کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کی بات دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، مگر ہم مقلدین کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ (تقریر ترمذی)

(٦٩٤) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: ذَكَرَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي عَامٍ طَوْرًا وَدُحُوْكَ دِيًّا جَاتَا. أَتَى فَرَمَايَا ”سودا الْيُبُوعِ، فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا نَمِيں ہو گا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ذكر رجل﴾ بصیغہ مجهول ہے۔ یعنی اس کے اہل نے اس کا ذکر کیا۔ اس شخص کا نام حبان بن منقذ بن عمرو انصاری ہے۔ حبان کی ”حا“ پر فتح ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد ان کے والد تھے۔ ان کے سر میں ایک غزوہ کے دوران جو انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ لڑا تھا، پتھر سے شدید

زخم آگیا تھا جس کی وجہ سے ان کے (حافظے اور) عقل میں کمزوری واقع ہو گئی اور زبان میں بھی تغیر پیدا ہو گیا تھا، لیکن ہنوز تمیز کے دائرہ سے خارج نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۳۰ سال کی ہو گئی تھی۔ جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے۔ ﴿ لا خلاصۃ ﴾ کی ”خا“ کے نیچے کسرہ۔ مطلب یہ تھا کہ دین میں دھوکہ و فریب نہیں، کیونکہ دین تو نصیحت و خیر خواہی کا نام ہے اور دین اسلام تو ہے ہی خیر خواہی کا نام اور لا کلمہ نفی جنس کیلئے ہے اور اس کی خبر مخدوف ہے۔ صاحب سبل السلام نے یہ بات کہی ہے کہ ابن اسحق نے یونس بن بکر اور عبد الاعلیٰ کی روایت میں اتنا اضافہ نقل کیا ہے کہ ”پھر تم کو اس سودے میں جسے تو نے خریدا ہے، تین راتیں تک اختیار ہے، اگر تجھے سودا پسند ہو تو اسے رکھ لو اور اگر پسند نہ ہو تو واپس کر دو۔“ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خرید و فروخت میں غبن کی صورت میں بھی خیار ثابت ہے۔ لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ اس وقت جب آدمی ضعیف العقل ہو اور سامان کی قیمت سے واقف نہ ہو اور اسے دھوکہ کا اندیشہ ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ غبن فاحش کے معلوم ہونے پر خیار ثابت ہے۔ یہ رائے امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کی ہے، مگر جمہور علماء اس کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حبان بن منقذ کو بالخصوص یہ اجازت اس لئے دی کہ ان کی عقل اور زبان میں کمزوری واقع ہو گئی تھی۔ جیسا کہ مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ صحیح بات یہ ہے لا خلاصۃ کی صدا لگانا بھی اپنی جگہ ایک طرح کی شرط ہے، جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ دھوکہ اور فریب کے باوجود مشتری کیلئے خیار کا ثبوت ملتا ہے اور خیار الشرط بھی اسی کو کہتے ہیں۔ آپؐ نے جو الفاظ ان کو تلقین فرمائے ان الفاظ کی برکت سے انہیں بعد میں کبھی دھوکہ نہیں ہوتا تھا۔

سود کا بیان

۳ - باب الربا

(۶۹۵) عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكَلَ الرُّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدِيهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ. زَوَاهُ مُنْئِلِمٌ، وَلِلْبَخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثٍ. أَبِي جَعْفَرٍ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے اور اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز فرمایا کہ ”گناہ کے ارتکاب میں) یہ سب مساوی اور برابر ہیں۔“ (مسلم، اور بخاری

میں ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اسی طرح ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب الربا﴾ رباً میں ”راء“ کے نیچے کسرہ ہے۔ ربا کے معنی زیادتی اور بڑھوتری ہے اور وہ ہے خرید و فروخت میں ایک جنس کے تبادلہ کے وقت زیادہ مقدار میں حاصل کرنا اور ہر قسم کی حرام بیع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور امت کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ ﴿آکل الربا﴾ سود خور۔ ضروری نہیں

جو سود کھاتا ہو اسے اکل الربا کہیں گے، بلکہ محض لینے والا بھی اس زمرہ میں شامل ہے اور کھانے کا بالخصوص ذکر اس لئے کر دیا کہ انقلاع کے انواع میں سے یہ نوع سب سے بڑی ہے۔ ﴿موکله﴾ اسے دینے والا یعنی جو لیتا ہے اسے دینے والا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں سود کی حرمت اور لینے، دینے والے اور تحریر کرنے والے اور اس پر گواہیاں ثبت کرنے والے پر لعنت کا ذکر ہے۔ سود نص قرآنی سے حرام ہے، اس سے باز نہ آنے والوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ ایسی لعنت ہے جس میں دنیا بھر کے لوگ گرفتار اور مبتلا ہیں۔ اس لعنت سے چھکارے کی صدق دل سے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے۔

(۶۹۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَضَرْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الرَّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا، درجے ہیں۔ سب سے کم تر درجہ اس گناہ کے مثل اَبْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْجَحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے اور وَإِنْ أَزْبَى الرَّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ سب سے بڑھ کر سود کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا الْمُسْلِمِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مُخْتَصَرًا، وَالْحَاكِمُ ہے۔ (اسے ابن ماجہ نے مختصراً اور حاکم نے مکمل بیان کیا بِتَّامِهِ، وَصَحَّحَهُ ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ایسرہا﴾ ہلکا اور گناہ میں سب سے کم اور قلیل۔ ﴿اسی الربا﴾ سب سے بڑا اور سب سے عظیم۔ ﴿عرض الرجل المسلم﴾ غیبت و چغلی کے ذریعہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہونا، بہتان تراشی اور سب و شتم کرنا اور عیب جوئی اور جو چیز اسے بری محسوس ہو اس کے ذکر سے تکلیف دینا اور جو برائی اس نے نہ کی ہو، اسے اس کے سر ڈال دینا۔ یہ بیماری ہمارے زمانہ میں وبا کی طرح عام ہو گئی ہے۔ اس مرض نے لوگوں کو عاجز و درماندہ کر کے رکھ دیا ہے اور ہر طرف پھیل گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۶۹۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضَرْتُ ابُو سَعِيدٍ خُدْرِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَيْرَ مَوْجُودٍ كَـ بَدَلِهِ فِي مَوْجُودٍ كَوْنِهِ يَتَّقُوْنَ۔»

(بخاری و مسلم)

عَائِيًا بِتَاجِرٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿مثلاً بمثل﴾ دونوں میں میم کے نیچے کسرہ اور ”ٹا“ ساکن ﴿سواء بسواء﴾ کے معنی میں، جس کے معنی برابر، برابر ہیں۔ ﴿ولا تشفوا﴾ اشفاق سے ماخوذ ہے، زیادہ نہ کرو، اضافہ نہ کرو۔ ﴿الودق﴾ ”واؤ“ پر فتح اور ”را“ کے نیچے کسرہ۔ چاندی۔ ﴿غائباً﴾ جو چیز مجلس میں موجود نہ ہو۔ ﴿بناجز﴾ ناجز کے معنی حاضر اور موجود۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے مبادلہ میں کمی بیشی حرام ہے اور یہی سود کی اصل ہے۔ نیز یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ یہ خرید و فروخت اس وقت تک صحیح نہیں تاوقتیکہ دونوں فریق برابر برابر مقدار و وزن میں چیز ایک دوسرے کے قبضہ میں نہ دے دیں۔

(۶۹۸) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّنْمُرُ بِالتَّنْمُرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سِوَاءَ سِوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا هُوَ» (مسلم) كَانَ يَدًا بِيَدٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿اذا كان يدا بيد﴾ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جن اشیاء میں سود کا حکم ہے خواہ وہ سونا ہے یا چاندی یا ان کے علاوہ کھانے کی اشیاء کہ ان میں بیع و شراء کی صحت کیلئے قبضہ شرط ہے۔ اگرچہ جنس مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سودی اشیاء میں جنس ایک نہ ہو تو ان میں ادھار اور قاضل جائز ہے۔ جیسے سونے کو گندم کے بدلہ اور چاندی کو جو کے بدلہ اور اس کے علاوہ دوسری ماپ وغیرہ والی اشیاء میں قاضل جائز ہے۔ نیز اس پر بھی سب متفق ہیں کہ کسی چیز کو اسی چیز کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز نہیں، جبکہ ان میں سے ایک ادھار ہو۔ (انتہی) یہ حدیث دلیل ہے کہ ان مذکورہ چھ اشیاء میں سود پایا جاتا ہے اور اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ البتہ ان چھ کے علاوہ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ سود کی علت جہاں پائی جائے گی، وہ بھی سود ہی ہو گا۔ لیکن ہر کوئی نص وارد نہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں علماء کے درمیان بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم اہل ظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ سود صرف سابق الذکر منصوص علیہ اشیاء میں ہوتا ہے۔

(۶۹۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزَنًا بِوَزْنٍ، برابر برابر۔ اور قسم میں ایک ہو چاندی، چاندی کے مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزَنًا بدلہ میں، وزن میں برابر برابر، اور قسم میں ایک جیسی بِوَزْنٍ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوْ ہو پھر اگر کوئی زیادہ لے یا زیادہ دے پس وہ سود اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا»۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ ہے۔ ”(مسلم)

نفوی تشریح: ﴿زاد او استزاد﴾ زیادہ دے یا زیادہ کا مطالبہ و تقاضا کرے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو چیزیں ماپ یا تول کر فروخت کی جاتی ہوں، ان کا تبادلہ ماپ تول کے ذریعہ کرنا جائز ہے، محض اندازہ و تخمینہ درست نہیں۔ (اور قسم میں ایک جیسا / جیسی کا مطلب ہے کہ ”قیراط“ میں دونوں برابر ہوں۔ مترجم)

(۷۰۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبْنِ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرٍ، فَجَاءَهُ بِتَمَرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَكَلْتُ تَمْرَ خَيْبَرٍ هَكَذَا؟» فَقَالَ: لَا، وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَفْعَلْ، بَعِ الْجَمْعَ بِالدِّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَغِ بِالْدِّرَاهِمِ جَنِيبًا، وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ ذَلِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِلْمُسْلِمِ: وَكَذَلِكَ الْمِيزَانُ»۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل مقرر کیا۔ پس وہ آپ کی خدمت میں بہت عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ ”کیا خیبر میں پیدا ہونے والی سب کھجوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں؟“ اس نے عرض کیا نہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! خدا کی قسم! ہم دوسری کھجوریں دو صاع اور (کبھی) تین صاع دے کر یہ کھجوریں ایک صاع لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ایسا نہ کرو۔ گھٹیا کھجوروں کو دراہم کے عوض فروخت کر کے عمدہ اور اچھی کھجوریں بھی درہموں کے عوض خریدو اور فرمایا تولنے والی اشیاء بھی اسی کی مانند ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

مسلم میں ہے کہ ”تول میں بھی اسی طرح۔“

نفوی تشریح: ﴿استعمل رجلاً﴾ اسے عامل بنا کر بھیجا (تحصیل دار زکوٰۃ) اس آدمی کا نام سواد بن غزیہ تھا۔ سواد میں سین پر فتح اور واؤ پر تحفیف۔ اور غزیہ بروزن عطیہ۔ انصاری ﴿جنیب﴾ جید اور عمدہ۔ یہ کھجوروں میں سے خاص قسم و نوع کی کھجور تھی۔ ﴿الجمع﴾ جیم پر فتح اور میم ساکن یعنی ردی اور گھٹیا قسم کی کھجور اور ایک قول اس کے بارے میں یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مختلف انواع کی ملی جلی

تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مِنْ رِوَايَةِ نَافِعٍ عَنْهُ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَا حَمْدَ نَحْوُهُ مِنْ رِوَايَةِ عَطَاءٍ، وَرِجَالُهُ يَفَاقُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ.

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم عینہ کی تجارت کرنے لگو گے اور بیلوں کی دھیں پکڑنے لگو گے اور زراعت و کھیتی باڑی کو پسند کرو گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو (اس وقت) اللہ تعالیٰ تم پر ذلت و خواری کو مسلط کر دے گا۔ اس (ذلت) کو تم سے اس وقت تک دور نہیں فرمائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہیں آؤ گے۔“ (اسے ابوداؤد نے نافع رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے اور سند احمد میں مروی عطاء رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن قحطان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿العینہ﴾ عین کے نیچے کسرہ اور ”یا“ ساکن۔ عینہ کی بیع یہ ہے کہ آدمی ایک چیز مقرر قیمت پر ایک مقرر وقت تک کیلئے فروخت کرے، جب یہ میعاد مقررہ مکمل ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے کہ زیادہ رقم اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ عینہ اس کا نام اس لئے رکھا گیا کہ فروخت کردہ وہی چیز اسی حالت میں حاصل ہو جائے اور اصل مال خریدار سے لوٹ کر فروخت کنندہ کے پاس پھر پہنچ جائے۔ جیسا کہ صاحب سبل السلام نے کہا ہے۔ بیع عینہ کے عدم جواز کے امام مالک رضی اللہ عنہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ قائل ہیں۔ البتہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (نیل الاوطار) اور امام ابن قیم رضی اللہ عنہ نے بیع عینہ کے عدم جواز کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ ﴿أَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ﴾ گائے کی دم پکڑنے سے کنایہ مراد ہے کہ جہاد کو ترک کر کے زراعت و کھیتی باڑی میں مشغول و مگن ہو جاؤ گے۔ زراعت سے رضامندی کا مطلب ہے کہ تمہاری زندگی کا مطمع نظر اور مقصود زندگی یہی بن کر رہ جائے گا اور ساری توانائیاں اور قوتیں اسی میں صرف ہونے لگیں گی۔ (سبل السلام) ﴿ذُلًّا﴾ ذال پر ضمہ اور کسرہ دونوں ہیں۔ ذلت، ناقدری، ضعف اور مسکنت۔ ﴿وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ﴾ سبل السلام میں ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ابو عبد الرحمن خراسانی جس کا نام اسحاق ہے جو عطاء خراسانی سے روایت کرتا ہے۔ اس کے متعلق امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے ”میزان“ میں کہا ہے یہ روایت اس کی مناکیر میں سے ہے ﴿وَلَا حَمْدَ نَحْوِهِ﴾ احمد کی روایت میں اسی طرح ہے۔ مصنف کہتے ہیں میرے نزدیک جس حدیث کو ابن قحطان نے صحیح قرار دیا وہ بھی معلول ہے، کیونکہ اس کے راویوں کا ثقہ ہونا اس بات کیلئے لازمی نہیں کہ یہ حدیث بھی صحیح ہو، اس لئے کہ اس میں اعش مدلس ہے اور وہ اپنے استاد عطاء سے سماع کا ذکر ہی نہیں کرتا اور عطاء کے متعلق احتمال ہے کہ وہ عطاء خراسانی ہو تو پھر عطاء اور ابن عمر رضی اللہ عنہما

کے درمیان سے نافع کو ساقط کر دینے سے یہ ﴿تدلیس تسویہ﴾ ہوگی اور یوں یہ حدیث پہلی حدیث ہی بن جائے گی اور یہی قول مشہور ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بیع عینہ کا ذکر ہے، نیز زراعت و کھیتی باڑی اختیار کرنے اور ہمارا کو ترک کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت و خواری مسلط کئے جانے کی خبر ہے۔ بیع عینہ میں چونکہ فروخت شدہ چیز عینہ کم قیمت کے عوض فروخت کرنے والے کے پاس پلٹ کر واپس آ جاتی ہے، اس لئے اسے عینہ کہتے ہیں۔ ایک صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی دوسرے سے کوئی چیز ادھار مانگتا ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ بھائی میں تمہیں یہ چیز ادھار نہیں دے سکتا۔ مگر فلاں چیز میرے پاس ہے جس کی قیمت دس روپے ہے اگر تم راضی ہو تو میں وہ چیز تجھے پندرہ روپے میں دے سکتا ہوں اور پھر دوبارہ خود ہی وہ اس سے دس روپے میں واپس خرید لے۔ اس طرح پانچ روپے خواہ مخواہ خریدار کے ذمہ قرض ہو گیا، یا یوں سمجھیں کہ کسی نے ایک کتاب ایک سال کی مدت تک کیلئے سو روپے میں خریدی اور وعدہ کیا کہ سال کے بعد سو روپیہ ادا کر دوں گا۔ مگر کسی وجہ سے وہ سو روپیہ کا بندوبست نہ کر سکا تو بیچنے والا اس سے وہی چیز ۹۰ روپے میں واپس خرید لے، اس طرح دس روپے اس کے ذمہ قرض رہ گیا۔ اس بیع میں چونکہ ایک فریق کو نقصان ہوتا ہے، اس لئے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

راوی حدیث: ﴿نافع﴾ ابو عبد اللہ نافع بن سرجس مدنی، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام مراد ہیں۔ آپ ثقہ، ثبت اور مشہور و معروف فقیہ ہیں۔ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کا بڑا حصہ ان ہی کے گرد گردش کرتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نافع کے توسط سے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب میں سنتا ہوں کہ نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتا ہے تو پھر مجھے کسی اور سے حدیث سننے کی پروا ہی نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ صحیح ترین سند مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ ان سے کثیر مخلوق خدا نے روایت کیا ہے۔ ۷۰۶ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

﴿عطاء﴾ سے مراد غالباً عطاء بن ابی مسلم میرہ خراسانی ہیں، جو مہلب بن ابی صفہ کے غلام تھے اور ان کی کنیت ابو عثمان تھی۔ شام میں فروکش ہو گئے تھے۔ مشہور و معروف لوگوں میں سے تھے۔ ثقہ اور بڑے تہجد گزار تھے، مگر حافظہ ردی و خراب تھا اور کثیر الوہم تھے۔ ۱۳۵ھ میں ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۷۰۶) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا، فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرَّبِّ». رَوَاهُ أَحْمَدُ (اسے احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس کسی نے اپنے بھائی کیلئے کوئی سفارش کی (اس کے بعد) وہ اسے کوئی تحفہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے بہت ہی بڑے دروازے پر پہنچ گیا۔“)

وَأَبُو دَاوُدَ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ. ہے اور اس کی سند میں کلام ہے)

لعوی تشریح: ﴿فقد اتى بابا عظيما﴾ تو وہ سود کے بہت بڑے دروازے پر آیا۔ دونوں میں (تحفہ اور سود میں) مشابہت کی وجہ سے استعارۃً اسے سود کہا گیا ہے اور وہ یوں کہ سود بھی کسی کے مال کو بلا معاوضہ حاصل کرنے کا نام ہے اور یہاں بھی سفارش کے بدلے میں رقم لی ہے کسی چیز کے بدلے میں نہیں۔ اس روایت میں کلام کا سبب یہ ہے کہ اس کا راوی ابو عبد الرحمن قاسم بن عبد الرحمن الدمشقی متکلم فیہ ہے۔ (سبل)

(۷۰۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت بن عبد العاص رضی اللہ تعالیٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور عنہما، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ”(اسے الرّاشي والمرتشي. رواه أبو داود البوداد اور ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے الترمذي، وصحّحه. اسے صحیح کہا ہے)

لعوی تشریح: ﴿الراشي﴾ رشوت دینے والا ﴿والمرتشي﴾ رشوت لینے والا اور رشوت کتے ہیں باطل و ناحق طریقہ سے حصول مال کیلئے مال خرچ کرنے کو۔ رشوت رشاء سے ماخوذ ہے۔ رشاء اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنوئیں کے پانی تک پہنچتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کوئی اپنا حق حاصل کرنے، یا اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو دور کرنے کیلئے مال خرچ کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ دینے والے کے حق میں رشوت شمار نہیں ہوگی، بلکہ یہ فقط لینے والے کے حق میں رشوت شمار ہوگی۔

(۷۰۸) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهَّزَ جَنِيْشًا، فَفَنَدَتِ الْإِبِلُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى فَلَايِصِ الصَّدَقَةِ، قَالَ: فَكُنْتُ آخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ. رواه الحاكم والبيهقي، وَرَجَّاهُ ثِقَاتٌ. حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ اونٹ ختم ہو گئے۔ تو آپ نے ان کو صدقہ کے اونٹوں پر (ادھار اونٹ) لینے کا حکم ارشاد فرمایا راوی کہتے ہیں میں ایک اونٹ، صدقہ کے دو اونٹوں کے بدلہ لیتا تھا۔ (اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں)

لعوی تشریح: ﴿ان يجهز جيشا﴾ وہ ساز و سامان تیار کریں، جس کی لشکر کو ضرورت ہے۔ سواریاں، اسلحہ وغیرہ۔ ﴿فنفدت الابل﴾ نفدت میں نون پر فتح ”فا“ کے نیچے کسرہ اور دال مہملہ۔ ختم ہو گئے، کم رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مجاہد کو ایک اونٹ دے دیا، مگر اس کے باوجود کچھ آدمی ایسے رہ گئے جن کو اونٹ نہ دیئے جاسکے، اس لئے کہ اونٹ کم رہ گئے تھے۔ ﴿ان ياخذ على فلائص الصدقة﴾

قلائص قلوص کی جمع ہے۔ قلوص کے قاف پر فتح ہے۔ جو ان اونٹ کو کہتے ہیں۔ یعنی آپ نے ان کو حکم ارشاد فرمایا کہ ”جتنے اونٹ کم رہ گئے ہیں اتنے ادھار خرید لیں کہ باقی لوگوں کو پورے آجائیں اور جب عاملین صدقہ صدقات کے اونٹ لے کر آئیں گے، اس وقت ان کی قیمت ادا کر دینا۔“ ﴿السی ابل الصدقة﴾ یعنی اس وقت تک ادھار جب صدقہ کے اونٹ بیت المال میں آجائیں۔ یہ حدیث حیوان کو حیوان کے بدلہ ادھار فروخت کرنے کو جائز قرار دیتی ہے۔ جبکہ ادھار ایک طرف سے ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو قرض خریدنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور اس بیع کو جائز کہتے ہیں جبکہ احناف حیوانات کا قرض لینا جائز نہیں سمجھتے۔

(۷۰۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْمُرَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ نَمْرٌ كَهَ آدَىٰ بِلُغٍ كِي تَازِه كُجُورِي خَشَك كُجُورِي حَاطِطِهِ إِنْ كَانَ نَحْلًا يَتَمَرُ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَيْبٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلٍ طَعَامٍ، نَهَى عَنْ ذَلِكَ كُلِّهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿نمر﴾ ”نم“ کے ساتھ پھل کے معنی میں۔ ﴿کرما﴾ کاف پر فتح اور ”را“ ساکن۔ انگور کی بیل۔ اس جگہ انگور مراد ہے۔

(۷۱۰) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَسُئِلَ عَنْ اشْتِرَاءِ الرُّطْبِ بِالثَّمَرِ، فَقَالَ: «أَيَنْقُصُ الرُّطْبُ إِذَا بَيْسَ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ. رَوَاهُ الْخَنَسَاءُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ جِبَانَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ سے سوال کیا جا رہا تھا کہ تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے بدلے فروخت کی جاسکتی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”کیا وہ خشک ہو کر وزن میں کم رہ جاتی ہیں؟“ لوگوں نے کہا ہاں! تو آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ ابن مدینی، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

(۷۱۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِيِّ بِالْكَالِيِّ، يَعْنِي الدَّيْنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ادھار کے بدلہ ادھار یعنی قرض کے بدلہ قرض کو فروخت کرنا ممنوع فرمایا ہے۔ (اسے اسحق اور ہزار نے

کرتے تھے کہ فلاں کھجور کے درخت کی کھجوریں تمہاری۔ اس طرح عطیہ میں دی گئی کھجور کو ”عریہ“ کہتے تھے، یعنی ان کی فروخت میں اجازت کا مفہوم یہ ہے کہ مساکین ان کے باغات میں ان درختوں کا پھل کھانے جایا کرتے تھے، اس لیے ان کے داخلے سے مالک باغات کو تکلیف ہوتی تھی، یا پھر یہ ہوتا کہ مساکین اپنی ضرورت و محتاجی کی وجہ سے ان کے پکنے کا انتظار نہ کر سکتے تھے تو وہ اپنے حصہ کے پھل فروخت کر دیتے جب کہ پھل ابھی درختوں پر ہی ہوتے تھے اور ان کے بدلے خشک کھجوریں لے لیتے۔ اور مالک باغات روز مرہ کی آمدورفت کی تکلیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مسکینوں سے درختوں پر تر کھجوروں کو خشک کھجوریں دے کر خرید لیتے۔ یہ بیع بعینہ بیع مزاہنہ ہی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بیع مزاہنہ کو ممنوع قرار دیا تو ضرورت و حاجت رفع کرنے کی بیع عرایا کی اجازت مرحمت فرمادی، اس شرط پر کہ کھجور کے ان درختوں پر پھل کا تخمینہ لگا کر ان کے بدلے ماپ کراتی کھجوریں دے دیں۔ نووی کی رائے یہ ہے کہ ”عریہ“ یہ ہے کہ اندازہ و تخمینہ لگانے والا کھجور کے درختوں پر موجود کھجوروں کا اندازہ لگائے اور کہے کہ یہ تر کھجوریں جو درختوں پر ہیں، یہ خشک ہو کر اتنی مقدار، یا اتنے ماپ میں رہ جائیں گی۔ مثلاً اس سے خشک ہونے کے بعد تین وسق کھجوریں حاصل ہوں گی، یا مثلاً ان کھجوروں کو اگر فروخت کرے گا تین وسق ملیں گی، اسی مجلس میں بائع اپنی قیمت اور مشتری اپنی بیع پر قابض ہو گئے۔ پس خریدار خشک کھجوریں حوالے کرے گا اور فروخت کنندہ کھجور کا درخت سپرد کر دے گا۔ یہ بیع پانچ وسق سے کم مقدار میں جائز ہے اور پانچ وسق سے زائد کی بیع جائز ہیں۔ پانچ وسق کے جواز کے بارے امام شافعی کے دو اقوال ہیں۔ اور دونوں میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔ بیع عریہ کی اور بہت سی صورتیں اور شکلیں ہیں ان کی یہاں گنجائش نہیں۔ بڑی کتابیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اور ﴿بیع اصول﴾ سے مراد ہے درختوں کی جڑ کا فروخت کرنا۔ اور ان کے پھلوں کی فروخت سے مراد ہے کہ درختوں کے علاوہ صرف ان کے پھلوں کی فروخت۔ ﴿یاخذھا اهل البیت﴾ ”کھجور کے درختوں کے مالک“ ﴿بخرصھا﴾ اندازہ لگائی گئی کھجوریں خشک رہ جانے کے بعد جتنی رہ سکتی ہوں اس کے بدلہ میں۔

(۷۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عرایا میں اجازت و رخصت عنایت فرما دی۔ بایں صورت کہ تازہ کھجوروں کو خشک کے عوض اندازے سے فروخت کر لیا جائے، جبکہ یہ پانچ وسق کی مقدار سے کم ہوں، یا پھر پانچ وسق ہوں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فیمادون خمسۃ اوسق اوفی خمسۃ اوسق﴾ او کے لفظ پر راوی کاٹک ہے،

یعنی راوی کو شک ہے کہ یہ الفاظ فرمائے یا نہیں۔ دلائل بہر حال اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ پانچ وسق کی فروخت بھی حرام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں پانچ اوسق سے کم یا زیادہ سے زیادہ پانچ وسق تک فروخت کی اجازت ہے۔ مگر یہ راوی کا شک ہے جس راوی نے شک کیا ہے اس کا نام داؤد بن حصین ہے۔ اس شک کی وجہ سے پانچ وسق سے کم مقدار کی فروخت ہی درست ہوگی۔ ایک وسق میں چار من ہوتا ہے تو پانچ وسق کی مقدار بیس من ہوئی۔ اس طرح گویا بیس من سے کم تک کی فروخت کی اجازت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا خرس یعنی اندازہ و تخمینہ شرع میں جائز ہے بشرطیکہ تخمینہ لگانے والا اس فن سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اور کسی کی رو رعایت کے بغیر ایمان داری سے اندازہ لگاتا ہو تو ایک ہی آدمی کا تخمینہ درست تسلیم کیا جائے گا۔

(۷۱۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاَحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ: وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلاَحِهَا، قَالَ: حَتَّى تَذْهَبَ عَاقِبَتُهَا.

نفعی تشریح: ﴿صلاحتھا﴾ پھلوں کی سرفی اور زردی۔ یعنی پکنے کی صلاحت نمایاں ہو جائے۔ قسطلانی کا قول ہے کہ ہر چیز میں اس کے پکنے کی صلاحت کے ظہور سے مراد ہے کہ اس میں وہ صفت پیدا ہو جائے جو غالب طور پر مطلوب ہوتی ہے۔ ﴿عاشتھا﴾ اس کی آفت۔ اس پر وارد ہونے والی آفت کا اندیشہ نہ رہے۔

(۷۱۵) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى تَرْهُوَ، وَمَا رَهْوُهَا؟ قَالَ: «تَحْمَارٌ وَتَضْفَارٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِبُخَارِيِّ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع فرمایا ہے۔ کہا گیا کہ پکنے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ”وہ سرخ رنگ کا ہو جائے اور پھر زرد رنگ کا“ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿حسی تنہو﴾ کہا جاتا ہے زہا النحل میزہو یہ اس وقت بولتے ہیں جب پھل درخت پر نمودار ہونا شروع ہو جائیں اور اڑھی یڑھی اس وقت بولتے ہیں جب وہ سرخی اور زردی اختیار کر لیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کے معنی سرخ اور زرد رنگ والے ہونا مراد ہے اور یہ اشارہ

ہے پھل کے پکنے اور آفت و نقصان سے تحفظ کی طرف۔ ﴿تحمار و تصفار﴾ دونوں میں ”را“ پر تشدید ہے باب المعیال سے ہیں۔

(۷۱۶) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا السَّائِقِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی اس کے بھی راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے انگور کو سیاہ رنگ اختیار کرنے سے پہلے اور دانے کو سخت ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے سنائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿یسود﴾ دال پر تشدید۔ سیاہ ہو جائیں، یعنی پک جائیں اور امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ جب دانا سیاہ رنگ اختیار کر لیتا ہے تو آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ﴿یشند﴾ دانے کا سخت ہونا، سے مراد ہے اس کا قوی و مضبوط اور سخت ہونا۔

حاصل کلام: احتاف اس کے قائل ہیں اور شوافع کے نزدیک وہ غلہ بایوں میں فروخت کرنا جائز ہے جس کے دانے صاف نظر آتے ہوں جیسے چاول، جو، جوار، باجرہ اور جو غلہ نظرن آئے، اسے جائز نہیں سمجھتے، مثلاً گندم، مکئی، مونگ، ماش وغیرہ۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ دونوں کو الگ کر کے فروخت کیا جائے۔ اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔

(۷۱۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَوْ بَعْتَ مِنْ أَحْيِكَ ثَمْرًا، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمِ تَأْخُذُ مَالَ أَحْيِكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟» رَوَاهُ مُسْنَدُ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ.

لغوی تشریح: ﴿جائحہ﴾ وہ آفت جو پھلوں پر وارد ہوتی ہے اور ان کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ جیسے شدید بارش، ژالہ باری، ہڈی دل، آندھی، آگ اور قحط وغیرہ۔ آسمانی اور زمینی آفات اور جو مصیبت انسانوں کے ہاتھوں پہنچ جائے، مثلاً چوری، ڈکیتی وغیرہ، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ﴿امر بوضوح الجوائح﴾ جوائح، جائحہ کی جمع ہے۔ یعنی نبی ﷺ نے فروخت کرنے والے کو حکم فرمایا ہے کہ وہ خریدار سے اتنی قیمت وصول نہ کرے جتنی آفت کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو چکی ہے۔ حدیث کے ظاہر

سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آفات سے ہر حال میں نقصان کو وضع کیا جائے، خواہ وہ پھل پکنے سے پہلے برباد ہوئے ہوں، یا ان کے پکنے کے بعد۔ خواہ نقصان معمولی ہوا ہو، یا بہت زیادہ۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تیسرا حصہ یا اس سے کچھ زائد وضع کیا جائے گا اور تیسرے حصہ سے کم نقصان کی صورت میں وضع نہیں کیا جائے گا۔ ابو داؤد رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ راس المال کے تیسرے حصہ کے نقصان کی صورت میں آفت زدہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ یحییٰ کا قول ہے کہ یہ طریقہ و سنت مسلمانوں میں جاری ہے۔

(۷۱۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ ابْتِاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تَوُزَرَ، كَعَمَلٍ كَعَمَلٍ بَعْدَ خُرِيدٍ، تَوُاسِ صَوْرَتِ فِيهِ فَتَمَرَتْهَا لِلْبَائِعِ الَّذِي بَاعَهَا، إِلَّا أَنْ فُرِخَتْ كَرْنِ وَالِ كَ هُوَ كَ۔ اَلَا يَه كَ بِشَرَطِ الْمُبْتَاعِ»۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔
 خریدار پھل کی شرط کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

لعفی تشرح: ﴿من ابتاع نخلاً﴾ یعنی کھجور کے درخت خریدے ﴿بعد ان توسر﴾ تابیر سے مجبول کا صیغہ ہے۔ تابیر کہتے ہیں پیوند کاری اس طرح کہ نہ کھجور کا گودا لے کر مادہ کھجور کے خوشے میں رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ خوشہ کھلتا اور پھٹتا ہے تو اللہ کے اذن سے وہ پھل زیادہ دیتا ہے۔ ﴿فتمرتها للبائع﴾ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کا درخت جب تک اس میں پیوند کاری نہیں کی گئی تو اس وقت تک اس کا پھل بیچ میں شامل ہے اور وہ خریدار کا حق ہے۔ جمہور کی یہی رائے ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ پیوند کاری سے پہلے اور بعد میں دونوں صورتوں میں فروخت کنندہ کا حق ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے یہ مطلقاً خریدار کا حق ہے مگر یہ دونوں احادیث کے مخالف ہیں۔

۵ - أَبْوَابُ السَّلَمِ وَالْقَرْضِ۔ پیشگی ادائیگی، قرض اور رهن کا بیان وَالرَّهْنِ۔

(۷۱۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثَّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي ثَمَرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ»۔ اَسَ چاہئے کہ ماپ، تول اور مدت مقرر کے لیے مغلوم ووزن مغلوم اِلَى أَجَلٍ۔ دے۔“ (بخاری و مسلم) اور بخاری میں ”من اسلف

مَعْلُومٌ۔ مَنَّعٌ عَلَيْهِ، وَلْيُبْحَارَيْ: ”مَنْ فِي ثَمَرٍ“ کی بجائے ”مَنْ اسلف فی شئی“ کے اسلف فی شئیء۔
الفاظ ہیں۔ ”جو شخص کسی چیز میں پیشگی دے۔“

لعنوی تشریح: ﴿ابواب السلم﴾.. سلم کے سین اور لام پر فتح ہے۔ بیع السلف کو ہی سلم کہتے ہیں، وزن اور معنی دونوں اعتبار سے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اہل عراق کی لغت میں سلم اور اہل حجاز کی لغت میں سلف کہتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی، ج: ۲، ص: ۲۷۰) اور جزری نے النہایۃ میں کہا ہے کہ بیع سلم یہ ہے کہ سونے یا چاندی یا مروجہ سکہ کے بدلے میں پیشگی قیمت دیکر ایک معلوم و متعین مدت تک چیز لینے کا سودا طے کرنا۔ بالفاظ دیگر گویا توئے صاحب مال کو قیمت سپرد کر دی اور بیع سلم کر لی۔ صاحب تحفۃ الاحوذی کہتے ہیں کہ جو قیمت جلدی ادا کر دی جائے وہ ”راس المال“ کہلاتی ہے۔ یعنی مقررہ وقت پر سپرد کرنا اور جو چیز موبل فروخت کی جائے اسے مسلم فیہ کہتے ہیں۔ اور قیمت ادا کرنے والے کو ”رب السلم“ اور جسے وہ چیز فروخت کی جائے اسے ”مسلم الیہ“ (جس کے سپرد کی گئی) کہتے ہیں اور قیاس اس عقد کے جواز سے انکاری ہے، کیونکہ یہ صورت بھی اس ضمن میں آجاتی ہے کہ جس کے پاس مال موجود نہ ہو اور وہ اسے فروخت کرے، مگر اسے صحیح احادیث وارد ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے سورۃ البقرۃ کی آیت المداینۃ (جس میں لین دین کا مسئلہ بیان ہوا ہے) بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور ﴿دھن﴾ میں ”راء“ پر فتح اور ”هاء“ ساکن۔ قرض کے بدلہ میں کوئی مال دستاویز کی بنا پر دینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ (مثلاً) آپ کسی آدمی سے قرض حاصل کرتے ہیں اور اس قرض کے بدلہ میں کوئی چیز اس کے پاس رکھ دیتے ہیں، تاکہ اسے اعتماد و بھروسہ رہے کہ آپ اس کا قرض ادا کر دیں گے۔ پس جو نہی آپ اس کا قرض ادا کریں گے آپ کی رکھی ہوئی چیز آپ کی طرف پلٹ آئے گی۔ اس عمل کو ”دھن“ کہتے ہیں اور آپ ”راہن“ کہلائیں گے۔ اور جس کے پاس چیز رکھی گئی ہے اسے ”مرتہن“ کہیں گے اور رکھی چیز ”مرہون“ اور ”رہین“ کہلاتی ہے۔ ﴿وہم یسلفون﴾ یسلفون میں ”یا“ پر ضمہ ہے۔ اسلاف سے ماخوذ ہے۔ قیمت مال (فوری) ادا کرتے ہیں اور اس کے عوض مال تاخیر سے حاصل کرتے ہیں۔ ﴿السنة والسنتين﴾ دونوں منسوب ہیں، حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے جو دراصل الی السنة والسنتين ہے۔ ﴿فی ثمر﴾ سبل السلام میں ہے، ثمر ”ٹھا اور تا“ دونوں طرح ہے اور وہ ٹھا سے زیادہ عام ہے۔ ﴿فی کیل معلوم﴾ اس میں اس بات کی دلیل ہے ماپ اور تول کروزن کی جانے والی اشیاء کا ماپ اور وزن کر کے دینا واجب ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں بے خبری و جہالت خرید و فروخت کو فاسد اور خراب کرنے والی ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ میعاد کا بھی اعتبار ہے۔ جمہور کی رائے اسی جانب ہے اور وہ کہتے ہیں کہ بیع سلم کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ جبکہ شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے۔

اور آپؐ کی امامت میں نماز ادا کی۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو خراسان پر عامل مقرر فرمایا اور کوفہ میں وفات پائی۔

(۷۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا وَأَمِنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ اسْتِثْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُدّی اللہ عنہ، وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ اسْتِثْلَافَهَا (قرضہ) ادا فرمادے گا اور جو شخص ان (کے) اِثْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

ضائع کر دے گا۔“ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿اِثْلَافَهَا﴾ اموال کو ضائع و ہلاک کرنا اور ان کو ادا نہ کرنا۔

(۷۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ فُلَانًا قَدِمَ لَهُ بَزٌّ مِّنَ الشَّامِ، فَلَوَّ بَعَثْتُ إِلَيْهِ، فَأَخَذْتُ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ بِسَبْعِينَ إِلَى مِئْسَرَةٍ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ، فَأَمْتَنَعَ. أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ”یا رسول اللہ (ﷺ)! فلاں صاحب کا شام سے کپڑا آیا ہے۔ آپؐ بھی کسی کو بھیج کر دو کپڑے کشادگی تک ادھار خرید لیں۔ آپؐ نے اس کی طرف ایک آدمی کو بھیجا مگر اس نے (ادھار دینے سے) انکار کر دیا۔ (اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿بَزٌّ﴾ ”باء“ پر فتح اور ”زاء“ پر تشدید۔ کپڑا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿مِئْسَرَةٍ﴾ سین پر فتح اور ضمہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ فراخی، کشادگی، وسعت، تو نگر و مالدار۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے چیز کا ادھار خریدنا جائز ہے۔ اس کپڑے بیچنے والے نے حضور ﷺ کو دینے سے انکار غالباً ذاتی عداوت و عناد کی وجہ سے کیا تھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ وہ یہودی تھا، آپؐ کی ذات اقدس سے اسے دشمنی تھی، اس لئے اس نے انکار کیا تھا۔

(۷۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِتَفْقِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِتَفْقِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ التَّفَقُّةُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”رہن رکھے ہوئے جانور پر (اس پر اٹھنے والے) مصارف و اخراجات کے بدلے سواری کی جاسکتی ہے۔ اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ (اس پر اٹھنے والے) مصارف کے بدلے پیا جاسکتا ہے، جبکہ وہ رہن ہو اور جو آدمی سواری کرتا ہے

اور دودھ پیتا ہے۔ اس کے اخراجات کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔“ (بخاری)

لعنوی تشریح: ﴿الظہر﴾ ظہر بمعنی پشت، کمر، پیٹھ۔ چوپایہ کی پشت اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مضبوط اور طاقتور اونٹ ہے ﴿یرکب﴾ صیغہ مجہول۔ خبر ہے امر کے معنی میں اور اسی طرح ﴿یشرب﴾ کا معاملہ ہے۔ یعنی صیغہ مجہول ہے اور یہ خبر ہے امر کے معنی میں ﴿لبن الدود﴾ دودھ کے دال پر فتح اور ”را“ پر تشدید۔ مصدر ہے، دارة کے معنی میں۔ دودھ والی ﴿بنفقتہ﴾ اس پر اٹھنے والے اخراجات کے بدلہ میں۔ سوار ہونے اور پینے والے سے مراد ہے جس کے پاس رہن رکھی گئی ہے۔ کیونکہ رہن رکھنے والا تو بر بنائے ملکیت ان پر سوار ہو سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر ”بنفقتہ“ کہنے کا کیا مطلب۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب مرہونہ کی دیکھ بھال اور حفاظت کی ذمہ داری مرتھن پر ہے تو اس کے لیے اس سے انتفاع بھی جائز ہے خواہ اس چیز یا جانور کا مالک اس کی اجازت نہ دے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحق رحمہ اللہ وغیرہا کی یہی رائے ہے۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں جس کے پاس چیز رہن رکھی گئی ہے وہ اس پر اٹھنے والے اخراجات کے بقدر اس کے دودھ اور سواری سے فائدہ لے سکتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ اخراجات سے زیادہ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ مرہونہ چیز سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں، بلکہ سارے فوائد رہن رکھنے والا اٹھا سکتا ہے۔ اس پر جو مشقت و محنت اور مصارف ہوں گے، وہ بھی اس کے ذمہ ہوں گے، مگر یہ حدیث جمہور کے خلاف ججت ہے۔

(۷۲۴) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَغْلُقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهْنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ». رَوَاهُ الدَّارِ الْقُطْنِيّ (اے دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابو داؤد وغیرہ کے نزدیک اس کا مرسل ہونا محفوظ ہے)

لعنوی تشریح: ﴿لا یغلُق﴾ باب سمع یسمع سے ہے۔ صیغہ معروف ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ مرہونہ چیز روکنے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ راہن (رہن رکھنے والا) کی ملکیت سے نکل جائے اور مرتھن (جس کے پاس رہن رکھی گئی ہو) کا اس پر قبضہ ہو جائے، اس وجہ سے کہ جو چیز اس نے قرض لی ہے وہ ادا نہ کر سکے اور وقت مقرر پر اسے چھڑانہ سکے۔ یہ اہل عرب کی عادت تھی۔ نبی ﷺ نے اس سے

عُبَيْدُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ مِثْلِهِ فِي حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ، وَآخَرُ مَوْقُوفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ (مروی ہے) بِنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ.

لغوی تشریح: ﴿اسنادہ ساقط﴾ ساقط ضعیف کے معنی میں مستعمل ہے ایسی ضعیف کہ قابل احتجاج نہیں، اس لئے کہ اس کی سند میں سوار بن معب حمدانی تھے جو نابینا موزن تھے اور وہ متروک راوی شمار کئے گئے ہیں۔

۶ - باب التَّفْلِيسِ وَالْحَجْرِ مَفْلَسٌ قَرَارِ دِينَهِ أَوْ تَصَرُّفِ رُكْنِهِ كَا

بیان

(۷۲۷) عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ابوداؤد اور مالک نے ابوبکر بن عبد الرحمن سے ان الفاظ کے ساتھ مرسل روایت بیان کی ہے کہ ”کوئی آدمی اگر کوئی چیز بیچے اور خریدنے والا مفلس ہو جائے اور بیچنے والے کو اس کی قیمت میں سے ابھی کچھ بھی نہیں ملا تو (اس صورت میں) اگر وہ بعینہ اپنا مال پالیتا ہے تو وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے اور اگر خریدار مر جائے تو پھر صاحب المتاع دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

(یعنی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابوداؤد کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے)

نہیں ہوگا جو خریدار نے ادا کر دی ہے، بلکہ اس میں سارے قرض خواہ برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فروخت کنندہ ہی زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ یہ قول ان کا نیل الاوطار میں مذکور ہے۔ ﴿وان مات المشتري فصاحب المتاع اسوة الغرما﴾ اگر خریدار فوت ہو جائے تو سامان کا مالک قرض خواہوں کے مساوی ہے۔ ”غرماء“ غین پر ضمہ اور ”راء“ پر فتح، غریم کی جمع ہے۔ قرض خواہ، یعنی وہ شخص جس کا دوسرے پر قرض ہو ﴿واسوة﴾ ممزہ پر ضمہ اور کسرہ دونوں طرح۔ یعنی وہ شخص اب سب کیلئے یکساں مساوی ہے، یعنی ان سے جس طرح ایک آدمی لے گا تو دوسرے بھی اسی طرح وصول کریں گے اور جس طرح ایک محروم رہے گا، اسی طرح دوسرے بھی محروم رہیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ افلاس اور موت میں فرق ہے۔ یہ رائے امام احمد رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ موت اور افلاس دونوں میں کوئی فرق نہیں اور مال کا اصل مالک ہی دونوں صورتوں میں زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے سے استدلال کیا جسے عمر بن خالد نے روایت کیا ہے، مگر وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ مصنف نے ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ﴿ووصله البيهقي وضعفه تبعا لابی داود﴾ اور بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابوداؤد کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے۔ اس عبارت سے بسا اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابوداؤد نے اسے موصول روایت نہیں کیا اور صرف بیہقی نے ہی موصول روایت کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ابوداؤد نے مرسل اور موصول دونوں طرح بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ مالک کی روایت صحیح ترین ہے۔ حالانکہ مالک کی روایت مرسل ہے۔ پس اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا موصول ہونا ضعیف ہے۔ رہی روایت عمر بن خالد کی جسے مصنف نے ابوداؤد کے حوالہ سے ضعیف نقل کیا ہے۔ تو صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ میں نے سنن ابی داؤد کی مراجعت کی مگر مجھے عمر بن خالد کی روایت کی تضعیف نہیں ملی۔ مگر صاحب عون المعبود نے کہا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ابوداؤد نے کہا کون ہے جو اسے پکڑتا ہے، حاصل کرتا ہے؟ ابو المعتمر کون ہے؟ یہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے نہیں جانتے۔ یہ عبارت اکثر نسخوں میں پائی گئی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب سبل السلام کو وہ نسخہ دستیاب نہیں ہوا جس میں یہ عبارت ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مصنف رحمہ اللہ پر ابوداؤد کی اس روایت کو ضعیف قرار دینے کے خلاف انکار کیا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی قسم کا مال خریدے اور اس کی رقم اس پر قرض ہو۔ اس کے بعد وہ مفلس و قلاچ ہو جائے اور ادائیگی قرض کیلئے اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے۔ اس صورت میں اس مال کے فروخت کرنے والے کو حق پہنچتا ہے کہ اگر اس کی فروخت کردہ چیز بعینہ موجود ہے تو وہ اسے بلا تردد حاصل کر لے۔ معاہدہ بیع کو فسخ کر دے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے، لیکن احناف کے نزدیک وہ تنہا اس مال کو نہیں لے سکتا، بلکہ وہ بھی عام قرض خواہوں کی طرح کا ایک قرض خواہ ہے۔ جس تناسب سے دوسرے قرض خواہوں کو قرضہ کی واپسی ہوگی اسے بھی اسی

تاسب سے قرض واپس ہوگا۔ لیکن یہ حدیث کے خلاف ہے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابو بکر بن عبد الرحمن کی مرسل حدیث جسے انہوں نے موصول بیان کیا ہے اس میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے، جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اسماعیل شامیوں سے روایت کرتا ہے تو وہ درست ہے اور اس حدیث میں اس نے حارث زبیدی شامی سے روایت کیا ہے۔ تاہم امام ابو داؤد نے مرسل کو ہی اصح اور عمر بن خلدہ کی روایت میں ابو المعتمر کو امام ابو داؤد، طحاوی اور ابن منذر نے مجہول کہا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے اس سے صرف ابن ابی ذب ہی روایت کرنے والا ذکر کیا ہے۔ اسی لئے امام ابو داؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص)

راوی حدیث: ﴿ابوبکر بن عبد الرحمن﴾ ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی مدنی۔ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ان کے نام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام محمد تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام مغیرہ تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ابوبکر اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ بڑے فقیہ، عبادت گزار اور ثقہ آدمی تھے۔ تیسرے طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ولید بن عبد الملک کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ شعبی اور زہری وغیرہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کی وفات کے سن میں اختلاف ہے۔ ۷۳ھ یا ۷۴ھ یا ۷۵ھ۔

﴿عمر بن خلدہ﴾ ابو حفص ان کی کنیت تھی۔ مدینہ منورہ کے انصار میں سے تھے۔ قاضی کے عہدہ و منصب پر فائز رہے۔ نہایت پرہیزگار، پاک دامن و عقیف، بڑے بہادر۔ حریف کے مقابل شمشیر براں، بڑے بارعب انسان تھے۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے ربیعہ الرازی نے اور خلدہ کے ”خا“ پر فتح۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان کے دادا ہیں اور ان کے والد کا نام عبد الرحمن ہے۔

(۷۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، رَوَيْتُ كِي هِيَ كَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: حضرت عمرو بن شرید نے اپنے باپ شرید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مالدار آدمی کا ادائیگی قرض میں ٹال منول کرنا، اس کی بے عزتی اور سزا دینے کو حلال کرنا ہے۔“ (اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے تعلق کے طور پر نقل کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لسی الواجد﴾ لسی کے ”لام“ پر فتح اور ”یا“ پر تشدید۔ ٹال منول، لیت و لعل، بغیر کسی عذر و رکاوٹ کے واجب الادا قرض کی رقم کو ادا کرنے سے گریز کرنا۔ ”الواجد“ مالدار آدمی، صاحب

ثروت انسان۔ ﴿یحل عرضہ﴾ یحل میں ”یا“ پر ضم۔ مضارع کا صیغہ ہے۔ یعنی قرض دینے والے کیلئے ایسی صورت میں سخت کلامی اور درشتی سے پیش آنا جائز ہے اور اس کی بے عزتی اور رسوائی کرنا درست ہے۔ ﴿عقوبتہ﴾ سزا، بایں صورت کہ اسے قید کر دیا جائے۔ مجبوس کر دیا جائے، یا بایں صورت کہ قاضی اس کا مال و متاع فروخت کر کے اس پر واجب الادا قرض ادا کر دے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مال دار اور صاحب ثروت آدمی محض اپنی خساست طبع کی وجہ سے ادائیگی، قرض میں حیلہ ہمانے، ٹال مٹول اور لیت و لعل کرے، جبکہ وہ آسانی سے قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں ہو تو ایسے آدمی کو قرض خواہ زبانی کلامی بے عزت بھی کر سکتا ہے اور بذریعہ عدالت اسے سزا دلوانے کا بھی مجاز ہے۔ جمہور علماء نے تو صرف دس درہم تک کی مالیت یا مقدار کی مساوی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے شخص کو فاسق اور مردود الشہادۃ قرار دیا ہے۔ (سبل)

راوی حدیث: ﴿عمرو﴾ ان کی کنیت ابوالولید عمرو بن شریہ (شین) پر فتح ”راء“ پر کسره) بن سوید۔ طائف کے قبیلہ ثقیف سے تھے، اسی لئے ثقیفی طائفی کہلائے۔ ثقہ تابعی ہیں۔ تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ﴿شرید رضی اللہ عنہ﴾ شرید بن سوید ثقیفی۔ ان کا نام مالک تھا۔ نبی ﷺ نے ان کا نام شرید رکھا۔ اس وجہ سے یہ نام رکھا کہ وہ اپنی قوم کا ایک فرد قتل کر کے مکہ میں آگئے تھے اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ (تطبیح لابن الجوزی) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق حضرموت سے تھا اور اس کا شمار قبیلہ ثقیف میں تھا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انہیں اہل طائف میں شمار کیا جاتا تھا۔

(۷۲۹) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتٍ ابْتِاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَأَفْلَسَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ»، فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، لَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ». رَوَاهُ مُسْنَدُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں (کافی) نقصان ہوا جس وجہ سے اس پر قرض کا بار بہت زیادہ ہو گیا حتیٰ کہ کنگال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس پر صدقہ کرو۔“ لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، مگر وہ صدقہ اتنا نہیں تھا کہ قرض پورا ادا ہو جاتا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا (یہی کچھ ہے) جو کچھ ملتا ہے لے لو۔ اس کے علاوہ تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿لیس لکم الا ذاک﴾ اس عبارت سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ صدقہ کا حکم جو قرض کی ادائیگی کیلئے آپؐ نے فرمایا تھا، وہ علی وجہ الاستحباب تھا، جب پھل کسی آفت کی زد میں آکر برباد ہو جائے تو ایسی صورت میں فروخت کنندہ کے مال سے وضع کیا جائے گا، خریدار کے مال سے نہیں۔ جیسا کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو وضع الجائحہ کے تحت پہلے گزر چکی ہے، میں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ قرض، قرضدار کے حالات کے ناموافق و نامساعد ہونے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہوگا۔ فی الحال اس سے ادائیگی کا تقاضا و مطالبہ مؤخر کر دیا جائے گا۔

(۷۳۰) وَعَنْ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَجَرَ عَلَى مُعَاذٍ مَالَهُ، وَبَاعَهُ فِي ذَيْنِ كَانٍ عَلَيْهِ. رَوَاهُ الثَّوْقَلِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُتَسَلًّا، وَزَجَّجَ إِزْنَالَهُ. روايت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے روک دیا تھا اور اس کا مال اس قرض کی رقم کے عوض میں فروخت کر دیا جو اس کے ذمہ تھی۔ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے اسے مرسل روایت کیا ہے اور اس کے مرسل ہونے کو قاتل ترجیح ٹھہرایا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حجر علی معاذ مالہ﴾ اسے اپنے مال میں تصرف سے روک دیا۔ یہ ۹۰ کی بات ہے۔ اس کے بعد ان کو یمن کی طرف بھیج دیا تھا کہ اپنے مال کا نقصان پورا کر لے۔ حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس آدمی پر قرض کا بار گراں آن پڑے اسے سربراہ ریاست، یا اس کا نمائندہ اس کے اپنے مال میں تصرف سے روک سکتا ہے، تاکہ قرض داروں کا قرض ادا کیا جاسکے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر اس کے مال سے زیادہ قرض ہو اس کا یہی حکم ہے کہ اسے مالی تصرف کے حقوق سے عارضی طور پر معطل کر دیا جائے اور سرکاری اہلکار اس کا مال خود فروخت کر کے قرض خواہوں کو ادائیگی کر دے۔ ایسا نہ کرے گا تو اثر و رسوخ والا آدمی اس کا مال غصب کر لے گا۔ خود اسے (یعنی مالک مال) اور دوسرے قرض خواہوں کو محروم کر دے گا۔ جو باہمی دشمنی اور رقابت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

راوی حدیث: ﴿ابن کعب﴾ ابو الخطاب ان کی کنیت ہے۔ عبدالرحمن بن کعب بن مالک انصاری ان کا نام ہے۔ مدینہ کے باشندے تھے۔ کبار تابعین میں سے تھے اور ثقہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عہد نبویؐ میں پیدا ہوئے اور سلیمان بن عبد الملک کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

﴿کعب بن مالک رضی اللہ عنہ﴾ کعب بن مالک بن ابی کعب انصار کے قبیلہ سلیم سے تھے۔ مدینہ کے باشندے، اور شاعر تھے۔ ان شعراء میں سے ایک تھے جنہیں شعراء نبوی کے معزز و مکرم خطاب سے نوازا گیا ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ بدر و تبوک کے ماسوا باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ یہ بزرگ ان تین معزز بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جو غزوہ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ دربار الہی میں قبولیت کے شرف سے مشرف ہوئی تھی۔ ایک قول کے مطابق ۵۰ھ میں اور ایک قول کے

مطابق ۵ھ میں ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت یہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔

(۷۳۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً، فَلَمْ يَجْزِنِي، وَعُرِضْتُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ عَشْرَةَ سَنَةً، فَأَجَازَنِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ: فَلَمْ يَجْزِنِي وَلَمْ يَرِنِي بَلْعُتْ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ. اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے مجھے اجازت نہ دی اور مجھے بالغ نہیں سمجھا۔ (ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿عرضت﴾ صیغہ مجہول۔ لڑائی کی جانب جانے کیلئے پیش کیا گیا۔ ﴿لم یجزنی﴾ اجازت سے ماخوذ ہے، یعنی مجھے لڑائی اور خرید و فروخت کرنے کے قابل نہیں سمجھا اور مجھے جنگجو اور مقاتلین کیلئے جو واجب حکم ہے میں شامل نہیں فرمایا اور نہ اپنے ساتھ نکلنے کیلئے جو حکم صادر فرمایا تھا اس میں شمار کیا اور ایک قول کے مطابق اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپؐ نے میرے لیے انعام نہیں لکھا۔ جائزہ کا معنی مجاہدین و غازیوں کا رزق و انعام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے تصرفات کی عمر پندرہ سال میں شروع ہو جاتی ہے، جسے قابل قبول اور قابل تسلیم سمجھا گیا ہے۔ مصنف بھی اس حدیث کو اس باب میں اسی لئے لائے ہیں کہ خرید و فروخت کس عمر کی قابل اعتبار ہے۔ گویا پندرہ سال سے پہلے بچہ اور پندرہ سال کا جوان، مردوں کے حکم میں آجاتا ہے۔ اس حدیث سے نوجوانوں کا شوق جہاد ملاحظہ ہو۔ آگے بڑھ کر خود اپنے آپ کو خدمت جہاد کیلئے پیش کرتا ہے۔ پہلی بار ناکامی کے بعد اگلے سال پھر قسمت آزمائی کرتا ہے اور اپنے عزم و ارادے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا فوج میں بھرتی کیلئے اس سے کم عمر والوں کو نہیں لینا چاہئے۔ اس سے یہ اصول بھی نکلا کہ فوج کی بھرتی کیلئے پہلے جسمانی ٹسٹ لینا چاہئے، اگر فٹ نہ ہو تو واپس بھیج دیا جائے۔

(۷۳۲) وَعَنْ عَطِيَّةَ الْفَرَطِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ، فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ، وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ خَلَّى

حضرت عطیہ قرظیؓ سے روایت ہے کہ بنو قریظہ سے جنگ کے موقع پر ہمیں نبی ﷺ کے روبرو پیش کیا گیا، جس کے زیر ناف بال آگے ہوتے تھے، اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے نہیں آگے تھے اسے چھوڑ

سَيِّئُهُ، فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يَنْبُتْ، فَحَلَّى دیا گیا۔ میں بھی ان میں سے تھا جس کے بال نہیں سَبِلْنِي۔ رَوَاهُ الْأَزْبَعِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ اگے تھے، لہذا مجھے بھی چھوڑ دیا گیا۔ (اسے چاروں نے وَالْحَاكِمُ روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿یوم قریظہ﴾ ۵۵ ذی قعدہ میں غزوہ احزاب کے فوراً بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔ اس غزوہ کے برپا ہونے کا سبب غزوہ خندق کے ایام میں بنو قریظہ کی عہد شکنی اور غدراری تھی اور مسلمانوں سے طے شدہ معاہدہ کو پس پشت پھینک کر عہد شکنی کا ارتکاب تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کو توڑ دیا۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین سے خفیہ اجلاسوں میں مشورے کئے۔ اس غزوہ کی انتہا بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم تسلیم کرنے پر ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اس خیال کے پیش نظر تسلیم کیا تھا کہ وہ ان سے رحم و کرم کا معاملہ کریں گے، کیونکہ بنو قریظہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبیلہ اوس کے درمیان زمانہ قدیم سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فیصلہ تسلیم کر لیا تو انہوں نے ان کے قاتل جنگ مردوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتوں کو اور ان کے بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے کا فیصلہ کیا تو ان کی یہ سزا مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور مشوروں اور غدراری کے عین مطابق تھی۔ لہذا جو بالغ تھا اسے قتل کر دیا گیا اور جو نابالغ بچہ تھا، اسے چھوڑ دیا گیا اور جس کے بارے میں بالغ اور نابالغ ہونے میں شک ہوتا، اسے برہنہ کر کے ملاحظہ کیا جاتا، جس کے زیرِ ناف بال اگے ہوتے، بغلوں میں بال اگے ہوتے اور شرم گاہ کے ارد گرد بال اگے ہوتے اسے قتل کر دیا جاتا ﴿خلی سبیلہ﴾ اس کا راستہ کھلا چھوڑ دیا جاتا، یعنی اسے قتل نہ کیا جاتا، بلکہ چھوڑ دیا جاتا۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ بالوں کا اگنا بلوغت کی نشانی ہے اور جس کے یہ بال نکل آئیں ان پر احکام شرعیہ نافذ ہوں گے اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحق رحمہ اللہ نے بالغ ہونے کی تین نشانیاں بتائی ہیں۔ عمر پندرہ سال یا احتلام۔ اگر عمر کا تعین نہ ہو سکے اور احتلام کا بھی پتہ نہ چل سکے تو پھر زیرِ ناف بالوں کی موجودگی بلوغت کی علامت ہے۔

راوی حدیث: ﴿عطیہ قریظی رضی اللہ عنہ﴾ قریظی کے ”قاف“ پر ضمہ ”را“ پر فتح۔ بنو قریظہ کی طرف نسبت کی وجہ سے قریظی کہلائے۔ صغیر صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ میں ان کے والد کے نام سے واقف نہ ہو سکا۔ ان سے مجاہد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۷۳۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ﷺ قَالَ: «لَا يَجُوزُ لِمَرْأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلَّا فرمایا ”کسی عورت کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر

بِإِذْنِ زَوْجِهَا»۔ عطیہ دینا جائز نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ
 وفي لفظ: لَا يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَمْرٌ "کسی عورت کو اپنے ذاتی مال میں کوئی معاملہ کرنے
 فِي مَالِهَا، إِذَا مَلَكَ زَوْجُهَا کا اختیار نہیں جب اس کا شوہر اس کی عصمت کا
 عِصْمَتَهَا۔ زَوَّاهُ أَخْمَدُ وَأَصْحَابُ السُّنَنِ، إِلَّا مَالُكَ هُوَ۔" (اسے احمد اور اصحاب سنن نے (ترمذی کے
 الترمذی، وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ۔ علاوہ) روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لَا يَجُوزُ لِمَرْأَةٍ عَطِيَّةٌ﴾ کہ عورت کو عطیہ دینا جائز نہیں۔ امام خطابی نے فرمایا ہے
 کہ یہ حکم اکثر علماء نے حسن معاشرت پر اور باہم ایک دوسرے کے دل کو پاک صاف رکھنے پر محمول کیا
 ہے کہ اس طرح رہن سہن میں اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ یا اس سے غیر سنجیدہ، بے سلیقہ، رشد و ہدایت
 سے عاری خاتون مراد ہے، جسے اپنے نفع و نقصان کا چنداں شعور نہ ہو۔ ورنہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے
 کہ آپؐ نے عید کے مجمع میں عورتوں کو "تصدقن" فرما کر صدقہ کی ترغیب دلائی، جس کے نتیجہ میں
 عورتوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جانب پھینک دیں اور انہوں نے اپنی چادر میں
 جمع کر لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عطیات جو اس موقع پر عورتوں نے دیئے وہ شوہروں کی اجازت کے بغیر ہی
 دیئے۔ (مخلصاً) ﴿لَا يَجُوزُ لِمَرْأَةٍ امْرُؤُفِي مَالِهَا﴾ یعنی اس کے قبضہ میں خاوند کا جو مال ہے اس میں سے
 خرچ کرنے کا اسے اختیار حاصل نہیں اور عورت کی طرف مال کی نسبت مجازاً ہے، کیونکہ اس کے تصرف
 میں دیا گیا ہے۔ اس صورت میں نہی تحریمی ہے۔ بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ اس سے اس کا اپنا ذاتی
 مال مراد ہے اس صورت میں یہ ممانعت ان کی ناقصات العقل ہونے کی بنا پر ہے۔ لہذا اس کیلئے مناسب
 نہیں کہ اپنے خاوند سے مشورہ کئے بغیر اسے خرچ کرے۔ یہ حکم ادباً اور استحباباً ہے اور یہ ممانعت بھی
 تنزیہی پر محمول ہے۔ (عون المعبود، ج: ۳، ص: ۳۱۷)

حاصل کلام: اس حدیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے ذاتی اثاثہ میں اپنے شوہر کی
 اجازت و رضامندی کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ مشہور تابعی حضرت طاؤس رضی اللہ
 اسی حدیث کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ کوئی عورت اپنے ذاتی مال میں بھی شوہر کی اجازت کے
 بغیر تصرف نہ کرے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عورت صرف ۱/۳ حصہ میں شوہر کی اجازت کے بغیر
 تصرف کر سکتی ہے، مگر باقی ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء عورت کے اس کے ذاتی مال میں تصرف کو جائز سمجھتے
 ہیں اور عورت کا ذاتی مال وہ ہے جو اسے مہر کی صورت میں شوہر کی طرف سے ملتا ہے۔ اسی طرح والدین
 کی طرف سے ملنے والا مال اور اس کی سہیلیوں اور رشتہ داروں کے دیئے ہوئے تحائف و عطیات وغیرہ۔
 نیز اس کا تجارتی منافع بھی اس کا ذاتی مال ہے اس پر شوہر یا کسی اور کا کوئی حق نہیں۔ اس لئے وہ اسے اپنی
 مرضی سے صرف کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں اتفاق فی سبیل اللہ کا عمومی حکم اس کا مقتضی
 ہے۔ تاہم عورت اگر خاوند سے مشورہ کرے، یا اس سے اجازت حاصل کرے تو یہ ان کے مابین حسن

سلوک اور باہمی اعتماد میں اضافے کا باعث ہوگا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

(۷۳۴) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهَلَالِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَجُلُّ إِلَّا لِأَحَدٍ ثَلَاثَةً: رَجُلٌ تَحْمَلُ حِمْلَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتَّى يُصِيبَ قَوَامًا، ثُمَّ يُمْسِكَ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَنَحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتَّى يُصِيبَ قَوَامًا مِنْ عَيْشِهِ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، حَتَّى يَقُولَ ثَلَاثَةً مِنْ ذَوِي الْحِجَى مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بے شک تین آدمیوں میں سے کسی ایک کے سوا کسی دوسرے کیلئے سوال کرنا حلال نہیں۔ ایک وہ آدمی جس نے ضمانت کا بوجھ اٹھایا ہو۔ اس کیلئے تاوان و ضمانت کی مقدار تک سوال کرنا جائز ہے اس کے بعد سوال کرنا چھوڑ دے اور ایک وہ آدمی جسے کوئی آفت پہنچی ہو اور اس نے اس کا مال تباہ و برباد کر دیا ہو اس کیلئے سوال کرنا حلال ہے تاوقتیکہ اس کیلئے گزران کی کوئی سبیل نکل آئے اور ایک وہ آدمی جو فاقہ میں مبتلا ہو، یہاں تک کہ اس کی شہادت اس کی قوم کے تین فاقہ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. اس کیلئے سوال کرنا حلال ہے۔“ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں صرف تین قسم کے آدمیوں کے لئے دست سوال دراز کرنے کی اجازت ہے اور وہ بھی محدود وقت کے لئے۔ انہی میں سے ایک ضامن ہے، وہ اگر مفلس نہ بھی ہو تب بھی اسے سوال کر کے ضمانت دی ہوئی رقم کو ادا کرنا جائز ہے اور جو شخص فاقہ میں مبتلا ہے اس کیلئے تین افراد کی گواہی کا حکم استحباب اور احتیاط کے پہلو سے ہے۔ اس کی حیثیت شرط کی نہیں کہ اس کے بغیر وہ سوال ہی نہیں کر سکتا جیسا کہ عمومی اولہ کی بنا پر علماء نے کہا ہے۔

صلح کا بیان

۷ - بَابُ الصُّلْحِ

(۷۳۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ. إِلَّا

حضرت عمرو بن عوف مزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جائز اور درست نہیں جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔ مسلمان اپنی شرائط پر قائم ہیں (ان کی تمام شرائط ٹھیک ہیں) مگر بجز اس شرط کے جن سے کوئی حلال چیز حرام ہو جائے یا حرام

شَرْطاً حَرَمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَمًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَنْكَرُوا صَحَّحَ کَمَا هُوَ اور دوسرے محدثین نے ان پر انکار کیا ہے عَلَیْهِ، لِأَنَّ رَاوِيَهُ كَثِيرٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ غُفَرٍ ضَعِيفٌ، وَكَأَنَّهُ أَغْتَبَرَهُ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ، وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. کیونکہ اس کا ایک راوی کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف ضعیف ہے۔ ایسا محسوس و معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی نے کثرت طرق کی وجہ سے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۷)

لغوی تشریح: ﴿باب الصلح﴾ صلح کی بہت سی اقسام ہیں۔ مثلاً دولٹنے والوں کے درمیان صلح، بیوی خاوند کے درمیان صلح اور حقوق و املاک میں نزاع کو ختم کرنے کے لئے صلح اور اس مقام پر مالی معاملات کے بارے میں صلح مراد ہے کیونکہ اسی کی یہاں خرید و فروخت کے من وجہ نسبت ہے۔ اور فقہاء کرام بھی کتاب البیوع میں اس باب کو اسی بنا پر لائے ہیں۔ ﴿والمسلمون على شروطهم﴾ یعنی مسلمان اپنی شرائط پر قائم ہیں یعنی ان پر ثابت قدم ہیں ان شرطوں سے پھرتے نہیں۔ ﴿الا شروطا حراما حلالا﴾ مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے۔ مثلاً یہ کہ کوئی یہ شرط کرے کہ مظلوم اور پریشان حال کی مدد نہ کرے۔ فقیروں اور محتاجوں کی اعانت نہ کرے ﴿واحل حراما﴾ یا حرام کو حلال کرے۔ مثلاً یہ شرط کرے کہ ظالم کی مدد کرے، باغی سے تعاون کرے یا مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی شرط کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمانوں کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام کے مخاطب اور مکلف مسلمان ہی ہیں۔ ورنہ جہاں تک صلح کا تعلق ہے تو وہ اہل کتب کے دونوں گروہوں میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی جائز ہے اور مشرکین اور دہریہ لوگوں کے ساتھ بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود اہل کتب سے بھی صلح کی ہے۔ میثاق مدینہ میں یہود مدینہ کے ساتھ صلح ثابت ہے۔ نصاریٰ، نجران کے ساتھ صلح ثابت ہے۔ صلح حدیبیہ میں آپ نے مشرکین مکہ سے صلح فرمائی۔ صلح کیلئے ضابطہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صلح شریعت اسلامیہ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو جس سے کوئی حرام چیز حلال ہو جائے یا حلال چیز حرام ہو جائے۔ حرام کو حلال کرنے والی شرط یہ ہے مثلاً ایک آدمی کہے کہ میں تمہاری حمایت میں فلاں صاحب کی بے عزتی لازماً کروں گا خواہ وہ بے قصور و بے گناہ ہی کیوں نہ ہو اور حلال کو حرام کی مثال یہ ہے کہ کوئی مسلمان کو ریشمی کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ وہ خود اسے ضرور پہنے گا یا یوں کہے کہ میں تیری خاطر اپنی اہلیہ سے قطع تعلق کر لوں گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے سوا تینوں ائمہ کرام ہر اس صلح کو جائز قرار دیتے ہیں جو شریعت کی عائد کردہ شرائط کے مخالف نہ ہو۔ بہر حال صلح میں فریق ثانی کو مجبور کر کے صلح کرنا صحیح نہیں۔ فریقین کا رضامند ہونا ہی صلح کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اور جائز شرائط کو پورا کرنا واجب ہے۔

راوی حدیث: ﴿عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ﴾ عمرو بن عوف بن زید بن ملحہ المزنی (مزنی) کے میم پر ضمه اور زاء پر فتح) یہ کثیر بن عبد اللہ کے جد امجد ہیں، قدیم الاسلام تھے بدر میں حاضر ہوئے نبی ﷺ نے انہیں حرم مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ بہت زیادہ رونے والے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہوئے۔

﴿کثیر بن عبد اللہ﴾ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کہا ہے جھوٹے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں۔ ابن حبان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے اس کے پاس اس کے باپ عن جدہ کے حوالہ سے گھڑا ہوا نسخہ ہے۔

(۷۳۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرَزَ خَشَبَةً فِي لَكْزَى كَاؤُنْ مِنْ مَنَعٍ نَهَى عَنْهُ». پھر حضرت جدارہ، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا تَهْتِكُونَ اس پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے دیکھ رہا مُعْرِضِينَ؟ وَاللَّهِ لَا زَمِينَ بَهَا بَيْنَ هَوْنِ اللَّهِ كِي قَسَمٍ! میں تو اسے تمہارے کندھوں پر اُكْنَايَكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. ماروں گا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿یغرز﴾ ”راء“ کے نیچے کسرہ۔ یغرز یضع کے معنی میں رکھے۔ ﴿مالی اراکم عنہا﴾ یعنی اس سنت سے یا اس ارشاد سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ انہوں نے اس لئے فرمایا کہ جب یہ لوگ ان سے حدیث سنتے تو اپنے سر نیچے جھکا لیتے۔ واللہ لارمین بھا اس سنت کو یا اس ارشاد کو۔ کندھوں کے درمیان مارنے یا رکھنے سے مراد یہ ہے کہ میں اس سنت کو اعلانیہ اور کھلم کھلا عمل کرا کے چھوڑوں گا اور اس کے اعلان سے لوگوں پر حجت قائم کر کے دم لوں گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع خشبہ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میں یہ لکڑی تمہارے کندھوں کے درمیان ماروں گا اور یہ کنایہ ہے کہ میں اس سنت کو باوجود ناپسندیدگی کے زبردستی نافذ کر کے رہوں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ طیبہ کے امیر تھے اور امیر کیلئے لازم ہے کہ وہ احکام شرعیہ کو نافذ کرے۔ علامہ الیمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مخاطب صحابہ کرامؓ نہ تھے بلکہ عام لوگ تھے جو احکام شرعیہ سے واقف نہ تھے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ہمسایہ کے ہمسایہ پر حقوق کی نشان دہی ہوتی ہے کہ تعمیرات کے موقع پر ایک دوسرے سے تعاون و معاونت کریں اور یہ بھی حق ہمسائیگی ہے کہ ہمسایہ ہمسائے کی دیوار پر اپنا شہتیر یا اپنا لینٹز رکھنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ اور اسحق رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو یہ

”تا“ پر تشدید۔ صیغہ معروف۔ حوالہ کو قبول کر لینا چاہئے۔
 ممزہ ہوتا ہے اور اکثر ممزہ کو ترک بھی کر دیتے ہیں اور ”یا“ پر تشدید دے دیتے ہیں۔ ﴿فلیتبع﴾

حاصل کلام: اس حدیث میں حوالہ کا بیان ہے۔ حوالہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ مقروض اپنے قرض میں شخصی ضمانت دے یعنی ایک شخص دوسرے سے کہے کہ فلاں صاحب کو قرض دے دو ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور دوسرا یہ کہ مقروض قرض خواہ کو اپنے مقروض کے سپرد کر دے۔ مثلاً زید نے خالد سے ہزار روپیہ لینا ہے اور خالد نے حمید سے ہزار روپیہ لینا ہے تو خالد زید سے کہے کہ تم میرا قرض حمید سے وصول کر لو۔ شریعت نے اس صورت کو بھی جائز رکھا ہے بشرطیکہ حمید اس بات کا اقرار کر لے کہ میں نے واقعی خالد کا قرض دینا ہے اور وہ ہزار روپیہ میں تجھے ادا کر دوں گا۔

اس حدیث کے الفاظ فلیحتل اور فلیتبع دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ اسے اس پیشکش کو قبول کر لینا چاہئے۔ یہ حکم اہل ظاہر کے نزدیک وجوب کیلئے ہے۔ مگر جمہور نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ عرب ممالک کے بنکوں میں ڈرافٹ کو ”حوالہ“ کہا جاتا ہے۔ اور ڈرافٹ بنا کر دینے والا بنک، رقم جمع کرانے والے کو ایک رسید جاری کرتا ہے کہ اس رسید کے ذریعہ فلاں بنک سے یہ رقم وصول کر لی جائے۔ یہ حوالہ کا جدید مروجہ نظام ہے جو کہ شریعت کی اجازت کے عین مطابق ہے۔ انشاء اللہ۔

(۷۳۹) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ
 تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: ثَوَّقَنِي رَجُلٌ مِّنَّا،
 فَعَسَلَنَاهُ، وَحَنَطْنَاهُ، وَكَفَّنَاهُ، ثُمَّ
 أَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَقُلْنَا:
 تُصَلِّيْ عَلَيْهِ، فَحَطَا حُطًّا، ثُمَّ قَالَ:
 أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قُلْنَا: دَيْنَارَانِ،
 فَأَنْصَرَفَ، فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُو قَتَادَةَ،
 فَأَتَيْنَاهُ، فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: الدَّيْنَارَانِ
 عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «حَقٌّ
 الْعَرَبِ؟ وَبَرٌّ مِنْهُمَا الْمَيْتُ؟ قَالَ:
 نَعَمْ، فَصَلَّى عَلَيْهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ
 وَالتَّيَمِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانٍ وَالحَاكِمُ.

حضرت جابر رضی اللہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے
 ایک آدمی فوت ہو گیا ہم نے اسے غسل دیا، خوشبو
 لگائی اور کفن پہنایا۔ پھر ہم اسے اٹھا کر رسول اللہ
 ﷺ کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ آپ اس
 کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے چند قدم آگے
 بڑھنے کیلئے اٹھائے اور دریافت فرمایا کہ ”کیا اس
 کے ذمہ قرض ہے؟“ ہم نے عرض کیا دو دینار تھے۔
 یہ سن کر آپ واپس تشریف لے آئے۔ ابو قتادہ رضی اللہ
 نے دو دینار کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی۔ پھر ہم آپ
 کے پاس آئے تو ابو قتادہ رضی اللہ نے کہا دو دینار میرے
 ذمہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”مقروض کی طرح لازم و
 حق ہو گیا اور میت اس سے بری الذمہ ہو گئی۔“ اس
 نے کہا کہ ہاں! پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ
 پڑھائی۔ (اسے احمد، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

ابن حبان اور حاکم دونوں نے اسے صحیح کہا ہے

لعنوی تشریح: ﴿حنطناه﴾ تحنيط سے ماخوذ ہے یعنی غسل کے بعد میت کے جسم پر مختلف قسم کی خوشبوئیں لگانا۔ ﴿فخطا خطا﴾ چند قدم آگے چلے۔ خطا میں خاء پر ضمہ ہدی کے وزن پر خطوة کی جمع یعنی چند قدم آگے بڑھے کہ نماز جنازہ پڑھیں۔ ﴿فتحملهما﴾ دو دینار کے ادا کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ ﴿حق الغريم﴾ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، شروع میں صرف استفہام محذوف ہے یعنی کیا اس کی ادائیگی تم پر اسی طرح لازم ہے اور حق ہے جس طرح مقروض پر اس کا ادا کرنا حق ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوئے ہیں۔ (۱) میت کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ضمانت درست ہے۔ (۲) ضمانت دینے والا آدمی ضمانت کی رقم مرنے والے کے ترکہ میں سے نہیں لے سکتا، اسے اپنی جیب خاص سے زر ضمانت ادا کرنا ہوگا۔ (۳) میت کے حقوق مالیہ جو اس پر واجب ہیں مثلاً حج، زکوٰۃ اور قرضہ کی ادائیگی وغیرہ کا مرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے اس کی جانب سے دوسرے کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں۔ (۴) قرض ہو یا دوسرے حقوق العباد جب تک ان کی ادائیگی نہ کی جائے یا حقدار یا قرض خواہ خود معاف نہ کر دے کبھی ساقط نہیں ہوتے حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی از خود معاف نہیں ہو جاتے۔ (۵) قرضہ لینا بہت ہی سنگین اور سخت معاملہ ہے حتیٰ الوسع لینے سے گریز ہی کرنا چاہئے اگر لینا اشد مجبوری اور ناگزیر ضرورت ہو تو اسے جلد از جلد ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

(۷۴۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُؤْتِي بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدِّينَ، فَيَسْأَلُ، «هَلْ تَرَكَ لِدِينِهِ مِنْ قَضَاءٍ؟» فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً، صَلَّى عَلَيْهِ، وَإِلَّا قَالَ: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ»، فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ: أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوَفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَعَلَيْ قَضَاؤِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِبُخَارِي: فَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرِكْ وَفَاءً.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مقروض آدمیوں کے جنازے لائے جاتے تو پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ ”کیا اس نے قرضہ کی ادائیگی کیلئے کچھ چھوڑا ہے؟“ اگر بتایا جاتا کہ اس نے اپنا مال چھوڑا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ فرما دیتے کہ ”جاؤ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔“ پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ نے فرمایا کہ ”میں مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ لہذا اب جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرضہ کا بار ہو تو اس قرضہ کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔“

(بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ”جو آدمی مر گیا اور اس نے اتنا ترک پیچھے نہیں

چھوڑا جو قرضہ کی ادائیگی کیلئے کافی ہو۔“

لغوی تشریح: ﴿اَنَا اُولٰٓئِی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ میں ان کے اپنے نفسوں کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتا ہوں اور زیادہ قریب ہوں اور میرا حکم ان کے بارے میں ایسے جاری و نافذ ہوگا جیسا کہ خود ان کا اپنا حکم ان پر نافذ و جاری ہوتا ہے۔ بعینہ ان کے ذمہ قرض کی رقم کی ادائیگی کا بھی میں زیادہ ذمہ دار اور ضامن ہوں جبکہ وہ اسے ادا نہ کر سکتے ہوں۔ تنگ دست ہوں۔ یہ اس لئے کہ بیت المال میں سب مومنوں کا حق مساوی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ مسکین ہو اس وقت تو زیادہ ہی استحقاق رکھتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی ضروریات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے حتیٰ کہ اگر اس کا کوئی مسلمان شہری مقروض حالت میں فوت ہو گیا اور قرض کی ادائیگی کیلئے کوئی ترکہ نہ چھوڑ گیا ہو اور کوئی عزیز رشتہ دار اور دوست بھی ادائیگی قرض کی ضمانت نہ دے تو اس صورت میں اس کا قرض اسلامی ریاست کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔

اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کی اپنی امت کے معذوروں، مجبوروں اور قرض داروں کے ساتھ محبت و شفقت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ان کے حق میں کتنے مہربان، ہمدرد اور غم خوار تھے۔ سربراہان مملکت کو اپنی رعایا کے ساتھ ایسا ہی شفیق و مہربان ہونا چاہئے۔

(۷۴۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ،
عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا كِفَالَةَ فِي حَدٍّ».
حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی حد میں ضمانت و ذمہ داری نہیں۔ (اسے یہی قی نے کزور سند سے روایت کیا ہے۔)

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

شراکت اور وکالت کا بیان

۹ - بَابُ الشَّرَكَةِ وَالْوَكَالَةِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے کہ دو شراکت کرنے والوں میں، میں تیسرا ہوتا ہوں تاوقتیکہ کوئی ایک دوسرے سے خیانت نہ کرے جو نہی ان میں سے کوئی ایک خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں ان کے درمیان میں سے نکل جاتا ہوں۔“

(ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے اور امام نے اسے صحیح کہا

ہے)

(۷۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ: «قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا ثَالِثُ
الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا
صَاحِبَهُ، فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ
بَيْنَهُمَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

لغوی تشریح: ﴿باب الشَّرْكَهٖ﴾ الخ ﴿شَرَكْتُ﴾ کے شین کے نیچے کسرہ اور ”راء“ ساکن اور شین پر فتح اور ”راء“ کے نیچے کسرہ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ﴿وَكَالَهُ﴾ میں واو پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ وکالت کے معنی ہیں تفویض کرنا، سپرد کرنا۔ یعنی اپنے اختیارات کسی دوسرے کو دیکر اپنا قائم مقام بنانا۔ ﴿انا ثالث الشَّرِیکِینِ﴾ یعنی میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں حفاظت کرنے، نگرانی کرنے، نزول برکت کرنے اور مال میں مدد کرنے کی صورت میں۔ ﴿خَرَجْتُ﴾ میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں بایں صورت کہ میری حفاظت اور نگرانی اٹھ جاتی ہے۔

(۷۴۳) وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُومِيِّ حضرت سائب مخزومیؓ سے مروی ہے کہ وہ آپ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، اَنَّهُ كَانَ شَرِيكَ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ الْبُعْثَةِ، فَجَاءَ بِمَرْحَبًا بِأَخِي ”مبارک ہو میرے بھائی اور میرے شریک۔“ (اسے وَشَرِيكِيْ). رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ أَحْمَدَ ابوداؤد اور ابن ماجہ تینوں نے روایت کیا ہے)

ماخذ.

حاصل کلام: یہ حدیث بتا رہی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی کاروبار میں شراکت کا رواج تھا۔ اسلام نے بھی اسے جاری رکھا البتہ جو تفاحص دور جاہلیت میں تھے ان سے شراکت کو پاک اور صاف کر دیا۔ آپ نے بعثت سے قبل شریک تجارت کی کس قدر حوصلہ افزائی اور عزت افزائی فرمائی۔ اس لئے پرانے اور دیرینہ دوستوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ جب ملاقات ہو تو خندہ پیشانی، کشادہ ظہن سے ملاقات کرنی چاہئے۔

راوی حدیث: ﴿سائب بن ابی سائب مخزومیؓ﴾ علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی ”تلقیح“ میں کہا ہے کہ ابوالسائب کا نام یحییٰ بن عائد مخزومی تھا اور صوری نے بھی عائد ہی بتایا ہے مگر ہمارے شیخ ابن ناصر نے عابد کو درست قرار دیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ مؤلفہٗ القلوب لوگوں میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے جن کا اسلام بہت عمدہ ہے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے لمبی عمریں پائیں۔ امیر معاویہؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔

(۷۴۴) وَعَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: أَشْرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ وَسَعْدٌ فِيمَا نَصِيبُ يَوْمٍ بَدْرٍ، أَلْحَدِيْتُ، وَتَمَامُهُ: «فَجَاءَ سَعْدٌ بِأَسِيرَيْنِ، وَلَمْ أَجِئْ أَنَا وَعَمَّارٌ بِشَيْءٍ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ

عمارؓ کوئی بھی چیز نہ لائے۔ (اسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِيهِمَا نَفْسَيْنِ، أَحَدُهُمَا عَلَى الصَّدَقَةِ، الْآخَرِيَّةُ مَنَّقَتْ عَلَيْهِ تَحْصِيلًا مُرْتَبِرًا فَمَيَا۔ (الحديث) (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کو یہاں وکالت کے اثبات میں نقل کیا گیا ہے۔ مکمل حدیث کا مضمون اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابن جمیل رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا ”ابن جمیل غریب و مفلس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار اور غنی کر دیا۔ اب وہ اللہ سے اسی بنا پر انتقام لیتا ہے، یہ منافق تھا۔ اس نے بعد میں توبہ کی اور سچا مسلمان بن گیا اور رہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ تو وہ میرے ذمہ ہے وہ میں ادا کروں گا اور خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کا حال تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس نے اپنا ورثہ اور مال و متاع اللہ کیلئے وقف کر رکھا ہے تو اس سے زکوٰۃ کا تقاضا کیسا؟“ اس سے معلوم ہوا کہ سربراہ مملکت زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ داری کسی مناسب شخص پر ڈال سکتا ہے۔ اور اسی لئے یہ روایت یہاں ذکر کی ہے۔

(۷۴۸) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَحَرَ ثَلَاثًا
وَسِتِّينَ وَأَمَرَ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ أَنْ يَذْبَحَ الْبَاقِيَ، الْحَدِيثُ. رَوَاهُ

مسلّم۔
حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا اور انہوں نے ۷۳ اونٹ نحر کئے۔

(۷۴۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، فِي قِصَّةِ الْعَسِيفِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاعْدُ يَا أُتَيْسُ عَلَى امْرَأَةٍ هَذِهِ، فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمُهَا»، لَمْ يَحْدِثْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿العسیف﴾ مزدور۔ اجیر کے معنی میں جو عسیت کے وزن پر ہے۔ اس کا مفصل واقعہ و قصہ تو کتاب الحدود میں آگے آ رہا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کے ہاں مزدور تھا وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا پھر مزدور کے باپ اور اس عورت کے خاوند نے آپس میں اس طرح مصالحت کر لی کہ مزدور ایک سو سبکیاں اور ایک لونڈی عورت کے شوہر کو دے کر فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد ان دونوں کو شرعی سزا یعنی حد کی خبر دی گئی تو دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ آپ کے روبرو بیان کیا۔ آپ نے سارا واقعہ سن کر زانی مرد کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا دی اور عورت

کے بارے میں فرمایا کہ، اگر وہ جرم زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو ﴿واغد﴾ جاؤ۔ غدا یغدوا غدوا سے امر کا صیغہ ہے۔ یعنی صبح سویرے جانا۔ بکثرت استعمال سے مطلق جانے پر بولا جانے لگا۔ ﴿یا انیس﴾ انس کی تصغیر ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ انیس بن ضحاک اسلمی تھے۔ ﴿فارجمها﴾ رجم سے امر کا صیغہ ہے۔ رجم پتھر مار مار کر جان سے مار دینے کو رجم کہتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے حدود میں بھی وکالت جائز ہے۔ اسی لئے مصنف نے اس حدیث کو اس مقام پر ذکر کیا ہے۔

اقرار کا بیان

۱۰ - بَابُ الْإِقْرَارِ

(۷۵۰) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتُ ابُو ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَنْ كَفَرَ بِمَا كَفَرَ بِهِ كَفَرَ بِهِ كَيْفَ يَكُونُ؟" قَالَ: "قَالَ الْحَقُّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا". نہ ہو۔" (اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ ایک لمبی حدیث وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَبَّانٍ فِي حَدِيثِهِ طَوِيلًا۔ میں)

لغوی تشریح: ﴿قل الحق﴾ سچ کو۔ خواہ تیری اپنی ذات کے خلاف پڑے یا دوسرے کے خلاف۔ پہلی تعبیر کے اعتبار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف نے باب الاقرار میں اسے بیان کیا ہے۔ حاصل کلام: اس حدیث میں حق گوئی کا حکم ہے کہ خواہ کتنے ہی ناگوار حالات سے دوچار ہونا پڑے مگر حق و صداقت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔

ادھار لی ہوئی چیز کا بیان

۱۱ - بَابُ الْعَارِيَةِ

(۷۵۱) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ حَضْرَتُ سمرہ بن جندب رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَنْ قَبِلَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ شَيْئًا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ لَمْ يَكُنْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ" قَالَ: "عَلَى الْيَدِ مَا جَبَّ تَحْتَهُ" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے أَخَذْتُ، حَتَّى تُوَدِّيَهُ"۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ) (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے وَالْأَزْنَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔ صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب العارۃ﴾ عارۃ پر تشدید اور تخفیف دونوں جائز ہیں دوسرے کسی کو کوئی چیز دینا کہ وہ فائدہ اٹھا کر واپس کر دے۔ ﴿على اليد ما جبت تحتها﴾ ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے اسے ادا کرنا بھی اس پر واجب ہے یعنی جس کسی نے دوسرے کا کوئی مال غصب کیا ہو یا عاریتاً لیا ہو یا ودیعت کے طور پر کسی نے اس کے پاس رکھا ہو اس کا واپس لوٹانا لازم ہے۔ ﴿حتى توديه﴾ تاوقتیکہ اس کے مالک کو واپس نہ دے دے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو چیز کسی سے عاریتاً لی ہو جب تک اسے اسی طرح واپس نہ

کرے وہ اس کے ذمہ واجب الادا رہتی ہے۔ ادھار لی ہوئی چیز کی ضمانت کس کی ہے؟ آیا اس کی ضمانت عاریتاً لینے والے پر ہے یا نہیں۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ ہر صورت اس کی ضمانت اس کے ذمہ ہے خواہ ضمانت کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، زید بن علی رضی اللہ عنہ، عطاء رضی اللہ عنہ، احمد رضی اللہ عنہ، اسحق رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی یہی رائے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر شرط ضمان نہ کی ہوگی تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی۔ جیسا کہ آئندہ حضرت یعلیٰ کی روایت میں آرہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شرط کے باوجود بھی ضمان نہیں بشرطیکہ خیانت نہ کرے۔

(۷۵۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَذَّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنْ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَنُهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَسْتَنْكَرَهُ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوحاتم رازی نے اسے منکر سمجھا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اد تادیبہ﴾ سے امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ائتمنک﴾ جس نے تجھے امین بنایا ہے۔ ﴿ولا تخن من خانک﴾ جس نے تیرے ساتھ خیانت کی ہے اس کے مال پر قابو پانے کے باوجود تو اس سے خیانت نہ کر۔ اسے استحباب پر محمول کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وجزاء سيئة سيئة مثلها (۳۲:۳۰) برائی کی جزاء برائی کے مثل ہے۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به (۱۶:۱۶) دونوں آیات اپنے حق کے حصول و وصول پر دلالت کر رہی ہیں۔ ابن حزم کا قول ہے کہ جس نے خیانت کی ہے اس کے مال پر قابو پانے کی صورت میں اسے اپنا حق لے لینا واجب ہے اور یہ عمل خیانت میں شمار نہیں ہے بلکہ خیانت تو اس صورت میں ہوگی کہ لینے والا اپنے حق سے زیادہ وصول کرے۔ دلائل ابن حزم کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ حق بھی انہی کا قول ہے۔ ﴿الرازی﴾ رے کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رازی کہلائے۔ رے فارس کے شہروں میں ایک مشہور و معروف شہر ہے۔

(۷۵۳) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أَتَيْتَكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ ثَلَاثِينَ دِرْعًا»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! دے دینا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اَعَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ، أَوْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاءُ؟ (ﷺ)! کیا عاریتاً جس میں ضمانت ہوگی یا اس ادھار

قَالَ: بَلْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالْإِسْنَانِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ. اودھار جو ادا کر دیا جائے گا۔ (اسے احمد، ابوداؤد اور

نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اعاریہ مضمونہ او عاریہ موداة﴾ سبل السلام میں ہے کہ مضمونہ اسے کہتے ہیں کہ تلف و ضائع ہونے کی صورت میں اس کی قیمت دی جائے اور موداة اصل صورت میں چیز واپس کرنا اگر اس شکل میں باقی ہو۔ اگر تلف و ضائع ہو جائے تو قیمت کی ادائیگی کی ذمہ داری نہیں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ اگر عاریت لی ہوئی چیز کی ذمہ داری قبول نہ کی ہو تو تلف ہونے کی صورت میں اس کی ذمہ داری نہیں ہوگی اور یہ بات تمام اقوال سے واضح ترین ہے۔

(۷۵۴) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ، حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ حنین کے موقع پر اس (صفوان) سے کچھ زرہیں عاریت لیں۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ! کیا آپ زبردستی غصب کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ”نہیں! بلکہ ضمانت کے ساتھ عاریت لے رہا ہوں۔“ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالْإِسْنَانِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ، وَأَخْرَجَ لَهُ شَاهِدًا ضَعِيفًا عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللہ تعالیٰ عنہما۔ (اسے ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ایک ضعیف روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی بطور شہادت ہے)

لغوی تشریح: ﴿اغصب﴾ دراصل یہ اھو غصب ہے یعنی کیا یہ زبردستی ہے اور ایک نسخہ میں ”غصباً“ منصوب بھی ہے، اس صورت میں معنی ہوگا کیا آپ یہ زرہیں زبردستی چھین رہے ہیں ﴿بل عاریہ مضمونہ﴾ جس کسی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ عاریہ مضمونہ ہے اس نے لفظ مضمونہ سے عاریت کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے یعنی عاریت لی گئی چیز کی شان یہ ہے کہ اس کی ضمانت ہے اگر تلف ہو جائے گی تو ادا کی جائے گی اور جس نے کہا ہے کہ عاریت لی ہوئی چیز کی کوئی ضمانت نہیں اس نے لفظ مضمونہ کو اس کی مخصوص صفت قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں تم سے یہ چیز عاریت اس طرح لے رہا ہوں کہ اس کی واپسی کی ضمانت ہے ایسا نہیں کہ عاریت بغیر کسی ضمانت کے لے رہا ہوں۔ (نیل الاوطار)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم سے بھی عاریت کوئی چیز لینی جائز ہے اور ضمانت پر مستعار لی ہوئی چیز کو واپس کرنا بھی ضروری ہے اگر کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور اگر عاریت لینے والا عدا سے تلف و ضائع کر دے تو اس صورت میں سب کے نزدیک اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

راوی حدیث: ﴿صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ﴾ اس سے صفوان بن امیہ بن خلف بن وہب قرشی مراد ہیں جو مکہ کے باشندے اور قبیلہ جمحی سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤلفہ القلوب صحابہؓ میں سے تھے اور اشراف قریش میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے روز فرار ہو گئے تھے۔ ان کیلئے امان طلب کی گئی تو وہ واپس لوٹ آئے اور بعد میں حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اس وقت یہ حالت کفر میں تھے بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہترین اسلام کا ثبوت دیا۔ جن دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایوں نے شہید کیا انہیں ایام میں یہ فوت ہوئے۔

غصب کا بیان

۱۲ - بَابُ الْغُصْبِ

(۷۵۵) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے ایک باشت بھر زمین کسی سے چھین لی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اتنا ظلماً، طوقہ اللہ اللہ یوم القیامۃ من حصہ زمین ساتوں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الغصب﴾ ”غبن“ پر فتح اور ”صاد“ ساکن۔ ناحق کسی چیز کا حاصل کرنا، زبردستی کوئی چیز چھین لینا۔ ضرب یضرب باب سے ہے۔ مختار الصحاح میں ہے کہ اس کا استعمال غصبہ منہ اور غصبہ علیہ ہے چنانچہ اس کے معنی ہیں اس سے چھیننا اور غصبہ علیہ کا مطلب ہے کسی پر زبردستی کرنا یا مجبور کرنا اور ”اعتصاب“ بھی اسی معنی میں ہے اور وانشئ غصب و مغصوب کا مطلب ہے چھیننا ہوا مال۔ ﴿اقتطع﴾ زبردستی چھین لے۔ ﴿شبرا﴾ شین کے نیچے کسرہ اور ”با“ ساکن۔ انگوٹھے کے سرے اور چھنگل کے سرے کے درمیان کا فاصلہ۔ یعنی باشت بھر۔ ﴿طوقہ﴾ اللہ تعالیٰ اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈال دے گا اور یہ بھی معنی کیا گیا ہے کہ ایسے آدمی کو ساتوں زمینوں تک دھنسا کر سزا دے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس زمین میں گڑھا کھودنے اور اس کی مٹی کو محشر کی طرف منتقل کرنے کی سزا دی جائے گی۔

(۷۵۶) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ، فَأَرْسَلَتْ، إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ خَادِمٍ لَهَا بَقْصَعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ، فَضَرَبَتْ يَدَهَا فَكَسَرَتِ الْقُصْعَةَ، فَضَمَّهَا، وَجَعَلَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں تشریف فرما تھے۔ کسی دوسری ام المؤمنین نے اپنے خادم کے ذریعہ ایک پیالہ بھیجا جس میں کچھ کھانا تھا تو اس بیوی نے اپنا ہاتھ مارا کہ وہ پیالہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے اس پیالہ کو جوڑ کر اس میں کھانا ڈال دیا اور فرمایا کہ

لعوی تشریح: ﴿فلیس له من الزرع﴾ کھیتی باڑی سے جو کچھ حاصل ہو۔ وہ زمین کے مالک کا ہوگا۔ بیج بونے والے کیلئے بجز اس بیج کے کچھ نہیں جو اس نے زمین میں بویا ہے یا جو زمین میں ڈالا ہے۔ ﴿ولہ نفقۃ﴾ یعنی جو اخراجات زمین کو سیراب کرنے میں صرف ہوئے اسے وہی ملیں گے۔ امام احمد رحمہ اللہ، اسحق رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور مدینہ کے اکثر علماء کا یہی مسلک ہے اور یہی راجح مذہب ہے مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کھیتی تو غاصب کی ہے اور اس پر زمین کا کرایہ ہے۔ مگر اس قول پر کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس حدیث کے مقابلہ میں پیش ہو سکے۔ ﴿ویقال ان البخاری ضعفہ﴾ یہ قول علامہ خطابی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان سے اس کے خلاف یہ نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

(۷۵۸) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي أَرْضٍ غَرَسَ أَحَدُهُمَا فِيهَا نَخْلًا وَالْأُخْرَى لِلْأُخَرَ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْأَرْضِ لِصَاحِبِهَا، وَأَمَرَ صَاحِبَ النَّخْلِ أَنْ يُخْرِجَ نَخْلَهُ: وَقَالَ: لَيْسَ لِعِمْرَقٍ ظَالِمٌ حَقٌّ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ. وَأَخْرَجَهُ عِنْدَ أَصْحَابِ السُّنَنِ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، وَاخْتَلَفَ فِي وَضْعِهِ وَإِسْنَالِهِ، وَفِي اخْتِلَافِهِ تَغْيِيرٌ صَحَابِيٌّ.

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ دو آدمی نبی ﷺ کے پاس ایک زمین کا جھگڑا لے کر آئے۔ زمین ایک کی تھی اور کھجور کے درخت دوسرے نے لگا دیئے تھے تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ”زمین مالک کی ہے اور کھجور کے درخت لگانے والا اپنے درخت اکھاڑ لے“ اور فرمایا کہ ”ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔“ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔ اس حدیث کا آخری جزء اصحاب السنن نے عروہ عن سعید بن زید کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے مرسل اور موصول ہونے اور اس کے صحابی کے تعین میں بن زید، واختلف فی وضعہ وإسنالہ، وفی اختلافہ تغیر صحابیہ۔

لعوی تشریح: ﴿لیس لعرق ظالم حق﴾ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کی صورت اس طرح کہ ایک آدمی دوسرے کی زمین میں پودے لگاتا ہے اور مالک زمین سے اجازت نہیں حاصل کرتا یا دوسرے کی زمین پر مالک زمین کی اجازت کے بغیر گھر تعمیر کر لیتا ہے تو مکان تعمیر کرنے والے کو مکان کے گرانے اور پودے لگانے والے کو پودے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے الا یہ کہ مالک زمین اس کے چھوڑنے پر رضامند ہو جائے۔ اسی حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ غاصب جب زمین پر زراعت یا پودے لگا لے تو وہ اس کھیتی باڑی اور پودوں کا مالک ہو جائے گا اور مالک زمین صرف اس زمین کا کرایہ وصول کرنے کا مستحق

ہے۔ لیکن یہ حدیث اس بارے میں صریح اور واضح نہیں ہے بلکہ یہ حدیث سابقہ حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر دلالت کرتی ہے۔ غاصب کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جو کچھ پودے وغیرہ اس نے زمین میں گاڑے ہیں وہ اکھاڑ لے یا جو اس پر مصارف اٹھے ہیں وہ لے لے۔ جمہور علماء نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رگ ظالم کا حق ہے باوجودیکہ حدیث اس استحقاق کی نفی کر رہی ہے۔

راوی حدیث: «عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ» ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ عروہ بن زبیر بن عوام بن خویلد اسدی مدنی۔ کبار تابعین میں ان کا شمار ہے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں اور مشہور فقیہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں پیدا ہوئے اور ایک قول کے مطابق ۲۳ میں پیدا ہوئے اور صحیح روایت کے مطابق ۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۷۵۹) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنَى: «إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. اور تمہارے اس مینے میں واقع ہوا ہے۔

حاصل کلام: مصنف اس حدیث کو اگر باب الغصب کے شروع میں بیان کرتے تو بہت خوب ہوتا۔ بہر حال اس مقام پر اسے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کا مال غصب کرنا حرام ہے اور اس کی حرمت پر سب متفق ہیں۔

شفعہ کا بیان

۱۳ - بَابُ الشُّفْعَةِ

(۷۶۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْخُدُودُ وَصُرِفَتِ الطَّرْفُ فَلَا شُفْعَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبَخَارِيِّ. وَفِي رَوَايَةٍ مُسْلِمٍ: الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، فِي أَرْضٍ، أَوْ رُبْعٍ، أَوْ حَاطِطٍ، لَا يَصْلُحُ أَنْ يَبْنَعَ حَتَّى يَغْرِضَ عَلَى

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز میں شفیعہ کا فیصلہ دیا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو مگر جب حدود بندی ہو جائے اور راستے الگ ہو جائیں تو پھر شفیعہ نہیں۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ شفیعہ ہر مشترک چیز میں ہے (مثلاً زمین میں، مکان میں، باغ میں۔ اپنے حصہ دار (شریک) کے روبرو پیش کئے بغیر کسی کیلئے چیز فروخت کرنا درست نہیں اور طحاوی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر چیز

شَرِيكَهِ. وَفِي رِوَايَةِ الطَّلْحَاوِيِّ: مِثْلُ شَفْعَةٍ كَأَنَّ رَكْعَةً هِيَ. اس کے راوی ثقہ ہیں۔
 «قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ». وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

لغوی تشریح: ﴿باب الشفعة﴾ کے شین پر ضمہ اور ”فاء“ ساکن ہے اور جس ”فاء“ کو متحرک سمجھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ لغت میں یہ ”اشفع“ سے ماخوذ ہے اس کے معنی جوڑا کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”الزيادة“ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ”اعانة“ سے ہے اور شرعاً شفعہ کا معنی ہے کہ شریک کے حصہ کو شریک کی طرف منتقل کرنا مقرر معاوضہ کے بدلہ میں اجنبی کی طرف منتقل ہو جانا۔ (فتح الباری)

﴿فإذا وقعت الحدود﴾ مالک خریدار کو تقسیم کر کے دے دے اور رکاوٹیں واقع ہو جائیں اور آخری حدود متعین ہو جائیں۔ اور تقسیم کے ذریعہ ہر ایک کا حصہ نمایاں و ظاہر ہو جائے۔ ﴿وصرفت الطرق﴾ صرفت صیغہ مجہول۔ ”را“ مخفف اور مشدد دونوں طرح ہے۔ یعنی راستے اس طرح بنائے جائیں کہ ہر ایک کا حصہ اسے حاصل ہو جائے۔ ﴿فلا شفعة﴾ تو شفعہ نہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ شفعہ اس جائیداد میں ہو سکتا ہے جو مشترک ملکیت میں ہو محض ہمسایہ ہونا شفعہ دائر کرنے کیلئے کافی نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی رائے یہی ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے اور اقرب الی الصواب بھی یہی ہے۔ حنفیہ نے ان کی مخالفت کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ شفعہ جس طرح مشترک جائیداد میں جائز ہے اسی طرح ہمسائیگی کی بنیاد پر بھی شفعہ جائز ہے۔ ان کی دلیل آگے آرہی ہے۔ ﴿فی کل شرک﴾ شین کے نیچے کسرہ اور ”را“ ساکن۔ یعنی ہر وہ چیز جس میں کئی آدمی شریک ہوں۔ ﴿ربعہ﴾ ”را“ پر فتح اور ”با“ ساکن۔ گھر، مسکن، رہائش گاہ اور بسا اوقات زمین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿حائط﴾ باغ۔ خطابی نے کہا ہے کہ شفعہ زمین، گھریلو سامان، ان کے علاوہ دیگر ساز و سامان و متاع اور حیوان وغیرہ میں ہی واجب و لازم ہے۔ یہ رائے اکثر اہل علم کی ہے جیسا کہ ترمذی نے نقل کیا ہے ﴿لا یصلح﴾ ایک روایت میں ﴿لا یحل﴾ بھی مروی ہے۔ ﴿ان یتبع﴾ حلال نہیں یا درست نہیں حصہ دار و شریک کیلئے کہ اپنے حصہ کو اسے اطلاع دیئے بغیر فروخت کر دے۔ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے ﴿حتی یعرض علی شریک﴾ اس سے معلوم ہوا کہ شریک کے روبرو اپنا عندیہ و مدعا پیش کر دیا جائے تو پھر فروخت کرنے کی صورت میں شفعہ کا حق نہیں رہتا۔ سبل السلام میں ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب شریک کو مطلع کر دیا جائے اور اس کے بعد اس کے علاوہ دوسرے سے سودا کر لے تو کیا شریک کیلئے شفعہ کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ ایک قول تو یہ ہے اسے اس کا حق ہے۔ پہلے اطلاع دینا اس کی صحت کے مانع نہیں ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ اور حکم اور ابو عبیدہ اور اہل حدیث کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ اطلاع دینے کے بعد شفعہ کا استحقاق ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ رائے حدیث کے الفاظ کے زیادہ موافق ہے۔ رہی طحاوی کی روایت تو وہ ہر چیز خواہ منقولہ ہو

میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جہاد سے شریک ہی مراد ہو بلکہ وہ تو اس کے اور دوسری احادیث کے درمیان تطبیق متعین کرتا ہے۔ ابورافع نے جو فعل انجام دیا ہے وہ اس کی دلیل نہیں بنتا کہ یہ شریک کے سامنے شفعہ پیش کرنے کے قبیل سے ہے۔ بلکہ اس کا امکان ہے کہ اس سے مراد ہمسایہ کے ساتھ صرف بھلائی اور ایثار ہو۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ شفعہ پیش کرنے کے قبیل سے ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابورافع نے یہ الجہاد حق بسبقہ کے جملہ سے سمجھا ہے اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جو صحابی سمجھے وہ حجت نہیں بن سکتی بالخصوص جبکہ صحابی کا قول صحیح و صریح حدیث سے معارض ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جب حدود متعین ہو جائیں اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہتا۔ یہ ہمسایہ کیلئے شفعہ کے حق کی نفی میں صریح نص ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ نص ہمسایہ کے اصل حق شفعہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ نہ منطوق پر اور نہ ہی اس کے مضموم پر۔ پس گویا اس نے منطوق اور مضموم کا معنی ہی نہیں سمجھا۔ جب زمین اس کے مالکوں میں تقسیم کی جائے گی تو ان میں سے دونوں کم از کم ایک دوسرے کا ہمسایہ ہوگا اور یہ حدیث اس پر نص ہے کہ تقسیم کے بعد شفعہ نہیں۔ تو پھر یہ حدیث ہمسایہ کے حق میں شفعہ کی نفی کیوں نہیں کرتی ہے۔

(۷۶۲) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَأْتِ مَكَانَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: «جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ» كَازِيَادَةِ حَقِّ رَهْتَا هـ۔ «(اسے نسائی نے روایت کیا ہے بِالْأَدَارِ. رَوَاهُ التَّنَائِي، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَان، اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس میں علت ہے وَلَهُ عِلَّةٌ.

لغوی تشریح: (جار الدار حق بالداد) اس حدیث سے ہمسایہ کیلئے حق شفعہ کے قائلین نے ثبوت شفعہ پر استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ ہمسایہ سے شریک ہمسایہ ہی مراد ہے کیونکہ دونوں احادیث میں تطبیق کا یہی تقاضا ہے "ولہ علت" علت یہ ہے کہ اس روایت کو دو سندوں سے روایت کیا گیا ہے۔ ایک ان میں سے حسن عن سمرہ کے طریق سے ہے اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حسن نے سمرہ سے صرف عقیقہ والی حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں سنی اور دوسرا طریق قنادۃ عن انس سے ہے اور قنادۃ کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ تدلیس کرتا ہے۔

(۷۶۳) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْبَّارُ أَحَقُّ بِشَفَعَةِ جَارِهِ، حَقْدَار هـ۔ اس کا انتظار بسبب شفعہ کیا جائے گا۔ بَنْتَظَرُ بِهَا، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا، إِذَا كَانَ أَرْجُوهُ غَائِبًا هـ۔ اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک طَرِيقَهُمَا وَاحِدًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ، ہو۔» (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ اس کے

راوی ثقہ ہیں)

وَرَجَالُهُ ثَقَاتٌ.

نغوی تشریح: ﴿یَنْظُرُ﴾ صیغہ مجہول۔ ﴿بَہَا﴾ اس میں ”ہا“ کی ضمیر شفعہ کی جانب راجع ہے۔ ﴿وَإِنْ كَانَ غَائِبًا﴾ ان وصلیہ ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر حاضر کا شفعہ باطل نہیں ہوتا خواہ دیرو تاخیر ہو جائے۔ ﴿إِذَا كَانَ طَرِيقَهُمَا وَاحِدًا﴾ نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مجروح ہمسائیگی کے ذریعہ شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے مشترک راستہ ہونا ضروری ولابدی ہے۔ اس کی تائید نبی ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہوں تو پھر شفعہ کا استحقاق نہیں رہتا۔

(۷۶۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الشُّفْعَةُ كَحُلِّ الْعِقَالِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي زَائِدٍ، وَزَادَ: «وَلَا شُفْعَةَ لِغَائِبٍ». وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے۔“ (اسے ابن ماجہ اور ہزار نے روایت کیا ہے) اور ہزار نے اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ غیر حاضر و غائب کیلئے شفیعہ کا کوئی حق نہیں۔“ (اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: ﴿كحل العقل﴾ الحل میں ”حاً“ پر فتح اور لام پر تشدید۔ اس کے معنی ہیں کھولنا، جو مضبوط باندھنے کی ضد ہے اور عقل اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے کہ ابن حزم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ شفعہ رسی کھولنے کی مانند ہے اگر وہ اسے اسی جگہ پر مقید کر دے گا اس کا حق ثابت ہو جائے گا ورنہ ملامت اس کے سر۔ عبدالحق نے الاحکام میں ابن حزم سے اسے ذکر کیا ہے مگر ابن قطان نے ان کا تعاقب کیا ہے کہ ابن حزم نے اسے الحلیٰ میں روایت نہیں کیا۔ ممکن ہے محلی کے علاوہ کسی اور کتاب میں اس کا ذکر کیا ہو۔ نیز حافظ ابن حزم نے اس میں جو اضافہ نقل کیا ہے وہ اس حدیث کے معنی کو واضح کر رہا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شفعہ کا استحقاق فی الفور ہے تاخیر اور دیر کی صورت میں شفعہ باطل۔ لیکن یہ حدیث ایسی نہیں ہے کہ اس سے احتجاج کیا جائے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بیلانی ہے جو اپنے والد سے ایک ایسا نسخہ بیان کرتا ہے جو تمام تر موضوع ہے۔ اس سے استدلال بالکل جائز نہیں۔ سبل السلام میں ہے کہ بزار نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ابو ذر نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے اور بیہقی کا قول ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔ اس معنی کی تمام تر احادیث بے اصل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شفعہ شریعت میں دفع ضرر کیلئے ہے۔ اس صورت میں یہ فوری کارروائی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ کہا جائے گا کہ شفعہ کرنے والے کو اور خریدار کو سودے کے درمیان میں لٹکنے کی صورت میں کس طرح ضرر و نقصان سے بچایا جاسکتا ہے اس لئے یہ بات مقتضی ہے کہ شفعہ فی الفور کیا جائے۔ مگر یہ بات فی الفور شفعہ کرنے کے اثبات میں کافی نہیں جبکہ شفعہ کے وجود میں فی الفور کی کوئی شرط نہیں۔ اس کے ثبوت کیلئے تو دلیل کی ضرورت ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں شفعہ کو اونٹ کے بند کھولنے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا جب زانو بند کھول دیا جائے تو وہ بلا تاخیر فوراً اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اسی طرح جس وقت کوئی چیز فروخت ہو یا شفعہ کرنے والے کو اس چیز کے فروخت کئے جانے کا علم ہو اسی وقت بلا تاخیر شفعہ کر دے ورنہ تاخیر کی صورت میں اس کا شفعہ قابل قبول نہیں ہوگا اور شفعہ کا جو استحقاق اسے حاصل تھا وہ باطل ہو کر رہ جائے گا۔ یہ رائے احناف کی ہے۔ محدثین کے نزدیک تاخیر سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ شفعہ کی احادیث مطلق ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ نیز جب شفعہ کرنے والا کم سن ہو یا وہ اس وقت وہاں موجود نہ ہو تو بھی ان کو حق شفعہ کا استحقاق رہتا ہے جیسا کہ اوپر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر ہمسایہ اس موقع پر موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔ ظاہر ہے اگر اس کا حق شفعہ باطل ہوتا تو پھر اس کا انتظار کرنے کے کیا معنی؟

مضاربت کا بیان

۱۴ - باب القراض

(۷۶۵) عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرْكََةُ الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لَنْبِتٍ، لَا لِلْبَيْعِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تین کلام بڑے بابرکت ہیں۔ ایک مدت مقررہ تک بیچنا اور مضاربت کرنا اور گندم میں آجلہ، وَالْمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لَنْبِتٍ، لَا لِلْبَيْعِ“ (اسے بالشعیر لنبت، لا للبيع)۔ رواہ ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تشریح: ﴿باب القراض﴾ میں قاف کے نیچے کسرہ اور اہل حجاز لغت میں مقارضہ بولتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ سرمایہ ایک آدمی کا ہو اور وہ اپنا سرمایہ کسی دوسرے آدمی کو تجارت کرنے کے لئے دے اس شرط پر کہ دونوں میں طے شدہ شرائط کے مطابق منافع تقسیم ہوگا۔ حاصل کلام: اس کی سند اس لئے ضعیف ہے کہ اس میں تین راوی مجہول ہیں۔ ایک نصر بن قاسم، دوسرا عبدالرحیم بن داؤد اور تیسرا صالح بن صہیب۔ اس لئے یہ روایت ضعیف ہے۔

راوی حدیث ﴿صہیب رضی اللہ عنہ﴾ ابویحییٰ صہیب بن سنان رومی۔ اصل میں عرب ہیں نمر بن قاسم بن وائل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ رومیوں نے انہیں یمن میں قید کر لیا تھا۔ انہی میں نشوونما پائی اس وجہ سے رومی کہلائے۔ ایک قول کے مطابق جب یہ بڑے ہوئے اور سن شعور کو پہنچے تو ان کے ہاں سے بھاگ کر مکہ میں پہنچ گئے اور عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بنو کلب نے ان کو رومیوں سے خرید لیا اور اسے مکہ میں لے آئے اور وہاں عبداللہ بن جدعان مشہور صحابی نے جو قدیم الاسلام تھے ان کو خرید لیا۔ اللہ کی راہ میں ان کو بڑی سزا دی گئی۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور

مدینہ منورہ ہی میں ۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۷۶۶) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أَنَّهُ كَانَ جب کسی شخص کو مضاربت پر اپنا سرمایہ دیتے تھے تو يَسْتَرْطِ عَلَى الرَّجُلِ، إِذَا أَعْطَاهُ اس سے یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ میرے مال سے مَالًا مُقَارَضَةً، أَنْ لَا تَجْعَلَ مَالِي حيوان کی تجارت نہ کرو گے اور سمندر میں لے کر فِي كَيْدِ رَطْبَةٍ، وَلَا تَحْمِلُهُ فِي بَحْرٍ، بھی نہیں جاؤ گے اور سیلاب کی جگہوں میں لے کر وَلَا تَنْزِلَ بِهِ فِي بَطْنٍ مَسِينٍ، فَإِنْ اسے نہیں جاؤ گے۔ ان میں سے کوئی کام بھی اگر تم فَعَلْتَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَدْ ضَمِنْتَ نے کیا تو میرے مال کے تم خود ضامن و ذمہ دار ہو مَالِي. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَرَجَّاهُ يَقَاتُ. (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿فی کبد رطبہ﴾ اس سے مراد حیوان ہے۔ یعنی ذی روح نفس۔ ﴿بطن مسیل﴾ پانی کے بننے کی جگہ یعنی وادی۔ ﴿ضمنت مالی﴾ میرے مال کا تو ذمہ دار و ضامن ہوگا، اگر وہ ضائع ہو گیا۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ مالک سرمایہ مضاربت کرنے والے کو جس چیز سے چاہے روک سکتا ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ عَنْ امام مالک رضی اللہ عنہ نے مؤطا میں علاء بن عبد الرحمن بن العلاء بن عبد الرحمن بن یعقوب باپ اور اس کے دادا کے واسطے سے بیان کیا يَعْقُوبُ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّهُ ہے کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مال میں عَمِلَ فِي مَالِ لُعُثْمَانَ، عَلَى أَنَّ تجارت اس شرط پر کی تھی کہ منافع دونوں کے الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا. وَهُوَ مَوْقُوفٌ صَحِيحٌ. درمیان تقسیم ہوگا۔ (یہ حدیث موقوف صحیح ہے)

راوی حدیث: ﴿علاء﴾ ان کی کنیت ابو ثعلبہ ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے۔ علاء بن عبد الرحمن بن یعقوب جہنی۔ قبیلہ حرقہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حرقہ کے ”حا“ پر ضمہ اور ”را“ پر فتح ہے۔ مدینہ کے باشندے تھے۔ صغار تابعین کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ صدوق تھے کبھی وہم بھی ہو جایا کرتا تھا۔ امام احمد رضی اللہ عنہ دوسرے محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ واقدی نے کہا ہے کہ خلیفہ منصور عباس کے دور میں وفات پائی۔

﴿عبد الرحمن بن یعقوب﴾ عبد الرحمن بن یعقوب جہنی قبیلہ سے ہونے کی بنا پر جہنی کہلائے اور مدینہ میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے مدنی کہلائے۔ اوسط تابعین کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔

﴿يعقوب﴾ یعنی جھنی حرقہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کبار تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے قلیل روایات مروی ہیں۔

۱۵ - باب المساقاة والإجازة آپاشی اور زمین کو ٹھیکہ پر دینے کا

بیان

(۷۶۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَامِلَ أَهْلِ خَيْبَرَ بِسَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. سَعْدُ بْنُ أَبِي عَدُوٍّ (بخاری و مسلم)

اور ان دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ اہل خیبر (یہود) نے خود آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو یہاں ٹھہرنے دیں یعنی زمینوں پر قابض رہنے دیں۔ وہ کھیتی باڑی کریں گے اور اس کی پیداوار میں سے مسلمانوں کو آدھا حصہ دیا کریں گے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا ”اس شرط پر کہ ہم تمہیں جب تک چاہیں گے رہنے دیں گے۔“ یہ فرما کر ان کو ان زمینوں پر برقرار رکھا۔ یہ زمینوں پر برقرار رہے تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کر دیا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کی کھجوریں اور زمین اسی شرط پر دی تھیں کہ وہ اپنے اموال سے ان پر کام کریں گے اور ان کیلئے ان کی پیداوار کا آدھا حصہ ہوگا۔

وَلَمُسْلِمٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَحْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا، عَلَى أَنْ يَغْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ، وَلَهُمْ سَطْرٌ ثَمَرِهَا.

لعنوی تشریح: ﴿باب المساقاة والإجازة﴾ مساقاة کہتے ہیں کہ کھجور کے درختوں کا مالک اپنے درخت ایک آدمی کو دے کہ وہ اس میں کام کرے تاکہ وہ درختوں کی نگرانی کرے اور پھل صحیح طور پر پک جائے۔ تو پھل پکنے پر آدھا مالک کا اور آدھا کام کرنے والے کا ہو گا۔ پس دو حصوں میں سے ایک حصہ تو فی نفہ درختوں کا ہے اور دوسرا عمل کا ہے جیسا مزارعت میں ہوتا ہے اور مشہور قول کے مطابق

اجارہ میں حمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور یہ لغت میں اجرت کا نام ہے اور شرعاً یہ ایسا عقد ہے جس سے معلوم منافع مقصود ہو خرچ کرنے کے قائل ہو اور معلوم معاوضہ کے بدلہ مباح ہو جیسا کہ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ﴿بشطر ما یخرج﴾ شطر کا معنی نصف۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنے حصہ پر اتفاق ہو وہ معلوم ہونا چاہئے مجمل نہیں۔ ﴿یقرہم بہا﴾ ان کو خیر پر برقرار رکھا۔ ﴿یکفوا﴾ کفایت سے ماخوذ ہے۔ ﴿فقرؤا﴾ ”را“ پر تشدید قرار سے ماخوذ ہے۔ باب سمع اور ضرب دونوں سے آتا ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برقرار رکھا۔ ﴿اجلاہم﴾ ان کو جلا وطن کر دیا نکال کر۔ یتاء اور اریحاء کی طرف بھیج دیا۔ ﴿یعتملوها﴾ ان زمینوں کی آباد کاری اور درستی کیلئے جدوجہد اور مساعی کریں اور ان کو درست و ٹھیک کرنے کیلئے آلات تمام کے تمام مثلاً کھلاڑی، کدال اور دار نختی وغیرہ اپنے استعمال کریں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے نصف، نصف کی بٹائی پر زمین دینا ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی ائمہ ثلاثہ اور علماء سلف و خلف مزارعت کے قائل ہیں۔

خیبر کے یہود کو آپؐ نے زمین جس شرط پر دی تھی اس کی رو سے پیداوار حاصل کرنے کیلئے جتنے کام بھی ہوتے ہیں سب ان کے ذمہ تھے۔ جیسے زمین سیراب کرنا، نہروں کی صفائی و کھدائی، گھاس پھونس سے فصل کو محفوظ رکھنا وغیرہ۔ احناف نے خیبر کے معاملہ کی جو تاویل کی ہے کہ یہ لوگ آپؐ کے غلام تھے صحیح نہیں ہے کیونکہ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ نفرکم ما فرکم اللہ ہم تمہیں صرف اس وقت تک برقرار رکھیں گے جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ برقرار رکھے گا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے غلام نہیں تھے۔ تو پھر احناف کی یہ تاویل بھی باطل اور مردود ہے کہ وہ آپؐ کے غلام تھے۔

(۷۶۸) وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ، حضرت حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں قَالَ: سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ إِكْرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ، إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَقْبَالَ الْجَدَاوِلِ، وَأَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ، فَيَهْلِكُ هَذَا وَيَسْلُمُ هَذَا، وَيَسْلُمُ هَذَا، وَيَسْلُمُ هَذَا، وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هَذَا، فَلِذَلِكَ زَجَرَ عَنْهُ، فَأَمَّا شَيْءٌ

نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سونے اور چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ اپنی زمین اس شرط پر دیا کرتے تھے کہ جو کچھ پانی کی نالیوں اور پانی کے بہاؤ میں پیدا ہوگا اور کچھ حصہ باقی بھیتی کا وہ تو میں لوں گا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا یہ حصہ تباہ و برباد ہو جاتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ اس حصہ میں کچھ پیداوار ہی نہ ہوتی اور لوگوں کو ٹھیکہ اسی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

مَعْلُومٌ مَّضْمُونٌ، فَلَا بَأْسَ بِهِ. رَوَاهُ سے منع فرمایا تھا۔ پس اگر کوئی چیز مقرر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

وَفِيهِ بَيَانٌ لِّمَا أُجْمِلَ فِي الْمُتَّفَقِ اور اس میں اس کا بھی بیان ہے جسے بخاری و مسلم عَلَيْهِ مِنْ إِطْلَاقِ النَّهْيِ عَنْ كِرَاءٍ نے مجمل بیان کیا ہے کہ ”زمین ٹھیکے پر نہ دیا کرو۔“

لغوی تشریح: ﴿ماذیبات﴾ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں ذال کے نیچے کسرہ ہے اور قاضی عیاض نے بعض راویوں سے صحیح مسلم کے علاوہ ذال کے فتح سے بھی بیان کیا ہے۔ یعنی پانی بننے کی جگہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ پگڈنڈیوں کے دونوں جانب کناروں پر اگنے والی چیزیں اور ایک قول یہ بھی ہے جو کچھ چھوٹی چھوٹی ندیوں کے ارد گرد آتا ہے۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ معرب ہے یعنی عجمی لوگ اسے اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ اہل عرب نے بھی اسے عربی شکل دے کر عربی میں استعمال کرنا شروع کر دیا ﴿اقبال السجدوال﴾ اقبال میں حمزہ پر فتح قبل کی جمع اور ”جداول“ چھوٹی ندی نالے یعنی ندیوں کے سروں اور ان کے شروع میں پیدا ہونے والی پیداوار۔ یہ حدیث مساقات و مزارعت کی جس صورت کو ممنوع قرار دے رہی ہے، وہ ہے نامعلوم پیداوار اور اس کی مقدار۔ یہ لوگ فاسد شرطیں طے کرتے تھے، ان سے منع کیا گیا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ندیوں، نالوں اور پگڈنڈیوں کے گرد پیداوار کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے جو سالم رہ جاتی تھی اور باقی فصل ساری برباد ہو جاتی تھی یعنی جو مشترک کھیتی باڑی ہوتی وہ برباد ہو جاتی کہ کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ اس صورت میں دھوکہ و فریب اور کھلا کھلا خطرہ پایا جاتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿حفظہ﴾ بن قیس بن عمرو زرقی انصاری۔ اہل مدینہ کے ثقہ تابعی ہیں۔ ایک قول کے مطابق ان کو مشرف روایت نبویؐ حص حاصل ہے۔

(۷۶۹) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ حضرت ثابت بن ضحاک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ، وَأَمَرَ تَحِيكَهُ پر دینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿بالمواجرۃ﴾ سونے یا چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا۔ یہ حدیث مزارعت کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے اور بظاہر ان احادیث کے معارض و مخالف ہے جن میں اس کی اجازت دی گئی ہے مگر ابوداؤد میں حضرت عروہ کی روایت سے یہ اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج رحمہ اللہ کو معاف فرمائے، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس حدیث کا مجھے ان سے زیادہ علم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو انصاری آدمی آئے۔ دونوں جھگڑ رہے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر تمہاری یہ حالت ہے

حَبِیْثٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. ہے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کَسْبُ الْحِمَامِ حَبِیْثٌ﴾ گھٹیا اور رذیل پیشہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حرام پیشہ ہے۔ لفظ حَبِیْثٌ مطلق طور پر بول کر اس سے رذیل اور گھٹیا مراد لیتے ہیں۔ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا مَخْبِیْثٌ مِنْهُ تَنفَقُونَ (۲: ۲۲۷) لہذا رذی مال اور گھٹیا چیز کو حَبِیْثٌ کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں ورنہ وہ حرام نہیں ہے۔ جمہور علماء پیشہٴ حِمَام کو مباح سمجھتے ہیں۔ دلیل کے اعتبار سے یہی رائے قوی اور مضبوط ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۷۷۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بَنِي ثَمَّ عَدْرًا، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں قیامت کے روز تین آدمیوں کا مدعی بنوں گا پہلا وہ آدمی جو میرے نام عمد و ضمانت دے کر بد عمدی کرے۔ دوسرا وہ آدمی جو ایک آزاد آدمی کو فروخت کرے اور اس کی قیمت کھائے۔ تیسرا وہ آدمی جس نے مزدور سے کام تو پورا لیا مگر اس کی مزدوری

پوری نہ دی۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿اعطى بى﴾ یعنی اس نے میرا نام لے کر قسم کھائی، حلف لیا اور میرے نام سے معاہدہ کیا یا میرے نام پر کسی کو امان دی اور جو میں نے اپنے دین میں مقرر کیا ہے۔ (سبل السلام) ﴿استوفى منه﴾ یعنی اس سے کام تو پورا اور مکمل لیا۔

(۷۷۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ كَامُ جَسَاسٍ لِي جَاءَتْ كِتَابُ اللَّهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بے شک سب سے زیادہ مستحقِ عذاب وہ ہے جس نے جاسوسی کا کام کیا اور اس کی اجرت لی جائے کتاب اللہ ہے۔“ (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تعلیم، کتابت و طباعت وغیرہ کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ اور امام اسحق رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تعلیم قرآن کی تنخواہ لینا ناجائز ہے۔ البتہ اگر کوئی آدمی کسی سے طے کئے بغیر تعلیم حاصل کرتا ہے اور از خود اپنی مرضی سے استاذ کی مالی امداد کرتا ہے تو اسے کسی نے ناجائز نہیں کہا۔

(۷۷۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ مَزَّوَرَ كَوْنَهُ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ

عَنْ: (أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَخْلِكَ هُنَا مِنْهُ) (اسے اپنا حق دے دے پہلے کہ وہ اس سے خفا ہو جائے)۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔
روایت کیا ہے اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

جَنَامَةُ النَّبِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرمایا کہ ”اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کیلئے اُخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا جَائِزَ نَحْنُ کہ وہ اپنے لئے چراگاہ مخصوص کر لے۔“ حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿لاحمی﴾ حمی میں ”حا“ کے نیچے کسرہ اور میم پر فتح خفیفہ۔ ﴿محمی﴾ یعنی چراگاہ۔ ایسی جگہ جہاں لوگوں اور جانوروں کا داخلہ ممنوع ہو تاکہ اس میں گھاس بکثرت پیدا ہو ﴿اللا للہ ورسولہ﴾ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ سربراہ مملکت زمین کا کچھ حصہ مخصوص کر لیتا ہے تاکہ صدقہ کے اونٹ اور جہاد کیلئے رکھے ہوئے تیار گھوڑوں اور اپنی سواری کے اونٹوں کو جنہیں راہ خدا میں کام لانے کیلئے رکھا گیا ہو کو وہاں چرنے کیلئے رکھا جائے اور سربراہ مملکت کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا کرنے کا مجاز نہیں۔ ”نہایہ“ میں ہے کہ دور جاہلیت میں رکیں لوگ جب چاہتے اونچی جگہ پر کتا لے جاتے اور وہ بھونکتا، جہاں اس کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی وہ ساری زمین اپنے لئے مخصوص قرار دے لیتے کہ ان کے علاوہ دوسرا کوئی اپنا جانور چرانے کا کوئی حق نہیں رکھتا اور وہ خود اس ساری زمین میں عوام کے ساتھ اپنے کو شریک سمجھتا، جہاں ان کے جانور چرتے تھے۔ نبی ﷺ نے اس قسم کی ذاتی تخصیص کو ممنوع قرار دے دیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ بے آباد زمین کو آباد کر کے اسے ملکیت میں لینا اللہ اور اس کے رسول کے چراگاہ کو مخصوص کرنے کے منافی نہیں ہے۔ سب اہل اسلام کیلئے کوئی منفعت نہیں رہتی تھی اور دوسری صورت ایسی تھی جس کی منفعت سب کیلئے یکساں تھی۔ سب لوگ اس میں شامل ہوتے اور اس کی لوگوں کو ضرورت بھی تھی۔ لہذا اب ناسین و جانشین خلفاء جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چرانے کیلئے کچھ زمین مخصوص کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات کیلئے ایسا کرنا کسی کیلئے بھی جائز نہیں ہے۔

(۷۷۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى انْهِی (حضرت ابن عباسؓ) سے روایت ہے کہ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”اپنے بھائی کو ایسا ضرر «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبْنُ مَاجَةَ، وَهُوَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ مَثْلَهُ، وَهُوَ فِي جَائِزَ نَحْنُ۔“ (اسے احمد، ابن ماجہ دونوں نے روایت کیا

ہے اور ابن ماجہ میں ابوسعید کے حوالہ سے اسی طرح کی

حدیث منقول ہے اور وہی حدیث مؤطا میں مرسل ہے)

لغوی تشریح: ﴿لاضرر﴾ ضرر میں ”ضاد“ اور ”را“ دونوں پر فتح۔ ضرر، نفع کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسی تکلیف و اذیت نہ دے جس سے اس کے حق میں کمی واقع ہو جائے ﴿ولا ضرار﴾ ضرار میں ضاد کے نیچے کسرہ ہے جس کے معنی تکلیف دینا، دکھ پہنچانا۔ وہ اس طرح کہ جتنا کسی نے اسے ضرر و نقصان پہنچایا اس سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ اس حدیث کو اس باب میں داخل کرنے سے

مصنف کے پیش نظریہ ہے کہ بے آباد زمین کو آباد کرنا اس صورت میں جائز نہیں جس سے کسی دوسرے کو نقصان اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ بات تو امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید میں ہے جس میں انہوں نے قریب اور بعید آباد کاری کا فرق رکھا ہے اور قریب کو باذن سربراہ مشروط رکھا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ایک زریں اصول بیان ہوا وہ یہ کہ نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ضرر کا خود شکار بنو۔ گویا کسی کو بلاوجہ ضرر و اذیت میں مبتلا کرنا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔ جب کسی کو خود تکلیف دے گا تو ظاہر ہے مخالف بھی اسے اذیت دینے کی کوشش کرے گا تو اس نے گویا از خود اپنے آپ کو اذیت اور ضرر رسانی کا نشانہ و حدف بنایا۔ یہ بات واضح رہتی چاہئے کہ حدود الیہ کا نفاذ و اجراء اس حدیث کے ضمن میں نہیں آتا اس لئے کہ وہ امر الہی کی تعمیل ہے نہ کہ اپنے وہم و گمان کی پیروی۔

(۷۸۰) وَعَنْ سُمْرَةَ بِنْتِ جُنْدُبٍ حَضْرَتِ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ أَحَاطَ حَاطَاطًا زَمِينَ كَے ارد گرد دیوار بنائی، اتنی زمین اسی کی ملکیت عَلٰی اَرْضٍ فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ. ہے۔“ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن جابر نے وَصَحَّهُ ابْنُ الْجَارُودِ. اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے بھی انفرادی ملکیت نیز زمین کے ارد گرد دیوار بنانا ثابت ہوتا ہے۔

(۷۸۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ حَضْرَتِ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَبِی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کہیں کنواں کھودے تو قَالَ: «مَنْ حَفَرَ بَثْرًا فَلَهُ اُزْبُعُونَ وہاں مال مویشی باندھنے کیلئے چالیس ہاتھ زمین اس کی ذِرَاعًا، عَطْنًا لِمَا شِئِنِيهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَہ ہے۔“ (اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔) بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

لغوی تشریح: ﴿مَنْ حَفَرَ بَثْرًا﴾ بے آباد و بنجر زمین جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو، اس میں کنواں کھودا ﴿فَلَهُ اُزْبُعُونَ ذِرَاعًا﴾ وہ شخص کنوئیں کے ارد گرد چالیس ہاتھ زمین کا مالک ہوگا اس لئے کہ اس جگہ کنواں کھود کر اس نے زمین کو آباد کیا اور سرسبز و شاداب کیا ہے۔ ﴿عَطْنًا﴾ عین اور طاء دونوں پر فتح۔ جہاں اونٹ بیٹھتے ہیں اس جگہ کو کہتے ہیں نیز بکریوں کے باڑے کو بھی کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں بکریاں بیٹھتی ہیں۔

(۷۸۲) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بِنْتِ وَاثِلٍ عَنْ حَضْرَتِ علقمہ بن واکل نے اپنے باپ واکل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نَبِی ﷺ نے ان کو حضر ﷺ اَفْطَعَهُ اَرْضًا بِحَضْرَمَوْتَ. رَوَاهُ ابوداؤد اور

النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْكَلَالِ سَبْ حَصَصَ دَارِ هَيْسَ، پانی اور آگ۔“ (احمد و
وَالْمَاءِ وَالنَّارِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، ابوداؤد اس کے راوی ثقہ ہیں)
وَرَجَاءُ نَفَاتٍ.

لغوی تشریح: ﴿النار﴾ یہاں آگ سے مراد وہ ایندھن جسے لوگ حصول آگ کیلئے جلاتے ہیں اور ایک
قول یہ بھی ہے اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن سے آگ جلائی جاتی ہے جب کہ وہ کونکہ کی صورت میں
ہوتے ہیں اور بعض نے اس سے چراغ مراد لیا ہے کہ اس کے روشن ہونے سے روشنی حاصل کی جاتی
ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان تینوں چیزوں میں سے کسی کو کسی بھی انسان نے مخصوص
نہیں کیا مگر گزشتہ احادیث کی بنا پر امام و سربراہ کی مقرر کی ہوئی چراگاہ کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔

وقف کا بیان

۱۷ - بَابُ الْوَقْفِ

(۷۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، جن کا اجر و ثواب اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا
أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ. علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو،
يَدْعُو لَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. صالح اولاد جو مرنے والے کیلئے دعا کرے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الوقف﴾ لغوی معنی روکنا، محسوس رکھنا اور شرعی طور پر وقف کے یہ معنی ہیں
کہ کسی چیز کی اصل محفوظ رکھتے ہوئے مباح جگہ پر خرچ کرنا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے
فائدہ اٹھانا، اسے فروخت یا بیہ وغیرہ نہ کرنا۔ اللہ کی راہ میں دے دینا جس سے عوام فائدہ اٹھائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کو بعض اعمال کا ثواب
پہنچتا ہے۔ اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ صدقہ جاریہ، ایسا صدقہ جس کو عوام کی بھلائی کیلئے وقف
کر دیا جائے مثلاً سرائے تعمیر کرنا، کنواں، تل وغیرہ لگوانا، مساجد کی تعمیر کروانا، کوئی ہسپتال تعمیر کروانا، پل،
سڑک بنوانا ان میں سے جو کام بھی وہ اپنی زندگی میں کر جائے یا اس کے کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ وہ سب
صدقہ جاریہ شمار ہوں گے علم میں لوگوں کو دینی تعلیم دینا، دلوانا، طلباء کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنا۔
تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر جانا، مدارس کی تعمیر، دینی کتب کی طباعت و نشر و
اشاعت کا بندوبست کرنا وغیرہ۔ صالح اولاد میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ کے علاوہ روحانی اولاد
بھی شامل ہو سکتی ہے جسے علم دین سے آراستہ کیا ہو۔ ان کو راہ راست اور صراط مستقیم کی روشنی دکھائی
اور اسے ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں گرفتار ہونے سے بچالیا۔ صالح اولاد مرنے والے کو اپنے نیک و صالح

عمل کے ذریعہ اور نمازوں میں دعاؤں میں یاد رکھتی ہے اس کیلئے گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کی دعا کرتی ہے۔ یہ دراصل مرنے والے کے اپنے عمل کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو اسے مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔

(۷۸۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَرْضًا بِحَبِيرٍ، فَآتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِحَبِيرٍ، لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ، قَالَ: إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَضْلَهَا، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا، قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَضْلَهَا، وَلَا يُورَثُ، وَلَا يُوهَبُ، فَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ، وَفِي الْقُرْبَى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَابْنِ السَّبِيلِ، وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلَّيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، وَيُطْعِمَ صَدِيقًا، غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: تَصَدَّقَ بِأَضْلَهَا: لَا يُبَاعُ، وَلَا يُوهَبُ، وَلَكِنْ يُنْفَقُ نَمْرُهُ.

مسلّم، یہ الفاظ مسلم کے ہیں اور بخاری کی روایت میں ہے کہ اس کے اصل کو صدقہ کر دیا یعنی وقف کر دیا جو نہ فروخت کیا جائے گا اور نہ ہب کیا جائے گا لیکن اس کی پیداوار، راہ خدا میں خرچ کی جائے گی۔

لغوی تشریح: ﴿اصاب عمر﴾ مال غنیمت کے حصہ میں سے پایا ﴿ارضاً بحبیر﴾ یعنی خیبر کی زمین سے، اس زمین کا نام شمع تھا۔ ﴿یستامرہ﴾ آپ سے مشورہ طلب فرمایا ﴿انفس﴾ نہایت عمدہ اور بہت ہی نفیس و قیمتی، گراں قدر ﴿حبست﴾ میں ”با“ پر تشدید اور تخفیف دونوں طرح، روک لے۔ ﴿وتصدق بها﴾ اس سے حاصل ہونے والا فائدہ یعنی پھل وغیرہ، صدقہ کر دے ﴿فی القربی﴾ اس سے مراد قریبی رشتہ دار ﴿وفی الرقاب﴾ رقاب میں ”را“ کے نیچے کمرہ اور رقبہ کی جمع ہے مراد وہ

غلام ہیں جنہوں نے پروانہ آزادی کیلئے مالک سے رقم طے کر کے مکاتبہت کر لی ہو کہ اتنی رقم ادا کر کے وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور ممکن ہے یہ بھی مراد ہو کہ غلاموں کو خرید کر آزادی کی نعمت سے سرفراز کر دے۔ ﴿لَا جُنَاحَ عَلٰی مَنْ وَلِيْهَا﴾ یعنی جو شخص ان کی نگرانی و نگرانی اور حفاظت کا ذمہ دار بنے اس کیلئے کوئی مضائقہ نہیں کہ ﴿اِنْ يَّابَسَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ﴾ کہ معروف عادت و رواج کے مطابق اس سے اپنے کھانے کیلئے اور اپنی ضرورت کی حد تک لباس کیلئے لے سکتا ہے ﴿غَيْرِ مُتَمَوِّلٍ﴾ یعنی مال جمع کرنے والا نہ ہو۔ گرانہیں یہ ولیہا کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں وقف کرنے اور پھر اسے آگے فروخت کرنے اور بہہ کرنے سے منع فرمایا۔ یعنی جو چیز وقف کر دی جائے اسے پھر فروخت نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے بہہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وقف کے فروخت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔

(۷۸۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ، أَلْحَدِيثُ، مَقْرَرٌ فَرَاكَرَ بَهْجَا (الحدیث) اور اس میں ہے کہ ”رہا وَفِيهِ «فَأَمَّا خَالِدٌ، فَقَدْ اخْتَبَسَ خَالِدٌ (رحمہ اللہ) تو اس نے اپنی تمام زرہیں اللہ کے راستے أَذْرَاعُهُ وَأَغْنَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. نَقَّحَ میں وقف کر دی ہیں۔“ (بخاری و مسلم) غَنِيَّة.

لغوی تشریح: ﴿الحدیث﴾ مکمل حدیث یوں ہے کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچا نے زکوٰۃ نہ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ابن جمیل تو اس چیز کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر و محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار کر دیا اور خالد کا معاملہ تو یہ ہے کہ تم لوگ خالد سے ناانصافی کر رہے ہو اس نے تو اپنی ساری زرہیں راہ خدا میں وقف کر دی ہیں اور عباس کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے۔ میں فرض زکوٰۃ بھی دوں گا اور اتنی ہی مزید بھی۔“ ﴿ادع﴾ ادع کی جمع ہے یعنی زرہ۔ ﴿واعطاء﴾ اعتد کی جمع ہے عتد کے عین اور تا دونوں پر فتح ہے۔ اس کے معنی ہیں جہاد فی سبیل اللہ کیلئے از قسم اسلحہ و سامان جنگ اور جانور کو تیار رکھنا۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ زکوٰۃ کے مال میں سے وقف کرنا بھی صحیح ہے۔ بایں طور کہ اس رقم سے آلات حرب و ضرب جہاد فی سبیل اللہ کیلئے حاصل کئے جائیں اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ساز و سامان اور حیوان کو بھی وقف کرنا درست ہے۔ اس لئے کہ ”اعتاد“ کی تفسیر جہاد کیلئے گھوڑا تیار رکھنا کی گئی ہے اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ کو آٹھ مصارف زکوٰۃ میں سے صرف

ایک پر خرچ کرنا جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ﴾ ابو سلیمان ان کی کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی قرشی۔ ان کی والدہ کا نام عجماء تھا اور انہی کو لبابہ صغریٰ بھی کہا گیا ہے۔ یہ حارث کی بیٹی تھی اور لبابہ یعنی ام فضل زوجہ عباسؓ کی چھوٹی بہن تھی۔ حضرت خالدؓ نے فتح مکہ سے پہلے ۸ھ میں اسلام قبول کیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے ۵ھ یا ۶ھ میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ، غزوہ حنین اور تبوک میں حاضر رہے اور غزوہ موتہ کے روز ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ نبی ﷺ نے ان کو سیف اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فتنہ ارتداد کے موقع پر ان کو عامل مقرر فرمایا۔ اس کے بعد اہل فارس سے نیرو آزما ہوئے۔ پھر ان کو شام کی طرف بھیجا انہوں نے شام کا اکثر علاقہ فتح کیا۔ حضرت عمرؓ کے معزول کرنے تک وہ فوج کے قائد رہے۔ معزولی کے بعد محض جاگزیں ہو گئے۔ تادم آخریں یہیں قیام پذیر رہے۔ ۲۱ھ میں وفات پائی اور محض سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ایک بستی میں ان کو دفن کیا گیا۔

۱۸ - بَابُ الْهَبَةِ وَالْغَمَرِ وَالرَّقْبَىٰ هَبْ، عَمْرُؤُا اور رَقْبَىٰ کا بیان

(۷۸۸) عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ أَبْنِي هَذَا غَلَامًا كَانَ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحْلَتَهُ مِثْلَ هَذَا؟» فَقَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَأَرْجِعْهُ. وَفِي لَفْظٍ: فَأَنْطَلَقَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لِيُشْهَدَهُ عَلَى صَدَقَتِي، فَقَالَ: أَفَعَلْتَ هَذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: «اتَّقُوا اللَّهَ، وَاعْبُدُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، فَرَجَعَ أَبِي فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ». مَتَّقُ عَلَيْهِ.

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا ذاتی غلام اپنے اس بیٹے کو ہبہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا ”کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح (غلام) ہبہ کیا ہے؟“ اس نے کہا نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر اسے واپس کر لو“ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میرے والد صاحب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ میرے ہبہ پر آپؐ کو گواہ بنائیں۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا ”کیا تو نے ایسا اپنی ساری اولاد کے ساتھ کیا ہے؟“ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔“ چنانچہ میرے والد نے وہ ہبہ واپس کر لیا۔ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: قَالَ: فَأَشْهَدُ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عَلٰی هَذَا غَيْرِي، ثُمَّ قَالَ: «أَيْسُرُكَ» نے فرمایا تو پھر میرے سوا اس پر کسی اور کو گواہ اَنْ يَكُونُوا لَكَ فِي الْبَرِّ سَوَاءً» قَالَ: بلی. قال: «فَلَا إِذْنٌ».

نہیں ہے کہ تیری ساری اولاد تیرے ساتھ یکساں بھلائی کا سلوک کرے؟“ وہ بولا کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا ”پھر تو ایسا مت کر۔“

لعنوی تشریح: ﴿باب الهبة الخ﴾ جب اس عطیہ و تحفہ کو کہتے ہیں جو بغیر کسی عوضانہ کے دیا جائے اور عمری عین کے ضمہ اور میم ساکن ہبلی کے وزن پر ہے عمر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ایک آدمی اپنا مکان دوسرے کو دیتا اور یوں کہتا کہ میں نے یہ مکان تاحیات تجھے دیا تاحیات اسی عطیہ کو عمری کہا جاتا ہے اور رقبی بھی ہبلی کے وزن اور وہ اس طرح کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ یہ مکان تیرا ہے۔ اس شرط پر اگر میں مر جاؤں تو یہ مکان تیرا اور اگر تو مر گیا تو میں مکان واپس لے لوں گا۔ گویا ہر ایک ان میں سے دوسرے کی موت کے انتظار میں رہتا اس لئے اسے رقبی کہتے ہیں۔ ﴿نحلت﴾ اعطیت اور وصیت کے معنی میں ہے یعنی تو نے عطیہ دیا اور تو نے ہبہ کیا ہے۔ ﴿فارجعه﴾ اپنا ہبہ کیا ہوا غلام واپس لوٹا لے۔ ﴿لشہد﴾ تاکہ اس جبہ و عطیہ پر آپ کو گواہ بنائے۔ یہ اشعاد سے ماخوذ ہے یعنی ایسا اس نے اس غرض کیلئے کیا کہ وہ آپ کو شاهد و گواہ بنائے ﴿فأشهد علی هذا غیری﴾ اشہد امر کا صیغہ ہے آپ نے یہ بھی اس لئے فرمایا کہ یہ فعل آپ کی نظر میں غیر پسندیدہ تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم و بے انصافی پر گواہ نہیں بنتا۔ ﴿فلا إذن﴾ تو اپنی اولاد کے درمیان عطیہ دینے میں تفریق نہ کر اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر برتری و فضیلت دے جبکہ تیری خواہش ہے کہ تیرے ساتھ تیری اولاد کا نیکی و بھلائی میں یکساں سلوک ہو۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اولاد کو عطیہ دینے میں مساویانہ سلوک کرنا چاہئے۔ جب برابری اور مساوی طور پر نہ ہو تو یہ باطل ہے مگر جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ مساوی سلوک مندوب ہے۔ عطیہ وہبہ میں کسی کو زیادہ دینے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا۔ مگر افسوس کہ کیا ترک ندب کا نام جو ر و ظلم رکھا جاسکتا ہے؟ کیونکہ آپؐ نے برابری نہ کرنے کو جو ر و ظلم قرار دیا ہے جبکہ انہوں نے عطیہ میں برابری کو مندوب کہا ہے واجب قرار نہیں دیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد میں عطیات کی مساویانہ تقسیم واجب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اسحق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ جب برابری نہ ہو تو ہبہ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بشیر کو یہ فرمانا کہ غلام کو واپس لے لو اسی کی تائید کرتا ہے۔ سعید بن منصور اور بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لڑکا اور لڑکی سب کو برابر برابر دینا چاہئے مگر جمہور علماء کے نزدیک برابری مستحب ہے، واجب نہیں۔

(۷۸۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْعَانِدُ فِي هَبْتِهِ كَالْكَلْبِ يَقْبِئُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. لِيَتَأْتِيَ: «(بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ”ہمارے لئے اس سے بری مثال اور السُّوءُ، الَّذِي يَعُودُ فِي هَبْتِهِ كَالْكَلْبِ يَقْبِئُ ثُمَّ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ“۔ ہے وہ اس کتے کی مانند ہے جو خود ہی قے کرتا ہے اور پھر اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔“

لغوی تشریح: یہ حدیث جبہ کردہ چیز کو واپس لینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے البتہ والد اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ اس سے آئندہ حدیث میں ہے۔ والد نے جو جبہ اپنی اولاد کو کیا اسے مستثنیٰ قرار دیتی ہے۔ مگر خفیہ کا مذہب ہے کہ جبہ کردہ چیز کو واپس لینا حلال ہے اور بعض نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ آنحضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا لفظ ﴿كَالْكَلْبِ﴾ اس کی عدم حرمت پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ کتا تو غیر مکلف ہے اور اس کی اپنی قے اس کیلئے حرام نہیں ہے۔ حالانکہ جب کتا غیر مکلف ہے تو یہ کتنا صحیح نہیں ہے کہ اس کی قے اس کیلئے حلال ہے یا حرام۔ کیونکہ تحلیل و تحریم ان فروع میں سے ہے جس کا کسی کو مکلف بنایا گیا ہو۔ جیسا کہ شجر و حجر (درخت اور پتھر) کے بارے میں یہ کتنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اندھا اور بیٹا ہے اس لئے کہ وہ اندھے پن اور بصارت کا محل ہی نہیں۔ لہذا اس حدیث میں تشبیہ، تحلیل یا تحریم کے اعتبار سے ہی نہیں اور جب ان دونوں وجوہ میں سے کسی وجہ سے تشبیہ کا امکان نہیں تو پھر اصل میں تحلیل یا تحریم پر دلالت باقی ہی نہیں رہتی۔ تحریم تو نص صریح سے ثابت ہوتی ہے اور اس کا مرجع بھی متعین ہوتا ہے اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے اس سے حرام کو بہت قبیح صورت میں پیش کرنا اور اسے قاتل نفرت بنانا اور اس کے نہایت برے منظر کو دکھانا مقصود ہے۔ کاش مجھے علم ہوتا کہ انسان کیسے راضی ہو جاتا ہے کہ وہ کتے کے درجہ میں گر جائے۔ پھر اس درجہ میں اتر جائے کہ پہلے قے کرے اور پھر اپنی قے چاٹ لے۔

(۷۹۰) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُعْطِيَ الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي بَنِيهِ» (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”کسی مسلم مرد کیلئے حلال نہیں ہے کہ عطیہ دے کر واپس لے۔ بجز والد کے کہ وہ اپنی اولاد کو دیئے گئے عطیہ کو واپس لے سکتا ہے۔“)

وَلَدَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ تَرْمِذِيُّ ابْنِ حَبَانَ اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے) التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حَبَانَ وَالْحَافِظُ.

حاصل کلام: عطیات دینا اسلامی معاشرے میں محبت و مودت کی علامت ہے۔ تحفہ تحائف آپس میں دینے چاہئیں۔ دے کر واپس لینا صرف والد کے سوا باقی کسی کیلئے جائز نہیں۔ جمہور کا مذہب تو یہی ہے البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذوی الارحام کے سوا باقی سے واپس لینا جائز ہے مگر یہ اور سابقہ حدیث ان کے موقف کے صراحتاً مخالف ہے۔

(۷۹۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَضْرَتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِهَدِيَةٍ وَتَحْفَةٍ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَيُنِيبُ عَلَيْهَا. رَوَاهُ فِي كَچھ عنایت بھی فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿یُنِيبُ عَلَيْهَا﴾ اس کے بدلہ و عوض میں کچھ عنایت فرماتے تھے۔ یہاں ثواب سے مراد ہے اس کے بدلہ میں دینا۔

حاصل کلام: یہ حدیث ثابت کر رہی ہے کہ تحفہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ آپ ہدیہ و تحفہ کا بدلہ بہتر صورت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اگر کسی کے پاس ہدیہ دینے کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم اس کیلئے جزاک اللہ خیراً کی دعا کا تحفہ ضرور دینا چاہئے۔ اگر کسی نے دوسرے کو تحفہ اس نیت و خیال سے دیا کہ وہ بھی ضرور تحفہ دے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ باطل ہے اور دوسرے کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

(۷۹۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: وَهَبَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَاقَةً، فَأَثَابَهُ عَلَيْهَا، فَقَالَ: رَضِيتُ؟ قَالَ: لَا، فَرَاَدَهُ، فَقَالَ: رَضِيتُ؟ قَالَ: لَا، فَرَاَدَهُ، فَقَالَ: رَضِيتُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَبَانَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی بہہ کی۔ آپ نے اس آدمی کو کچھ ہدیہ عنایت فرمایا اور دریافت فرمایا کہ ”کیا تو راضی ہے؟“ اس نے جواب دیا، نہیں! پھر مزید کچھ مرحمت فرما کر پوچھا کہ ”اب تو خوش ہے؟“ اس نے پھر یہی کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے اسے مزید برآں دے کر دریافت فرمایا کہ

”اب تو راضی ہے؟“ بولا، ہاں۔ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تحفہ و ہدیہ قبول کرنا اور اس کے عوض میں کوئی چیز دینا جائز

ہے۔

(۷۹۳) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «الْعُمْرَى لِمَنْ وَهَبَتْ لَهَا». مَتَّقُوا (بخاری و مسلم) عَلَيَّهِ.

وَلِمُسْلِمٍ: أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ، وَلَا تُفْسِدُوهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَسْرَفَ عُمْرَى، فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا، حَيًّا وَمَيِّتًا، وَلِعَقِبِهِ.

وَفِي لَفْظٍ: إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَارَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ: هِيَ لَكَ مَا عَشْتُ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَيَّ صَاحِبِهَا.

وَلَا بَيْنَ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: لَا تُزْفِنُوا، تَوْزَنَ هُوَ أَوْ تَزَنَ هُوَ، فَمَنْ أَرْزَقَ شَيْئًا، أَوْ

أُعْمِرَ شَيْئًا، فَهُوَ لَوَرَثَتِهِ.

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ”تم نہ رقبی کرو اور نہ عمری۔ پس جس شخص نے کوئی چیز رقبی کی یا عمری میں دی تو وہ اس کے ورثاء کیلئے ہے۔“

لغوی تشریح: ﴿العمری لمن وهبت له﴾ وہب لہ کا فعل صیغہ مجہول ہے، مطلب یہ ہے کہ چیز کو لینے والا اپنے قبضہ میں پوری طرح لے گا اور پہلے کی طرف واپس نہیں کی جائے گی۔ ﴿فہی للذی اعمرھا﴾ پس یہ چیز اس کی ملکیت ہوگی جس کیلئے عمری کی گئی۔ اگر اس جگہ بھی صیغہ مجہول ہے یعنی جس کیلئے عمری کیا گیا اسی کی ملکیت ہوگی۔ ﴿حیا ومیتا﴾ جب تک زندہ رہے گا اس پر اس کا قبضہ ہوگا اور مرنے کے بعد اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے یعنی اولاد وغیرہ اور دینے والے کی جانب کسی صورت بھی واپس نہیں ہوگی۔ ﴿ولعقبہ﴾ عین پر فتح اور قاف کے نیچے کسرہ اور اسے ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ انسان کی نسلی اولاد۔ یعنی اس کی وفات کے بعد وہ اس چیز کی وارث ہوگی ﴿انما العمری التی اجازھا﴾ وہ عمری جسے رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عمری حاصل کرنے والا اس کا

مکمل مالک ہوگا اس طرح کہ اب وہ پہلے کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گی۔ واضح رہے کہ عمری کی تین اقسام ہیں۔ ہمیشہ ہمیش کیلئے دینا۔ وہ اس طرح کہ وہ یوں کہے کہ یہ مکان ہمیشہ کیلئے تمہارا ہے یا اس طرح کہے کہ یہ چیز تیرے اور تیرے وارثوں کیلئے ہے لہذا یہ اس کی ملکیت میں دینا یا جب کرنا ہوگا جو پہلے کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گا۔ دوسرا مفید وقت یعنی زندگی بھر کیلئے دینا۔ وہ اس طرح کہ وہ کہے کہ یہ چیز تمہاری زندگی تک تمہاری ہے جب تو وفات پا جائے تو میری طرف واپس آجائے گی۔ پس اس صورت میں نہ یہ جبہ شمار ہوگی اور نہ تمیک۔ بلکہ یہ عارضی طور پر ایک مخصوص مدت تک کیلئے عاریتاً دینا شمار ہوگا۔ مدت متعین کے اختتام پر یہ چیز پہلے کی طرف لوٹ جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شرط کے ساتھ عمری صحیح نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس طرح مشروط طور پر عمری کرنا صحیح ہے مگر شرط فاسد ہے اور پہلے کی طرف نہیں لوٹے گی۔ یہ دونوں اقوال مرجوح ہیں اور تیسرا بغیر کسی شرط کے دینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں نے اپنا مکان تیرے لئے عمری کیا۔ اس میں اس نے نہ تو بیٹھنے کی قید لگائی اور نہ زندگی بھری۔ جسور نے اس صورت کو بھی رقبہ کی ملکیت پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں بھی وہ پہلے کی طرف واپس نہیں ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منافع کی ملکیت کی صورت ہے، رقبہ کی ملکیت تو نہیں لہذا جسے یہ چیز عمری کی گئی ہے اس کی موت کے بعد وہ پہلے کی طرف لوٹ آئے گی۔ جسور کا قول راجح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عمری تمام حالات میں گھر سے فوائد و منافع کی ملکیت پر منتج ہوگا اور گھر کو زندگی بھر کی شرط پر دینے سے اس کا مالک نہیں بن سکے گا۔ ﴿لَا تَرْقُبُوا وَلَا تَعْمُرُوا﴾ ترقبوا اور تعمروا دونوں باب افعال سے ماخوذ ہیں۔ رقبی اور عمری دونوں سے منع فرمایا ہے۔ ﴿فَمَنْ ارْقَب﴾ یہاں بھی ارقب اور اعمردوں باب افعال سے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے رقبی کی صورت میں بھی ملکیت اسی طرح ہوتی ہے جس طرح عمری میں ہوتی ہے اسے عاریتاً لینا نہیں کہتے اور جہاں تک انہی کا تعلق ہے تو وہ صرف مصلح کی طرف رہنمائی کیلئے ہے بایں معنی کہ اپنے مصلح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا لیکن اگر تم ایسا کر گزرو تو صحیح ہوگا۔

(۷۹۴) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَأَصَاعَهُ صَاحِبُهُ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُحْصٍ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: «لَا تَبْتَعْهُ، وَإِنْ أَعْطَاكَ بِدَرْهَمٍ أَلْحَدَيْتَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک گھوڑا اللہ کے راستہ میں ایک آدمی کو سواری کیلئے دیا۔ اس نے اسے ناکارہ کر دیا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ اسے سستے داموں بیچنے والا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں اسے خرید سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ”تمہیں اگر یہ گھوڑا ایک درہم کے عوض بھی دے تب بھی نہ خریدو۔“ (المحدث) (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿حملت الخ﴾ میں نے گھوڑا دیا تاکہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے اس پر سوار ہو۔ ﴿فاضاعہ﴾ یعنی اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں بے پروائی و عدم توجہی کی وجہ سے وہ کمزور اور دہلا پٹلا ہو گیا۔ ﴿برخص﴾ ”را“ پر ضمہ اور ”خا“ ساکن، غلاء کا متضاد۔ غلاء کے معنی گراں، مہنگا اور رخص کے معنی کم قیمت اور سستا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے خیرات و صدقہ میں دی ہوئی چیز قیثاً بھی واپس نہیں لینے چاہئے۔ بعض علماء نے اسے خریدنا حرام ٹھہرایا ہے لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی تزییہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے ان کا خیرات کردہ گھوڑا خریدنے سے منع فرمایا کہ ایسی خاص صورتوں میں فروخت کرنے والا خریدار سے تسامح اور چشم پوشی کر جاتا ہے جس سے فروخت کنندہ کو نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس طرح جتنی کسی اس چیز کی قیمت میں واقع ہوگی وہ گویا اپنی خیرات کو واپس لینے کے مترادف ہوگی جو جائز نہیں۔

(۷۹۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَعَالَى عَنْهُ، «تَهَادُوا تَحَابُّوا». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ، وَأَبُو يَعْلَى بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔“ (اسے بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے حسن سند سے نقل کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿تہادوا﴾ دال پر فتح۔ تہادی سے امر کا صیغہ ہے یعنی باہمی طور پر ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو ﴿تحابوا﴾ ”با“ پر تشدید اور امر کے جواب میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی تمہارے درمیان محبت پیدا ہوگی۔

حاصل کلام: ایک دوسرے کو تحفہ دینا آپس میں محبت کا باعث ہے۔ اسلام محبت و مؤدت کا علمبردار ہے، عداوت و دشمنی کا اس میں کوئی تصور نہیں۔

(۷۹۶) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «تَهَادُوا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تَسْلُ» يهديه بغض و کینہ کو نکال دیتا ہے۔ (اسے بزار نے السخیمہ)۔ رَوَاهُ الْبَزَّازُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھے تحائف کا باہمی تبادلہ کیا کرو کیونکہ یہ ہدیہ بغض و کینہ کو نکال دیتا ہے۔ (اسے بزار نے السخیمہ)۔

لغوی تشریح: ﴿تسل السخیمہ﴾ تسل باب نصرینصر سے ہے اور سخیمہ سین پر فتح اور ”خا“ کے نیچے کسر۔ یعنی کبر و نخوت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سین پر ضمہ اور ”خا“ پر فتح یعنی کینہ، پوشیدہ دشمنی یعنی وہ دشمنی جو دل میں بیٹھ جائے۔ معنی یہ ہوئے کہ ہدیہ کے ذریعہ بغض و کینہ اور مخفی دشمنی کو نکال دیتا ہے۔

(۷۹۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِحَارَتِهَا وَلَوْ فَرَسَيْنِ بَكْرَى كَاكْرَهِي كَيُولَئِي هُوَ» (بخاری و مسلم) شَاؤُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿ لا تحقرن ﴾ حقیر نہ سمجھ یعنی جو ہدیہ کسی کو دیا جائے اسے دینے والا حقیر تصور نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہدیہ دینا ترک کر دیں گے اور جسے ہدیہ دیا گیا ہو وہ بھی اسے حقیر نہ سمجھے اگرچہ ہدیہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ فرسن ﴾ ”قا“ کے نیچے کسرہ اور ”را“ ساکن اور پھر سین کے نیچے کسرہ۔ کھر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۷۹۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَهَبَ هِبَةً فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، مَا لَمْ يُثَبَّ عَلَيْهَا». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ، يَدَايَةُ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَوْلُهُ. یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے

حاصل کلام: اسی معنی کی دو روایتیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ بعض نے ان روایتوں کی بنا پر یہ قید لگائی ہے کہ جب ہدیہ کا بدلہ دے دیا گیا تو پھر مہبہ واپس لینا حرام ہے۔ مگر علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرات ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایات ضعیف ہیں۔ ان میں کوئی ایسی نہیں جسے صحیح قرار دیا جاسکے۔ طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جس کسی نے کوئی چیز مہبہ کی وہ اس کا اس وقت تک زیادہ مستحق ہے جب تک اسے بدلہ نہ دے دیا جائے۔ اگر وہ اپنی مہبہ کردہ چیز کو واپس لے تو اس کی مثال اس جیسی ہے جو پہلے قے کرے اور پھر اسے کھائے۔ اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو یہ اس بات میں پہلی حدیث کی مخالف ہیں۔ یعنی جو ایسے مہبہ کو واپس لینا حرام قرار دے رہی ہے جس کا بدلہ لے لیا گیا ہو۔ لہذا بدلہ لینے سے پہلے مہبہ کردہ چیز کو واپس لینا جائز ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان احادیث کی صحت پر مطمئن نہیں کہ ان سے پہلی حدیث کی تخصیص درست قرار دی جائے۔

لقطہ (گری پڑی چیز) کا بیان

۱۹ - بَابُ اللَّقْطَةِ

(۷۹۹) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِحَارَتِهَا وَلَوْ فَرَسَيْنِ بَكْرَى كَاكْرَهِي كَيُولَئِي هُوَ» (بخاری و مسلم) شَاؤُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي غَزْرٍ رَاسَةٍ فِي غَرِيٍّ بِزِيٍّ أَيْكَ كَجُورٍ بِهَوَاؤِ اسے الطَّرِيقِ، فَقَالَ: «لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ دَكِّهِ كَرَفَمَا: "اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لِأَكْلَتِهَا». مُتَّفَقٌ يَهِ صَدَقَ كِي هُو، تَوِيں اسے ضرور كها لیتا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿بَابُ اللَّقْطَةِ﴾ لفظ کے لام پر ضمہ اور قاف پر فتح اور کما گیا کہ اس کے ماسوا جائز نہیں۔ مگر خلیل نحوی نے بڑے دعوے کے ساتھ کہا ہے کہ "قاف" ساکن ہے اور ز مخشری کے قول کے مطابق عام لوگوں کی رائے یہی ہے حالانکہ اہل عرب سے ہی سنا گیا ہے کہ اہل لغت اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ قاف پر فتح ہے اور اس کے علاوہ کوئی اعراب نہیں ہے اور لفظ زمین پر گری ہوئی چیز پکڑنے کو کہتے ہیں۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ راستے میں گری پڑی چیز اگر معمولی سی ہو تو اس سے انتفاع جائز ہے اور اسے اٹھانے والے کیلئے اس کا اعلان کرتے رہنا بھی ضروری نہیں۔ بے دھیان اور غفلت میں گری ہوئی چیز کی تین اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز بالکل معمولی سی ہو اور کھانے کے کام آنے والی ہو۔ اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اسے اٹھا کر صاف کر کے بسم اللہ پڑھ کر نوش کر لیا جائے۔ دوسری یہ کہ وہ چیز ہو تو معمولی نوعیت کی مگر کھانے کے کام آنے والی نہ ہو اس کو تین روز تک لوگوں کے اجتماع میں اعلان کرتا رہے مثلاً معمولی چاقو، چھری، چھڑی قسم کی چیز یا چابک وغیرہ۔ تیسری یہ کہ وہ چیز قیمتی ہو اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اس کا سال بھر اعلان کرائے۔ فی زمانہ اخبارات، ٹیلی ویژن، ریڈیو وغیرہ اور مساجد کے باہر بڑے بڑے جلوں میں اعلان کرایا جاسکتا ہے اگر اشتہار کی صورت میں اسے کچھ مصارف کرنے پڑیں تو مالک لفظ سے وصول کئے جاسکتے ہیں اگر وہ آجائے ورنہ اپنی جیب خاص سے۔ سال بھر اعلان کے بعد بھی اگر اس کا اصل مالک نہ ملے تو اسے استعمال میں لایا جاسکتا ہے پھر بھی اس کی علامات اور نشانیاں ذہن نشین کر لے یا نوٹ کر لے بعد میں بھی اگر اصل مالک آجائے تو اتنی قیمت ادا کرے یا مالک اسے خود چھوڑ دے۔

(۸۰۰) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ حَضَرْتُ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ جَنِيٍّ مِنْ مَرُوءٍ هُوَ كَ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أَيْكَ آدَمِيٍّ نَبِيٍّ ﷺ كِي خَدَمَتِ فِي آيَا اور اس نے جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلَهُ غَرِيٍّ بِزِيٍّ كِي كِي بَارے میں پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا عَنْ اللَّقْطَةِ، فَقَالَ: أَعْرِفُ عِفَاصَهَا "اس کا ڈاٹ اور قسمہ خوب پہچان کے رکھو۔ سال وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرَفَهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ بھراس کا اعلان کرتے رہو پھر اگر اس کا اصل مالک صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَمَنَّاكَ بِهَا، قَالَ: آجائے تو اس کے سپرد کر دو ورنہ جو چاہو کرو۔" پھر فَصَالَةُ الْعَنَمِ؟ قَالَ: هِيَ لَكَ، أَوْ اس نے گم شدہ بکریوں کے بارے میں سوال کیا۔

لَا حَيْثُكَ، أَوْ لِلذُّبِّ، قَالَ: فَضَالَةٌ أَبٌ نَے فرمایا ”وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا
الْإِبِلِ؟ قَالَ: مَا لَكَ وَلَهَا؟ وَمَعَهَا بھڑیے کی۔“ پھر اس نے گم شدہ اونٹ کے بارے
سِفَاؤُهَا، وَحِدَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ، میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا ”تجھے اس سے کیا سروکار
وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا۔ اس کا پانی، اس کے جوتے اس کے پاس ہیں۔ گھاٹ
پر آکر پانی پی لے گا“ درختوں کے پتے کھا لے گا۔
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

یہاں تک کہ اس کا مالک اس کے پاس پہنچ جائے
گا۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿اعرف﴾ معرفت سے امر کا صیغہ ہے۔ ﴿عفاصھا﴾ عین پر کسرہ۔ وہ برتن وغیرہ جس
میں لفظ طے چڑے کا ہو یا کپڑے وغیرہ کا۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عفاص دراصل اس چیز کے
کہتے ہیں جو بوتل کے منہ پر اسے بند کرنے کیلئے چڑھایا جاتا ہے۔ ﴿وڪاءھا﴾ وڪاء میں ”واؤ“ کے نیچے
کسرہ ہے یعنی وہ دھاگہ، رسی یا تمہ جس سے تھیلے وغیرہ کا منہ باندھا جاتا ہے۔ ﴿ثم عرفھا﴾ ”را“ پر
تشدید۔ یہ تعریف سے امر کا صیغہ ہے یعنی لوگوں کے اجتماع گاہوں اور جمعوں میں اس کا اعلان کرے۔ کہ
جس کسی کی فلاں چیز گم ہو گئی ہو وہ مجھ سے طلب کرے۔ ﴿فان جاء صاحبھا﴾ یہ شرط ہے اس کی جزا
محذوف ہے کہ وہ اطلاع دے کہ اس کی تعداد کتنی ہے، اس کا بندھن کیسا ہے، اس کا تھیلا کس طرح کا
ہے؟ اگر وہ ساری نشانیاں صحیح بتا دے تو وہ گری ہوئی چیز اس کے سپرد کر دے۔ جیسا کہ دوسری روایات
میں اس کی صراحت آئی ہے۔ ﴿والا﴾ یعنی اگر اس کا اصل مالک سال بھر کے اعلان تک نہ آئے۔ ﴿فشانك
بھا﴾ شانك منصوب ہے۔ یعنی پھر اسے اپنے قبضہ میں لے لے اور اگر ”شانك“ کو رفعی
حالت میں پڑھیں تو یہ مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی یعنی اس کا استعمال کرنا جائز ہے، مباح ہے۔
مطلب یہ ہوا کہ سال بھر کے اعلان کے اختتام پر اس سے انقلاع کا اسے اختیار ہے کہ جس طرح چاہے
اسے اپنے مصرف میں لائے اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ پھر اسے خرچ کر لے اور ابو داؤد کی
روایت میں ہے کہ پھر اسے کھا لے اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اسے اپنے مال میں شامل کر
کے اپنے قبضہ میں کر لے اور جب ”فشانك“ کی جگہ گری ہوئی چیز پانے والا اعلان کے بعد اسے خرچ کر
چکے اور بعد میں اس کا مالک بھی آجائے اور اس کی علامات وغیرہ بتا دے تو کیا ایسی صورت میں وہ لفظ کو
واپس کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ روایات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے واپس کرنا واجب ہے چنانچہ
ترمذی کی روایت میں ہے کہ سال بھر اس کا اعلان و اشتہار دے پھر اس کا بندھن اور تھیلا اور اس کا
سربند وغیرہ ذہن نشین کر لے پھر اسے خرچ کر لے۔ اب اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اسے لوٹا دے اور
ایک دوسری روایت میں ہے کہ سال بھر اس کا اعلان کرتا رہے اگر اسے پہچان لیا جائے تو اسے واپس کر
دے ورنہ پھر اس کا سربند، تھیلا اور تعداد یاد رکھ اور اسے استعمال کر لے۔ اس کے بعد اگر اس کا مالک

آجائے تو پھر بھی اسے واپس لوٹا دے۔ ابو داؤد میں بھی یہ روایت بعض لفظی اختلاف کے ساتھ مروی ہے اور یہ تمام الفاظ اس کے متقاضی ہیں کہ سال گزرنے کے بعد بھی اصل مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اور جس نے وہ لفظ اٹھایا ہو ضمانت و ذمہ داری کے بغیر اسے کھانا جائز نہیں ہے۔ ﴿فَضَالَةُ الْغَنَمِ﴾ یعنی گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ ضالہ گم کردہ راہ۔ راستہ بھٹکی ہوئی۔ وہ حیوان جو آبادی سے دور ویران جگہ میں رہ گیا ہو ﴿ہی لکھ الخ﴾ وہ تیرے لئے اور ترمذی کی روایت میں ہے اسے پکڑ لو۔ وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سال بھر اعلان کے بعد اسے کھا سکتے ہو ﴿اولا حیکہ﴾ یعنی اگر تو نے اسے چھوڑ دیا تو تیرے جیسا تیرا کوئی دوسرا بھائی اسے پکڑ لے گا۔ پھر تو اسے کیوں چھوڑتا ہے حالانکہ تو اس کے پاس پہلے پہنچا ہے۔ ﴿اول للذئب﴾ یعنی اگر تو نے اور تیرے جیسے دوسرے تیرے بھائی نے اسے چھوڑ دیا تو اسے بھیڑنا کھا جائے گا اور بھیڑیے کے لئے اسے چھوڑنا اسے ضائع کرنا ہے۔ اس میں لفظ کو لینے کی ترغیب ہے۔ ﴿مالک ولہا﴾ یعنی تجھے اس سے کیا سروکار؟ یہ استغنام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب تیرے لئے نہیں ہے تو پھر اسے نہ پکڑ۔ ﴿سقاءھا﴾ سین کے نیچے کسرہ مشکیزہ تھیلا۔ اس سے اس کا اندر کا خالی حصہ مراد ہے جہاں کوئی چیز رکھی یا ڈالی جاتی ہے یعنی جب یہ اونٹ پانی کے گھاٹ پر وارد ہوگا تو اتنا پانی پی لے گا کہ دوسرے روز آنے تک یہ پانی کافی رہے گا۔ اس کے باوجود اس کے پیٹ اور اس کی اوجھ میں اتنی رطوبت ہوتی ہے جو اس کیلئے چند ایام تک پانی سے بے نیاز رکھتی ہے ﴿حذاءھا﴾ ”حا“ کے نیچے کسرہ۔ جوتی مراد ہے یعنی اس کے پاؤں موجود ہیں جو اسے چلنے میں قوت دیتے ہیں اور دور دراز کے علاقوں کو طے کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور دور دراز واقع پانی پر پہنچنے میں تقویت کا باعث ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اونٹ پانے والے کو اس کا قرض کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پانی کے گھاٹ پر وارد ہو جاتا ہے، درختوں کے پتے کھا لیتا ہے اور بغیر کسی نگران و محافظ کے زندہ رہ سکتا ہے اور اکثر درندوں سے اپنا دفاع بھی بخوبی کر لیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے کہ اس کا مالک آئے اور اسے پکڑ کر لے جائے۔

راوی حدیث: ﴿زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ﴾ ان کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابو طلحہ تھی۔ مدینہ میں رہنے کی وجہ سے مدنی کہلائے۔ اکابر صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع بنو عیینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ کوفہ چلے آئے اور وہیں پر ۶۸ھ ۷۷ھ کو ۸۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

(۸۰۱) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ آوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَا رَسُلَ اللَّهُ ﷻ لِيُعْرِفَهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے گم شدہ چیز کو اپنے ہاں پناہ دی اور اس کا اعلان نہ کیا تو وہ خود

گم راہ ہے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿من آوی ضالہ﴾ یعنی جو اس لفظ کو اپنے ذاتی مال میں شامل کر لے۔ ﴿فہو ضال﴾

صرف مالک اصلی ہی بتا سکے گا۔ گواہوں کی موجودگی میں واپس دے کر اس جھگڑے کو ختم کر سکے گا۔
 راوی حدیث: ﴿عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ﴾ عیاض کے عین اور حمار کے ”حا“ کے نیچے کسرہ ہے۔
 مشہور صحابی ہیں۔ تمیمی مجاشعی ہیں۔ انہوں نے بصرہ کو جائے سکونت قرار دے لیا تھا اور پچاس ہجری کے آخر تک زندہ رہے۔

(۸۰۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُمَانَ تَبِعِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَحِلُّ لِمَا فِي بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَتَمَسَّكَ بِهِ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَّا أَنْ يَتَمَسَّكَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ» (مسلم)
 حضرت عبدالرحمن بن عثمان تبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
 عُثْمَانُ التَّيْمِيُّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، کہ نبی ﷺ نے حجاج کی گری پڑی چیز کو اٹھانے سے
 أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ لُقْطَةِ الْحَاجِّ. منع فرمایا ہے۔ (مسلم)
 زَوَاهُ مُنْطَلِقًا.

لغوی تشریح: ﴿نہی عن لقطة الحاج﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ حاجی کا جو سامان مکہ میں گم ہو گیا ہو۔ اسے اٹھانے کی ممانعت صرف اسے اپنی ملکیت میں لینے کی بنا پر ہے ورنہ اگر وہ اعلان کرنے کیلئے اٹھائے گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گری پڑی چیز صرف اس کیلئے اٹھانا حلال ہے جو اس کا اعلان کرنے کا عزم رکھتا ہو۔

راوی حدیث: ﴿عبدالرحمن بن عثمان رضی اللہ عنہ﴾ عبدالرحمن بن عثمان بن عبید اللہ تبی قرشی۔ یہ طلحہ بن عبید اللہ کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ شرف صحابیت سے شرف ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ تو پایا مگر شرف رؤیت حاصل نہیں۔ حدیبیہ کے روز اسلام قبول کیا اور ایک قول کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۳ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔

(۸۰۴) وَعَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ نَدِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِمَا فِي بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَتَمَسَّكَ بِهِ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَّا أَنْ يَتَمَسَّكَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ» (ابوداؤد)
 حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”من لو! درندوں میں سے کچیلوں والا جانور حلال نہیں اور نہ ہی گھریلو گدھا یَحِلُّ ذُو نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ، وَلَا الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ، وَلَا اللَّقْطَةُ مِنْ مَالٍ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَفْتَنِي عَنْهَا“ (ابوداؤد)
 ضرورت نہ ہو۔“ (ابوداؤد)

لغوی تشریح: ﴿ذوناب﴾ نایب و انت جو رباعیہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ ناب کی جمع انیاب۔ کچیلوں والے درندہ سے مراد وہ جانور ہے جو چیر پھاڑ کر کھاتا ہو اور شکار کرنے اور اسے کاٹنے کیلئے اپنی کچیلوں سے مدد لیتا ہو۔ ﴿السباع﴾ سین کے نیچے کسرہ۔ سب کے جمع ہے۔ سب کی سین پر فتح اور ”با“ پر ضمہ اور فتح دونوں طرح جائز ہے۔ چیرنے پھاڑنے والا درندہ۔ ﴿من مال معاہد﴾ معاہدہ وہ ہے جس کا مسلمان حکام

سے معاہدہ ہو کہ وہ اسے امان دیتے ہیں، وہ ذی ہی ہے اس کا بالخصوص ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اسے زیادہ اہمیت دینا مقصود ہے۔

حاصل کلام: معاہدہ چونکہ اسلامی سلطنت میں باقاعدہ اجازت لے کر آتا ہے اور پر امن رہتا ہے، اسی لئے اس کے مال و جان کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے مال اور مسلمان کے لفظ میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ البتہ اگر عرف عام میں کوئی معمولی چیز ہو تو اس کی اجازت ہے۔

راوی حدیث: ﴿مقدم بن حنفیہ﴾ مقدم کے میم کے نیچے کسرہ۔ مقدم بن معدیکرب۔ کرب کے کاف پر فتح اور ”را“ کے نیچے کسرہ اور ”با“ اضافت کی وجہ سے اس کے نیچے کسرہ مع تونین جائز ہے اور مبنی ہونے کی بنا پر اس پر فتح بھی جائز ہے۔ بن عمرو الکندی۔ ان کی کنیت ابو کریہ تھی یا ابویحییٰ۔ مشہور صحابی ہیں۔ شام میں فروکش ہوئے۔ ان کی حدیث شامیوں میں مشہور ہے۔ صحیح قول کے مطابق ۴۷ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۹۱ برس تھی۔

۲۰ - باب الفرائض (وراثت) کا بیان

(۸۰۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، كَمَا بَقِيَ فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوَّلَى رَجُلٍ ذَكَرَ». (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الفرائض﴾ فرائض فریضہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ مقرر حصہ وراثت ہے جو مرنے والے کی میراث سے کتب و سنت کی رو سے وارثوں کو ملتا ہے، وہ حصہ آدھا، چوتھا، آٹھواں اور دو تہائی اور چھٹا حصہ ہے۔ یہ فرض سے ماخوذ ہے جس کے معنی قطعی کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے لئے فرض کر دیا گیا، یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کے لئے مال میں سے کوئی حصہ قطعی طور پر مقرر کر دیا گیا۔ ﴿الحقوا﴾ مزہ پر فتح اور ”حا“ کے نیچے کسرہ۔ پہنچا دو، ادا کر دو۔ ﴿باہلہا﴾ جن کے حصے مقرر ہیں۔ ان کو ان کے حصے دے دو اور ”اہل فرائض“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بیان ہوئے ہیں۔ ﴿فما بقی﴾ حصہ داروں کے حصے ادا کر چکنے کے بعد جو کچھ باقی رہے۔ ﴿فہو لأولی رجل﴾ نسب کے اعتبار سے جو شخص مرنے والے کے زیادہ قریب ہو۔ ﴿ذکر﴾ ذکر یعنی مذکر کی قید لگانے سے تاکید مقصود ہے یا پھر اس سے منث کو اس زمرے سے خارج کرنا مطلوب ہے اور اس پر متنب کرنا مقصود ہے کہ اس باقی ماندہ مال میراث کا استحقاق اسے صرف بحیثیت مرد کے ہے۔ مرنے والے کے سب سے زیادہ قریب مطلقاً تو اس کے بیٹے ہیں۔ پھر پوتے، پڑپوتے وغیرہ پھر باپ پھر

دادا وغیرہ پھر بھائی، پھر بھتیجے، پھر چچا اور ان کی اولاد یہ تمام نسبی عصبہ ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اہل فرائض سے جو کچھ باقی بچے وہ عصبہات کیلئے ہے۔ اقرب فالاقرب کے ضابطہ کے تحت۔ جب قریبی رشتہ دار موجود ہو تو پھر اس کی موجودگی میں دور کا عصبی رشتہ دار وراثت کا استحقاق نہیں رکھتا۔

(۸۰۶) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مسلم)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ عنہما، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نے فرمایا کہ ”مسلمان، کافر کا وارث نہیں ہوگا قَالَ: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان اپنے مرنے والے کسی کافر عزیز کا وارث نہیں ہو سکتا اور اسی طرح کوئی کافر اپنے مسلمان رشتہ دار کا وارث قرار نہیں پاسکتا۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہو سکتا ہے مگر کافر مسلمان کا کسی صورت بھی وارث نہیں ہو سکتا۔ یہ رائے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، مسروق رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ اور اسحق رضی اللہ عنہ وغیرہ کی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے حدیث الاسلام یعلو ولا یعلیٰ کہ ”اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا“ سے استدلال کیا ہے نیز اس سے بھی استدلال کیا گیا ہے بیزید ولا ینقص کہ ”اسلام میں بڑھنے کی اہلیت و صلاحیت ہے اس لئے اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے۔“ مگر اس عمومی حکم سے میراث کا واضح اور صاف حکم اس سے مستثنیٰ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے جمہور کی رائے درست اور رائج ہے۔

(۸۰۷) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ عنہ، فِي بِنْتٍ، وَبِنْتِ اللَّهِ ﷺ نے بیٹی، پوتی اور بہن کی موجودگی میں فیصلہ ابنہ، وَأُخْتٍ، فَقَضَى النَّبِيُّ ﷺ فرمایا کہ دو تہائی پورا کرنے کیلئے بیٹی کو آدھا ترکہ «لِلْبِنْتِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ» اور پوتی کیلئے چھٹا حصہ ہو گا پھر جو کچھ باقی بچے وہ السُّدُسُ، تَكْمِلَةُ الثَّلَاثِينَ، وَمَا بَقِيَ بہن کا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿تكملة الثلثين﴾ اس لئے کہ پوتی بمنزلہ بیٹی ہوتی ہے۔ لہذا ایک بیٹی کی موجودگی میں یہ بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہو گئیں اور دو بیٹیاں اگر ہوں تو ان کو ترکہ میں سے دو تہائی ترکہ ملتا ہے اور جب تمام ایک بیٹی ہو تو وہ آدھا ترکہ کی مستحق ہوتی ہے اب دو تہائی پورا کرنے کیلئے چھٹا حصہ کی ضرورت ہے اور یہ اسے پوتی نے دے دیا۔ اس طرح دونوں کو جمع کر کے مجموعہ دو تہائی پورا ہو گیا جس کی دونوں

مستحق ہیں۔ ﴿وما بقی للاخت﴾ باقی جو بچے اس کی مستحق بہن ہے اس لئے کہ پوتی بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن گئی اور ذوالفرائض سے جو ترکہ بچ گیا اسے اس نے حاصل کر لیا۔

(۸۰۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "دو مختلف دین کے پیروکار رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيُّ، اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے وَأَخْرَجَهُ الْحَاجِمُ بِلَفْظِ أَسَانَةِ، وَزَوَّى النَّسَائِيُّ اسے ان الفاظ سے نقل کیا ہے جو اسامہ کی حدیث کے ہیں اور نسائی نے اسامہ کی حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے حَدِيثُ أَسَانَةِ بِهَذَا اللَّفْظِ.

(یعنی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿اہل ملتین﴾ دو ملتوں سے مراد دو مختلف کافرانہ ملتیں ہیں یا کفر و اسلام مراد ہے۔ جسور اہل علم کے نزدیک اس سے مراد کفر اور اسلام ہے اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ صرف امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی عمومیت کی بنا پر تمام ملتوں کو اسی میں شامل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا اور عیسائی یہودی کا بھی وارث نہیں بن سکتا۔ علامہ الیامانی نے السبل میں کہا ہے حدیث کا ظاہری مفہوم انہی کامؤید ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۰۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حَضْرَتِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ عَرَضٍ كِي كَمِيرَا بَوْتَا وَفَاتَا بِأَيَاكُمَا هَـ. اس کے ترکہ انبني، مَاتَ، فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ؟ ميراث میں میرا حصہ کتنا ہے؟ آپ نے فرمایا "تجھے فَقَالَ: لَكَ السُّدُسُ، فَلَمَّا وَلَّى چھٹا حصہ ملے گا۔" پھر جب وہ جانے لگا تو اسے آپ دَعَا، فَقَالَ: لَكَ سُدُسٌ آخَرُ، فَلَمَّا وَلَّى دَعَا، فَقَالَ: إِنَّ السُّدُسَ الْآخَرَ طَعْمَةً. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ "آخری چھٹا حصہ تیرے لئے رزق ہے۔" (اے احمد

التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے عِمْرَانَ، وَقِيلَ: إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ. اور یہ روایت حسن بصری نے بھی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ہے مگر یہ کہا گیا ہے کہ حسن بصری کا عمران بن حصین

رضی اللہ عنہ سے سماع ہی ثابت نہیں)

لغوی تشریح: ﴿لک السدس﴾ مقرر و طے شدہ حصہ میں سے چھٹا حصہ تجھے ملے گا۔ ﴿لک السدس

آخر) تیرے لئے مزید چھٹا حصہ ہے اور یہ عصبہ کی حیثیت سے اور آخر میں ”خا“ پر فتح ہے۔ (ان السدس الآخر) آخر کے ”خا“ کے نیچے کسرو۔ (طعمہ) رزق کے معنی میں۔ اصحاب فروض کے کم ہونے کی بنا پر تجھے مقررہ حصہ سے زائد بطور رزق دیا گیا ہے۔ یہ حصہ ہر حال میں تجھے نہیں ملتا۔ طبیی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کی یہ صورت اس وقت ہے کہ میت نے دو بیٹیاں اپنے پیچھے چھوڑی ہوں۔ اس سوال کرنے والے کی بھی دو بیٹیاں تھیں ان کیلئے دو تہائی طے شدہ تھا مگر باقی ایک تہائی بچ گیا پس وہ بھی نبی ﷺ نے اسی مسائل کو دے دیا۔ فرض حصہ کے ساتھ چھٹا حصہ میت کے دادا ہونے کی حیثیت میں۔ وہ جانے لگا تو آپؐ نے اسے دوسرا چھٹا حصہ بھی عنایت فرما دیا یہ اس لئے کیا کہ اسے یہ گمان نہ ہو کہ اس کا مقررہ حصہ ایک تہائی ہے۔

راوی حدیث: (حسن بصری رحمہ اللہ) حسن بن ابی الحسن بصری انصاری۔ انصار کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے والد کا نام یسار تھا۔ رشد و ہدایت کے ائمہ میں سے تھے۔ بلا اتفاق ثقہ، فقیہہ اور علم و فضل کے مالک تھے۔ عبادت گزار، گوشہ نشین، کثیر العلم، فصیح و بلیغ، حسین و جمیل، علوم کے جامع، بلند و بالا منصب علم پر فائز تھے۔ تابعین کے تیسرے طبقہ کے سرخیل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابھی دو سال باقی تھے کہ ان کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی چشم بینا سے دیکھا ہے مگر ان سے کسی حدیث کا سماع نہیں کیا۔ رجب ۱۰ھ میں نوے برس کے قریب عمر پا کر فوت ہوئے۔

(۸۱۰) وَعَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَفْصَةُ ابْنِ بَرِيدَةَ عَنْ رَوَايَةٍ هِيَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ نَعَالَى عَنْهُ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ، إِذَا لَمْ يَكُنْ اس کی ماں نہ ہو۔ (ابوداؤد، نسائی دونوں نے روایت کیا دُونَهَا أُمُّ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيْمِيُّ، وَصَحَّحَهُ ہے اور ابن خزیمہ، ابن جارود نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَدِيٍّ. عدی نے اسے قوی قرار دیا ہے)

لفوی تشریح: (للجدۃ السدس) دادی کیلئے چھٹا حصہ۔ خواہ دادی، باپ کی ماں ہو یا ماں کی والدہ ہو۔ ایک ہی ہو یا زیادہ ہوں اوپر والی ہوں یا نیچے والی۔ قرابت کی وجہ سے بعد کی قسم ساقط ہو جائے گی اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دادی مطلقاً ماں کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور اہل علم نے اس کو بھی تسلیم کیا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا، پردادا بھی ساقط ہو جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔

(۸۱۱) وَعَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ حَفْصَةَ ابْنِ مَقْدَامٍ عَنْ رَوَايَةٍ هِيَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْخَالُ» ہو گا جس کا کوئی وارث زندہ نہ بچا ہو۔ (اس حدیث کو

وَارِثٌ مِّنْ لَا وَارِثَ لَهُ». وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ
وَالْأَيْبُكِيُّ، يَسُوؤُ الثَّرَمِذِيَّ، وَحَسَنَةُ أَبُو زُرْعَةَ
الرَّازِيَّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ جِبَّانَ.

تخریج احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے سوائے ترمذی کے۔
ابوزرعہ رازی نے اسے حسن کہا، حاکم اور ابن حبان نے
اسے صحیح قرار دیا ہے)

نفعی تشریح: ﴿المحال وارث الخ﴾ یہ حدیث دلیل ہے کہ ذوالارحام بھی وراثت پاتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرامؓ کی یہی رائے ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے کہ یہ وراثت نہیں پاتے اور شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلے گروہ کی دلیل یہی حدیث ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے عموم سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد ہے ”والولوالارحام بعضهم اولى ببعض“ اور قرابت والے ایک دوسرے کے وارث ہونے میں زیادہ حقدار ہیں۔ نیز ارشاد ربانی ہے۔ للرجال نصيب مما ترك الوالدان والا قربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والا قربون کہ جو کچھ ماں باپ اور قریبی چھوڑ گئے اس میں مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ اور قریبی چھوڑ گئے ہیں۔ رجال، نساء اور اقربین کے الفاظ سب قریبی رشتہ داروں کو شامل ہیں اور یہ تخصیص کرنے والے کے دعویٰ کے خلاف دلیل ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے اگر ذوالفروض اور عصبہ وارثوں میں سے کوئی زندہ نہ ہو تو پھر ماموں وارث ہوگا۔ ذوالارحام کو وارث قرار دینے میں علماء میراث میں اختلاف ہے۔ ایک بڑی جماعت تو ان کو وارث قرار دیتی ہے اور خالہ کی حیثیت بھی وہی ہے جو ماموں کی ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ جو لوگ ذوالارحام کی وارثت کے قائل نہیں ان کے نزدیک تو عصبہ کی عدم موجودگی میں ترکہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا مگر جمہور کی رائے ہی رائج ہے۔

(۸۱۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ قَالَ: كَتَبَ مَعِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ، وَالْحَالُ وَارِثٌ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ».

رواه أحمد وأبو داود، يونس بن أبي داود، وحسنه الترمذي، وصححه ابن حبان.

حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ذریعہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ اور اس کا رسول ہر اس کا مولیٰ ہے جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہے۔“ (احمد اور چاروں نے سوائے ابوداؤد کے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿مولى من لا مولى له﴾ یعنی جس کا کوئی ولی و سرپرست نہ ہو، جس کا کوئی والی وارث نہ ہو اور ابوداؤد میں مقدم سے مروی ہے کہ جس کا کوئی مولیٰ و سرپرست نہیں میں اس کا ولی و سرپرست میں ہوں۔ میں اس کی وراثت لوں گا اور قرض سے اسے آزاد کراؤں گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ

اس کا مال بیت المال میں چلا جائے گا۔ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی مؤید ہے جس سے ثابت ہوا کہ اولی الارحام وارث بن سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابو امامہ بن سہل﴾ ان کا نام اسعد اور ایک قول کے مطابق سعد تھا مگر یہ اپنی کنیت سے ہی مشہور و معروف تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو امامہ بن سہل بن حنیف بن واہب انصاری، اوسی مدنی۔ یعنی مدینہ کے انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے مگر کچھ سماعت نہیں کر سکے۔ ۱۰۰ھ میں ۹۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

﴿ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ﴾ ابو عبیدہ عامر بن عبد اللہ بن جراح بن حلال قرشی فہری۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ تمام غزوات بدر و احد تا تبوک میں شریک رہے۔ جنگ احد کے روز نبی ﷺ کے رخسار مبارک میں خود کے جو دو حلقے داخل ہو گئے تھے ان کو اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالتے وقت ان کے سامنے کے دونوں دانت گر گئے تھے۔ شام کی فتوحات میں لشکر اسلامی کی قیادت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۸ھ میں طاعون عمواس کے موقع پر وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۵ برس کی تھی۔

(۸۱۳) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتُ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فرمایا ”جب نومولود بچہ آواز نکالے تو وہ وارث قرار ”إِذَا اسْتَهْلَ الْمَوْلُودُ وَرَثَ“۔ رَوَاهُ ابْنُ (ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے داؤد۔ وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ۔ اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اذا استهل﴾ جب آواز بلند کرے۔ وہ چیخنے کی صورت میں ہو یا رونے کی صورت میں۔ ”ورث“ صیغہ مجہول۔ توریث سے ماخوذ ہے۔ یعنی یہ آواز اسے وارث بناتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو پھر بعد میں فوت ہو جائے تو وہ وارث شمار ہوگا۔ پیدائش کے وقت اونچی آواز نکالنا وارث بننے کیلئے ضروری نہیں ہے۔ ”استہلال“ کا بالخصوص اس جگہ ذکر تو محض اس لئے کیا گیا ہے کہ عام طور پر بچہ پیدا ہونے کے بعد آواز نکالتا ہے اور یہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بچہ زندہ ہے۔ لہذا اگر اس کے علاوہ دوسری کسی علامت سے اس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے تو مثلاً چھینک مارنا، زور سے سانس لینا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جو اس کے زندہ ہونے پر دال ہو اس کے وارث قرار پائے جانے کیلئے بس کافی ہے۔

(۸۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حَضْرَتُ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ اپنے والد سے اور وہ اپنے عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى داؤد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فرمایا ”قاتل کو مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی ”لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمَمِيرَاتِ شَيْءٌ“۔ نہیں ملتا۔“ (اسے نسائی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے)

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْذَاقُفْنِيُّ، وَقَوَاهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ، اور ابن عبدالبر نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ مگر نسائی نے
وَأَعْلَاهُ النَّسَائِيُّ، وَالصَّنَّابُ وَقَفَّهَ عَلَى عَمْرٍو۔ اسے معلول کہا ہے۔ دراصل یہ روایت موقوف ہے یعنی
عمرو پر موقوف ہونا صحیح کہا گیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے قاتل مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی وصول کرنے کا مستحق نہیں۔
اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے کہ قاتل کو نہ اصل مال میں سے کچھ ملے گا اور نہ دیت میں سے۔ مگر امام
مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاتل کو دیت میں سے تو کچھ نہیں ملے گا البتہ دوسرے مال میں سے میراث لے گا۔
مگر امام مالک رحمہ اللہ کی جلالت القدر کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ ان کے پاس اپنی رائے کے حق میں
کوئی مضبوط و قوی دلیل نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح
رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ کی رائے کے خلاف فیصلہ دیتے رہے ہیں۔

(۸۱۵) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے ”والدیا
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا أَحْرَزَ» اولاد جو کچھ جمع کر کے اپنے گھر میں لائے تو وہ اس
الْوَالِدِ أَوْ الْوَلَدِ فَهُوَ لِعَصْبَتِهِ مَنْ کے عصبہ کیلئے ہے خواہ عصبہ کوئی بھی ہو۔“ (اسے
كَانَ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن مدینی
وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينَةِ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ۔ اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿مَا أَحْرَزَ الْوَالِدُ الْخ﴾ جو کچھ والد یا اولاد نے جمع کیا اور حاصل کیا یا یہ معنی کہ اموال
اور حقوق میں جس کا وہ استحقاق رکھتا ہے۔ ﴿فَهُوَ﴾ جمع کردہ مال یا جس حق کا وہ مستحق ہے۔ ﴿لِعَصْبَتِهِ﴾
اس شخص کے عصبہ مراد ہیں جس نے مال کو جمع کیا، حاصل کیا۔ ﴿مَنْ كَانَ﴾ اس سے مراد
وہی عصبہ ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ والد اور اولاد کے احراز سے مراد یہ ہے کہ حقوق میں جن کا یہ
استحقاق رکھتا ہے وہ حقوق وغیرہ اس کے بعد اس کے عصبہ کے ہوں گے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا
گیا ہے کہ ولاء کو وراثت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا مگر یہ حدیث اپنی دلالت میں واضح اور صریح نہیں
ہے بلکہ ماحرز کے تحت جو جزئیات آتی ہیں وہ بسا اوقات اس استدلال کے خلاف ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے وہ دراصل اس واقعہ سے تعلق رکھتا ہے کہ ایک
خاتون فوت ہوگئی۔ اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے پھر بیٹے بھی فوت ہو گئے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان
لوگوں کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان کے وارث بنے۔ پھر اس عورت کا آزاد کردہ غلام بھی فوت ہو گیا تو
عمرو بن عاص نے اس غلام کا ورثہ بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس عورت کے بھائی نے عورت کے آزاد
کردہ غلام کی میراث کا دعویٰ کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی اور اس آزاد
کردہ غلام کی میراث اس خاتون کے بھائی کو دلا دی۔ واضح رہے کہ ولاء (آزاد کردہ غلام کا ترکہ)

ذوالفروض میں ورثہ کی طرح تقسیم نہیں ہوتی بلکہ سب سے قریبی عصبہ کا حصہ ہے۔ اگرچہ بعض نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے تاہم صحیح یہی ہے کہ میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(۸۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْوَلَاءُ لِحِمَّةٍ تَعْلُقُ كِطْمَانًا لَا يُبَاعُ وَلَا يُمْسَقُ». (۱) اے حاکم نے بطریق شافعی محمد بن حسن سے اور انہوں نے ابویوسف سے روایت کیا ہے۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي يُونُسَ، ابْنِ حَبَانَ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے اسے وَصَحَّ ابْنُ حَبَانَ، وَأَعْلَى التَّبَهَقُفِيِّ. معلول کہا ہے۔

لغوی تشریح: ﴿الولاء﴾ ”واو“ پر فتح اور ”لا“ پر مد۔ یعنی آزادی کی ولاء اور وہ آزاد کرنے والے کی میراث کا آزاد کردہ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔ ﴿لحمۃ﴾ لام پر ضمہ اور ”حا“ ساکن معنی اس کے قربت اور تعلق کے ہیں۔ عرب لوگ ولاء کو فروخت بھی کرتے تھے اور جہ بھی کر دیتے تھے جس سے منع فرما دیا گیا اور واضح کیا کہ ولاء کا تعلق نسب کے تعلق کی طرح ہے۔ یہ زائل کرنے سے بھی زائل نہیں ہوتا۔ حاصل کلام: اس حدیث میں ولاء کو نسب کے تعلق سے تشبیہ دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی جہ اور نذر کی جاسکتی ہے۔ عرب معاشرے میں لوگ اسے فروخت بھی کر دیتے تھے اور جہ اور نذر بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

راوی حدیث: ﴿محمد بن حسن﴾ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن حسن بن فرقہ شیبانی۔ احناف کے ایک مشہور و معروف امام ہیں۔ ۱۳۲ھ واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پا کر پروان چڑھے۔ طلب علم کیلئے نکلے۔ بڑے بڑے اعلام سے ملاقات کی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس میں کئی سال تک رہے پھر ابویوسف پر فقہ کا درس لیا۔ بہت سی نادر کتب تصنیف کیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علم کو خوب پھیلایا۔ یہ احناف کے تین علمی ستونوں کے درمیان ایک ستون ہیں۔ تین سال تک امام مالک رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے محمد بن حسن کی طرح موٹا آدمی کوئی نہیں دیکھا جو پھریتلا اور مرہان اور اچھی صحبت والا ہو اور نہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو خیر خواہ پایا۔ حافظہ کے اعتبار سے ان کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ۱۸۹ھ میں رے کی ”برنبویہ“ نامی بستی میں وفات پائی۔

﴿ابویوسف﴾ ان کا نام امام یعقوب بن ابراہیم انصاری ہے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد ہیں اور اہل عراق کے مستند فقیہ ہیں۔ قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ ان کی نشوونما کوفہ میں ہوئی اور طلب علم میں زندگی بھر گزاری۔ ان کے والد ایک غریب آدمی تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قاضی ابویوسف کو وقتاً فوقتاً

سو، سو درہم دے کر ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اصحاب الرائی میں امام ابو یوسف سب سے زیادہ احادیث کا علم رکھنے والے اور سب سے زیادہ فن میں پختہ تھے اور یحییٰ بن یحییٰ تمیمی کا قول ہے کہ میں نے ابو یوسف کو ان کی موت کے وقت یہ فرماتے سنا کہ میں نے اپنے تمام ان فتوؤں سے رجوع کیا جو کتاب و سنت سے موافقت نہیں رکھتے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو قرآن کے موافق ہیں اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ان کے علاوہ میں اپنے تمام فتوؤں سے رجوع کرتا ہوں۔ ربیع الآخر ۱۸۲ھ میں انتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۸۱۷) وَعَنْ أَبِي قَلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، حَضْرَتِ ابُو قَلَابَةَ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ هُوَ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سب سے رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَفْرَضُكُمْ زَيْدُ بْنُ زَيْدٍ» زیادہ میراث کو جاننے والا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے۔“ ثَابِتٌ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ، سَوَى أَبِي (اس حدیث کو احمد اور چاروں نے ماسوا ابو داؤد کے روایت داؤد، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ جِبَانَ وَالْحَاكِمُ. کیا ہے۔ ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا وَأَعْلَى بِالْإِسْنَاءِ. ہے لیکن اسے مرسل ہونے کی بنا معطل قرار دیا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اعل بالارسال﴾ صیغہ مجہول۔ معطل اسے اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ابو قلابہ نے اگرچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی احادیث سنی ہیں مگر ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس وجہ سے یہ حدیث مرسل یعنی منقطع ہے۔

حاصل کلام: یہ دراصل ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مکمل روایت یوں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل اور شفیق انسان ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے اور دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ اور سب سے زیادہ حیا دار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سب سے عمدہ اور اچھا قاری ابی بن کعب اور فرائض کا سب سے بڑا عالم زید بن ثابت ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے میراث کے اختلافی مسائل میں عموماً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے قابل ترجیح قرار دی۔

راوی حدیث: ﴿ابو قلابہ﴾ قلابہ میں ”قاف“ کے نیچے کسرو اور لام مخفف۔ ان کا نام عبد اللہ بن زید بن عمرو یا عامر جری بصری ہے۔ جلیل القدر تابعی، ثقہ ہیں، فاضل آدمی ہیں۔ کتب ستہ کے راویوں میں ارسال کا ارتکاب بہت کرتے ہیں۔ منصب قضاء کو چھوڑ کر شام میں چلے گئے۔ ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

وصیتوں کا بیان

۲۱ - بَابُ الْوَصَايَا

(۸۱۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَا حَقَّ امْرِئٌ مُسْلِمٌ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ». مَنَّكَ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

ﷺ نے فرمایا ”کسی مسلمان کو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی چیز کو وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر دو راتیں بھی اسی حالت میں گزار دے کہ اس کے پاس وصیت تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الوصایا﴾ وصایا، وصیت کی جمع ہے۔ جیسا کہ ہدایا ہدیہ کی جمع ہے وصیت شرعی طور پر خاص اس عہد کو کہتے ہیں جس کا تعلق مرنے کے بعد سے ہو۔ ﴿ما حق امری مسلم﴾ اس جملہ میں ”ما“ نافیہ ہے۔ یعنی مسلمان کیلئے یہ حزم و احتیاط کا تقاضا نہیں ہے اور اس کیلئے لائق و مناسب نہیں ہے۔ ﴿لہ شئی﴾ یہ ”لامری“ کی صفت ہے۔ یعنی اس کے پاس مال ہے یا کسی کا قرض ادا کرنا ہے یا اور کوئی حق ہے یا کسی کی امانت ہے۔ ﴿یرید﴾ یہ شئی کی صفت ہے۔ یعنی یہ شخص اس چیز میں کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے ﴿بیت لیلین﴾ یہ ماکہ خبر ہے مصدر کی تاویل کی صورت میں یعنی یہ کہ وہ دو راتیں بسر کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صفت ہو تو اس صورت میں اس کے بعد والا استثناء خبر ہو۔ ”واو“ یہاں حالیہ بھی ہو سکتی ہے اور زائدہ بھی اور ایک دوسری روایت میں لیلۃ اولیلتین کے الفاظ بھی منقول ہیں اور ایک روایت میں ”ثلاث لیل“ بھی مروی ہے۔ الفاظ کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ وصیت میں جلدی کی جائے تاخیر نہ کی جائے۔ یعنی اس شخص کے لائق نہیں کہ اس پر ایک وقت گزرے خواہ وہ تھوڑا سا کیوں نہ ہو مگر اس کے پاس وصیت تحریری ہونی چاہئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی؟ (عون المعبود) اور ﴿یرید ان یوصی الخ﴾ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔ واجب نہیں اور جمور اہل علم کی یہی رائے ہے۔ ہاں فرض کی ادائیگی کی وصیت اور امانتوں کے واپس کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وصیت ہر وقت تحریری شکل میں موجود رہنی چاہئے۔ آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت کرنا ہر ایک کیلئے ضروری اور لازمی تھا۔ مگر جب میراث کی آیت نازل ہوئی تو یہ وصیت ختم ہو گئی۔ یعنی جو حصے قرآن میں متعین و مقرر کر دیئے گئے ہیں ان کیلئے وصیت ختم، البتہ میراث کے علاوہ اگر کوئی وصیت کرنا چاہے تو آج بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث ختم ہے مگر اس کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت اور دیکھ بھال کیلئے تہائی مال وصیت کر سکتا ہے۔

(۸۱۹) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي حَضْرَتِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں مالدار قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنَا ذُو مَالٍ، آدمی ہوں اور میری وارث صرف میری ایک ہی بیٹی وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةُ لِي وَاحِدَةٌ، ہے۔ تو کیا میں دو تہائی مال کو صدقہ و خیرات کر دوں؟

أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِي مَالِي؟ قَالَ: لَا،
 قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ: لَا،
 قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْهِ؟ قَالَ:
 اَلثَّلَاثُ، وَالثَّلَاثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ
 وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ
 عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

آپؐ نے فرمایا ”نہیں۔“ میں نے دوبارہ عرض کیا، کیا میں اپنے مال کا نصف حصہ خیرات کر دوں؟ فرمایا ”نہیں۔“ میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا، تو کیا میں تہائی مال صدقہ و خیرات کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ”ہاں! مگر ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تیرا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تو ان کو محتاج چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿بشطره﴾ اپنا آدھا مال۔ ﴿قال الثلث﴾ الثلث پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں یعنی تہائی حصہ دے دو یا یوں فرمایا کہ تہائی حصہ تیرے لئے خیرات کرنا کافی ہے۔ ﴿والثلث کثیر﴾ ثلث بہت ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ اس سے کم کرو یا یہ کہ یہ تھوڑا نہیں بہت ہے۔ پس اس میں مزید اضافہ نہ کرو۔ ﴿ان تذّر﴾ یعنی چھوڑنا اور کلمہ ”ان“ یا تو حمزہ پر فتح کی صورت میں ہے اس صورت میں وہ نائبہ ہوگا اور فعل منصوب ہوگا اور یا حمزہ کے نیچے کسرہ ہو تو اس صورت میں ان شرطیہ ہوگا اور فعل مجزوم ہوگا اور اس کی جزاء ”خیر“ کا لفظ ہوگا اس صورت میں کہ خیر کو مقدر تسلیم کیا جائے۔ ﴿من ان تذروهم عالة﴾ یعنی ان کو محتاج و فقیر چھوڑ جاؤ گے۔ عالة عائل کی جمع ہے۔ ﴿یتکففون الناس﴾ یعنی وہ لوگوں سے فقیروں کی طرح اپنے ہاتھ پھیلا کر سوال کرتے پھریں گے۔ حضرت سعد کو یہ خیال مکہ مکرمہ میں حجة الوداع کے موقع پر آیا جبکہ ان کو گمان ہوا کہ وہ بیماری کی وجہ سے اب مرجائے گا۔ مگر اس کے بعد وہ صحت یاب ہو گئے اور زندہ رہے اور ان کے ہاں چار بیٹے ہوئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دس سے بھی زیادہ لڑکے اور تیرہ لڑکیاں عطا فرمائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب مال زیادہ سے زیادہ اپنے تہائی مال کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ الا یہ کہ ورثاء خود بخود اس سے زائد کی اجازت دے دیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ورثاء کو محروم رکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ان کا غنی رہنا اور دست سوال دراز کرنے سے بچنا بہر نوع بہتر ہے۔

(۸۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أُمِّي أَقْتَلَتْ نَفْسَهَا، وَلَمْ تُؤْصِرْ، وَأَطْنَتْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ اچانک وفات پا گئی ہیں اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی۔ میرا اس کے

لَوْ تَكَلَّمْتَ تَصَدَّقْتُ، أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

بارے میں خیال ہے کہ اگر وہ کوئی گفتگو کرتی تو صدقہ (ضرور) کرتی۔ کیا اسے ثواب ملے گا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا

”ہاں!“ (بخاری و مسلم، یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ان رجلاً﴾ سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ﴿افلتت نفسها﴾ صیغہ مجہول۔ اچانک بیمار ہو گئیں اور فوراً ہی وفات پا گئیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی وصیت کے بغیر بھی اولاد کی جانب سے صدقہ کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور بغیر وصیت صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

(۸۲۱) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْنَؤَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَحَسَنَهُ أَحْمَدُ وَالْتَرْمِذِيُّ، وَقَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَادَ فِي آخِرِهِ: «إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرِثَةُ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہذا اب کسی وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں۔“ (اسے احمد اور چاروں نے سوائے نسائی کے روایت کیا ہے۔ احمد اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے قوی قرار دیا ہے) اور دارقطنی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں اتنا اضافہ بھی کیا ہے۔ ”الا یہ کہ اس کے وارث چاہیں“ (اور ان کی اسناد حسن ہیں)

لغوی تشریح: ﴿الا ان يشاء الورثة﴾ جمہور علماء نے اس اضافہ سے قابل استدلال ہونے کی بنا پر استثناء کیا ہے کہ اگر ورثاء از خود چاہیں تو کسی ایک کیلئے وصیت ہو سکتی ہے۔ مگر اہل ظواہر کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔ جیسے قاتل کے حق میں وصیت جائز نہیں خواہ ورثاء اس کی اجازت دے بھی دیں لیکن اس روایت کی بنا پر رائج ترین مسلک جمہور کا ہے۔

(۸۲۲) وَعَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلْثِ أَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، زِيَادَةً فِي حَسَنَاتِكُمْ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَأَخْرَجَهُ جَائِسٌ. (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور احمد اور

۸۔ کِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کے مسائل کا بیان

(۸۲۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَضَرْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنْهُ أَغْضُ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. ضروری ہے اس لئے کہ روزہ اس کیلئے ڈھال ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب النکاح﴾ نکاح کے لغوی معنی ضم کرنا، ملانا، گانٹھنا، ایک دوسرے میں داخل ہونے کے ہیں اور شرعی معنی میاں بیوی کے مابین عقد جس سے وطی کرنا حلال ہوتا ہے نکاح درحقیقت تو عقد کا نام ہے اور مجازی طور پر وطی کے لئے مستعمل ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ ﴿الشباب﴾ شہین پر فقر، شاب کی جمع۔ نوجوان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان کو مخاطب ہونے سے مقصود یہ تھا کہ یہ نوجوان ہی ہیں جو عورتوں کی جانب شہوت نفسانی کا خیال رکھتے ہیں۔ ﴿الباءة﴾ عمرہ اور تاء تانیث معدودہ لغت میں اس کے اصلی معنی تو جماع کے ہیں اور یہ مباءہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی منزل کے ہیں اس لئے کہ جو آدمی کسی خاتون سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس خاتون کو اپنی جائے قیام بنا لیتا ہے، اپنی منزل قرار دے لیتا ہے۔ اس مقام پر یا تو یہ جماع کے معنی میں ہے بایں صورت عبارت یوں ہوگی: من استطاع منکم الجماع وقد رتہ علی موتہ النکاح یعنی کہ تم میں سے جو کوئی نکاح کے مصارف و اخراجات کی استطاعت کی صورت میں جماع کی طاقت رکھتا ہو یا اس سے نکاح کے مصارف و اخراجات کی ہمت رکھنا مراد ہوگا اس صورت میں اس کے لوازمات کا نام نکاح رکھ دیا گیا ہے۔ ﴿اغض﴾ جھکانے والا

بچانے والا اور شادی کرنے والے کی نگاہوں کو غیر عورت کی جانب اٹھنے سے روکنے والا۔ ﴿احصن﴾ زیادہ محفوظ رکھنے والا، حفاظت کرنے والا ﴿وجاء﴾ ”واؤ“ کے نیچے کسر۔ شہوت و ہوس نفسانی کو کچلنے والا، بند کرنے والا اور دراصل تو اس کا استعمال جانور کے خبیثے کو دبا کر ناکارہ و بیکار کرنا اور خوب کچل دینا تاکہ نر کی قوت باہ ختم ہو جائے۔ معنی یہ ہوئے کہ روزہ سفلی جذبہ کو قطع کر دیتا ہے اور منی کے شر کو دور کر دیتا ہے۔ بس یوں سمجھئے جیسا کہ کسی جانور کو خسی کر دیا۔

(۸۲۵) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمِدَ اللَّهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: «لَكِنِّي أَنَا أَصْلَبُ، وَأَنَا مُمْ، وَأَصُومُ، وَأَنْزَوُجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنائیاں کی اور فرمایا ”لیکن میں نماز بھی ادا کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ لہذا جس کسی نے میری سنت سے منہ پھیرا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿لکھی﴾ اس سے پہلے جو کچھ بیان ہوا اس سے پیدا شدہ وہم کو دور کیا جا رہا ہے۔ مصنف نے اختصار کے پیش نظر اسے حذف کر دیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین صحابیوں میں سے ایک نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا اور دوسرے نے کہا کہ وہ رات بھر قیام کیا کرے گا اور تیسرے نے کہا کہ وہ کبھی نکاح نہیں کرے گا۔ پس جب اس عزم کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”تم ہی تھے جنہوں نے اس طرح کہا تھا؟ سن لو اللہ کی قسم! میں تمہارے مقابلہ میں اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں۔ اس کے باوجود میں روزے رکھتا بھی ہوں اور ترک بھی کر دیتا ہوں۔ رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں۔ یہ میرا اسوۂ ہے اب اگر کوئی از خود اپنے اوپر پابندیاں لازم کرتا ہے اور میرے اسوۂ سے روگردانی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

(۸۲۶) وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالْبَلَاءَةِ، وَيَنْهَى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيدًا، وَيَقُولُ: «تَزَوَّجُوا الْوُدُودَ الْوُلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِّرٌ بِكُمْ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ ابْنِ دَاوُدَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نکاح کرنے کا حکم ارشاد فرماتے اور تجرد کی زندگی سے سختی سے منع فرماتے اور فرماتے تھے کہ ”بہت محبت کرنے والی اور چاہنے والی، بہت بچے جننے والی خواتین سے نکاح کرو۔ اس لئے کہ میں تمہاری کثرت کی بدولت قیامت کے روز دوسرے انبیاء پر

وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ جِبَانَ أَيْضاً مِنْ حَدِيثِ مَعْقِلِ بْنِ خُزَّازٍ كَرْنِ وَالَا هُونِ۔“ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے نیز اس حدیث کا ایک شاہد

ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿التبطل﴾ عورتوں سے الگ تھلگ رہنے، نکاح نہ کرنے، ازدواجی تعلق سے کنارہ کش رہنے کو ”تبطل“ کہتے ہیں۔ ﴿الودود﴾ میں ”واؤ“ پر فتح ہے۔ ایسی عورت جو اپنے شوہر سے بے پناہ پیار و محبت کرتی ہے یا اس کا معنی ہے وہ محبوب و پسندیدہ عورت جو اپنے عمدہ اور بہترین اوصاف و خصائل، عادات و اطوار، حسن خلق کی مالک اور اپنے شوہر سے پیار کرنے والی ہو۔ ﴿الولود﴾ ”واؤ“ پر فتح۔ ایسی عورت جو بچے زیادہ جنمنے والی ہو۔ یہ چیز کنواری میں اس کے خاندان کی حالت سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ ﴿مکاشر﴾ میں اپنے متبعین کی کثرت تعداد کی وجہ سے انبیاء پر فخر کرنے والا ہوں۔

(۸۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، لِحَسَبِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِدِينِهَا، وَلِدِينِهَا، فَظَفَرُ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرَبَّتْ يَدَاكَ». سے اور اس کے دین کی بنا پر۔ پس تو دین دار سے ظفر مند ہو۔ تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔“

(بخاری و مسلم نیز باقی ساتوں نے بھی اسے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لحسبها﴾ ”حا“ اور سین دونوں پر فتح۔ وہ شرف و بزرگی جو قریبی رشتہ داروں کی وجہ سے کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ ﴿فاظفر بذات الدین﴾ یعنی ایسی خاتون سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔ ﴿تربت يداك﴾ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ کہا جاتا ہے ”ترب الرجل“ آدمی فقیر و محتاج ہو گیا۔ یہاں دعا مراد نہیں ہے بلکہ امل جگہ جدوجہد اور سعی و کوشش کیلئے ابھارنا اور براہِ نیجۃ کرنا مقصود ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی کیلئے بہر نوع دین دار عورت کا انتخاب کرنا چاہئے، کسی کے مال و دولت، کسی کے حسن و جمال پر فریفتہ نہیں ہو جانا چاہئے کیونکہ عورت محض بیوی نہیں ہوگی۔ بچوں کی ماں بھی ہوگی ظاہر ہے۔ وہ اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی وقت کر سکے گی جب خود نیک اور دین سے وابستہ ہوگی۔

(۸۲۸) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ

رَقًا إِنْسَانًا، إِذَا تَزَوَّجَ، قَالَ: «بَارَكَ اللَّهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ جِبَانَ.

جب کسی شخص کو دیکھتے کہ اس نے شادی کی ہے تو فرماتے ”اللہ تعالیٰ برکت عطاء فرمائے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو بھلائی و خیر پر جمع رکھے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔

ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لعفی تشریح: ﴿رفا﴾ ”فا“ پر تشدید اور ممرہ اور کبھی بغیر ممرہ کے بھی آجاتا ہے یعنی اسے مبارک باد دی اور اس کے حق میں دعا فرمائی اور دور جاہلیت میں دعا دینے کا یہی طریقہ مروج تھا کہ کہتے ﴿بالرفاء والبنین﴾ کہ مبارک ہو اللہ اولاد سے خوش نصیب کرے۔ آپؐ نے اسے منع فرمایا دیا اور رفاء انفاق، برکت اور بڑھوتری بھی معنی میں آتا ہے۔

(۸۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ التَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ «إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنُسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمِيُّ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حاجت و ضرورت میں یہ تشہد سکھایا کہ ”سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طلب گار ہیں اور اسی سے مغفرت و بخشش مانگتے ہیں اور اپنے نفسوں کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت سے نوازے اسے پھر کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ ہی گمراہ کرے اسے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے آیات۔“ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمِيُّ.

﴿التشہد فی الحاجۃ﴾ بل السلام میں ہے کہ ابن کثیر نے الارشاد میں اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ آپؐ نے یہ خطبہ حاجت و ضرورت اور نکاح وغیرہ ہر کام کیلئے سکھایا ہے۔ ﴿ان الحمد﴾ میں ”ان“ تخفیف سے پڑھا جائے تو ”الحمد“ پر رفع ہوگا اور ”ان“ پر تشدید بھی جائز ہے۔

پس صورت ”الحمد“ پر فتح ہوگی اعرابی صورت میں اور اس پر رفع حکایت کے طور پر ہے۔

حاصل کلام: یہ خطبہ صرف خطبہ نکاح نہیں بلکہ یہ خطبہ رسول اللہ ﷺ نے ہر حاجت و ضرورت کیلئے

روایت کیا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اسے حسن کہا ہے)

روایت کیا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اسے حسن کہا ہے)

سکھایا ہے۔ علامہ الیمانی نے تو فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کو خود یہ خطبہ پڑھنا چاہئے۔ مگر یہ سنت متروک ہو چکی ہے۔ جن تین آیات کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں۔ سورۃ نساء کی پہلی آیت رقیبا تک اور سورۃ آل عمران کے گیارہوں رکوع کی پہلی آیت مسلمانوں تک اور سورۃ احزاب کے آخری رکوع کی آیت عظیمیا تک۔ اہل ظواہر اس خطبہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور شوافع میں سے ابو عوانہ نے بھی اسے واجب کہا ہے مگر باقی علماء امت کے نزدیک منون ہے۔ (سبل)

(۸۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ. وَلَهُ كَوَاصِفُ قَرَارِ دِيَا هِے۔ تَرْمِذِيْ اَوْر نِسَائِيْ مِیْن مَغْیِرَہ کی رَوَایْت اِس کیلئے شَہِیْد هِے۔ اِبْن مَاجَہ اَوْر اِبْن حَبَاب مِیْن مَحْمَد بن مَسْلَمَہ اِبْن خَلِیْفَہ مِیْن حَدِیْثِ مَحْمَد بنِ رَوَایْت شَہِیْد هِے) مَسْلَمَہ۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مرد کو چاہئے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اسے خود ایک مرتبہ دیکھ لے۔ جمہور کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے لازمی اور ضروری نہیں۔ اگر کسی قاتل اعتماد اپنی رشتہ دار خاتون کو بھیج کر عورت کے چہرے کے رنگ و روپ، عادات و خصائل کا پتہ کرا لے تب بھی یہ ٹھیک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلیم کو بھیج کر ایک خاتون کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں۔ راوی حدیث: ﴿محمد بن مسلمہ﴾ محمد بن مسلمہ کا شمار فضلاء صحابہ کرامؓ میں تھا۔ انصار کے قبیلہ حارث سے تھے اس لئے انصاری حارثی کہلاتے تھے۔ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت معب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ۴۳ھ میں ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۸۳۱) وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً: أَنْظُرْتَ إِلَيْهَا؟ قَالَ لَا، قَالَ: أَذْهَبَ فَاَنْظُرْ نِیْس، اُپ نے فرمایا ”جاؤ اور اسے دیکھ لو۔“ اِس نے کہا: اِنِّیْہَا۔

نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اللہ کی قسم کچھ بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا ”اپنے گھر جاؤ اور تلاش کرو آیا کوئی چیز تجھے ملتی ہے؟“ وہ چلا گیا اور پھر واپس آکر کہنے لگا، اللہ کی قسم مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ رسول اللہ (ﷺ) نے پھر فرمایا ”تلاش کرو خواہ لوہے کی انگشتری ہی ہو۔“ وہ آدمی پھر گیا اور واپس آکر عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! اللہ کی قسم لوہے کی انگوٹھی تک بھی میسر نہیں۔ لیکن میرا یہ ایک تہ بند ہے۔ (سہل رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کے اوپر کی چادر نہ تھی۔) آدھا حصہ میں اسے دے دوں گا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اس پیشکش کو نا منظور کرتے ہوئے فرمایا ”وہ خاتون تیرے اس تہ بند کو کیا کرے گی۔ اگر تو اسے زیب تن کرے گا تو اس کیلئے کیا بچے گا اور اگر وہ اسے پہنے گی تو پھر تیرے لئے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔“ یہ سن کر وہ آدمی نیچے بیٹھ گیا اور کافی دیر تک بیٹھا رہا بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بیٹھ پھر کر جاتے ہوئے اسے رسول اللہ (ﷺ) نے دیکھ لیا۔ آپؐ نے اسے واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آگیا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا ”تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟“ اس نے اسے گن کر بتایا کہ فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپؐ نے پوچھا ”تم ان کو زبانی پڑھ سکتے ہو؟“ وہ بولا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا ”جائیں نے تجھے اس کا مالک بنا دیا۔ اس قرآن کے بدلہ جو تجھے یاد ہے۔“ (بخاری و مسلم، یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور ایک روایت میں ہے ”جائیں نے اسے تیری زوجیت میں دے دیا۔ پس تو اسے کچھ قرآن سکھا دو“ اور بخاری

رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ: أَذْهَبَ إِلَى أَهْلِكَ، فَانْتَظِرْ هَلْ نَجِدُ شَيْئًا؟ فَذَهَبَ، ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: انْتَظِرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي (- قَالَ سَهْلٌ: - مَالَهُ رِدَاءٌ -) فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا تَضَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنَّ لِبِسَتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لِبِسَتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ، فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدَعِيَ بِهِ، فَلَمَّا جَاءَ، قَالَ: مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: مَعِيَ سُورَةُ كَذَا، وَسُورَةُ كَذَا، عَدَدُهَا، فَقَالَ: تَقْرَأُوهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَذْهَبَ فَقَدْ مَلَكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ. ثُمَّ قَالَ: عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «أَنْطَلِقُ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِمَهَا مِنَ الْقُرْآنِ». وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ».

راوی حدیث: ﴿عامر بن عبداللہ﴾ عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام اسدی قرشی مدنی۔ اپنے والد اور دیگر حضرات سے احادیث سنی ہیں۔ بڑے عبادت گزار اور مشہور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

(۸۳۵) وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي
مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ». رَوَاهُ
أَحْمَدُ وَالْأَرْنَؤَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينَةِ وَالتِّرْمِذِيُّ
وَابْنُ جِبَّانٍ، وَأَعْلَى بِالْإِسْمَاعِيلِيِّ.

وَرَوَى الْإِمَامُ أَحْمَدُ، عَنْ عَمْرِانَ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ رَجُلٍ مَاتَ وَهُوَ يَتَذَكَّرُ بِمَا كَانَ يُكْفِرُ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ فِي الْقَبْرِ، فَقَالَ: «يُغْفَرُ لَهُ».

نہیں ہوتا۔“

نفعی تشریح: ﴿اعل بالارسال﴾ یعنی اسے مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے مگر یہ تعلیل درست نہیں کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں یہ ثابت کیا ہے کہ موصول روایت اقویٰ ہے اور راجح ہے۔ لہذا یہ ارسال حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا اور نہ اس کے قابل احتجاج ہونے میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو تمہیں کے قریب صحابہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے بعض طرق صحیح ہیں اور بعض ضعیف ہیں۔ جمہور علماء کی بھی رائے یہی ہے کہ ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ولی سے مراد باپ ہے۔ باپ کی غیر موجودگی میں دادا پھر بھائی پھر چچا ہے اگر کسی کے دو ولی ہوں اور نکاح کے موقع پر اختلاف واقع ہو جائے تو ترجیح قریبی ولی کو ہوگی، اگر کوئی بھی ولی نہ ہو تو حدیث میں ہے کہ سربراہ مملکت اس کا ولی ہے اور اگر دونوں ولی برابر حیثیت کے ہوں اور ان میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں حاکم ولی ہوگا۔

(۸۳۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحْتُ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَلَيْهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا

«لَا تُنْكَحُ الْأَيْمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا لِمَنْ بَغِيرُهُ كُيَا جَاءَ» اور کنواری کا نکاح اس سے تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، قَالُوا: اجازت لئے بغیر نہ کیا جائے۔ انہوں نے عرض کیا يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ (ﷺ)! اس کی اجازت کیسے ہے؟ فرمایا «أَنْ تَسْكُتَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

”اس کا خاموش رہنا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: «لا تنکح» صیغہ مجہول۔ یہ مبالغہ کی نفی ہے یا پھر نفی۔ «الایم» حمزہ پر فتح اور ”یاء“ پر تشدید اور کسرہ۔ وزن اور معنی دونوں کے اعتبار سے ثیب کے ہم معنی ہے یعنی ثیب مراد ہے اور ثیب شوہر دیدہ عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند وفات پا گیا ہو یا اسے طلاق ہو گئی ہو۔ ایسی عورت کو ”ایم“ بھی کہتے ہیں اور ثیب بھی۔ «حتی تستامر» جب تک کہ اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے۔ یعنی بالمرحت اس سے معلوم کیا جائے اور یہ اجازت و اذن لفظاً ہونی چاہئے اس میں خاموشی ناکافی رہے گی۔ «البکر» ”یاء“ کے نیچے کسرہ اور کاف ساکن۔ باکرہ کنواری جس نے ابھی تک شادی نہ کی ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ شریعت کی نظر میں مرد و عورت کی بہت اہمیت ہے اور عورت جسے معاشرہ میں کوئی خاص مقام نہیں دیا جاتا تھا اسے پستی سے اٹھا کر بلند مقام پر پہنچایا ہے، اس کی اہمیت کو دوبلا کیا ہے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں اس سے مشورہ لینا تو کجا اسے اپنے بارے میں کچھ کہنے کی اجازت تک نہ تھی۔ سربراہ ولی اپنی مرضی سے جس سے چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے، اسے زبان پر لانے کی ہمت نہ تھی۔ نبی ﷺ نے عورت کو اس کا صحیح معاشرتی مقام و منصب دیا اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ شوہر دیدہ سے مشورہ ضرور کیا جائے اور کنواری سے اس کی اجازت حاصل کی جائے۔

شوہر دیدہ کا اس کی رضا و مشورہ کے بغیر نکاح کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بغیر ولی کے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

(۸۳۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الْثَّيْبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سَكُوتُهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”شوہر دیدہ عورت اپنے دوبارہ نکاح کے بارے میں اپنے ولی کی بہ نسبت خود زیادہ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سَكُوتُهَا۔“ اور اس کا اذن اس کی خاموشی ہے۔“ (مسلم)

وَفِي لَفْظٍ: «لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيْبِ أَمْرٌ وَابْتِمْنَةُ تُسْتَأْمَرُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ.

اور ایک روایت میں ہے کہ ”شوہر دیدہ عورت کے بارے میں ولی کا کوئی اختیار نہیں اور یتیم بچوں سے بھی مشورہ لیا جائے۔“ (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

نفوی تشریح: ﴿الشیب احق بنفسها من ولیها﴾ اس سے حنفیہ نے اپنے مذہب کی تائید میں استدلال کیا ہے کہ شوہر دیدہ کیلئے ولایت کی شرط نہیں ہے حالانکہ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ ”احق“ کا کلمہ صیغہ تفضیل ہے اور تفصیل باہمی شرکت کا متقاضی ہے تو دوسرے کا بھی اسی طرح استحقاق ہے جس طرح خود اس کا حق ہے البتہ اس کا حق زیادہ مؤکد ہے اور رائج ہے پھر اس سے ان کے مذہب کی پوری تائید نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضرات تو ولی کے حق کو مکمل طور پر ساقط کر دیتے ہیں۔ بجز اس کے کہ وہ عورت غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرے۔ ﴿لیس للولی مع الشیب امر﴾ یعنی ولی مجبور نہیں کر سکتا اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

حاصل کلام: جمہور کے مذہب کی روشنی میں حدیث کا معنی واضح ہے کہ اگر ولی اس کے نکاح کا ارادہ کرتا ہے اور وہ عورت وہاں نہیں کرنا چاہتی تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ عورت کہیں نکاح کرنا چاہتی ہے اور ولی اسے روکتا ہے تو ولی کو مجبور کیا جائے گا کہ عورت کے فیصلہ کا احترام کرے۔ پھر اگر اولیاء عقد روکنے پر اصرار کریں تو ولی کا حق ولایت ساقط ہو جائے گا اور قاضی اس کا نکاح کر دے گا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ عورت کا حق نہایت ہی مؤکد اور قابل ترجیح ہے۔

(۸۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَزُوجُ الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ، وَلَا تَزُوجُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا». زَوَّاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالِدَارَقُطْنِي، وَرَجَّاهُ يَفَّاتُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہ کوئی عورت دوسری عورت کا (ولی بن کر) نکاح کرے اور نہ خود اپنا نکاح کرے۔“ (اسے ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت نہ دوسری کسی عورت کی ولی بن سکتی ہے اور نہ خود اپنی ولی بن کر اپنا نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہی ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ ایک عاقلہ بالغہ خاتون اپنا بھی اور اپنی نابالغہ بچی کا نکاح بھی کر سکتی ہے اور دوسرے کی وکیل نکاح بھی بن سکتی ہے لیکن اگر کہیں غیر کفو میں نکاح کر لے تو ولی کو تنسیخ کا اختیار بھی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صرف کمین عورت کیلئے جائز ہے مگر اس بارے میں جمہور علماء کی رائے مضبوط ہے۔ (السل)

(۸۴۰) وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ حَضْرَتُ نَافِعٍ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الشُّعَارِ، وَالشُّعَارُ أَنْ يَرْجُوَ الرَّجُلُ ابْتِنَهُ عَلَى أَنْ يَرْوَحَهُ الْآخَرُ ابْتِنَهُ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا

نہی فرمایا ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے آدمی سے اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اس سے بیاہ دے گا اور دونوں کا کوئی مہر مقرر نہ ہو۔ (بخاری و

صَدَاقٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاتَّفَقَا مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَلَى (مسلم) اور بخاری و مسلم دونوں اس پر متفق ہیں کہ اَنَّ نَفْسِيَّ الشَّعَارِ مِنْ كَلَامٍ نَافِعٍ. شغار کی یہ تعریف نافع کی بیان کردہ ہے۔

لغوی تشریح: ﴿الشغار﴾ شین کے نیچے کسرہ۔ اصل میں تو اس پر رفع ہے۔ کہا جاتا ہے ”شغر الکلب“ جب کتا پیشاب کرنے کیلئے اپنا پاؤں اوپر اٹھاتا ہے اور اس مقام پر اس کا معنی ایک عورت کا عورت کے بدلہ میں نکاح جبکہ دونوں میں مقرر نہ کیا جائے جیسا کہ حدیث میں اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ دور جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا جسے شارع نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ تین ائمہ کرام یعنی امام مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں اور ایک گروہ نے کہا ہے مرسل سے یہ نکاح صحیح ہے حالانکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے۔

(۸۴۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا أَنَّ جَارِيَةَ بَكْرٍ كَنُوزِي لِرُكْنِ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ فِي خِدْمَتِهِ فِي حَاضِرَتِهِ هُوَ أَوَّلُ النَّبِيِّ ﷺ، فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا زَوْجَهَا وَهِيَ غَارِهَةٌ، فَخَبَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ. (اسے احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو مرسل ہونے کی بنا پر معلول کہا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿واعل بالازدسال﴾ مگر ارسال کی یہ علت درست نہیں کیونکہ یہ موصول بھی مروی ہے اور خود مصنف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس حدیث میں کسی قسم کا طعن بے معنی ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایسے طرق ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ ولی ہے۔ بغیر مشورہ لئے وہ نکاح تو کر سکتا ہے مگر ایسے نکاح میں اس لڑکی کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ وہ اگر اس نکاح سے ناخوش ہو تو فسخ کرنے کی مجاز ہے۔

(۸۴۲) وَعَنْ الْحَسَنِ، عَنْ حضرت حسن رحمہ اللہ، حضرت سمہ رحمہ اللہ سے نبی ﷺ کا سَمْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَيْمًا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ ”جس عورت کا نکاح دو امْرَأَةً زَوْجَهَا وَلَيَّانَ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ وَلِي کر دیں تو یہ خاتون پہلے خاوند کی ہے۔“ (اسے احمد ومنہما. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْمَعِيُّ، وَحَسَنُهُ اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن قرار دیا الترمذی.)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک خاتون کے دو ولی جب دو مختلف آدمیوں میں سے مختلف اوقات میں نکاح کر دیں تو وہ عورت اس آدمی کی بیوی قرار پائے گی جس سے پہلے نکاح کیا گیا ہو اور

دوسرا نکاح از خود باطل قرار پائے گا کیونکہ شریعت نے نکاح پر نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے اور اگر دونوں نکاح بیک وقت کئے جائیں تو دونوں باطل قرار پائیں گے کوئی بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۸۴۳) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَابِرٌ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «بِسْمِ اللَّهِ» فِي نِكَاحٍ أَيْمًا عَبْدٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَانِهِ أَوْ أَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ، وَكَذَلِكَ ابْنُ جَبَانَ. (حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بِسْمِ اللَّهِ“ اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ زانی ہے۔“ (اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور اسی طرح ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿عاهر﴾ زانی اور زنا باطل ہے لہذا یہ نکاح کے بطلان پر دلالت کرتی ہے خواہ مالک عقد کے بعد اجازت دے دے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ دونوں کی یہی رائے ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ دونوں کا قول ہے کہ اگر مالک عقد کے بعد اسے اجازت دے دے تو نکاح صحیح ہو جائے گا مگر پہلا قول راجح ہے۔

(۸۴۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک مرد کے نکاح میں پھوپھی اور بہتیجی اور خالہ و بھانجی کو جمع نہ کیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

(۸۴۵) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، وَلَا يُنْكَحُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «وَلَا يَنْكِحُ بَخْطُ». رَوَاهُ ابْنُ جَبَانَ «وَلَا يَخْطُبُ عَلَيْهِ». (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”احرام والا آدمی نہ خود اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے۔“ (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے ”اور نہ وہ پیغام نکاح دے“ اور ابن حبان نے اتنا اضافہ نقل کیا ہے اور ”نہ ہی اس کے پیغام نکاح پر پیغام دیا جائے۔“

لغوی تشریح: ﴿لا ینکح﴾ ینکح میں ”یا“ پر فقہ یعنی خود نکاح نہ کرے کسی عورت کے ساتھ ﴿المحرم﴾ احرام بند خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا یا دونوں (حج اور عمرہ) کا۔ ﴿ولا ینکح﴾ یہاں ”یا“ پر ضمہ ہے یعنی نہ وہ شخص ولی یا وکیل بن کر دوسرے کا نکاح کرے ﴿ولا یخطب﴾ نہ اپنے لئے اور نہ کسی دوسرے کیلئے ﴿ولا یخطب علیہ﴾ صیغہ مجہول یعنی نہ اس کا کوئی ولی اسے پیغام نکاح دے اور

نہ ہی اس کی قریبی عزیز خاتون اس سے نکاح کا تقاضا و مطالبہ کرے۔ جمہور علماء کی رائے اس حدیث کے مطابق ہے مگر حنفیہ نے اختلاف کیا ہے۔

(۸۴۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: تَزَوَّجَ النَّبِيُّ
ﷺ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرَمٌ مُتَّقٍ عَلَيْهِ.
وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَيْمُونَةَ نَفْسِهَا: أَنَّ
النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب میمونہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو اس وقت آپؐ حالت احرام میں تھے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے نکاح کیا تو اس وقت آپؐ حلال تھے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز ہے حالانکہ اس حدیث میں ان کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ اکثر صحابہ کرامؓ کی روایت کے مخالف ہے۔ فرد واحد کی جانب وہم جماعت کی طرف وہم سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی ایک آدمی کو وہم ہو جانا جماعت کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے اور خود صاحبہ قصہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور ابو رافع رضی اللہ عنہ جو اس رشتہ کرانے میں سفیر کے فرائض دیتے رہے ہیں، ان سے بھی منقول ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ اس وقت حلال تھے۔ خود صاحبہ قصہ اور سفارت کے فرائض انجام دینے والادوسروں کی بہ نسبت زیادہ خبر رکھتا ہے اور صورت واقعہ سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ لہذا دونوں سے مروی روایت دوسروں کی روایت سے زیادہ لائق اعتبار ہے۔ پھر ان دونوں ابن عباس رضی اللہ عنہما نو دس برس کے بچے ہی تھے۔ پس ان دونوں کے مقابلہ میں ان کا واقعاتی صورت کو محفوظ نہ رکھنا زیادہ قرین قیاس اور لائق ہے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضور ﷺ کو محرم کہنے کا مطلب یہ ہو کہ وہ حدود حرم میں تھے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نبی ﷺ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے تو پھر اسے ان کی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔ الشیخ عبدالرحمن محدث مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی (ج: ۲، ص: ۸۹) میں اس مسئلہ میں لمبی گفتگو کی ہے اور قاتل ترجیح بہر حال جمہور کا قول ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قانون کلی کا بیان ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت میں نبی ﷺ کے فعل کی حکایت ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ایسے ہیں جو صحیح صورت حال کے قریبی راستہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۸۴۷) وَعَنْ عُفْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُؤْفَى
بِهِ، مَا اسْتَخْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ». مُتَّفَقٌ
عَلَيْهِ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا ”وہ شرط پورا کئے جانے کا زیادہ
حق رکھتی ہے جس کے ذریعہ تم نے عورتوں کی شرم
گاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شرائط سب سے زیادہ پوری کرنے کی مستحق ہیں وہ شروط

نکاح ہیں۔ کیونکہ اس کا معاملہ بڑا ہی محتاط اور نازک ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح میں شرط طے کرنا جائز ہے اور انہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ نکاح کی شرطوں سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ادائیگی، مہر ہے کیونکہ مہر طلی سے مشروط ہے اور ایک قول یہ ہے کہ زوجیت کے تقاضا میں عورت جس چیز کی مستحق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ وہ شرط ہے جو نکاح کیلئے آمادہ کرنے کیلئے مرد نے عورت سے طے کی ہو اور یہ شریعت میں ممنوع نہ ہو۔ سیاق حدیث کی رو سے یہی آخری رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

(۸۴۸) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْحَعِ حَضْرَتِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْحَعِ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي رُزْكِ الْمَتْعَةِ نِكَاحَ مَتْعَةٍ كَاجَازَتِ دِيٍّ۔ پھر اسے منع فرما الْمُتَعَةِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ نَهَى عَنْهَا۔ دیا۔ (مسلم)

رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

لعنوی تشریح: ﴿عام اوطاس﴾ یہ عام حنین کا دوسرا نام ہے اور یہ فتح مکہ کے سال کا ہی واقعہ ہے جو ۸ھ میں ہوا۔ ”اوطاس“ حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ جب مسلمانوں پر وادی حنین میں قبائل ہوازن و ثقیف ٹوٹ پڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے مال، مویشی اور آل اولاد سب کچھ اس مقام پر اکٹھا کر لیا تھا۔ جب شکست و ہزیمت سے پالا پڑا تو سب کچھ یہیں چھوڑ کر فرار ہو گئے تو مسلمانوں نے سب کچھ اپنے قبضہ میں لے لیا اور اسے مال غنیمت بنا لیا۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام ”عام حنین“ یا ”عام اوطاس“ پڑ گیا۔ ﴿فی المتعہ﴾ متعہ کہتے ہیں کسی عورت سے ایک مقرر وقت تک کیلئے نکاح کرنے کو۔ جب مقرر وقت پورا ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان خود بخود جدائی ہو جاتی ہے۔ یہ معلوم رہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو ہی مرتبہ مباح و جائز ہوا۔ چنانچہ یہ غزوہ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر اسے غزوہ خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر مباح کیا گیا اور ”عام اوطاس“ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ کیلئے حرام کر دیا گیا۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے لیکن علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ متعہ غزوہ خیبر کے موقع پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ اس کی تحریم فتح مکہ کے سال ہوئی اور یہی رائے درست ہے اور اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ متعہ خیبر کے موقع پر حرام ہوا ہے اور انہوں نے صحیحین میں مروی حضرت علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو آگے آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ متعہ حرام قرار دیا گیا پھر حلال کیا گیا پھر حرام کیا گیا یعنی دو دفعہ منسوخ ہوا ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعہ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جسے حرام کیا گیا ہو پھر حلال کیا گیا ہو پھر اسے حرام قرار دیا گیا ہو۔ مگر دوسرے لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صرف فتح مکہ کے سال ہی حرام کیا گیا ہے اور

اس سے پہلے مباح و جائز تھا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے متعہ کی حرمت اور گھریلو پالتو گدھے کی حرمت کو جمع کر دیا کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کو مباح و حلال سمجھتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ان دونوں کی تحریم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تردید میں بیان کی ہے اور پالتو گدھے کی تحریم یوم خیبر میں ہوئی تھی اور اسکی تحریم کیلئے خیبر کے دن کو بطور ظرف ذکر کیا ہے اور تحریم متعہ کو مطلق بیان کیا ہے کسی وقت و زمانہ سے مقید نہیں کیا۔ جیسا کہ مسند احمد میں صحیح سند سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کو حرام قرار دیا نیز عورتوں کے متعہ کو بھی حرام کیا اور ایک روایت میں ”حرم متعۃ النساء و حرم لحوم الحمیر الاہلیۃ یوم خیبر“ کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی یوم خیبر میں عورتوں سے متعہ اور گھریلو گدھے کا گوشت کھانا حرام کر دیا۔ جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ سے یہ مفصل روایت مروی ہے جس سے بعض راویوں نے سمجھا کہ ان دونوں کو خیبر کے روز ہی حرام کیا گیا ہے تو انہوں نے دونوں کو خیبر کے روز سے مقید کر دیا۔ پھر بعض راویوں نے دونوں میں سے ایک کی تحریم پر اقتصار کیا اور وہ ہے گدھے کی تحریم اور اسی سے اس کو مقید کر دیا بس یہیں سے وہم نے نشوونما پائی اور رہا قصہ خیبر تو اس روز صحابہ کرامؓ یہودی عورتوں سے تو متعہ نہیں کرتے رہے اور نہ ہی انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور نہ ہی کسی نے کبھی اس غزوہ میں اس کو نقل کیا ہے اور نہ ہی اس متعہ کے فعل یا اس کی تحریم کا حتمی ذکر ہے بخلاف فتح مکہ کے۔ فتح مکہ کے موقع پر متعہ کے فعل اور اس کی تحریم کا ذکر مشہور ہے اور اس کی روایت صحیح ترین روایت ہے۔ (تفلیص از زاد المعاد ج ۲ ص ۱۴۲-۱۴۳) اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ متعہ کی حرمت مسلمانوں میں اجتماعی ہے۔ بجز بعض روافض کے امت مسلمہ میں ایک بھی فرد ایسا نہیں جو اس کے خلاف ہے۔

(۸۴۹) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي خَيْبَرَ الْمَتْعَةَ عَامَ خَيْبَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مسلم)

(۸۵۰) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، وَعَنْ أَكْلِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ. أَخْرَجَهُ الشَّيْخُ إِلَّا أَنَا دَاوُدُ.

(۸۵۱) وَعَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَذْنُتُ لَكُمْ فِي الْاسْتِمْنَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَيَّ»

حضرت ربیع بن سبرہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسے تا روز قیامت حرام

اختیار کا بیان

(۸۵۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، إِلَّا حَائِكًا أَوْ حَجَّامًا». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَافِعُ بْنُ لَيْسٍ، وَاسْتَشْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْبَزَّازِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ يَسْتَدِ بِمُقَطَّعٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عرب ایک دوسرے کیلئے کفو ہیں اور موالی بھی ایک دوسرے کیلئے کفو ہیں۔ بجز جولاہے اور حجام کے۔“ (اس روایت کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایسا راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا اور ابو حاتم نے اسے منکر قرار دیا ہے اور اس کا ایک شاہد بزار میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر اس کی سند بھی منقطع ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿باب الکفاءة﴾ کفاءة کے قاف پر فتح اور مدنی مساوات، مماثلت، ہمسری اور یہ دین اور اخلاق میں معتبر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفو کا اعتبار چار چیزوں میں کیا گیا ہے۔ دین، نسب، آزادی اور پیشہ و صنعت کاری۔ اور ان میں پہلا قول رائج اور اس کے قابل ترجیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ﴿اکفاء﴾ کفو کی جمع ہے کفو کے کاف پر ضمہ اور ”قواء“ ساکن اور اس کے بعد حمزہ ہے، اس کے معنی ہیں مثل اور نظیر ﴿الموالی﴾ مولیٰ کی جمع ہے۔ جو عرب نہ ہو اسے مولیٰ شمار کیا گیا ہے۔ ﴿الاحائک﴾ جولاہا جو کپڑا بننے کا پیشہ ور ہو۔ یہ حدیث باطل ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور دوسرے مقام پر کہا ہے یہ باطل ہے اور علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے اور موضوع و تصنیف کردہ ہے۔ اس کے مست سے طرق ہیں سب کے سب واپس ہیں۔ ان سب کا ذکر مصنف نے اپنی کتاب التلخیص الجیر میں کیا ہے۔

(۸۵۶) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «أَنْكِحِي أُسَامَةَ». رَوَاهُ (مُسْلِمٌ).

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو مشورہ دیا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لو۔ (مسلم)

حاصل کلام: شاہد مصنف نے اس حدیث کو یہاں اس لئے بیان کیا ہے کہ مسئلہ کفایت میں دین کے سوا اور کسی چیز کا اعتبار نہیں کیونکہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قریش کی شاخ فہر کی معزز خاتون تھیں اور اسامہ خود بھی غلام تھے اور ان کا باپ بھی غلام تھا۔

راوی حدیث: ﴿فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا﴾ فاطمہ بنت قیس بن خالد فہریہ۔ مشہور صحابی حضرت

ضحاک رحمہ اللہ کی مشہور صحابیہ بن ہیں۔ سب سے پہلی ہجرت کرنے والی خواتین میں شمار ہوتی ہیں۔ ان سے ایک پورے گروہ نے روایت کیا ہے۔ بڑی حسین و جمیل، عقلمند و دانا اور کمال ہنر کی مالکہ تھیں۔ پہلے یہ ابو عمرو بن حفص رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ان کو طلاق دے دی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ زید کے بیٹے تھے) اور اس نکاح میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر پیدا فرمائی۔ ان (فاطمہ بنت قیسؓ) کا اپنا قول ہے کہ لوگ مجھ پر رشک کرتے تھے۔

(۸۵۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَا بَنِي بَيَاضَةَ أَنْكِحُوا أَبَا هِنْدٍ وَانْكِحُوا» کی لڑکیوں سے نکاح کرو۔ اور یہ یاد رہے کہ ابوہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے بنی بیاضہ! ابوہند کا نکاح کر دو اور اس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حجام تھے۔ (اسے ابو داؤد، حاکم دونوں نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے) وَالْحَاكِمُ بِسَنَدٍ حَسَنٍ۔

لغوی تشریح: ﴿انکحوا اباهند﴾ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے اپنی لڑکیاں اس کے ہاں بیاہ دو۔ ﴿وانکحوا الیہ﴾ باب فتح سے امر کا صیغہ۔ اس کا معنی ہے کہ اس کی لڑکیوں کو تم اپنے لئے پیغام نکاح دو۔ اسے محض اس وجہ سے خارج نہ کرو کہ وہ حجام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ابوہند کا جو ذکر ہے ان کا نام یسار تھا۔ یہ بنو بیاضہ جو قبائل عرب میں ایک قبیلہ تھا ان کا آزاد کردہ غلام تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو بیاضہ کو فرما رہے ہیں کہ ابوہند کا نکاح اپنے قبیلہ کی کسی عورت سے کر دو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر غنی صحابی جن کا تعلق عرب کے سب سے معزز قبیلہ قریش سے تھا نے اپنی ہمیشہ ہالہ کو بلال حبشی کے عقد نکاح میں دے کر نسب کے فخر کو توڑا اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخلہ سے پہلے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تھا۔ ان مثالوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ حسب و نسب اور حسن و جمال اپنی جگہ بڑے اہمیت کے حامل ہیں مگر دینداری کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ثانوی ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوہند رضی اللہ عنہ﴾ ان کا نام یسار تھا اور ایک قول کے مطابق ان کا نام سالم بن ابی سالم اور ایک قول کے مطابق عبداللہ بن ہند تھا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگ لگائی تھی اور بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا ہے۔

(۸۵۸) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: خُبِرْتُ بِرَبِيرَةَ عَلَى رُؤُوسِهَا حِينَ عَقَّتْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي بَارِے میں اختیار دیا گیا۔ (بخاری و مسلم۔ لمبی حدیث کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو جب آزادی ملی تو اس وقت ان کو خاوند کے

کھڑا ہے)

حَدَّثَنَا طَوِيلٌ.

وَلُمُسْلِمٌ عَنْهَا: «أَنَّ زَوْجَهَا كَانَ عِبْدًا»، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا: «كَانَ حُرًّا»، وَالْأَوَّلُ أَثْبَتُ، وَصَحَّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا بَخَّارِيٍّ: «أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا». یہ ہے کہ وہ غلام تھا۔

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ آزاد ہونے کے بعد عورت جبکہ اس کا خاوند ہنوز غلام ہو۔ شوہر کے بارے میں خود مختار ہے۔ چاہے اس کی زوجیت میں رہے چاہے نہ رہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ وہ آزاد ہو۔ ایک قول کے مطابق عورت کیلئے کوئی اختیار نہیں، اسے اسی خاوند کی زوجیت میں رہنا ہوگا۔ یہ رائے جسور کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ آزاد ہے تو اختیار کا ثبوت اس کیلئے ہے۔ اسے ابن قیم رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ معلوم رہے کہ یہ حدیث بڑی عظیم الشان ہے۔ اپنی کتابوں میں علماء نے کئی مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور خود مصنف رحمہ اللہ نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ جن کی تعداد ایک سو بائیس تک پہنچتی ہے۔ (سبل السلام)

(۸۵۹) وَعَنْ الصَّخَاكِيِّ بْنِ فَيْرُوزَ حَدَّثَنَا: «أَنَّ زَوْجَهَا كَانَ عِبْدًا»، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا: «كَانَ حُرًّا»، وَالْأَوَّلُ أَثْبَتُ، وَصَحَّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا بَخَّارِيٍّ: «أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا». یہ ہے کہ وہ غلام تھا۔

حاصل کلام: یہ حدیث کفار کے زمانہ کفر کے نکاح کے قابل اعتبار کی دلیل ہے۔ اگرچہ وہ نکاح، اسلامی نکاح کے مخالف ہو۔ اسلام میں نکاح کی حیثیت تو یہ ہے کہ عورت کو خاوند جب تک طلاق نہ دے وہ اس کی زوجیت کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتی اور یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تجدید نکاح کے بغیر ہی نکاح باقی رہتا ہے۔ یہ مذہب امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہے۔ (سبل السلام) فیروز دیلمی سے ترمذی میں منقول الفاظ ہیں کہ ”ان دونوں میں سے جس کا چاہو، انتخاب کر لو“ آنے والی حدیث کے موافق ہیں اس اعتبار سے کہ جب اس نے اپنی بیویوں میں سے بعض کا انتخاب کر لیا

کہ میں نے نکاح کیلئے فلاں فلاں عورت کو منتخب کر لیا ہے تو ان کا نکاح ثابت ہو گیا اور باقی ماندہ بیویوں کو بغیر طلاق دیئے جدا کر دیئے جائیں گے۔ نیز یہ دونوں احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جدا کر کے وقت ترتیب نکاح غیر مؤثر ہے۔ پس مرد کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو روک رکھے اور نہ یہ ضروری ہے کہ بیویوں میں سے پہلی چار کو روک رکھے بلکہ اسے اختیار ہے جسے چاہے روک لے اور جسے چاہے جدا کر دے۔ یہ دونوں احادیث حنفیہ کے خلاف حجت ہیں۔

راوی حدیث: ﴿الضحاک﴾ ”حاء“ پر تشدید۔ بن فیروز۔ ”قاء“ پر فتح ”یاء“ ساکن اور ”راء“ پر ضم۔ عجم اور علیت دونوں سیبوں کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ الدیلی۔ ”دال“ پر فتح دلیم فارس کے مشہور پہاڑ کی طرف منسوب اور ضحاک مشہور تابعی ہیں۔ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث بصریوں کے ہاں پائی جاتی ہے۔

﴿عن ابیہ﴾ فیروز دلیلی رحمہ اللہ ابو عبد اللہ فیروز دلیلی رحمہ اللہ۔ انس حیمیری بھی کہا جاتا تھا حیمیر میں فروکش ہونے کی وجہ سے۔ حیمیر اہل فارس سے تھے اور صنعاء کے رہنے والے تھے اور یہ ان لوگوں کے وفد میں شامل تھے جو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور یہ یمن کے مدعی نبوت کذاب عسی کے قاتل ہیں۔ انہوں نے عسی کو نبی ﷺ کے آخری ایام مرض الموت میں قتل کیا تھا اور حضور ﷺ کو یہ خبر اس مرض کے دوران موصول ہوئی تھی جس میں آپؐ نے وفات پائی۔ ان کی وفات حضرت عثمان رحمہ اللہ کے دور خلافت میں ہوئی۔

(۸۶۰) وَعَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، حَضْرَتِ سَالِمُ نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ غیلان أَنَّ غِيلَانَ بْنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ، وَلَهُ دس بیویاں تھیں۔ ان سب نے غیلان کے ساتھ عَشْرَ نِسْوَةٍ، فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جَبَّانٍ وَالْحَاجِمُ، فرمایا کہ ”ان میں سے چار کا انتخاب کر لو۔“ (اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اسے معلول کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی بنا پر ایک مسلمان کیلئے چار سے زائد بیویاں ایک ہی وقت میں رکھنا حرام ہے اور یہ حکم متعدد روایات میں منقول ہے۔ نبی کریم ﷺ کے حرم میں نو بیویاں تھیں تو یہ حضور ﷺ کیلئے خاص رعایت تھی۔ جس میں دینی اور سیاسی مصلحتیں تھیں اور یہ رعایت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دی تھی۔ اس لئے اس پر اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔

راوی حدیث: ﴿غیلان بن سلمہ ثقفی رحمہ اللہ﴾ عین پر فتح ”یا“ ساکن۔ ثقیف کے سرداروں میں

سے تھے۔ فتح طائف کے بعد اسلام قبول کیا، ہجرت نہیں کی۔ خوش الحان شاعر تھے۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

(۸۶۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: رَدَّ النَّبِيُّ ﷺ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ، وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا. زَوْاهُ أَخَذُ وَالْأَزْوَاعُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ (۱) وَهَذَا الْحَاجِمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کی طرف چھ سال بعد پہلے نکاح کے ساتھ واپس فرما دیا تھا۔ نیا نکاح نہیں کیا تھا۔ (۱) اسے احمد اور چاروں نے سوائے نسائی کے روایت کیا ہے اور احمد اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تشریح: ﴿ولم یحدث نکاحا﴾ یحدث، احداث سے ماخوذ ہے۔ یعنی نیا اور جدید نکاح نہیں کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کو دو سال بعد واپس فرمایا اور ایک روایت میں تین سال اور چھ سال کی مدت سے مراد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت سے لے کر ابوالعاص کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے تک کا عرصہ ہے اور دو سال یا تین سال سے مراد وہ عرصہ ہے جب ﴿لاهن حل لهن﴾ کی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت سے لے کر ابوالعاص کا مسلمان ہو کر واپس آنے تک کا وقفہ اور یہ عرصہ دو سال اور کچھ مہینے ہیں۔ لیکن اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دوسرے سن ہجری میں ہجرت کی یا تین ہجری کے آغاز میں اور ان کی وفات ۸ھ کے شروع میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو (سبل السلام، ج: ۲، ص: ۱۵۳) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور ان کی وفات کے درمیان پانچ برس اور چند ماہ کا وقفہ ہے۔ لہذا ابوالعاص کا قبول اسلام اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ان کو واپسی اسی مدت کے دوران عمل میں آئی۔ ابن حشام نے بیان کیا ہے کہ ابوالعاص نے فتح مکہ سے تھوڑا پہلے اسلام قبول کیا نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابوالعاص تاجروں کے اموال تجارت لے کر شام سے واپس آرہے تھے۔ ان اموال میں مشرکین مکہ کی امانتیں بھی تھیں جن کو مسلمانوں کے سر یہ نے چھین لیا تھا۔ ابوالعاص مدینہ میں رات کے وقت داخل ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی۔ مسلمانوں نے چھینے ہوئے مال ابوالعاص کو واپس کر دیئے اور وہ مکہ واپس چلے گئے اور جن جن کی امانتیں تھیں ان کو واپس کر کے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ قصہ تو اس کا مقتضی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہو نہ کہ فتح مکہ سے پہلے کا۔ اگر یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا تسلیم کیا جائے پھر تو یہ میثاق حدیبیہ کو توڑتا ہے۔ حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے معاہدہ حدیبیہ کو نہیں توڑا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۸ھ

کے اوائل میں ہوئی اور یہ معلوم شدہ حقیقت ہے کہ فتح مکہ ۸ھ کے آخر میں ہوئی ہے اگر ابو العاص کے قبول اسلام کا وقت فتح مکہ کے قریب تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ابو العاص کے ہاں واپسی کیسے ممکن ہوگی جبکہ وہ اسی سال کے اوائل میں وفات پا چکی تھیں۔ پس صحیح وہی ہے جسے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ابو العاص نے حدیبیہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو المہدیٰ، ج: ۴، ص: ۱۴) جب یہ ثابت ہوا کہ ابو العاص نے حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا ہے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی نکاح جدید سے نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ مشرکین پر مسلمان خواتین کو حرام قرار دینے کا معاہدہ حدیبیہ کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہونے والی آیت میں کیا گیا ہے۔ لہذا اس مدت کے دوران نکاح فسخ نہیں ہوا کیونکہ اس بارے میں کوئی شرعی حکم ہی نہیں تھا۔ اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح ترین روایت یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی تین سال بعد ہوئی تھی یعنی تین سال مکمل اور چند ماہ اس کے علاوہ۔ اس تحقیق کے بعد بہت سے اشکالات از خود رفع ہو جاتے ہیں اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث معنی اور متن کے اعتبار سے اسی طرح صحیح ہے جس طرح یہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور عمرو بن شعیب کی آنے والی روایت معنی اور متن کے اعتبار سے اسی طرح ضعیف ہے جس طرح یہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور یہ حدیث اہل علم کے اس خیال و رائے کی تردید نہیں کرتی اور نہ اس کے معارض ہے کہ جب عورت اسلام قبول کر لے پھر اسی عدت کے دوران اس کا شوہر بھی اسلام میں داخل ہو جائے تو وہی اپنی بیوی کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن جب عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر عدت کے دوران اسلام قبول نہ کرے اور عدت کی مدت بھی ختم ہو جائے تو دونوں میں جدائی واقع ہو جائے گی۔ اب اسے جدید نکاح کے ماسوا کسی صورت میں واپس نہیں کیا جائے گا۔ ہاں تو ہم یہاں ایک نہایت لطیف بحث ذکر کرتے ہیں جسے ابن قیم نے اپنی المہدیٰ، ج: ۴، ص: ۱۴، ۱۵ میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ احادیث میں تو کہیں عدت کا اعتبار مذکور نہیں اور نہ نبی ﷺ ہی نے کسی خاتون سے دریافت فرمایا کہ کیا اس کی عدت ختم ہوئی ہے یا نہیں اور اس میں کوئی شک و ریب نہیں کہ مجرد اسلام ہی فرقت و جدائی کا باعث ہو تو پھر یہ علیحدگی رجعی نہیں بلکہ بائنہ ہو۔ تو پھر نکاح کے باقی رکھنے میں عدت کا کوئی اثر نہ ہو۔ اس کا اثر تو پھر دوسرے سے نکاح کرنے کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ اگر اسلام ان دونوں کے درمیان جدائی کو پورا کرنے والا ہو تو پھر شوہر عدت کے درمیان زیادہ استحقاق نہیں رکھتا۔ لیکن جس پر نبی ﷺ کا حکم دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ نکاح موقوف ہے۔ اگر شوہر نے اس کی عدت کے اختتام سے پہلے اسلام قبول کر لیا پھر یہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر عدت ختم ہو گئی تو پھر عورت خود مختار ہے چاہے تو نکاح کر لے اور اگر اسے انتظار کرنا پسند ہو تو انتظار کر لے۔ پھر اگر اس مرد نے اسلام قبول کر لیا تو بغیر تجدید نکاح وہ اس کی بیوی رہے گی۔ ہمارے علم میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس نے اسلام لانے کی وجہ سے لانا تجدید نکاح کیا ہو بلکہ دونوں معاملوں میں سے ایک کا واقع ہونا ضروری ہے یا تو دونوں میں جدائی و علیحدگی ہوگی اور اس خاتون کا دوسرے سے نکاح ہوگا۔ یا پھر دونوں کا

نکاح برقرار رہے گا خواہ عورت پہلے اسلام لائی ہو یا مرد اور رہا جدائی و علیحدگی کی تکمیل اور عدت کا لحاظ تو ہمیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے فیصلہ فرمایا ہو جبکہ آپ کے عہد مبارک میں پاکثرت مرد اور ان کی بیویوں نے اسلام قبول کیا۔ میاں بیوی میں سے کسی کا قبول اسلام ایک سے قریب بھی تھا اور بعید بھی۔ انتہی۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ کلام و گفتگو متانت و حسن کی انتہا تک پہنچی ہوئی ہے۔

راوی حدیث: ﴿زینب بنت رسول ﷺ﴾ زینب بنت رسول ﷺ کی بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خدیجہ تھیں۔ ان سے ان کے ماموں زاد ابوالعاص بن ربیع نے نکاح کیا اور ایک بیٹا علی پیدا ہوا۔ وہ جب بلوغت کے قریب پہنچا تو فوت ہو گیا۔ فتح مکہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر سوار تھا۔ پھر ان سے امامہ بنت ہاشم پیدا ہوئیں۔ حضرت زینبؓ نے بدر کے بعد ہجرت کی۔ ۸ھ کو فوت ہوئیں۔ آپؐ نے خود ان کو قبر میں اتارا۔

﴿ابوالعاص بن ربیعؓ﴾ ان کا نام مقسم (میم کے نیچے کسرہ ”قاف“ ساکن) تھا۔ پورا نسب یوں بنتا ہے مقسم بن ربیع بن عبد العزیٰ۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام لقیط تھا۔ وہ نبی ﷺ کے داماد تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ یوم بدر میں حالت کفر میں یہ قیدی بنا۔ اسے فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا اور اسے کہا گیا کہ زینب بنت رسولؐ کو بھی ساتھ لے جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد مدینہ ہجرت کی۔ آپؐ نبی ﷺ کے عزیز اور محبوب تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۸۶۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ نے اپنے والد سے، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ اَنُمُوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ابْنَتُهُ زَيْنَبٌ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِكَاحِ نے اپنی بیٹی حضرت زینب بنت رسولؐ کو ابوالعاص کے پاس جَدِيدُ نِكَاحٍ کر کے واپس بھیجا۔ (ترمذی نے کہا ہے ابن عَبَّاسٍ أَجُودُ إِسْنَادًا، وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ۔ ہے مگر عمل عمرو بن شعیب سے مروی حدیث پر ہے)

(۸۶۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: أَسْلَمَتِ عورت نے اسلام قبول کیا۔ پھر نکاح بھی کر لیا اتنے اَمْرًا، فَتَزَوَّجَتْ، فَجَاءَ زَوْجُهَا: میں اس کا پہلا خاوند آگیا اور عرض کیا یا رسول اللہ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي كُنْتُ (ﷺ)! میں نے اسلام قبول کر لیا تھا میرے قبول أَسْلَمْتُ، وَعَلِمْتُ بِإِسْلَامِي، اسلام کا اسے علم بھی تھا۔ نبی ﷺ نے اس فَأَنْتَزَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ زَوْجِهَا (دوسرے شوہر) سے چھین کر پہلے خاوند کی طرف

نہیں۔

راوی حدیث: ﴿زید بن کعب بن عجرہ﴾ ایک قول کے مطابق ان کا تعلق بنو سالم بن عوف سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو سالم بن ملی، خزرج کے حلیف سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی طرف نسبت ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مستدرک کی تلخیص میں ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے حالانکہ امام ابن معین رحمہ اللہ کا قول جمیل بن زید کے بارے میں ہے۔

﴿عالیہ بنی غفار﴾ من بنی غفار کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنی بکر بن کلاب سے تھیں اور وہ عالیہ بنت ظبیان ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کلابیہ اور ہے اور عالیہ اور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالیہ کے پاس کافی عرصہ ٹھہرے پھر اسے طلاق دے دی۔

﴿جمیل بن زید﴾ قبیلہ طے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے طائی کہلائے۔ ابن معین اور نسائی دونوں نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں۔ نیزائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۸۶۵) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ،
أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَيْمًا رَجُلٌ تَزَوَّجَ
أَمْرَأَةً، فَدَخَلَ بِهَا، فَوَجَدَهَا بَرْصَاءَ،
أَوْ مَجْنُونَةً، أَوْ مَجْذُومَةً، فَلَهَا
الصَّدَاقُ بِمَسِيئِهِ إِيَّاهَا، وَهُوَ لَهُ
عَلَى مَنْ عَرَّهَ مِنْهَا. أَخْرَجَهُ سَعِيدُ ابْنُ
مَنْصُورٍ وَمَالِكٌ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَرَجَّاهُ يَتَاةً.

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح
کرے پھر اس سے ہم بستری کرے اور اسے معلوم
ہو کہ وہ مرض برص میں مبتلا ہے یا دیوانی ہے یا
کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے تو خاوند کے اسے
چھوٹنے کی بنا پر حق مہر کی وہ مستحق ہے اور اس مہر کی
رقم اس سے وصول کی جائے گی جس نے اسے
دھوکہ دیا۔ (اسے سعید بن منصور، مالک اور ابن ابی شیبہ

نے نکالا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)
اور سعید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح
روایت کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس
عورت کو مرض قرن ہو تو اس کا شوہر خود مختار ہوگا۔
اگر مرد نے اس عورت سے مباشرت کی ہو تو عورت
کی شرم گاہ کو حلال کرنے کے بدلہ میں مردینا ہوگا۔

انغوی تشریح: ﴿برصا﴾ مرض برص میں مبتلا عورت۔ ﴿مجذومہ﴾ مرض جذام میں مبتلا عورت۔ یہ
خبیث مرض فساد خون کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے اعضاء بدن بالخصوص ہاتھوں اور پاؤں کے

أَتَى رَجُلًا، أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا. عورت سے قوم لوط کا فعل کیا ہو۔“ (اسے ترمذی، نسائی رواہ الترمذی والنسائی وابن جبان، وأعلیٰ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اسے موقوف ہونے بالوقف۔ کی وجہ سے معطل قرار دیا گیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اتى رجلاً﴾ یعنی قوم لوط کا عمل کیا۔ ﴿اعل بالوقف﴾ موقوف ہونے کی بنا پر معطل کہا گیا ہے مگر سبل السلام میں ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے یہ اثر حکماً مرفوع ہے جبکہ اس میں وعید کا ذکر ہے اور وعید کا علم اجتہاد پر موقوف نہیں ہے۔

(۸۶۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُوْذِي جَارَهُ، وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلُقْنَ مِنْ ضَلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَغْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِيمُهُ كَسَرَتْهُ، وَإِنْ تَرَكَتُهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِلْمُسْلِمِ: «إِذَا اسْتَمْتَعَتْ بِهَا اسْتَمْتَعَتْ بِهَا وَبِهَا عَوْجٌ، وَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِيمُهَا كَسَرَتْهَا، وَكَسَرُهَا طَلَاُهَا».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایہ کو اذیت نہ پہنچائے اور عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو“ بے شک ان کو پہلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پہلی کا زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے حق میں ہمیشہ بھلائی کی وصیت قبول کرو۔“ (بخاری و مسلم) یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ”اگر تو اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے ٹیڑھ پن کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکے گا اور اگر تو نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دیتا ہے۔“

لغوی تشریح: ﴿استوصوا﴾ ان عورتوں کے حق میں میری بھلائی کی وصیت قبول کرو۔ ﴿ضلع﴾ ضاد کے نیچے کسرہ اور لام پر فتح بھی جائز ہے اور اسے ساکن رکھنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں یہ عیب اور جذع کے وزن پر ہوگا۔ پہلو میں واقع ہڈی یعنی پہلی کو کہتے ہیں جو خمدار و ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ﴿اعوج﴾ شنیٰ زیادہ خمدار اور ٹیڑھا حصہ۔ ﴿اعلاہ﴾ اس کا بالائی حصہ جو پہلی سے متصل ہوتا ہے۔ اگر وہ گول ہو تو نصف دائرہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ عورتوں کی تخلیق میں دراصل بہت ہی ٹیڑھ ہے۔ وہ اس لئے کہ ان کی اصل تو حضرت حواء ہیں جن کو مشہور قول کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام

کی پہلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی سرشت و جبلت میں ٹیڑھ ہے۔ لہذا کوئی بھی ان کی فطری و جبلی عادت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ ﴿نقیمہ﴾ تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا۔ اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت و حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم ہے اور ان کی چھوٹی موٹی خامیوں اور کوتاہیوں پر چشم پوشی اور درگزر کرنے کی تلقین ہے اور ان کی کمزوریوں اور ناروا حرکتوں کو برداشت کرنے کی تاکید ہے۔

(۸۷۰) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ ﷺ: «أَمْهَلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا، يَغْنِي عِشَاءً، لِكَيْ تَمْتَسِطَ الشَّعْبَةُ، وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ». وَمَنْعَ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمْ الْغَيْبَةَ، فَلَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا».

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچ کر اپنے اپنے گھروں میں جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا ”ذرا ٹھہر جاؤ۔ رات کے وقت گھروں میں داخل ہونا۔ رات سے آجانب ﷺ کی مراد عشاء کا وقت تھا۔ تاکہ پرانندہ بالوں والی اپنے بالوں میں کنگھی وغیرہ کر لے اور جس کا خاوند گھر سے باہر غائب تھا وہ اپنے جسم کے زائد بالوں کی صفائی کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ”تم میں سے کوئی جب لمبی مدت کے بعد واپس آئے تو اچانک رات کے وقت گھر میں داخل نہ ہو۔“

لغوی تشریح: ﴿امهلوا﴾ ٹھہرو ﴿تمتشط﴾ سر کے بالوں میں کنگھی وغیرہ کر کے ان کو درست کر لے۔ ان کو سنوار لے۔ اشتراط کے معنی کنگھی استعمال کر کے بالوں کی اصلاح و درستگی کرنا اور ”مشط“ بالوں کو درست اور ٹھیک کرنے کا آلہ جس کے دندانے ہوتے ہیں جسے کنگھی یا کنگھا کہتے ہیں۔ ﴿الشعنة﴾ پہلے شین پر فتح اور عین کے نیچے کسر۔ ایسی عورت جس کے سر کے بال پرانندہ اور بکھرے ہوئے ہوں اور ان میں کنگھی وغیرہ نہ کی گئی ہو۔ ﴿تستحد﴾ استحدا سے ماخوذ ہے۔ لوہے کے آلہ کو استعمال کر لے۔ جسے استرا کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زیر ناف زائد بال صاف کر لے۔ ﴿المغيبه﴾ جس عورت کا شوہر گھر سے باہر غائب ہو۔ سفر پر ہو۔ ﴿فلا يطرق﴾ طروق سے نھی کا صیغہ ہے باب نصر بنصر سے۔ سفر وغیرہ سے رات کے اوقات میں واپس آنے والا جبکہ اہل خانہ کو اس کی آمد کی اطلاع ہی نہ ہو اور اس حدیث میں اس شخص کو جو بہت دیر کے بعد گھر واپس لوٹا ہو حکم ہے کہ وہ گھر آنے سے پہلے اپنی آمد کی اطلاع اہل خانہ کو کرے تاکہ ان کی آمد کا پتہ چل جائے اور بیوی اپنی زیب و آرائش کر لے اور یہ اچانک آنے کی صورت میں ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جن عورتوں کے شوہر باہر ہوتے ہیں وہ

عموماً پرائگندہ اور ناپسندیدہ حالت میں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ شوہر جب ایسی پرائگندہ حالت میں اسے دیکھے گا تو اس سے نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔ دور جدید میں تو ڈاک اور ٹیلیفون کے ذریعہ پیشگی اطلاع دی جاسکتی ہے۔ یہ اطلاع مقصد پورا کر دیتی ہے لہذا گھر کے قریب پہنچ کر ٹھہرنے کی اب ضرورت نہیں۔

(۸۷۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضْرَتِ ابُو سَعِيدِ خُدْرِي رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا فَرَمَا "قِيَامَتِ" كَيْفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ. ثُمَّ يَنْشُرُ بَهْدٍ ظَاهِرٍ كَرِهَ. " (مسلم) سِرَّهَا. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿یَفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ﴾ یعنی اپنی بیوی سے جماع کرے۔ ﴿ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا﴾ رات کی تنہائی کی باتیں اور واقعات لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔ وہ بات چیت کی صورت میں ہوئی ہو یا عملی طور پر واقع ہوئی ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے تنہائی کے لمحات میں ہونے والی باہمی گفتگو اور تعلقات زن و شو کے عملی واقعات دوستوں اور احباب کو بیان کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۸۷۲) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، حَضْرَتِ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَيْفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ؟ قَالَ: "إِذَا أَكَلَتْ، وَتَكَسَّوْهَا إِذَا اِغْتَسَبَتْ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ". (اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اس روایت کا بعض حصہ تعلیقاً بیان کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿زَوْجِ احَدِنَا﴾ زوج بغیر تاکہ۔ مذکر اور مؤنث دونوں کیلئے مستعمل ہے اور تاکہ کے ساتھ عورت کیلئے مخصوص ہے۔ ﴿تَكَسَّوْهَا﴾ پہننے کیلئے لباس دے۔ ﴿وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ﴾ اور چہرے پر نہ مار کیونکہ چہرہ اعضاء انسانی میں سب سے معزز اور قابل تکریم و تشریف ہے اور لطیف اجزاء پر مشتمل ہے

﴿وَلَا تَقْبَح﴾ تفبیح سے نہی کا صیغہ ہے۔ یعنی بیوی کو نہ تو برا بول بولے اور نہ اسے گالی گلوچ کرے اور نہ اسے قبحک اللہ وغیرہ کہے۔ ﴿لَا تَهْجُر﴾ باب نصر ینصرے۔ معنی یہ ہے کہ نہ اسے چھوڑ اور نہ اس سے دور ہو ﴿الافی البیت﴾ یعنی اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں نہ جائے یعنی جب عورت سے اظہار ناراضگی کرنا ہو تو اس کیلئے نہ خود گھر سے نکل کر دوسرے کسی مکان میں منتقل ہو اور نہ عورت ہی کو گھر سے نکالے بلکہ گھر ہی گھر میں اس سے قطع تعلق اور قطع کلام کر لے اور زن و شو کا تعلق بھی منقطع کر لے اور عورت کی طرف پشت کر کے سوئے۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ طریقہ ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبخ کیلئے نہایت ہی اثر انگیز ہے اور درستگی اور اصلاح کیلئے بڑا زود اثر ہے اور نبی ﷺ کے واقعہ ایلاء سے استدلال کیا گیا ہے کہ بیویوں کو ان کے گھروں میں چھوڑ کر دوسرے مکان میں رہنا جائز ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں باہمی منافرت نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا موقعہ و محل ہے جو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

(۸۷۳) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حَضْرَت جَابِر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ یہود کہتے تھے رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ: کَانَتْ الْیَهُودُ تَقُولُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَتَزَلَّتْ ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ﴾ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں لہذا اپنی کھیتی میں جس فَاَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ الْآیَةِ. مَنَعَتْ طرَح چاہو، آؤ۔ بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں عَلَیْہِ وَالْفَلْظُ لِمُسْلِمٍ.

لغوی تشریح: ﴿من دبرھا فی قبلھا﴾ خاوند جماعت کرے بیوی کے پیچھے سے اس کی شرم گاہ میں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عورت کی دبر میں جماع کرے۔ یہ تو قطعی طور پر حرام ہے۔ ﴿احول﴾ بھینگا ایک آنکھ یا دونوں کے ڈیلوں سے اصل مقام نگاہ سے ہٹ کر دائیں بائیں دیکھنا بھینگانا کہلاتا ہے۔ ﴿انسی شستمانی﴾ کیف کے معنی میں مستعمل ہے یعنی اپنی بیوی سے جماع ہر حالت و صورت میں کر سکتا ہے کھڑے کھڑے، بیٹھ کر، لیٹ کر، آگے سے، پیچھے سے۔ خواہ کوئی ہیئت ہو ہر ہیئت میں جماع کرنا مباح و جائز ہے۔ تمہارے اختیار و تیز پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے تمہارے لئے کسی قسم کا نقصان اور ضرر مرتب نہیں ہوتا۔ لیکن مقام کھیتی کے علاوہ دوسرے مقام سے بچنا اور پرہیز کرنا لازمی ہے۔ لہذا عورتوں کی دبر میں جماع کسی صورت میں حلال نہیں ہے کیونکہ کھیتی تو قبل ہے دبر نہیں اور یہ اس لئے بھی کہ کھیتی سے مطلوب تو کھیتی کی پیدائش ہے اور یہ مطلوب عورتوں سے اس صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ اس کے اولاد پیدا ہو اور اولاد کی پیدائش کا محل قبل ہے، دبر نہیں۔

(۸۷۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ حَضْرَت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ جَبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَبْنِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ أَبَدًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت یہ دعا پڑھے کہ اللہ کے نام کے ساتھ، الہی ہمیں شیطان سے کنارہ کش رکھ اور شیطان کو بھی اس سے دور رکھ جو تو ہمیں اولاد عطا فرمائے۔ تحقیق شان یہ ہے کہ اگر اس مجامعت سے ان کے مقدر و قسمت میں اولاد ہوگی تو شیطان اسے کبھی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿لوان احدکم﴾ لو، یہ کلمہ تمنی کیلئے آتا ہے اور مختار مذہب کے مطابق یہ جواب کا محتاج نہیں ہوتا۔ ابن صانع اور ابن حشام کی یہی رائے ہے اور اسے شرطیہ قرار دینا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اس کا جواب محذوف تسلیم کیا جائے گا جو اس طرح ہوگا لسلم من الشیطان وہ شیطان سے صحیح و سالم رہے گا۔ ﴿جنبنا﴾ ہمیں محفوظ رکھ اور دور رکھ۔ ﴿ما رزقنا﴾ اس وقت جو اولاد تو عطا فرمائے۔ ﴿ان یقدر﴾ صیغہ مجہول تقدیر سے ماخوذ ہے۔ ﴿لم یضره الشیطان﴾ اس پر شیطانی تسلط نہیں ہو سکے گا اور نہ دین کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کر کے کفر کی جانب کھینچ لے جائے گا۔ اس سے ہر قسم کے ضرر و نقصان کی نفی نہیں ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں زن شوئی کے وقت انسان کے ازلی وابدی دشمن سے بچنے اور محفوظ رہنے کی دعا کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیطان صرف ذکر الہی سے انسان سے جدا اور الگ ہوتا ہے بصورت دیگر وہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور کسی حالت میں بھی آدمی سے جدا اور الگ نہیں ہوتا۔

(۸۷۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ، فَبَاتَ غَضْبَانَ، لَعَنَتِهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُضْبِحَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِمُسْلِمٍ: «كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاجِدًا عَلَيْهَا، حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جب مرد اپنی بیوی کو جنسی خواہش کیلئے اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور خاوند ناراض ہو کر رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت و پھٹکار بھیجتے رہتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم، یہ الفاظ بخاری کے ہیں) اور مسلم میں ہے کہ ”جو آسمان میں ہے وہ اس پر ناراض رہتا ہے جب تک کہ خاوند بیوی سے خوش و راضی نہ ہو جائے۔“

لغوی تشریح: ﴿المرأۃ﴾ اپنے بستر پر بلانے سے مراد جنسی خواہش کیلئے بلانے۔ ﴿فابت﴾ وہ انکار کر دے اور بستر پر جانے سے رک جائے۔ ﴿غضبان﴾ بات سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ایسی حالت کہ ناراض و غصہ ہو۔ ﴿بات﴾ ناراضگی اور غصہ کی حالت میں رات بسر کی۔ ﴿ساختا﴾ ناراض و غصہ کی حالت میں۔ ﴿حتیٰ یرضیٰ عنہا﴾ تاوقتیکہ شوہر بیوی سے خوش اور راضی ہو جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے خاوند کی جنسی خواہش پوری کرنے سے بیوی کا (بلاوجہ) انکار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ یہ مرد کا عورت پر ایسا حق ہے جس کو پورا کرنا عورت پر لازمی ہے۔ لیکن مرد کو بھی عورت کی صحت اور طبیعت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(۸۷۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ فِي سُرْمِ بَالٍ جَوْزَانِ وَالْمُسْتَوِصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِمَةَ. مَثَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”نبی ﷺ نے سر میں بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور جسم پر الواصِلَہ وَالْمُسْتَوْصِلَہ، وَالْمُسْتَوْصِمَہ گود کر نشان بنانے والی اور اس کی خواہش کرنے والی پر لعنت فرمائی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الواصلہ﴾ بالوں کے ساتھ دوسروں کے بال جوڑنے والی۔ خواہ اپنے لئے ایسا کرے یا کسی دوسرے کیلئے ﴿والمستوصلہ﴾ وہ خاتون جو دوسرے کے بالوں کو اپنے سر کے بالوں میں جڑوانے اور لگانے کی خواہش مند ہو۔ ﴿المستوصمہ﴾ وشم سے فاعل کا صیغہ ہے۔ وشم کہتے ہیں جسم کے کسی حصہ میں سوئی سے گودے اور پھران سوراخوں میں سرمہ یا چونے کا پتھر یا نیل بھر کر اس جگہ کو رنگ دے تاکہ اس مقام پر نشانات اور لکیریں اور خطوط نمایاں ہو جائیں۔ ﴿المستوصمہ﴾ جو عورت اس طرح کا کام اپنے جسم پر کروانے کی خواہش مند ہو۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ یہ امور حرام ہیں۔ رہا یہ کہ عورت اپنے بالوں کے ساتھ حیوانی بالوں کے علاوہ پٹیا بنانے کیلئے اون، دھاگہ اور کپڑے کے ٹکڑے باندھ سکتی ہے یا نہیں تو محققین نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ ان چیزوں کا رنگ بالوں کے رنگ سے ملتا نہ ہو۔

(۸۷۷) وَعَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي أَتْنَسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهِيَ عَنِ الْغَيْلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغَيِّلُونَ أَوْلَادَهُمْ، فَلَا يَضُرُّ ذَلِكَ أَوْلَادَهُمْ شَيْئًا» ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ يَمَسُّ نِسَاءً يَمَسُّ بَنَاتِ اللَّهِ»

حضرت جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپؐ کچھ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے اور فرما رہے تھے کہ ”میں نے غیلہ سے منع کرنے کا ارادہ کیا۔ فوراً میری نظر روم و فارس پر پڑی جو اپنی اولاد سے غیلہ کرتے ہیں اور یہ غیلہ ان کی اولاد کو کچھ بھی ضرر نہیں دیتا۔“ پھر ان لوگوں نے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا ”یہ

﴿ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ﴾. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. زندہ درگور کرنے کا خفیہ طریقہ ہے۔“ (مسلم)

لعوی تشریح: ﴿ہممت﴾ میں نے ارادہ کیا۔ ﴿الغيلة﴾ غین کے نیچے کسرہ۔ خاوند کا بیوی سے ایسی حالت میں مباشرت و مجامعت کرنا جبکہ وہ گود کے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔ اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ غیلہ بچہ کیلئے ضرر کا سبب ہے اور اس کے اعصاب کیلئے ضرر رساں ہے اور یہ ضرر انسان کے ساتھ زندگی بھر رہتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بسا اوقات انسان گھوڑے سے نیچے گر پڑتا ہے اور گھوڑے کی پشت پر ثابت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے غیلہ کے بعد عورت کا دودھ پتلا ہو جاتا ہے اور اس میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں اہل فارس و روم کے تجربات کی روشنی میں عرب کے اسی عقیدہ کا ابطال ہے۔ ﴿العزل﴾ عین پر فتح اور ”زا“ ساکن۔ عزل یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرتا ہے جب انزال کے قریب پہنچتا ہے تو عضو مخصوص کو عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال لیتا ہے اور فرج سے باہر انزال کرتا ہے۔ ﴿ذلک الواد الخفی﴾ اس میں حمزہ ساکن ہے۔ لڑکی کو زندہ درگور کرنا۔ یعنی عزل حقیقیٰ تو درگور کرنا نہیں لیکن اس کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں بھی حمل کو روکنے اور ضائع کرنے کی کوشش ہوتی ہے اور اس نطفہ کو تلف کرنے کی سعی ہوتی ہے جس کے جاندار نفس بننے کا امکان موجود تھا۔ لیکن یہ چونکہ حقیقی زندہ کو قطع کرنا نہیں اس لئے یہ حقیقی زندگی درگور کرنا نہیں۔ پس حدیث اس کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔ راوی حدیث: ﴿جدامہ رضی اللہ عنہ﴾ جیم پر ضمہ۔ جیم کے بعد دال ہے۔ تقریب میں ہے کہ جدامہ بنت وہب کے بارے میں یہ بھی قول ہے کہ وہ جدامہ بنت جندل ہے۔ اسد قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اسدیہ کہلائی۔ عکاشہ بن محسن کی ماں جانی بن تھی۔ مشہور صحابیہ ہے۔ سابقین میں سے ہے۔ ہجرت کے شرف سے بھی مشرف ہوئی ہیں۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ جس نے اسے ذال کے ساتھ پڑھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ مکہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ انیس بن قادہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔

(۸۷۸) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضَرْتُ ابُو سَعِيدٍ خُدْرِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ لِي جَارِيَةً، وَأَنَا أَغْزِلُ عَنْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ، وَإِنَّ الْيَهُودَ تَحَدَّثُ أَنَّ الْعَزْلَ أَلْمَوْذَةُ الصُّغْرَى، قَالَ: «كَذَبَتْ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعَتْ أَنْ تَصْرِفَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو حَضَرْتُ ابُو سَعِيدٍ خُدْرِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ لِي جَارِيَةً، وَأَنَا أَغْزِلُ عَنْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ، وَإِنَّ الْيَهُودَ تَحَدَّثُ أَنَّ الْعَزْلَ أَلْمَوْذَةُ الصُّغْرَى، قَالَ: «كَذَبَتْ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعَتْ أَنْ تَصْرِفَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو

کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور نسائی اور طحاوی نے

ذَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَالنَّسَائِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ، وَرَجَّاهُ بھی اسے روایت کیا ہے او اس کے راوی ثقہ ہیں) ثِقَاتٌ۔

لغوی تشریح: ﴿الموءودة الصغری﴾ چھوٹا زندہ درگور کرنا، اس لئے کہ ایک جان کو ضائع کرنا اور اسے تلف کرنا ہے اگرچہ ابھی وہ وجود سے بہت دور ہے۔ ﴿کذبت الیہود﴾ یہود نے جھوٹ کہا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے جس چیز میں نبی ﷺ نے یہود کو جھوٹا قرار دیا ہے وہ ان کا یہ خیال ہے کہ عزل کی صورت میں حمل کا تصور ہی نہیں اور انہوں نے اسے زندہ درگور کرنے کو قطع نسل کے مقام پر رکھا ہے۔ مگر میں ان کے اس نظریے اور خیال کی تکذیب کرتا ہوں اور خبر دیتا ہوں کہ عزل حمل کو ہرگز نہیں روک سکتا جب کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہے اور اس کا ارادہ ہی تخلیق کا نہ ہو تو پھر حقیقت میں تو وہ زندہ درگور کرنا نہیں۔ حدیث جدامہ میں بھی اسے خفیہ زندہ درگور کرنے کا نام اس لئے دیا گیا ہے۔ مرد حمل سے فرار کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عزل کرتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے ارادے اور قصد کو زندہ درگور کی جگہ نافذ کیا ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق ہے کہ زندہ درگور تو براہ راست ایک ظاہر عمل ہے اور اس میں قصد اور فعل دونوں جمع ہوتے ہیں مگر عزل کا تعلق صرف قصد و ارادے سے ہے اسی وجہ سے اسے واؤ خفی کہا گیا ہے۔ اس سے دونوں احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ وہ یوں کہ جدامہ کی حدیث عزل کی تحریم پر دلالت نہیں کرتی اس میں صرف کراہت و ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اس میں عزل کرنے والا تقدیر کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دور جدید کے جو ڈاکٹر رگ کاٹ کر قوت تولید کو قطع کر دیتے ہیں تاکہ نسل کو محدود کر دیا جائے گو قوت جماع باقی رہنے دیتے ہیں۔ تو اس کو عزل پر قطعاً قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان میں عظیم فرق ہے۔ عزل تو وقتی اور ظنی سبب ہے نہ کہ منع حمل کیلئے حقیقی سبب۔ اس کے باوجود عازل خود مختار ہے اگر چاہے تو یہ فعل کرے اور چاہے اسے ترک کرے اور جہاں تک رگ تولید کے کاٹ دینے کا تعلق ہے تو وہ ایسا سبب ہے جو قطعی ہے۔ نیز اس میں اللہ کی تخلیق کو بدل دینا اور جسمانی نظام کا تبدیل ہونا اور بعض قوی کے مطابق عمل کو باطل کرنا اور تباہ کن بیماری کی جانب پہنچا دینا ہے۔ جیسے سرطان کا مرض ہے جو کئی ہوئی رگ کی جگہ، دل اور پیچھے پھڑے وغیرہ تک سرایت کر جاتا ہے۔ ہر باخبر آدمی پر اس کے برے نتائج اور آثار مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

(۸۷۹) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يُنْهَى عَنْهُ، لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْآنُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے اور قرآن اس وقت نازل ہو رہا تھا اگر کوئی چیز قابل ممانعت ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے لازماً منع کر دیتا۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی روایت میں ہے۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچ گئی مگر آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔ وَلِمُسْلِمٍ: فَلَبَّغَ ذَلِكَ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ

فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ.

حاصل کلام: اس روایت کی رو سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل کوفہ اور جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

(۸۸۰) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ ﷺ ایک ہی غسل سے ساری بیویوں کے پاس چلے يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ۔ جایا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم، یہ الفاظ مسلم کے ہیں) أَخْرَجَاهُ، وَاللَّفْظُ لِلْمُسْلِمِ.

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مباشرت کے بعد غسل جنابت ضروری اور واجب نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کیلئے آپ کی بیویوں میں باری کی تقسیم واجب نہ تھی اگر واجب ہوتی تو آپ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس نہ جاتے۔ جمہور اسے واجب قرار دیتے ہیں اور اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ کام آپ نے اجازت لے کر کیا تھا۔ (سبل)

حق مہر کا بیان

۲ - بَابُ الصَّدَاقِ

(۸۸۱) عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى حضرت انس رحمہ اللہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ أُعْتِقَ کہ آپ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور اس کی صَفِيَّةً، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا. مَنْقُ آزادی کو اس کا مہر قرار دیا۔ (بخاری و مسلم) عَلَيْهِ.

لعنوی تشریح: ﴿باب الصداق﴾ (صدا پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں) عورت کے مہر کو کہتے ہیں یعنی مرد نکاح کے وقت جو مال عورت کو دیتا ہے۔ یہ ”صدق“ سے ماخوذ ہے۔ یہ احساس و شعور دلانے کے لئے کہ مرد کو اپنی بیوی سے سچی محبت و رغبت ہے۔

حاصل کلام: یہ حدیث آزادی کو مہر مقرر کرنے کی صحت کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ مگر انہوں نے اپنے موقف پر کوئی قابل اطمینان دلیل پیش نہیں کی۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی منفعت بخش چیز کو مہر مقرر کرنا درست ہے کیونکہ آزادی بھی منفعت ہے اور اس کی تائید میں وہ واقعہ بھی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالیت کے علاوہ دوسری چیزیں بھی حق مہر مقرر کی جاسکتی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ، امام اسحق رحمہ اللہ وغیرہا کا یہی موقف ہے۔

راوی حدیث: ﴿حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا﴾ ام المومنین حضرت صفیہ جی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ ان کا رشتہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام برادر موسیٰ علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ یہ خاتون اسی خانوادہ رسالت

سے تھیں۔ ابن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں۔ جو غزوہ خیبر میں قتل ہو گیا تھا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قیدی بن کر مدینہ آئیں تو انہیں رسالت مآب ﷺ نے اپنے حرم کیلئے پسند فرمایا، آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور اسی آزادی کو مہر مقرر کر کے نکاح کیا۔

(۸۸۲) وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، كُنَّ كَانَتْ صَدَاقُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَتْ: كَانَتْ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ نِثْثِي عَشْرَةَ أُوقِيَةً، وَنَشًا، قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّش؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَةٍ، فَنِلْتُكَ خَمْسُمِائَةٍ دِرْهَمٍ، فَهَذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِأَزْوَاجِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ (کی بیویوں) کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش، پھر انہوں نے فرمایا، کیا تو جانتا ہے کہ نش کتنا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے فرمایا آدھا اوقیہ۔ اس طرح یہ پانچ سو درہم ہوئے۔ بس یہ تھا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کا حق مہر۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿اوقیہ﴾ مہر پر ضمہ اور ”یا“ پر تشدید۔ چاندی کے سکہ کے چالیس درہم۔ وہ آج کل کے ایک سو سینتالیس گرام کے برابر ہے۔ ﴿النش﴾ نون پر فتح اور شین پر تشدید۔ نصف اوقیہ یعنی بیس درہم۔

راوی حدیث: ﴿ابوسلمہ بن عبد الرحمن﴾ یہ تھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف زہری قرشی۔ ایک قول کے مطابق یہ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء تابعین میں سے ایک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام تھا۔ کثیر الحدیث اور وسیع روایت کرنے والوں میں سے تھے۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے حدیث رسول ﷺ کا سماع کیا اور ان سے بھی ایک بہت بڑی جماعت نے علم اخذ کیا۔ ۷۴ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۷ برس تھی۔

(۸۸۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَعْطَهَا شَيْئًا» قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ، قَالَ: «آپ نے فرمایا ”وہ تمہاری حتمی زرہ کہاں ہے؟“ «فَإِنِ دِرْعُكَ الْحُطْمِيَّةُ؟» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے

وَالنِّسَاءِ، وَصَحَّحَ الْحَاكِمُ۔ اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لما تزوج علی فاطمہ﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کے دوسرے سال ماہ رمضان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور رخصتی ذوالحجہ کے مہینے میں ہوئی۔ (تلیق المفہوم، ص: ۱۵) ﴿الحطمیۃ﴾ ”حاء“ پر ضمہ اور ”طاء“ پر فتح۔ حطمہ بن محارب کی جانب منسوب ہے۔ یہ عبد القیس قبیلہ کی شاخ تھی۔ یہ لوگ زرہیں بناتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حطم کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ تلواروں کو توڑ کر کلڑے کلڑے کر دیتی تھی۔ (ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وہ زرہ دے دی تھی پھر تعلق زن و شو قائم کیا تھا۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے مسئلہ مہر کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو علم ماکان و ما یون حاصل نہیں تھا، اسی لئے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرما رہے تھے کہ تمہاری حطمی زرہ کہاں ہے؟ ورنہ یوں فرماتے کہ تمہاری حطمی زرہ جو فلاں مقام پر تم نے رکھی ہوئی ہے وہ لا کر دے دو۔ نیز معلوم ہوا کہ سر حق مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے البتہ اس سے وہی چیز طلب کی جائے جو اس کے پاس ہو ایسی چیز کا تقاضا و مطالبہ نہ کیا جائے جو اس کے بس میں نہ ہو۔

(۸۸۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے، انہوں عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ: نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيْمًا امْرَأَةً نِكَحَتْ اُمِّيَا امْرَأَةً نِكَحَتْ ﷺ نے فرمایا ”جو عورت مہر عطیہ یا نکاح سے پہلے عَلَى صَدَاقٍ أَوْ حَبَاءٍ أَوْ عِدَّةٍ قَبْلَ کسی وعدہ کی بنا پر نکاح کرے تو یہ اس عورت کا حق عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهَوَ لَهَا، وَمَا كَانَ ہے اور جو عطیہ نکاح کے بعد دیا جائے تو وہ اسی کا بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهَوَ لِمَنْ ہے جسے دیا جائے اور وہ چیز جس کی وجہ سے مرد أُغْطِيَهُ، وَأَحَقُّ مَا أُخْرِجَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ زیادہ مکرم کا مستحق ہے اس کی بیٹی یا اس کی بہن ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْإِسْنَمُ إِلَّا ہے۔“ (اسے احمد اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت الترمذی کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حباء﴾ ”حاء“ کے نیچے کسرہ اور ”باء“ تخفیف مد کے ساتھ۔ اصل میں عطیہ کو کہتے ہیں اور یہاں مراد وہ چیز ہے جو مرد مہر کے علاوہ عورت کو دیتا ہے۔ ﴿عِدَّة﴾ عین کے نیچے کسرہ اور ”وال“ مخفف ہے۔ جس چیز کا خاوند نے وعدہ کیا ہو اور ابن ماجہ میں عدۃ کی جگہ حبہ ہے۔ ﴿قبل عصمہ النکاح﴾ یعنی عقد نکاح سے پہلے ﴿فہولہا﴾ پس وہ اسی عورت کا ہے یعنی وہ بالخصوص عورت کا ہے۔ اس میں کسی کا کچھ نہیں نہ عورت کے والد کا اور نہ دوسرے کسی ولی و سرپرست کا کوئی حق ہے۔ ہاں اگر عورت اپنی خوشی و رضامندی سے دینا چاہے تو ایسا کرنا جائز ہے اور ولی کا لینا بھی جائز

ہے۔ ﴿فَهُوَ لِمَنِ اعْطٰیہ﴾ پس وہ اس کا حق ہے جسے دیا گیا ہو یعنی عورت کے والد یا اس کے بھائی کا یا ان دونوں کے علاوہ کسی دوسرے ولی کا ﴿اِحَقَّ مَا اٰکَرَمَ﴾ فعل صیغہ مجہول ہے۔ ﴿عَلِیْہِ﴾ لاجلہ کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ (یعنی اس کی اس حیثیت کی بنا پر) ﴿اِبْنَتِہِ اَوَاحِشَہِ﴾ یہ خبر ہے اور اس موصول کا بیان ہے جو احق ما اکرم کے قول میں ہے اور اس میں ترغیب ہے کہ عورت کے ولی کی عزت افزائی کیلئے اسے کچھ مال دینا چاہئے اور یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر مرد عورت کے ولی کو کچھ مال دے یا اس سے کوئی وعدہ کرے اگر تو یہ نکاح سے پہلے ہو پھر ولی اس مال کا مستحق نہیں ہے اور خواہ ولی نے اس مال کی اپنے لئے شرط لگائی ہو۔ پھر بھی عورت ہی اس کا استحقاق رکھتی ہے۔ البتہ جب نکاح کے بعد اگر کوئی چیز دی گئی ہے تو وہ اسی کا حق ہے جسے وہ دی گئی ہے خواہ وہ اس کا ولی ہو یا کوئی اور رشتہ دار یا خود وہ عورت ہی ہو اور یہ گفتگو اس کے متعلق ہے جو مہر کے علاوہ ہے۔ رہا مہر کا معاملہ تو وہ قطعی طور پر عورت ہی کا حق ہے۔

(۸۸۵) وَعَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا، حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لَا وَكَسَ، وَلَا شَطَطَ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ، فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ، فَقَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَرُوعِ بِنْتِ وَاشِقَ امْرَأَةً مِثْلَ مَا قَضَيْتَ، فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَنَهُ جَمَاعَةٌ.

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کیلئے مہر مقرر نہیں کیا تھا اس سے دخول بھی نہیں کیا اور وہ فوت ہو گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس عورت کو مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر ملے گا۔ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ زیادتی۔ اس پر عدت گزارنا بھی لازمی ہے اور اس کیلئے میراث بھی ہے۔ یہ سن کر معقل بن سنان رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا کہ ہماری ایک عورت بروع بنت واشقہ امراۃ منا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا آپ نے کیا ہے۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ (اسے احمد اور چاروں ائمہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور ایک جماعت نے اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لم يفرض﴾ ”یا“ پر فتح اور ”را“ کے نیچے کسہ۔ مقرر اور طے نہیں کیا۔ ﴿ولم يدخل بها﴾ اس سے جماع نہیں کیا اور نہ اس سے خلوت صحیح ہوئی۔ ﴿مثل صداق نساءها﴾ اس کی قوم و برادری کی عورتوں کے طے شدہ مہر کی مثل ﴿لاوکس﴾ ”واو“ پر فتح اور کاف ساکن، یعنی نہ

کم ہوگا۔ ﴿ولا شطط﴾ شین اور ”طا“ پر فتح یعنی اور نہ زیادہ۔ ﴿وعليها العدة﴾ اس پر عدت ہے۔ وفات کی صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ وفات کی صورت میں عورت مکمل مہر کی حقدار ہے خواہ اس کا تعین شوہر نے نہ کیا ہو اور نہ شوہر نے اس سے مجامعت کی ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ و امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

راوی حدیث: ﴿علقمہ﴾ یہ علقمہ بن قیس ابی ثبل بن مالک ہیں۔ بنو بکر بن نخع میں سے تھے۔ حضرت عمر رحمہ اللہ اور ابن مسعود رحمہ اللہ سے انہوں نے روایت کیا ہے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ابن مسعود کی حدیث اور ان کے تلمذ کی وجہ سے مشہور ہوئے اور اسود نخعی کے چچا تھے۔ ۶۱ھ میں فوت ہوئے۔ ﴿معتل بن شان اشجی رحمہ اللہ﴾ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ معتل کی میم پر فتح اور قاف کے نیچے کسرہ۔ بن شان۔ سین کے نیچے کسرہ۔ مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ میں شریک تھے۔ کوفہ میں فروکش ہوئے۔ ان کی حدیث کوفیوں میں مشہور ہے۔ حرہ کی لڑائی کے روز ان کو باندھ کر قتل کیا گیا۔

﴿بروع بنت واشق رحمہ اللہ﴾ بروع میں ”با“ کے نیچے کسرہ۔ محدثین کے نزدیک اور اہل لغت کے نزدیک ”با“ کے فتح سے۔ بنت واشق۔ واشق کے شین پر کسرہ۔ مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کے خاوند کانام ہلال بن مرہ رحمہ اللہ تھا۔ جو اس سے مجامعت سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔

(۸۸۶) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ كَهْجُورٍ دَعَى دِينَ اس نَ حَلَالٍ كَر لِيَا۔“ (اسے امراًة سَوِيْقاً أَوْ تَمَرًا فَقَدْ اسْتَحْلَ)۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کی أَخْرَجَهُ أَبُو دَاؤُدَ، وَأَشَارَ إِلَى تَرْجِيحِ وَفْقِهِ۔ طرف اشارہ کیا ہے اور ترجیح بھی اسی کو دی ہے)

لغوی تشریح: ﴿سویقا﴾ گندم کا آٹا جو بھونا ہوا ہو یا مکئی یا جو کا آٹا۔ ابوداؤد کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں ”ملاکفہ سویقا“ ہے جس کے معنی ہیں ایک مٹھی بھر۔ ﴿فقد استحل﴾ اس نے حلال کر لیا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ جب نکاح کرنے والے مرد و عورت کسی مقدار مہر پر راضی ہو جائیں خواہ وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر، اس کی قیمت ہو تو یہ جائز ہے اور جو مہر کی مقدار پر کم از کم دس درہم قرار دیتا ہے وہ اس حدیث کو دخول سے پہلے جو کچھ دیا جائے اس پر محمول کیا گیا ہے۔ مگر یہ باطل ہے اس کی تردید فقد استحل کے جملہ سے ہوتی ہے۔ نیز عورت کو اپنے لئے حلال کرنے کیلئے دخول سے پہلے کچھ مال ادا کرنا شرط نہیں ہے۔

(۸۸۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رِبْعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَحْجَارَ نِكَاحِ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ: ایک عورت کے نکاح کو برقرار رکھنے کی اجازت دی۔

أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَحُورِلَفَ فِي ذَلِكَ. (اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور اس کے صحیح قرار دیئے جانے میں مخالفت کی گئی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مرد و عورت جس چیز کے بدلہ میں باہم مناکحت پر راضی ہو جائیں بس وہی ان کا مہر ہوگا۔ اس حدیث میں جس خاتون کا ذکر ہے وہ بنو فزارہ کی عورت تھی۔ حضور ﷺ نے خود اس سے دریافت فرمایا کہ ”کیا تو نے جوتیوں کے بدلہ میں اپنا آپ مرد کے سپرد کر دینا پسند کر لیا ہے؟“ اس نے کہا ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو جائز رکھا۔

راوی حدیث: ﴿عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ﴾ یہ صاحب ابوعمران عبداللہ بن عامر بن ربیعہ العدوی القنری ہیں۔ اس کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ جب نبی ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی تو اس وقت ان کی عمر ۱۳ یا ۱۵ سال تھی۔ ۸۵ھ ایک قول کے مطابق ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۸۸۸) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: زَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا أَمْرَأَةً بِحَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ. أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ طَرَفٌ مِنَ الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ الْمُتَقَدِّمِ فِي أَوَائِلِ النِّكَاحِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرد کا نکاح ایک عورت کے ساتھ کیا جوہے کی ایک انگوٹھی میں دے کر۔ (اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ یہ کتاب النکاح کے آغاز میں مذکور طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے)

حاصل کلام: حضرت سہل ؓ سے مروی لمبی روایت پہلے گزر چکی ہے جس میں ایک خاتون نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ اس میں یہ نہیں تھا کہ نبی ﷺ نے لوہے کی انگشتری کے بدلہ میں اس خاتون کا نکاح کر دیا تھا۔ بلکہ اس میں یہ ہے کہ آپؐ نے نکاح کے خواہش مند کو لوہے کی انگوٹھی لانے کا حکم ارشاد فرمایا تھا اور جب وہ انگوٹھی بھی اسے نہ ملی تو اس عورت کے ساتھ اس کا نکاح قرآن پاک کی کچھ سورتوں کی تعلیم پر کر دیا۔ اگر یہ حدیث وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تو پھر ان کی یہ بات کہ یہ طویل حدیث کا ٹکڑا ہے وہم سے خالی نہیں۔ الایہ کہ اس کی تاویل کی جائے کہ آپؐ نے لوہے کی انگوٹھی پر نکاح کی اجازت دی تھی۔ اگرچہ اس کے نہ ملنے پر عقد نہ ہوا بلکہ تعلیم قرآن کو مقرر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

(۸۸۹) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقْلًا مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ. أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ

مَوْقُوفًا، وَفِي سَنَدِهِ مَقَالٌ.

نفوی تشریح: ﴿رفی سندھ مقال﴾ اور وہ یہ کہ اس کی سند میں داؤداودی ضعیف راوی ہے۔ دارقطنی ہی میں یہ روایت اور طرق سے منقول ہے مگر کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں۔

(۸۹۰) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بہترین حق مہر وہ ہے جس کا ادا کرنا نہایت آسان و سہل ہو۔“ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿خیر الصداق ایسرہ﴾ آدمی پر اس کا ادا کرنا آسان و سہل ہو۔ یعنی وہ انسان کے مناسب حال ہو اور یہ دلیل ہے کہ مہر کی کم مقدار مستحب ہے اور جس کا ادا کرنا آسان و سہل نہ ہو وہ غیر مستحسن و غیر مستحب ہے۔

(۸۹۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ الْجَوْدِ تَعَوَّذَتْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، حِينَ أُذْخِلَتْ عَلَيْهِ، تَغْنِي لِمَا تَرَوَّحَهَا، فَقَالَ: «لَقَدْ عُذْتُ بِمَعَاذِ، فَطَلَّقَهَا وَأَمَرَ أَسَامَةَ فَمَتَّعَهَا بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ مَثْرُوثٌ، وَأَضَلَّ الْقِصَّةَ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُسَيْبٍ السَّاعِدِيِّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمرو بنت الجود نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جب وہ آپ کی خلوت گاہ میں آئی یعنی جب آپ سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تو نے ٹھیک پناہ دینے والے کی پناہ طلب کی ہے۔“ پھر آپ نے اسے طلاق دے دی اور اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو فائدے کے طور پر تین کپڑے دے دو۔ (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں متروک راوی ہے۔ اس کا اصل قصہ صحیح بخاری میں ابواسید ساعدی سے مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿تعوذت﴾ اس نے پناہ لی۔ صحیح بخاری میں ابواسید سے مروی ہے کہ جوئیہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ جب اسے حضور ﷺ کی خلوت گاہ میں داخل کیا گیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ ”اپنے آپ کو مجھے بہہ کر دے“ تو وہ بولی ملکہ اپنے آپ کو اپنی رعایا کے ایک مرد کے سپرد کیسے کر سکتی ہے؟ آپ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا کہ اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے تو وہ بولی میں تجھ سے اللہ کی پناہ پکڑتی ہوں۔ گفتگو کا یہ سیاق اس کا تقاضا کر رہا ہے کہ اس نے یہ بات یا تو اس لئے کہی کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے اعلیٰ و ارفع تصور کرتی تھی اور آپ کو اپنا ہم پلہ اور کفو نہ سمجھتی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے نبی ﷺ کو پہچاننا ہی نہ ہو اور نہ آپ کے ارادے کو پہچان سکی کہ آپ نے اس کی جانب ہاتھ کس لئے بڑھایا۔ (بخاری کتاب الاشراف، باب: ۳۰) میں ہے لوگوں نے اس سے پوچھا تجھے معلوم ہے کہ یہ کون تھے؟ وہ بولی مجھے تو معلوم نہیں۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ تھے تیرے پاس تشریف لائے تھے کہ پیغام نکاح دیں۔ وہ بولی پھر تو میں اس وجہ سے بدبخت و

بدقسمت ہوں۔ (الحديث) ﴿لقد عزت﴾ صیغہ مونث مخاطب۔ ﴿بمعاذ﴾ میم پر فتح کی صورت میں جس سے پناہ طلب کی جائے۔ یعنی تو نے اس سے پناہ طلب کی ہے جو اس پناہ دینے کا اہل ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی۔ ﴿فتمتعها﴾ تمتع سے ماخوذ ہے۔ یعنی اسے تین کپڑے بطور فائدہ کے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل میں۔ لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم یمسوهن او تفرضوا لهن فريضه - ومتعوهن علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره، متاعا بالمعروف، حقا علی المحسنین (۲۳۶:۲) کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے مہر اور ان کو کچھ خرچ دو۔ صاحب مقدرت پر اس کے موافق اور تنگی والے پر اس کے موافق، جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے۔ لازم ہے نیکی کرنے والے پر۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کو دخول سے پہلے ہی طلاق ہو جائے ایسی مطلقہ قبل الدخول کو جس کا مہر بھی معین نہ ہوا ہو اسے کچھ مال دینا منسوخ و مشروع ہے۔ علماء کی اکثریت اسے واجب کہتی ہے۔ آیت کا ظاہر بھی اسی کا مؤید ہے۔

راوی حدیث: ﴿عمرة بنت الجون﴾ عمرہ میں عین پر فتح اور میم ساکن، جون میں جیم پر فتح اور واؤ ساکن۔ اس جونیہ کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس روایت میں واقعی عمرہ ہی کا ذکر ہے۔ ابن جوزی اپنی کتاب ”التلخیص“ (ص: ۱۳) میں کہتے ہیں کہ یہ اسماء بنت نعمان بن ابی الجون بن حارث کنذیہ ہیں۔ میں ابواسید کی حدیث کے بعض طرق اس بات پر کرتے ہیں کہ یہ اممہ بنت نعمان بن شریل ہیں۔ امام زہری کے نزدیک یہ فاطمہ بنت ضحاک ہے۔ (التلخیص، ص: ۱۲) اور ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سبھی ایک ہی عورت ہے۔ اور یہ اختلاف راویوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بڑے اور مختلف استعمال کی وجہ سے ہے۔ اور درست بات یہ ہے کہ اس کا نام اممہ ہے۔

﴿ابواسید رضی اللہ عنہ﴾ اسد کی تصغیر۔ یہ صاحب مالک بن ربیعہ بن بدن ہیں۔ (با اور دال دونوں پر فتح) جو نام کی بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ غزوہ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں وفات پائی اور ایک قول کے مطابق اس کے بعد وفات پائی۔ یہاں تک کہ مدائنی کے قول کے مطابق ۶۰ھ میں وفات پائی اور بدری صحابہ میں سے وفات پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔

ولیمہ کا بیان

۴ - بَابُ الْوَلِيمَةِ

(۸۹۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ زَرْدٍ رَنُكَ لَگا ہوا دیکھا۔ آپ نے فرمایا ”یہ کیا ہے؟“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر

صُفْرَةً، فقال: «ما هذا؟» قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي تَزَوَّجْتُ أَمْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاقِ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: «فَبَارِكْ مَسَاوِي سَوَا دَعِ كِرْ نَكَاحَ كَيَا هِي۔ اَپؑ نؑ فرمایا اللّٰهُ لَكَ، أَوْلَمْ وَلَوْ بِشَاةٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، ”اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے، ولیمہ ضرور کرو خواہ ایک بکری ہی ہو۔“ (بخاری و مسلم، اور الفاظ مسلم کے

(پیں)

لغوی تشریح: ﴿باب الولیمة﴾ شادی بیاہ کے موقع رجو کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ ﴿الولم﴾ سے مشتق ہے۔ ”ولم“ میں ”واو“ پر فتح اور ”لام“ ساکن۔ اس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں، میاں بیوی چونکہ اکٹھے ہوتے ہیں اس لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔ ولیمہ سنت ہے اور بعض نے اسے واجب بھی کہا ہے، اور ولیمہ کا صحیح وقت خلوت صحیحہ کے بعد ہے۔ ﴿اثر صفرۃ﴾ زرد رنگ کا اثر و نشان۔ یہ زرد رنگ زعفران سے تھا جو ان کی بیوی پر بطور خوشبو لگا ہوا تھا۔ ایسا نہیں کہ انہوں نے دیدہ دانستہ و عمدہ زعفران کا رنگ لگایا تھا کیونکہ مردوں کیلئے زعفرانی رنگ اور اس کی خوشبو کا استعمال شرعاً ویسے ہی ممنوع ہے بلکہ یہ عورتوں کا (مخصوص) شعار ہے اور مردوں کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ ﴿علی وزن نواۃ من ذهب﴾ ایک قول یہ ہے نواۃ سونے کا معروف و مشہور وزن جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کھجور کی گٹھلی مراد ہے یعنی کھجور کی گٹھلی کے برابر وزن۔ پہلا قول صحیح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے نواۃ کا وزن تین درہم کے برابر ہوتا ہے اور نواۃ لغت میں تو کھجور کے بیج یعنی گٹھلی وغیرہ کو کہتے ہیں ﴿اولم ولو بشاة﴾ ”لو“ تھلیل کیلئے مستعمل ہے یعنی کم از کم بکری ذبح کرو۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعض ازواج کا ایک بکری سے کم کا ولیمہ بھی کیا ہے لہذا مستحب یہ ہے کہ شوہر کی مالی حیثیت و حال کے حسب حال ہو۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مالی حالت کے پیش نظر ایک بکری کا ولیمہ کرنا قلیل تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مطلقاً ایک بکری کم ہے۔

(۸۹۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِئْسَ لِمَنْ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَجِبْ، غَرَسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا جائے تو اسے وہاں پہنچنا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے ”جب تم میں سے کسی کو اس کا بھائی مدعو کرے تو اسے اس کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے خواہ وہ شادی ہو یا اسی طرح کی

کوئی اور دعوت۔“

حاصل کلام: یہ حدیث شادی کے موقع پر کی جانے والی دعوت ولیمہ کو منظور و قبول کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اور جمور کی رائے یہی ہے۔ انہوں نے یہ شرط ضرور لگائی ہے کہ وہاں تک پہنچنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ مثلاً کھانا ہی مشتبہ نہ ہو یا مالداروں کو بالخصوص مدعو کیا گیا ہو یا باطل کام کیلئے تعاون و استعانت کیلئے اسے دعوت دی گئی ہو یا وہاں ایسا کام ہو جو غیر پسندیدہ اور شرعاً منکر کی تعریف میں آتا ہو۔

(۸۹۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ وَالْوَليمةُ (مستحقین) کو روکتا ہو اور جو آنے سے انکاری یمنعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ هُوَ اسے مدعو کرتا ہو اور جس نے دعوت ولیمہ کو يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ. کی نافرمانی کی۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿یمنعُهَا﴾ صیغہ مجہول۔ معنی ہیں کہ اس سے روکتا ہو۔ ﴿من یأتیہا﴾ جو برضا و رغبت شمولیت کرنا چاہتا ہو اور وہ ہیں فقراء لوگ۔ ﴿من یابہا﴾ یعنی جو اس میں شامل ہونے سے انکاری ہو اس سے مراد مالدار ہیں۔ یہ ہے کہ جس دعوت طعام میں فقراء اور اغنیاء دونوں کو مدعو کیا ہو۔ اس میں شر نہیں۔

(۸۹۵) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيَصِلْ، وَإِنْ كَانَ مُفْطَرًا فَلْيَطْعَمْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا جائے تو اسے منظور کرنا چاہئے۔ اگر وہ روزے سے ہو تو دعا کرے اور اگر روزے سے نہ ہو تو پھر اسے کھانا کھانا چاہئے۔“ وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ نَحْوُهُ، وَقَالَ: «فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ». اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے اور اس میں آپ کا ارشاد ہے کہ ”اگر وہ چاہے تو کھانا کھالے اور اگر وہ چاہے تو چھوڑ دے یعنی نہ کھائے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فان كان صائماً فليصل﴾ اگر روزے سے ہو تو پھر اسے چاہئے کہ مہمان نوازوں کیلئے مغفرت و برکت کی دعا کرے اور یہ جمور کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نماز میں مشغول ہو

جائے تاکہ اس نماز کی برکت میں اہل خانہ اور دیگر حاضرین سب ہی شامل ہو جائیں۔

(۸۹۶) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «طَعَامُ الْوَلِيمَةِ أَوَّلَ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سَمْعَةٌ، وَمَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهَ بِهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَاسْتَفْرَغَهُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ أَنَسٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ولیمہ کا کھانا پہلے روز حق ہے اور دوسرے روز سنت ہے اور تیسرے روز کھانا تو محض نمود و نمائش اور شہرت و ریاکاری ہے۔ جو شخص ریاکاری کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس ریاکاری کی سزا دے گا۔“ (اس روایت کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے غریب بھی قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے راوی صحیح کے راویوں کے ہم پلہ ہیں اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی صورت میں اس کا ایک شاہد بھی موجود ہے)

لغوی تشریح: ﴿حق﴾ کا معنی ثابت شدہ یا واجب۔ ﴿طعام یوم الثانی سنۃ﴾ اس فقرہ میں سنۃ کا معنی مروج طریقہ، لوگوں میں معروف و مشہور رواج جو منکر و ناپسندیدہ نہ ہو۔ ﴿سمعة﴾ سین پر ضمہ اور میم ساکن رباء و دکھاوا کے معنی۔ تاکہ لوگوں دکھائے اور ان سے ریاکاری کرے۔ ﴿ومن سمع سمع اللہ بہ﴾ سمع میں میم پر تشدید (دونوں جگہ) یعنی جو شخص سخاوت وغیرہ کے ذریعے اپنی شہرت اور ریاکاری یا تکبر کا اظہار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز محشر کے کھلے میدان میں اسے اس عنوان سے مشہور کرے گا کہ یہ جھوٹا اور شہرت پسند ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولیمہ دو دن تک تو درست ہے مگر تیسرے دن بھی اس کا اہتمام نمود و نمائش اور ریاکاری کا باعث ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ تیسرے دن کی ممانعت تب ہے جب کھانے والے وہی لوگ ہوں لیکن اگر ہر روز نئے لوگ مدعو ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ تو سات دن تک بھی ولیمہ کے قائل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس کے راوی اصحیح کے راوی ہیں یہ بات محل نظر ہے بلکہ اس باب کی دوسری احادیث بھی کلام سے خالی نہیں۔ (سبل)

(۸۹۷) وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ كَرِيمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَوَّلَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمَدِينٍ مِنْ شَعِيرٍ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا۔ (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مختلف شادیوں کی صورت میں ضروری نہیں کہ ولیمہ ایک ہی جیسا ہو۔ حسب حال ولیمہ کرنا چاہئے۔ آپؐ نے ولیمہ میں بکری بھی ذبح کی اور ستور اور کھجور بھی ولیمہ میں کھلائے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں صرف دو دودھ جو پر اکتفا فرمایا۔

راوی حدیث: ﴿صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا﴾ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحنفی بنو عبد الدار میں سے تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ایک قول کے مطابق ان کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ابن سعد نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ تابعیہ تھیں۔

(۸۹۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَقَامَ حَضْرَتُ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَمَاءَ مَرْوَى هِيَ كَرِيمَةُ ﷺ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، يُنْنِي عَلَيْهِ بِصَفِيَّةٍ، فَدَعَا الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ، فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ، وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ، فَأَلْقَى عَلَيْهَا التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ. مَتَّقَ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین روز تک قیام کیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا سے اسی مقام پر شب بashi کی تو میں نے مسلمانوں کو حضور ﷺ کے ولیمہ کی دعوت دی۔ بس اس دعوت میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت۔ اس تقریب میں بس یہی تھا کہ آپؐ کے ارشاد گرامی کے مطابق چٹائیاں بچھائی گئیں اور ان پر کھجوریں، پنیر اور مکھن چن دیا گیا۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿بنی علیہ بصفیہ﴾ فعل صیغہ مجہول۔ یہ کنایہ ہے بیوی سے شب بashi و ہم بستری کا۔ ﴿بالأنطاع﴾ نطع کی جمع ہے۔ حمزہ کے نیچے کسرہ اور ”طا“ پر فتح اور دوسری صورت میں ”مزمزہ“ اور ”طاء“ دونوں پر فتح اور ”طاء“ ساکن بھی منقول ہے۔ چٹائی یا پھر چرمی چادر۔ ﴿الاقط﴾ حمزہ پر فتح اور قاف پر کسرہ یا دونوں یعنی حمزہ اور قاف دونوں کے نیچے کسرہ اور اس میں ایک اور لغت بھی ہے اور اس کا معنی سخت جما ہوا دودھ جسے پنیر کہتے ہیں اور کھجور اور پنیر اور مکھن کے مجموعے کو ہیں کہتے ہیں اور ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ آپؐ کے ولیمہ میں ستور اور کھجور تھے۔ اس میں ستور ملا لئے۔ اس طرح وہ حبس نامی چیز سے اسے خارج نہیں کر دیتی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران سفر شادی کرنا جائز ہے تو سب رشتہ داروں کا شامل کرنا بھی لازمی اور ضروری نہ رہا۔ نیز ثابت ہوا کہ ولیمہ میں ایک سے زائد کھانے کی اشیاء بھی جائز ہیں۔ البتہ اس میں اسراف سے بہر نوع اجتناب ضروری ہے۔

(۸۹۹) وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: إِذَا اجْتَمَعَ دَاعِيَانِ طَعَامٍ دِي هُوَ تَوْجَسْ كَارِوَاهِ مُتَصِلٌ وَ قَرِيبٌ هُوَ اس كِي دَعْوَتِ قَبُولِ كَرُو اور ان ميں سے جو پہلے دَعْوَتِ دے اس كِي دَعْوَتِ قَبُولِ كَرُو۔“ (اسے ابو داؤد وَ سَنَدُهُ ضَعِيفٌ۔

روایت کیا ہے، اس کی سند ضعیف ہے)

(۹۰۰) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا آكُلُ مُتَكِنًا»۔ رَوَاهُ (بخاری)

البخاري.

لغوی تشریح: ﴿مُتَكِنًا﴾ متکنا کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چوڑی مار کر ٹیک لگا کر ہموار زمین پر بیٹھنا اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگانا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنے کسی ایک پہلو کے بل بھک جانا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی طرح مضبوطی سے جم کر بیٹھ جانا۔ خطابی کا قول یہ ہے کہ عوام تو متکنا اسے سمجھتے ہیں کہ کھانے والا اپنے کسی ایک پہلو کے بل بیٹھ جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد ہموار زمین پر مضبوطی سے ٹیک لگا کر بیٹھنا ہے اور کراحت و ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ ٹیک لگا کر چوڑی مار کر کھانا دنیا کے متکبرین اور مختلف اقسام کے کھانے کثرت سے کھانے والوں کی عادت ہے۔

(۹۰۱) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا آكُلُ مُتَكِنًا»۔ لے کر کھانا شروع کرو اور اپنے سیدھے ہاتھ سے وَكُلْ بِمِيمِنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ»۔ کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔“ (بخاری و مسلم)

مُتَقَنِّ عَلَيْهِ۔

حاصل کلام: معلوم ہوا کہ کھانا ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا چاہئے البتہ اگر کھانے کی اشیاء مختلف ہیں تو دل پسند چیز جہاں ہو لے سکتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ﴾ عمر بن ابی سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال مخزومی۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر تھے اور نبی ﷺ نے ان کی تربیت و پرورش فرمائی تھی۔

حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے درمیانی عرصہ میں ہوئی تھی۔ ۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۹۰۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى بِقِصْعَةٍ مِّنْ ثُرَيْدٍ، فَقَالَ: «كُلُّوا مِنْ جَوَانِهَا، وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسْطِهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَهَ تَنْزِلُ فِي وَسْطِهَا». رَوَاهُ الْأَزْهَعِيُّ، وَهَذَا لَفْظُ الثَّانِي، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ثرید سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ ”پیالے کے کناروں سے کھاؤ، درمیان سے نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ برکت کا نزول درمیان میں ہوتا ہے۔“ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ نسائی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے)

لغوی تشریح: ﴿بقصعة من ثريد﴾ قصعة بڑے پیالہ کو کہتے ہیں اور ثرید کہتے ہیں چورا کی ہوئی روٹی پر گوشت اور اس کا شوربا ڈال کر کجا کر لینے کو۔

(۹۰۲/۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ جب کسی چیز کی خواہش ہوتی تو تناول فرما لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو چھوڑ دیتے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہئے۔ اگر طبیعت مانگے ہو تو کھالیا جائے اور اگر طبع کے موافق نہ ہو تو چھوڑ دے۔ عیب نکالنے سے کھانا تیار کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور مہمان نواز پر اچھا اثر نہیں پڑتا نیز پکی ہوئی نعمت کی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔

(۹۰۳) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَأْكُلُوا بِالشَّمَالِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ بَاسٍ بِاتِّسَالِهَا تَهْتِكُ بِهَا كُلَّ بِالشَّمَالِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ”بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔“ (مسلم)

(۹۰۴) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوُهُ وَزَادَ: «أَوْ يَنْفُخُ فِيهِ» وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ. حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جب کوئی مشروب پی رہا ہو تو برتن میں سانس نہ لے۔“ (بخاری و مسلم) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح کی روایت ابو داؤد میں بھی ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ”اس میں پھونک

نہ مارے۔“ (اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿فلا ینفس﴾ مبنی للمعلوم۔ سانس لینے سے ممانعت ہے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ سانس برتن میں لینے سے اندیشہ ہے کہ مشروب میں سانس کے ذریعہ سانس لینے والے کا تھوک یا رال نپک جائے اور یہ دوسرے آدمی کی طبیعت پر ناگوار گزرے اور اس لئے بھی کہ سانس کے ذریعہ پھپھڑے میں سے ہوا ایسی چیز خارج کر کے مشروب میں ڈال دے جو تندرست آدمی کی صحت کیلئے مضر ہو۔ یعنی جراثیم مشروب میں داخل ہو کر اسے خراب کر دیں اور مفید کے ساتھ غیر مفید شامل ہو کر یہ آمیزش شدہ مخلوط مواد صحت کی خرابی کا باعث بن جائے۔

ہ - باب القسم بیویوں میں باری کی تقسیم کا بیان

(۹۰۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَفْسِمُ لِنِسَائِهِ، فَيَعْدِلُ، وَيَقُولُ: «اللَّهُمَّ هَذَا قَسَمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلْمَنِي فِيمَا تَمْلِكُ، وَلَا أَمْلِكُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ وَالْحَاكِمُ، لَكِنْ رَجَّحَ التِّرْمِذِيُّ إِسْنَانَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری تقسیم کرتے تھے اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے تھے۔ ”الہی جو میرے بس میں ہے اس کے مطابق میں نے یہ تقسیم کی ہے اور جو میرے بس میں نہیں تیرے اختیار میں ہے، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔“ (اسے

چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے لیکن ترمذی نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب القسم﴾ ”قاف“ پر فتح اور ”سین“ ساکن۔ بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا اور وہ اس طرح کہ خاوند اپنی بیویوں کے ہاں ایک ایک دن جانے کو مقرر کر دے۔ ﴿فیعدل﴾ عدل سے ماخوذ ہے جو جور کے مقابلہ میں آتا ہے۔ ﴿هذا قسمی فیما املک﴾ بیویوں کے ہاں رہنے میں حتی المقدور یہ میری تقسیم ہے۔ ﴿فلا تلمنی﴾ مجھے ملامت نہ کر اور نہ میرا مواخذہ فرمایا جس میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں۔ ﴿فیما تملک ولا املک﴾ یعنی قلبی میلان اور محبت کے بارے میں جو ایک دوسری کیلئے کم و بیش ہوتی ہے جو انسان کی قدرت میں نہیں اس میں میرا مواخذہ اور جواب طلبی نہ فرمانا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف پر قائم رہنا چاہئے۔ البتہ دلی میلان اگر کسی کی طرف ہو تو اس میں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورتیں سیرت و کردار

اخلاق اور حسن و جمال اور عادات و خصائل کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں جس عورت میں حسن و جمال اور اخلاق و اوصاف اور شوہر کی فرمانبرداری زیادہ ہوگی، شوہر کا میلان قدرتی طور پر اس کی جانب زیادہ ہوگا۔

(۹۰۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «جَسْ شَخْصٍ كِي دُو يَوِيَا هُوَ اور «مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى خَاوِنْدَا مِيلَانِ اِيَكِي كِي طَرَف رِهَا تُو قِيَا مَت كِي رُو ز اِخْذَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَا مَةِ وَشَقُّهُ هُوَا هُوَا گَا۔» (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

لعنوی تشریح: ﴿شقه﴾ اس کا ایک پہلو۔ ﴿مائل﴾ یعنی مفلوج، ترمذی میں ﴿ساقط﴾ کا لفظ ہے یعنی گرا ہوا۔ تحفۃ الاحوذی کے مطابق بعض روایات میں ہے کہ ایسا شوہر قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ وہ اپنے ایک مفلوج لٹکے ہوئے پہلو کے ساتھ آئے گا۔ دونوں پیویوں میں سے ایک کی طرف میلان و رجحان سے مراد باری کی تقسیم اور اخراجات و مصارف میں ناانصافی کرنا ہے جن میں وہ برابری کا اختیار رکھتا ہے۔

(۹۰۷) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «مِنْ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبَكَرَ عَلَى الثَّيِّبِ، تَوَّجَ الْبَكَرَ عَلَى الثَّيِّبِ، تَوَّجَ الثَّيِّبِ، أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، ثُمَّ قَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبِ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَسَمَ.» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبَخَارِيِّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب مرد شوہر دیدہ پر کنواری بیاہ کر لائے تو اس نئی دلہن کے پاس پہلے سات روز قیام کرے پھر باری تقسیم کرے اور جب شوہر دیدہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین روز قیام کرے پھر باری تقسیم کرے۔ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لعنوی تشریح: ﴿اذا تزوج الرجل البكر على الثيب﴾ یعنی جب آدمی کے پاس پہلے سے بیوی موجود ہو پھر کنواری سے شادی کرے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نئی بیوی سے شب عروسی اس کا حق ہے اور دوسریوں پر اسے ترجیح دی جائے گی۔ یہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر جدیدہ و قدیمہ نئی و پرانی بیویاں باریوں کی تقسیم میں مساوی استحقاق رکھتی ہیں۔

(۹۰۸) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَهَا، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ: «إِنَّهُ لَيْسَ بِكَ عَلَى أَهْلِكَ هَوَانٌ، إِنْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب ان سے نکاح کیا تو ان کے پاس تین روز قیام کیا اور فرمایا کہ ”اپنے اہل کے نزدیک تو ذلیل نہیں ہے۔ اگر چاہے تو میں تیرے لئے سات روز مقرر کر

شَبَّتٌ سَبَّعْتُ لَكَ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكَ کے قیام کرتا ہوں۔ پھر میں اپنی باقی سب عورتوں کے سَبَّعْتُ لِنِسَائِي۔ رَوَاهُ نَسَائِي۔ ہاں بھی سات سات روز قیام کروں گا۔“ (مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿لِیس بک علی اہلکد ہوان﴾ میں ”باء“ سببیہ ہے اور اہل سے مراد اس عورت کا اپنا قبیلہ مراد ہے اور ہوان سے مراد حقیر و ذلیل۔ معنی یہ ہوا کہ تیرے سبب یا تیری وجہ سے تیرا قبیلہ ذلیل نہیں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس اہل سے مراد خود نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوا کہ میں نے تین روز کا عرصہ اس لئے مختصر نہیں رکھا کہ تیری ذات میری نظر میں ذلیل و حقیر ہے اور تیری ذات میں میری دلچسپی اور رغبت کم ہے بلکہ اس لئے کہ دراصل حکم یہی ہے۔ آپؐ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ اس لئے فرمایا کہ جب حضور ﷺ ان کے ہاں سے نکل کر تشریف لے جانے لگے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کا دامن پکڑ لیا۔ ﴿سَبَّعْتُ لَكَ﴾ تسبیع سے ماخوذ ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ میں تیرے ہاں سات روز تک قیام کر سکتا ہوں اور دار قطنی کی روایت میں ہے اگر تیری مشا ہو تو یہ تین دن صرف تیرے ہاں قیام کر سکتا ہوں اور اگر تو چاہے تو سات روز مقرر کر کے قیام کروں اور اس کے آخر میں ہے میں نے عرض کیا تین روز میرے پاس خالصتاً قیام فرمائیں۔ اس حدیث میں دلیل ہے اس امر کی کہ اگر مدت مقررہ میں مزید اضافہ عورت کی طلب پر ہو تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ ساری بیویوں کا اس طرح استحقاق ہوگا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایک آدمی کے پاس پہلے بیوی موجود ہو اور اب نئی دلہن لانا چاہتا ہو تو اگر اس نے ایسی عورت سے شادی کی جو شوہر دیدہ ہے تو اس کے ہاں تین روز قیام کرنا ہوگا اور اگر کنواری ہے تو اس کے پاس سات روز قیام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد دونوں کے ہاں باری باری سے قیام کرنا ہوگا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ابی حنیفہ کا مسلک ہے۔ کنواری کیلئے سات روز اس لئے مقرر فرمائے کہ اس کا دل لگ جائے اور اس کی اجنبیت دور ہو جائے جبکہ شوہر دیدہ جلدی مانوس ہو جاتی ہے اور ماحول میں گھل مل جاتی ہے۔ اس لئے اس کیلئے تین روز مدت مقرر کر رکھی ہے۔ اس باب میں اور بھی صحیح احادیث منقول ہیں مگر احناف نے ان احادیث کی مخالفت کی ہے۔ قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اور کون جانتا اور سمجھتا ہے۔ احناف نے ”فان خفتم ان لاتعدلوا“ کی آیت سے دلیل لی ہے۔ حالانکہ یہ عدل کے منافی نہیں ہے۔ اس باب کی احادیث مشہور ہیں اور متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ لہذا کتاب اللہ کا تخصص ان سے جائز ہے۔

(۹۰۹) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا اور نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے ان کا اپنا دن بھی اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی تقسیم کرتے

تھے۔ (بخاری و مسلم)

مُتَّقٍ عَلَيْهِ.

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بیوی اپنی باری دوسری بیوی کو دے سکتی ہے یہ بخشش ناقابل رجوع اور ناقابل واپسی ہوگی۔ بشرطیکہ مقرر ایام کی تعیین نہ کی گئی ہو۔

(۹۱۰) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ حَضْرَتُ عُرْوَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: يَا ابْنَ أُخْتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُفْضَلُ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِسْمِ، مِنْ مَكْنِيهِ عِنْدَنَا وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعًا، فَيَدْنُو مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ، مِنْ غَيْرِ مَسِيسٍ، حَتَّى يَبْلُغَ النَّيْ هُوَ يَوْمُهَا، فَيَبِيتُ عِنْدَهَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ، ثُمَّ يَدْنُو مِنْهُنَّ. أَلْحَدِيثُ.

پاس بسر فرماتے۔ (احمد و ابو داؤد اور یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرما کر اپنی ساری بیویوں کے ہاں تشریف لے جاتے پھر ان سے قرب بھی حاصل کرتے۔

لغوی تشریح: ﴿یا ابن اختی﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عروہ کو یوں مخاطب کرنا اس بنا پر تھا کہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر کے فرزند تھے۔ ﴿لا یفضل﴾ تفضیل سے ماخوذ ہے ﴿فیدنو﴾ پھر قرب حاصل کرتے یعنی ان سے محبت کا اظہار کرتے۔ ﴿مسیس﴾ جماع ﴿دار﴾ گھومے، طواف کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر روز اپنی ازواج مطہرات کی قیام گاہوں میں حالات معلوم کرنے کی غرض سے پکر ضرور لگاتے اور باہمی محبت و پیار کا اظہار کرتے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر بیوی کی قیام گاہ الگ الگ ہونی چاہئے۔ اس سے پردہ داری بھی رہتی ہے۔ کم عمر بچوں کو پیار سے بلانا بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے کو یا ابن اختی کہہ کر

بلایا جس سے محبت اور پیار بھلکتا نظر آتا ہے۔

(۹۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: "أَبْنُ آتَا عَدَا؟ يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ، فَأَذِنَ لَهُ أَرْوَاجُهُ، يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ، فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس مرض میں وفات پائی اس میں دریافت فرماتے تھے کہ "کل میری باری کس کے ہاں ہے؟" ان کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دن ہوتا تھا۔ آپ کی ازواج مطہرات نے اس کی اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں رہیں۔ پس بعد میں آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہی رہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: ایک روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ کے مرض الموت کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے شروع ہوا تھا۔ آخر بیماری نے اتنا کمزور اور ضعیف کر دیا کہ سب بیویوں کے گھر میں جانا دشوار ہو گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سب ازواج مطہرات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام کی اجازت لے لی۔ انہوں نے برضاء و رغبت آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اس لئے طلب کی گئی کہ کسی کے ذہن میں کوئی نامناسب خیال پیدا نہ ہو جائے۔

(۹۱۲) وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَفْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتَهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا، خَرَجَ بِهَا مَعَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ پس جس بیوی کے نام کا قرعہ نکلتا وہ آپ کی ہم سفر ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے کسی مبہم معاملہ کے تصفیہ کیلئے قرعہ اندازی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۹۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ بِيَوْمٍ كَوَ غُلَامٍ لَمْ يَكُنْ فِيهِ نِسَاءٌ." (بخاری)

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی بھی اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿لَا يَجْلِدُ﴾ کوڑے نہ مارے۔ ﴿جَلَدٌ﴾ باب ضرب بضر ہے۔ "جلد" کہتے ہیں کوڑے سے مارنے کو۔ "جلد العبد" جس طرح غلام کو مارا پیٹا جاتا ہے کوڑوں سے۔ مصدر منصوب تشبیہ کیلئے لایا گیا ہے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے۔ ثم بیجا معہا کہ پھر اس سے جماع کرے۔ یہ مارنے کے فعل سے نفرت پیدا کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔ ہر عقلمند اس جیسے سلوک کو پسند نہیں کرتا کہ

بیوی کو مارے پیٹے بھی اور اس سے شب باشی بھی کرے۔ البتہ اس حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہلکی و خفیف مار جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ﴾ عبد اللہ بن زمعہ بن اسود بن عبد المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ الاسدی حضرت سودہ بنت زمعہ کا بھائی۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔ یوم الدار میں شہید ہوئے۔

۷ - باب الخلع خلع کا بیان

(۹۱۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتْ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أُعِيبَ عَلَيْهِ فِي خُلُقِهِ وَلَا دِينِهِ، وَلَكِنِّي أَكْرَهُهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَتُرَدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيثَهُ؟» فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اقْبَلِ الْحَدِيثَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «وَأَمْرَهُ بِطَلَّاقِهَا».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق اور دین میں کوئی عیب نہیں لگاتی۔ لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا ”کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟“ وہ بولی ہاں! تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا ”(اے ثابت!) اپنا باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔“ (بخاری)

وَلَا يُبْنِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ - وَحَسَنَهُ - : أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عِدَّتَهَا حَبِصَةً. وَفِي رِوَايَةٍ عَمْرِو بْنُ شُعَيْبٍ. عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ. عِنْدَ ابْنِ مَاجَهَ: أَنَّ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ كَانَ دَمِيمًا، وَأَنَّ امْرَأَتَهُ قَالَتْ: لَوْلَا مَخَافَةُ اللَّهِ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَفْتُ فِيهِ

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خلع کیا اور نبی ﷺ نے اس کیلئے عدت خلع ایک حیض مقرر فرمائی اور ابن ماجہ میں عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت بیان کی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بد صورت کالے رنگ کا آدمی تھا اور اس کی بیوی نے کہا اگر مجھے خدا کا خوف و ڈر نہ ہوتا تو جس وقت وہ میرے پاس آیا تھا میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔

دلیل ہے کہ جب خاوند علیحدگی کیلئے اپنا دیا ہوا حق مہر واپس لے لے تو جدائی واقع ہو جائے گی اور بغیر طلاق دیئے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اسی سے اختلاف واقع ہو گیا کہ خلع طلاق ہے یا فسخ۔ ظاہر بلکہ بالکل نمایاں ہے کہ یہ فسخ ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے خلع کرنے والی کو صرف بطور عادت ایک حیض کا حکم فرمایا ہے اور طلاق کی عدت ایک حیض تو قطعاً نہیں ہے بلکہ اس کی عدت تین حیض ہے اور رہا طلاق کا حکم فرمانا، تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس عورت سے وطی کی گئی ہو طلاق کی وجہ سے مہر کی واپسی ایسی طلاق کو خلع بنا دیتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ طلاق لفظاً تو طلاق ہے مگر حقیقتاً فسخ ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر بیوی کو معقول عذر ہو تو وہ حق مہر خاوند کو واپس دے کر خلع کرا سکتی ہے۔ ائمہ میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خلع طلاق ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک خلع فسخ ہے۔ حق مہر سے زیادہ مال لینے میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ بلکہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب نفرت کا اظہار عورت کی جانب سے ہو تو مرد کیلئے زیادہ لینا جائز ہے۔ مگر امام احمد رحمہ اللہ، اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ زیادہ لینے کے قائل نہیں۔

راوی حدیث: ﴿ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ﴾ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے انصاری خزرجی کہلائے۔ اکابر صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے تھے۔ انصار اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے۔ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور نبی ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی۔ ۱۳ھ میں یمامہ کی معرکہ آرائی میں شہید کئے گئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۷ - بَابُ الطَّلَاقِ طلاق کا بیان

(۹۱۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ إِلَى اللَّهِ نَزْوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ، وَرَوَّجَهُ أَبُو حَاتِمٍ. إِسْنَادُهُ.» صحيح قرار دیا ہے اور ابو حاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے

لغوی تشریح: ﴿باب الطلاق﴾ طلاق کے ”طاء“ پر فتح۔ لغت میں طلاق کے معنی بندھن کو کھولنا اطلاق سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ارسال یعنی چھوڑ دینے اور ترک کر دینے کے بعد شرعاً نکاح کی گرہ (تعلق) کھول دینے کو کہتے ہیں۔ امام الحرمین کا قول ہے کہ جاہلیت میں بھی اس کو طلاق کہا جاتا تھا اور شرع نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام اشیاء عند اللہ پسندیدہ نہیں۔ بعض باوجود حلال

کے بھی ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ انہی میں سے ایک طلاق ہے۔ طلاق حلال ہے مگر اس لئے کہ بسا اوقات انسان مجبور ہوتا ہے اور مصلحت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے اور بری اور ناپسندیدہ اس وجہ سے ہے کہ اس کی وجہ سے باہمی دشمنی اور بسا اوقات دیرینہ رقابت پیدا ہو جاتی ہے جو شیطان کی خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس سے نہ ثواب ملتا ہے اور نہ ہی قرب الہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے حتی الوسع اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ احوال و ظروف کی بنا پر اس کی مختلف قسمیں ہیں اور مستحب و جائز بھی اور مکروہ و حرام بھی۔ جس کی تفصیل شروح احادیث اور کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۹۱۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ حَائِضٌ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَسَأَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: «مُرْهُ، فَلْيَرَا جِفَهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَظْهَرُ، ثُمَّ تَحِيضْ، ثُمَّ تَظْهَرُ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أُمْسِكَ بَعْدَ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فِتْلِكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ تَطْلُقَ لَهَا النِّسَاءُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو عہد نبوی ﷺ میں طلاق دے دی جبکہ وہ حالت حیض میں تھی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ”اسے کہو کہ رجوع کر لے اور اسے اس وقت تک روک لے کہ طہر شروع ہو جائے۔ پھر ایام آئیں پھر طہر شروع ہو پھر اگر چاہے تو اس کے بعد روک لے اور اگر چاہے تو طلاق دے۔ صحبت و جماعت کرنے سے پہلے۔ پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے کہو ”کہ اس سے رجوع کر لے پھر اسے چاہئے کہ طلاق ایسی حالت میں دے کہ وہ پاک ہو یا حاملہ ہو“

اور بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”یہ ایک طلاق شمار ہوگی“

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر تو نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ اس سے رجوع کر لوں۔ پھر اسے دوسرے حیض تک

حِيْضَةً أُخْرَى، ثُمَّ أَمْهَلَهَا حَتَّى تَظْهَرَ، ثُمَّ أَطْلَقَهَا قَبْلَ أَنْ أَمْسَهَا، وَأَمَّا أَنْتَ طَلَقْتَهَا ثَلَاثًا، فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ.

اپنے پاس رکھوں اور پھر اسے طہر تک مہلت دوں تب میں اسے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دوں اور اگر تو نے اسے تین طلاقیں دے ڈالیں تو تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے معاملہ میں اپنے اللہ کی نافرمانی کی۔

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: فَرَدَّهَا عَلَيَّ، وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا، وَقَالَ: إِذَا ظَهَرَتْ فَلْيُطْلَقْ، أَوْ لِيُْمْسِكَ.

اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عورت کو مجھے واپس کر دیا گیا اور اس طلاق کو کچھ بھی نہ سمجھا گیا اور فرمایا گیا کہ جب عورت ایام سے پاک ہو جائے تو (ابن عمر رضی اللہ عنہما) طلاق دے یا روک لے۔

لغوی تشریح: ﴿طلق امرأته﴾ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ جس خاتون کو طلاق دی اس کا نام آمنہ بنت غفار ہے یا آمنہ بنت عمار تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام نوار تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نام آمنہ ہو اور نوار اس کا لقب ہو۔ ﴿مرہ فلیراجعہا﴾ اسے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور ایک روایت کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجوع کو واجب قرار دیا ہے جبکہ اس نے طلاق حیض کے ایام میں دی ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ رجوع مستحب ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور یہ ناراضگی ایام حیض میں طلاق دینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ ﴿ثم ليمسكها حتى تطهر﴾ پھر اسے چاہئے کہ عورت کو روکے رکھے کہ ایام حیض سے پاک ہو جائے یعنی اس حیض سے پاک ہو جائے جس میں طلاق دی ہے۔ ﴿ثم تحيض﴾ پھر دوسرا حیض آئے اور ﴿ثم تطهر﴾ دوسرے حیض سے پاک ہو جائے۔ اس کے بعد چاہے تو اسے روک لے یعنی طہر کے بعد دوسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد۔ ﴿وان شاء طلق﴾ اگر چاہے تو جماع کرنے سے پہلے دوسرے طہر میں طلاق دے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ پہلے طہر میں نہیں دوسرے طہر میں طلاق دے گا۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ پہلے طہر میں طلاق سے حرام ہو جائے گی اور ایک گروہ کا قول ہے کہ دوسرے طہر تک مؤخر کرنا مندوب ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ﴿ثم ليطلقها طاهرا او حاملا﴾ سے استدلال کیا۔ پس اس میں اول اور ثانی کی قید کے بغیر مطلقاً حالت طہر میں طلاق کا جواز ہے۔ اس لئے کہ طلاق کی ممانعت تو حیض کی وجہ سے ہے۔ لہذا جب عورت نے طہارت جنابت حاصل کر لی تو تحریم کا سبب زائل ہو گیا تو اسی طہر میں طلاق دینا جائز ہوا۔ ﴿فذلك العدة التي امر الله ان تطلق لها النساء﴾ یہ وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ اس کیلئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اس کا ذکر ارشاد باری تعالیٰ ﴿فطلقوهن لعدتهن﴾ میں

ہے۔ عہدہ کے ایک معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد مدت، وقت ہے۔ آپ کے فرمان میں ﴿لہا﴾ فی کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ طہر جس میں مباشرت اور جماع نہ کیا گیا ہو۔ یہ وقت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس وقت میں عورتوں کو طلاق دی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدت سے معروف عدت ہی مراد ہے اور لام اس میں ابتدایہ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ عورتوں کو طلاق دو ان کی عدت کے اوقات کے آغاز و ابتداء میں۔ ﴿وحسبت علیہ تطلیقہ﴾ فعل صیغہ مجہول ہے اور حاسب سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ ایام حیض میں دی گئی طلاق واقع ہوگی۔ ممنوع قرار دی جانے کے باوجود وہ شمار کی جائے۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا آخر میں مذکور قول اس کے معارض ہے ﴿فردھا علی ولم یرھا شیئا﴾ یہ قول حیض میں طلاق کے واقع نہ ہونے پر صریح و واضح دلیل ہے۔ اسی بنا پر اس طلاق کے حکم کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع ہوگئی اور انہوں نے کہا ہے کہ ﴿لم یرھا شیئا﴾ کا قول منکر ہے کیونکہ اسے ابوالزبیر کے سوا اور کسی نے بیان نہیں کیا اور اس حکم میں دوسرے راویوں نے اس کے مخالف کہا ہے لہذا جب دوسرے راوی اس سے زیادہ ثقہ ہوں تو ابوالزبیر کا قول دلیل کیسے بنے گا۔ جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نافع رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے میں ابوالزبیر کے مقابلہ میں زیادہ بخیر ہے اور دونوں احادیث میں جو زیادہ بخیر ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور ابوداؤد کا قول ہے کہ تمام حدیثیں ابوالزبیر کے قول کے خلاف ہیں اور خطابی نے کہا ہے کہ اہل حدیث کا قول ہے کہ ابوالزبیر نے اس حدیث سے منکر حدیث اور کوئی روایت نہیں کی۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسے کوئی مستقیم چیز نہیں سمجھا جو سنت میں جائز ہو اور حکم کے اختیار کرنے میں لازمی ہو۔ اگرچہ علی سبیل کراہت اس کیلئے لازمی ہے مگر ابن حزم رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جو کوئی ان دونوں کے دلائل سے واقفیت بہم پہنچانا چاہے اسے المحلی لابن حزم اور زاد المعاد لابن القیم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

(۹۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ
الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ،
وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ
عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ
عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي
أَمْرِ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أُنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ اور دور خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں، ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسے معاملہ میں جلدی کی جس میں ان کیلئے سہولت دی گئی تھی پس چاہئے کہ ہم اس کو نافذ کر دیں۔ لہذا آپ نے اس

عَلَيْهِمْ . فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ . کو ان پر جاری کر دیا۔ (مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿انہ﴾ ڈھیل، سہولت۔ یعنی مراجعت کے انتظار کیلئے باقی ماندہ سہولت سے فائدہ اٹھانا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگوں کیلئے گنجائش تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے حالت طہر یعنی تین طہروں میں طلاق دیں مگر انہوں نے جلدی چائی اور دفعتاً و یکدم تین طلاقیں دینا شروع کر دیں۔ ﴿فلو امضیناہ علیہم﴾ اگر ہم ان کے جلدی کرنے کی بنا پر اس کو نافذ کر دیں اور لازم قرار دے دیں تو پے درپے تین طلاقیں دینے کے مقابلہ میں یہ ان کیلئے سودمند اور نفع بخش رہے گا۔ یہ روایت دلیل ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمہارائے تھی جبکہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ جمہور جس میں ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین بھی شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں، تین ہی واقع ہوں گی اور خاوند کیلئے رجوع کا موقع اب باقی نہیں رہے گا اور ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی وقت و مجلس میں اکٹھی دی گئی تین طلاقیں ایک واقع ہوں گی اور یہ عہد نبوی ﷺ میں خلافت صدیقی میں نافذ و جاری رہی ہے تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر اجتہاد کر کے لوگوں کو سزا دینے کیلئے تین کو تین ہی نافذ کر دیا۔ یہی فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، طاؤس رضی اللہ عنہ وغیرہم سے بھی منقول ہے اور اس کے مطابق بعض مالکی علماء نے اور کچھ حنفی علماء اور کچھ حنبلی اصحاب نے فتویٰ دیا ہے اور یہی مذہب صاحب مغازی محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت بھی اسی طرف گئی ہے جیسے محمد بن قتی بن مخلد اور محمد بن عبدالسلام الحنفی۔ فقہاء طلیطلہ کی ایک جماعت سے بھی یہی حکایت کیا گیا ہے اور اسی جماعت کی مدد و نصرت علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے پھر ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور صحیح بھی یہی ہے اس پر ہی یہ حدیث دلالت کرتی ہے اور عنقریب آنے والی رکائے کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے۔ اس دور میں کثیر تعداد میں اسلامی ممالک اسی پر عمل پیرا ہیں۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ مطلقہ سے اگر دخول ہو چکا ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس سے اگر دخول نہ ہوا ہو تو تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوں گی۔ یہ ایسا مسلک ہے جس کے حق میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس کی طرف نظراتفاق کی جاسکے اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں اصلاً تو واقع نہیں ہوں گی اس لئے کہ یہ بدعت ہے لہذا اس کے ساتھ حکم شرعی لٹکا ہوا نہیں ہے یہ تو تمام مذاہب سے کمزور ترین مذہب ہے اور بطور استدلال سب سے ردی اور بے کار ہے۔

(۹۱۸) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ حَضْرَتِ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا، فَقَامَ غَضْبَانًا هُوَ كَرَاثُھُ كَهْرُے ہوئے اور فرمایا ”کیا اللہ کی

عَضْبَان، ثُمَّ قَالَ: أَيْلَعَبُ بِكِتَابِ كِتَابٍ سَ كَهْلَا جَا رَهَا هَے جَبَكُه مِی اَبهی تَهَارَه
اللّٰهُ، وَآنَا بَیْنُ أَظْهَرِكُمْ؟ حَتَّى قَامَ درمیان موجود ہوں۔“ اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور
رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا عَرَضَ كَیَا رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ)! كَیَا مِی اَسَه قَتْلَ نَه كَر
أَفْتَلُهُ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَرَوَاهُ مُؤْتَفُونَ. ڈالوں؟ (نسائی اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ دفعتاً تین طلاق دینا حرام ہے۔ اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں
ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو رجوع کی اجازت دی یا نہیں؟ اس حدیث سے طلاق کے بارے میں مختلف
مذہب میں سے کسی کی تائید نہیں ہوتی۔

راوی حدیث: ﴿محمود بن لیبید رضی اللہ عنہ﴾ محمود بن لیبید بن ابی رافع انصاری اشجلی۔ رسول اللہ ﷺ
کے دور میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ صحابیؓ تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ہم اس کی صحابیت کو
نہیں جانتے تھے۔ امام مسلم نے تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کا شمار بڑے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔
۹۶ھ کو وفات پائی۔

(۹۱۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: طَلَّقَ أَبُو رُكَّانَةَ، أُمُّ رُكَّانَةَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: رَاجِعِ امْرَأَتَكَ. فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ: «قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعُهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو رکانہ
نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے
اسے حکم دیا کہ ”ام رکانہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرلو۔“
ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اسے تین طلاق دے دی
ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ”مجھے معلوم ہے، تم اس سے
رجوع کرلو۔“ (ابوداؤد)

وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ: طَلَّقَ أَبُو رُكَّانَةَ أَمْرَأَتَهُ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ثَلَاثًا، فَحَزَنَ عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «فَإِنَّهَا وَاحِدَةٌ». وَفِي سَنَدِهِمَا ابْنُ إِسْحَاقَ، وَفِيهِ مَقَالٌ.
اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو رکانہ
رضی اللہ عنہ نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں۔
پھر اس پر پشیمان ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو رکانہ
رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”وہ تینوں طلاقیں ایک ہی ہیں۔“ (ان
دونوں روایتوں میں ابن اسحق ہے جس کے متعلق کلام ہے)

وَقَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ مِنْ وَجْهِ آخَرَ، أَحْسَنَ مِنْهُ، أَنَّ أَبَا رُكَّانَةَ طَلَّقَ أَمْرَأَتَهُ سَهْمَةَ أَلْبَنَةَ، فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ.
اور ابوداؤد نے ایک دوسرے طریق سے اسے
روایت کیا ہے جو اس سے بہتر ہے وہ یہ کہ ابو رکانہ
رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی مسامہ سہیمہ کو بالکل طلاق
دے دی اور پھر کہا کہ بخدا میں نے ایک طلاق کی
نیت کی تھی تو نبی ﷺ نے ام رکانہ رضی اللہ عنہا کو واپس

لوٹا دیا۔

لغوی تشریح: ﴿ابورکانه﴾ رائج بلکہ صحیح یہ ہے کہ صاحب قصہ آدمی کا نام رکنا تھا ابورکانه نہیں اور اس کے باپ کا نام عبد یزید تھا۔ مسند احمد میں بھی ”رکانه ہے نہ کہ ابو رکانه“ البتہ ابوداؤد میں یہ قصہ ابورکانه کی طرف منسوب ہے۔ یہ وہم ہے جو مصنف کو نقل میں ہو گیا ہے۔ ﴿طلاق البتہ﴾ یہ ہے کہ طلاق دینے والا ﴿انت طالق البتہ﴾ کہے اور البتہ البت سے ماخوذ ہے جس کا معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے ہیں۔ گویا وہ اس طرح کہتا ہے کہ میں نے تجھے ایسی طلاق دی جس نے نکاح کو قطع کر دیا ہے، کاٹ کے رکھ دیا ہے، اب اس نے رجوع کا موقع نہیں چھوڑا۔ یہ لفظ بول کر طلاق دینے والا تین طلاقیں مراد لیتا ہے اور مراد دراصل ایک طلاق بائن ہوتی ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ اگر طلاق دینے والے کی نیت میں ایک ہی طلاق تھی تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور قسم لینے کا مقصد تو یہ تھا کہ اگر اس نے تین کی نیت کی ہوگی تو تین بھی واقع ہو جائیں گی۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ نیز مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی دو احادیث کے معارض بھی ہے۔ لہذا اس سے استدلال قائم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قصہ رکناہ والی حدیث کئی طرق سے منقول ہے اور مصنف نے وہ سارے طرق بیان کر دیئے ہیں جیسا کہ اوپر ان کا ذکر ہوا جنہیں ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں ہی ضعیف ہیں پہلی اس بنا پر کہ اسے ابن جریج کے واسطے سے روایت کیا گیا ہے اس نے قال اخبرنی بعض بنی رافع عن عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بنو رافع کے بعض مجہول اور نامعلوم ہیں۔ لہذا یہ حدیث ضعیف ہے اور تیسرے نمبر والی وہ ہے جس میں طلاق البتہ کا ذکر ہے اسے جریر بن حازم عن الزبیر بن سعید، عن عبد اللہ بن علی بن زید بن رکناہ عن ابیہ عن جدہ اور اسی طرح یہ نافع بن عیجر عن رکناہ ابن عبد یزید الخ کی سند سے بھی مروی ہے، اس میں زبیر بن سعید ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ ﴿لیس بشئی﴾ اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور التقریب میں ہے یہ لین الحدیث ہے اور عبد اللہ بن علی بن زید بھی ضعیف ہے۔ التقریب میں کہا ہے کہ وہ لین الحدیث اور میزان میں ہے کہ عقیلی نے کہا کہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ رہا اس کا باپ علی بن زید تو ”الخلاصہ“ میں ہے کہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور ترمذی نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ذکر کیا کہ اس میں اضطراب ہے اور نافع بن عیجر بھی ضعیف ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے الحدیث میں کہا ہے کہ نافع بن عیجر مجہول ہے۔ اس کے حالات کا قطعی علم کسی کو نہیں اور نہیں علم کہ وہ کون تھا اور کیا تھا؟ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ ۳۳ / ۱۵ پر کہا ہے علل حدیث کے ماہر علماء اور ائمہ فقہ مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہما اور ابو عبید، ابو محمد بن حزم وغیرہ نے حدیث البتہ کو قطعی ضعیف قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کے

راوی ایسے لوگ ہیں جن کی نہ عدالت معلوم ہے اور نہ ضبط۔ جب اس طریق کا یہ حال ہے تو پھر وہ ضعیف ہی ہے اس کے ضعف میں کیا شک و ریب باقی رہ گیا ہے۔ رہا دوسرا طریق جسے ابو داؤد نے بیان بھی نہیں کیا۔ صرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے تو اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ قابلِ حجت ہیں۔ ہاں محمد بن اسحق رحمہ اللہ کے متعلق ضرور کلام ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ محمد بن اسحق رحمہ اللہ میں تدلیس کے ماسوا اور کوئی قابلِ ذکر کمزوری نہیں ہے۔ اس سند میں اس نے سماع کی صراحت کر دی ہے۔ پس تدلیس کا شبہ بھی ختم ہو گیا۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے عمدہ اور صحیح ترین طریق وہی ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے لیکن ابو داؤد نے جب یہ طریق روایت نہیں کیا تو اس نے دونوں اول اور ثالث طرق کو ملا دیا اور ثالث کو اول پر ترجیح دی اور فرمایا کہ یہ ابنِ جریج کے طریق سے زیادہ صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ یہ اس کے گھر والے ہیں اور اہل خانہ کو زیادہ معلومات ہوتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے نزدیک یہ صحیح ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں ضعیف احادیث میں قابلِ ترجیح ہے اور اس میں ضعف کم ہے اور نافع بن عیمر کی روایت کا مسند احمد کی روایت سے امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے ہاں رائج ہونا امام ابو داؤد کے کلام سے ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ امام ابو داؤد نے اسے ذکر ہی نہیں کیا۔ اس ضروری وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں مصنف کی گھنگو دو وجہ سے مخدوش ہے۔ پہلی یہ کہ پہلے اور دوسرے طریق کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان دونوں احادیث کی سند میں محمد بن اسحق راوی ہے جس کے متعلق کلام کیا گیا ہے باوجودیکہ محمد بن اسحق پہلے طریق میں سرے سے موجود ہی نہیں وہ تو صرف دوسرے طریق میں ہے اور دوسری وجہ یہ کہ اس نے تیسرے طریق کو ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابو داؤد نے ایک اور طریق سے بیان کیا ہے جو اس سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہو گا کہ یہ طریق ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بلا طلاق بہتر ہے یا دوسرے طریق سے بہترین ہے۔ جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس لئے کہ ذکر کے اعتبار سے دونوں طریقوں سے زیادہ قریب ہے مگر آپ یہ معلوم کر آئے ہیں کہ صحیح اور قوی ترین طریق دوسرا ہی ہے۔ اگر مؤلف کی مراد یہ ہے کہ ابو داؤد کے نزدیک یہ ہے مگر آپ دیکھ آئے ہیں کہ ابو داؤد کے کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ احسن ہے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں یہ بھی درست نہیں۔

راوی حدیث: ﴿ابو رکانہ رضی اللہ عنہ﴾ رکانہ میں راء پر ضمہ ہے۔ یہ ابو رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف مطلبی فتح مکہ میں شامل تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی تھی۔ اور یہی کشتی ہی اس کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ مدینہ چلے آئے۔ اور امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت کے شروع میں فوت ہوئے۔ بعض کے نزدیک ۴۱ھ میں فوت ہوئے، اور ان کی بیوی سہیمہ بنت عویمر مزیہ ہے۔ ﴿محمد بن اسحاق﴾ اس کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ پورا نام محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی ہے۔ قیس بن مخزوم مدنی کے غلام تھے۔ جہاد و سیر کے امام تھے۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔

(۹۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ».

رَوَاهُ الْأَزْبَعِيُّ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ عَبْدِ عَدِيٍّ، مِنْ وَجْهِ آخَرَ ضَعِيفٍ: «الطَّلَاقُ، وَالْعِتَاقُ، وَالنِّكَاحُ».

وَلِلْحَارِثِ بْنِ أَبِي أُسَامَةَ، مِنْ حَدِيثِ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ، رَفَعَهُ: «لَا يَجُوزُ اللَّعْبُ فِي ثَلَاثٍ: الطَّلَاقِ، وَالنِّكَاحِ، وَالْعِتَاقِ، فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ وَجَبْنَ». وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

لغوی تشریح: ﴿الہزل﴾ کھیل مذاق اور ہنسی کے طور پر کچھ کہنا یا کرنا۔ جس سے حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ ﴿الجد﴾ جیم کے نیچے کمرہ۔ ہزل کی ضد یعنی سنجیدگی۔ ﴿والرجعة﴾ ”را“ کے کمرہ اور فتح کے ساتھ۔ اپنی مطلقہ بیوی سے بغیر کسی شرط وغیرہ کے رجوع کرنا۔

(۹۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ، أَوْ تَكَلَّمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿تجاوز﴾ معاف و درگزر کیا۔ ﴿ماحدثت به أنفسها﴾ جو وسوسے اور خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور گزرنے والے وسوسے قابل مؤاخذہ نہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں عورت کو طلاق دینے کا خیال آیا یا لڑکی سے نکاح کا ارادہ کرے تو محض خیالات اور ارادے سے یہ باتیں واقع نہیں ہو جاتیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زبردستی مار پیٹ کر کسی سے طلاق لے لی جائے جسے طلاق مکروہ کہتے ہیں یا اسی طرح زبردستی نکاح کرا لیا جائے تو نہ طلاق واقع ہوگی

اور نہ نکاح ہی منعقد ہوگا۔ البتہ احناف طلاق مکروہ کے قائل ہیں اور اس حدیث سے ان کے مسلک کی تردید ہے۔ اس طرح بھول اور غلطی کی طلاق بھی نہیں ہوتی۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

(۹۲۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ،
قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنْ أُمِّي
الْحَطَأَ، وَالنَّسِيَانَ، وَمَا اسْتَكْرَهُوا
عَلَيْهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه. وَالْحَاكِمُ. وَقَالَ أَبُو
حَاتِمٍ: لَا يَبُثُّ.

نفلوی تشریح: ﴿وضع﴾ ساقط کر دیا۔ ﴿استکرہوا﴾ صیغہ مجہول۔ استکراہ سے ماخوذ ہے یعنی کسی کام کے انجام دینے پر جبر و قہر کیا گیا ہو۔ یہ دونوں احادیث اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ بتلایا جائے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۹۲۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا حَرَّمَ
أَمْرًا، لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ: لَقَدْ كَانَ
لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

وَلِلسِّلْمِ: إِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ
مَرَاتَهُ، فَهُوَ: يَمِينٌ، يُكْفَرُهَا.

اور مسلم میں ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو حرام
قرار دے لیا تو وہ قسم شمار ہوگی۔ اس کا کفارہ ادا کرنا
پڑے گا۔

نغوی تشریح: ﴿لیس بشئ﴾ یعنی حرام قرار دینے سے بیوی اس پر حرام نہیں ہو جاتی اور نہ یہ تحریم طلاق ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اس تحریم کا کوئی اصل حکم نہیں کیونکہ اس پر انہوں نے قرآن سے استدلال کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (۲۱:۳۳) اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے مگر تمام اقوال میں سے عمدہ ترین قول وہی ہے جو بیان کیا گیا ہے اور اس کی تائید مسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مرد کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کو ”کچھ بھی نہیں“ سے ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ یہ رجعی طلاق ہے اور نہ بائن اور نہ ظہار ہی۔ بلکہ یہ قسم ہے جس کا کفارہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ بخاری میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرد پر قسم کا کفارہ ہوگا۔ اس مسئلہ کے بارے میں اہل علم کے تیرہ اقوال منقول ہیں۔ راجح قول یہی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو کفارہ نہیں بلکہ وہ اسے لغو قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اسے قسم قرار دیتے ہیں اور قسم کا کفارہ اس پر ضروری ہے۔

(۹۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ ابْنَةَ الْحَجُونِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَدَنَا مِنْهَا: قَالَتْ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ، فَقَالَ: «لَقَدْ عُدْتُ بِعَظِيمٍ، الْحَقِي بِأَهْلِكَ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جون کی بیٹی جب نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خلوت گاہ میں داخل کی گئی اور آپ ﷺ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا میں آپ ﷺ سے اللہ کی پناہ پکڑتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو نے بڑی عظیم الشان ذات کی پناہ طلب کی ہے۔ تو اپنے گھر والوں کے ساتھ جا مل۔“

(بخاری)

لغوی تشریح: اس حدیث کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ”الحقی باہلک“ کہہ کر اگر طلاق مراد رکھی ہو تو طلاق شمار ہوگی۔ یہی حدیث پہلے حق مر کے باب میں گزر چکی ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ آپ ﷺ نے اسے طلاق دی ہے لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ طلاق کس طرح دی ہے مگر اس حدیث میں اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے بصراحت طلاق نہیں دی بلکہ کنایہ سے طلاق دی اور کنایہ میں صراحت نہیں ہوتی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلاق کنایہ بھی ہوتی ہے ایک تو طلاق صریح ہوتی ہے کہ طلاق دینے والا صریح الفاظ میں طلاق کہے کہ میں نے طلاق دی۔ یہ طلاق واقع ہو جائے گی خواہ طلاق دینے والے کی نیت طلاق کی نہ ہو کیونکہ اس میں لفظ طلاق بالکل واضح ہے اور طلاق بالکنایہ یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایسے الفاظ کہے جن کا معنی و مفہوم طلاق بھی ہو سکتا ہے اور نہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً شوہر نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے یا اس طرح کہے کہ جا اپنے میکے چلی جا وغیرہ ایسی صورت میں اس طرح کے الفاظ کہنے والے کی نیت پر منحصر ہوگا اگر اس کا ارادہ و نیت طلاق ہوگا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر ایسے الفاظ بول کر اس کا ارادہ طلاق نہ ہوگا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی اگر مرد کی نیت طلاق کی ہوگی تو اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اس میں کسی کا اختلاف نہیں سب اس پر متفق ہیں۔

(۹۲۵) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا طَلَاقَ إِلَّا بَعْدَ نِكَاحٍ، وَلَا عَتَقَ إِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ». رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ، وَهُوَ مَعْلُومٌ، وَأُخْرِجَ ابْنُ مَاجَةَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہیں طلاق“ مگر نکاح کے بعد اور اسی طرح آزادی نہیں مگر ملکیت کے بعد۔“ (اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے اسے صحیح کہا ہے حالانکہ یہ معلوم ہے اور ابن ماجہ نے حضرت مسور بن مخزوم کے

عَنِ الْمُسَوِّ بْنِ مَخْرَمَةَ مَثَلُهُ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، واسطہ سے اسی جیسی ایک حدیث روایت کی ہے کہ جس کی لُجْنَةُ مَقْلُوبٌ أَيْضًا۔ اسناد تو اچھی ہیں لیکن وہ بھی معلول ہے۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ آدمی نے جب طلاق اور عتق کو معلق کیا مثلاً یوں کہا کہ وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے یا یوں کہے کہ ہر وہ غلام جسے میں خریدوں تو وہ آزاد ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وقوع کے بعد ان پر عمل نہ ہوگا یعنی نکاح کے بعد عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور خریداری کے بعد غلام بھی آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس کا قول لغو اور ضائع ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی بے شمار صورتیں ہیں یہ حدیث تمام اقسام پر مطلقاً مشتمل ہے۔ اسے عام رکھا جائے گا اور ایک حال سے دوسرے حال کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا اور یہ مسئلہ ان اختلافی مسائل میں سے ہے جو مشہور و معروف ہیں۔ جمہور تو کہتے ہیں مطلقاً یہ طلاق واقع نہ ہوگی اور حنفیہ کہتے ہیں بہر نوع یہ واقع ہو جائے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھول کر بیان کر دیا جانا اور ایک حال سے دوسرے حال میں فرق واضح کر دینے کی صورت میں واقع ہو جائے گی۔ پس اگر کسی عورت کا نام لیا گیا ہو یا کسی گروہ کی عورت یا قبیلہ کی نشان زدگی یا مکان و زمان کی قید ہو تو طلاق اور عتق لازم ہو جائیں گی۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر نہیں۔ پس ظاہر یہی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ طلاق مطلقاً واقع نہ ہوگی۔

(۹۲۶) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ واداسے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا نَذَرَ لَأَبْنِ آدَمَ فرمایا ”اس نذر کی کوئی حیثیت نہیں جس کا انسان فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيمَا لَا مالک نہیں اور نہ ایسے غلام کا آزاد کرنا کوئی حیثیت يَمْلِكُ، وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا رکھتا ہے جس کا انسان مالک ہی نہیں اور نہ طلاق يَمْلِكُ»۔ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، واقع ہوگی جو اس کے دینے والے کے اختیار میں نہ وَصَحَّحَهُ، وَنَقَلَ عَنْ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا وَرَدَ ہو۔“ (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ

قول نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ وارد ہے، یہ اس میں صحیح ترین ہے)

لغوی تشریح: ﴿لَا نَذَرَ لَأَبْنِ آدَمَ﴾ آدم زادہ کی نذر صحیح نہیں۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی یوں کہے کہ اس غلام کا آزاد کرنا مجھ پر لازم ہے حالانکہ جب اس نے نذر مانی تھی وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں تھا۔ اگر اس کا مالک بن بھی جائے تب بھی اسے آزاد نہیں کر سکتا۔“

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ انسان جس چیز کا مالک ہی نہیں اس میں مالکانہ اختیارات استعمال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان اختیارات کا استعمال ناقابل تسلیم ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے

کہ اجنبی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی مثلاً ایک آدمی کسی دوسری منکوحہ یا غیر منکوحہ خاتون سے کہتا ہے کہ تو مطلقہ ہے اور وہی شخص بعد ازاں کسی وقت اسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ وہ عورت مطلقہ تصور نہیں ہوگی لیکن کسی عورت کو اس طرح کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق۔ اس صورت میں علماء و فقہاء کے تین اقوال ملتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ اور چند دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ ایسی عورت مطلقہ نہیں ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بانیس صحابہ کرامؓ سے یہ قول نقل کیا ہے اور دلیل میں یہی حدیث بیان کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایسی عورت مطلقہ ہو جائے گی اور تیسرا قول امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے کہ اگر کسی خاص قبیلہ یا شہر کی عورت سے کہے یا کسی دن یا مہینے کے ساتھ مخصوص کرے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عمومی طور پر کہے تو واقع نہیں ہوگی۔ غلام کے آزاد کرنے اور نذر کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ ان اقوال میں سے اقرب الی الصواب پہلا قول ہی ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

(۹۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رَفَعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبَرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَفْقِلَ، أَوْ يَفِيقَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ إِلَّا التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والا جب تک بیدار نہ ہو، بچہ جب تک بالغ نہ ہو، دیوانہ جب تک صحیح العقل نہ ہو۔“ (بروایت امام احمد اور ابوداؤد، ابن ماجہ و نسائی۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿اوبفیق﴾ الماقہ سے ماخوذ ہے۔ مرض جنون سے افاقہ اور صحت یابی ہو جائے۔ پس صورت کہ اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ان حضرات کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

۸ - باب الرجعة (طلاق سے رجوع کرنے کا بیان)

۸ - باب الرجعة

(۹۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطْلَقُ. ثُمَّ يُرَاجِعُ، وَلَا يُشْهَدُ، فَقَالَ: أَشْهَدُ عَلَى طَلَاقِهَا، وَعَلَى رَجْعَتِهَا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ هَكَذَا مُوَفَّقًا، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ وَأَخْرَجَهُ التِّهْمِيُّ بَلْفُظٍ: (أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سُئِلَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو طلاق دیتا ہے پھر رجوع کر لیتا ہے اور اس پر گواہ نہیں بناتا۔ آپؓ نے فرمایا ”کہ عورت کو طلاق دیتے اور اس سے رجوع کرتے وقت گواہ مقرر کر۔“ (اسے ابوداؤد نے اسی طرح موقوف روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے امام بیہقی نے اس روایت کو ان الفاظ سے

نے راز رکھنے کی ہدایت فرمائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپؐ کو متنبہ فرمایا اور نان و نفقہ کے مطالبہ و تقاضا کیلئے سب بیویاں متفق ہو گئیں اور آپؐ سے اس کا مطالبہ کیا بلکہ اظہار ناراضی سے صبح سے شام تک آپؐ سے بات چیت منقطع کر لیتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بعض ازواج کو اپنے ساتھ ملایا اسی کے نتیجہ میں تحریم شد کا واقعہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔ ﴿ان تصوبا الی اللہ﴾ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرتی ہو مزید یہ کہ ان ہی ایام میں آپؐ گھوڑے سے نیچے گر گئے اور آپؐ کے دائیں پہلو میں خراشیں اور چوٹیں آئیں۔ جب یہ تمام اسباب جمع ہو گئے اور آپؐ ان کی طرف سے کبیدہ خاطر ہو گئے تو آپؐ نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ اپنے بالاخانہ میں الگ ہو کر بیٹھ گئے مگر جب انیس دن پورے ہوئے تو آیت نخبیر نازل ہوئی۔ آپؐ نیچے ازواج مطہرات کی طرف تشریف لے آئے اور سب کو ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دے دیا۔ مگر سب ازواج مطہرات نے آپؐ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ یہ اختیار دیا جانا کسی قسم کی طلاق شمار نہیں کیا گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ایلاء چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کا نہیں تھا تو ایسے ایلاء کو شرعی ایلاء نہیں کہا گیا اور اس پر کفارہ بھی واجب نہیں کیا۔ ﴿وجعل الحلال حراما﴾ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیوی زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش فرماتے تھے اور کافی دیر اس کے ہاں ٹھہرتے۔ پس میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس آپؐ تشریف لائیں تو ہمیں آپؐ سے کہنا چاہئے کہ کیا آپؐ نے مغافیر کھلیا ہے؟ میں آپؐ سے مغافیر کی بساند (بو) محسوس کر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ”نہیں میں نے مغافیر نہیں کھلیا میں نے تو زینب کے ہاں شہد پیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں آئندہ اس کا اعادہ نہیں کروں گا اور میں نے قسم کھالی ہے۔ کسی کو اس کی خبر نہ دینا۔ (بخاری) اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا اشارہ اس آیت میں کیا ہے۔ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (۶۶:۲) پس اللہ تعالیٰ نے اس تحریم کو قسم قرار دے دیا اور اس میں کفارہ کی ادائیگی فرض کر دی۔

(۹۳۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَقَفَ الْمُؤَلَّى، حَتَّى يُطَلَّقَ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلَّقَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو ایلاء کرنے والے کو حاکم وقت کے پاس لا کھڑا کیا جائے اور اس وقت تک اسے چھوڑا نہ جائے جب تک وہ عدالت کے روبرو طلاق نہ دے اور طلاق دینے بغیر اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

(بخاری)

لغوی تشریح: ﴿وقف المولی﴾ مینہ، مجہول۔ اس سے مطالبہ و تقاضا کیا جائے گا کہ یا تو وہ بیوی سے تعلق زن و شو استوار کر لے یا پھر طلاق دے۔

میں اتنا اضافہ ہے کہ ”کفارہ ادا کر اور پھر اس کا اعادہ نہ کر۔“

لعنوی تشریح: ﴿ قبل ان اکفر ﴾ تکفیر سے ماخوذ ہے یعنی ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے۔ ﴿ فلا تقربھا ﴾ اس سے جماع نہ کر۔ ﴿ کفر ولا تعد ﴾ تکفیر سے کفر امر کا صیغہ ہے مطلب ہے کہ کفارہ ادا کر اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے مباشرت نہ کر۔ اکثر اہل علم اس حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایک ہی کفارہ ادا کرنا ہوگا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ایسی صورت میں دو کفارے ہیں۔ یہ قول اس حدیث کے برعکس ہے۔

(۹۳۵) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرِ حَضْرَتِ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانَ، فَخِشْتُ أَنْ أُصِيبَ أَمْرَأَتِي، كَمَا فِي ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ، فَأَنْكَشَفْتُ لِي سِتْرًا مِنْهَا لَيْلَةً، فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «حَرِّزْ رَقَبَةً». فَقُلْتُ: مَا أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِي. قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»، قُلْتُ: «وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِي أَصَبْتُ إِلَّا مِنْ غَرَمٍ؟» قَالَ: «أَطْعِمْ عَرَقًا مِنْ تَمْرٍ سِتَيْنِ مَسْكِينًا». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْنَؤَةُ إِلَّا رُؤُوسَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ.

حضرت سلمہ بن صخرؓ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک شروع ہوا۔ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ میں اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھوں گا۔ اس فظا ہرٹ منہا، فأنكشفت لي سترًا منها ليلة، فوقعْتُ عليها فقال لي رسولُ الله ﷺ: «حرِّزْ رَقَبَةً». فقلتُ: ما أملكُ إلا رَقَبَتِي. قال: «فصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»، قلتُ: «وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِي أَصَبْتُ إِلَّا مِنْ غَرَمٍ؟» قال: «أَطْعِمْ عَرَقًا مِنْ تَمْرٍ سِتَيْنِ مَسْكِينًا». میں نے عرض کیا میں تو اپنی گردن کے سوا دوسری کسی گردن کا مالک نہیں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ”تو پھر پے درپے دو ماہ کے روزے رکھ۔“ میں نے عرض کیا اس مصیبت میں روزے ہی کی وجہ سے تو مبتلا ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ”اچھا تو پھر کھجوروں کا ایک ٹوکرا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔“ (اسے احمد اور چاروں نے ماسوا نسائی کے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿ حرر رقبة ﴾ تحریر سے امر کا صیغہ ہے۔ غلام آزاد کر۔ خواہ غلام ہو یا لونڈی۔ ﴿ اطعم عرقا من تمر ﴾ عرق عین اور را دونوں پر فتح اور ”را“ کا سکون بھی جائز ہے۔ بڑا ٹوکرا جس میں پندرہ صاع اناج کے آنے کی گنجائش ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کیلئے ایک مد ہونا چاہئے اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ ظہار کا کفارہ بالترتیب ہے۔ اس کفارہ سے دوسرے کی جانب عدول جائز نہیں

تاوقتیکہ پہلا کفارہ ادا نہ کر سکتا ہو۔

راوی حدیث: ﴿سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ﴾ سلمہ بن صخر بن سلیمان بن صمد بیاضی۔ بیاضی میں ”با“ پر فتح بنی بیاضہ کی جانب منسوب ہے جو خزرج قبیلہ کی شاخ تھی۔ یہ صاحب ان صحابہ کرامؓ میں سے تھے جو بہت روئے والے تھے۔

لعان کا بیان

۱۰۔ بَابُ اللَّعَانِ۔

(۹۳۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ فَلَانٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ أَنْ لَوْ وَجَدَ أَحَدُنَا امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرِ عَظِيمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ. فَلَمْ يُجِبْهُ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنَا، فَقَالَ: «إِنَّ الَّذِي سَأَلْتِكَ عَنْهُ قَدْ ابْتُلِيتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ الْآيَاتِ فِي سُورَةِ النُّورِ، فَتَلَاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَّظَهُ، وَذَكَرَهُ، وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ»، قَالَ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَّظَهَا كَذَلِكَ، قَالَتْ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، إِنَّهُ لَكَاذِبٌ، فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ، فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ، ثُمَّ ثَنَى بِالْمَرْأَةِ، ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فلاں صاحب نے سوال کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! بتائیے اگر ہم میں سے کوئی اپنی اہلیہ کو فاحشہ فعل میں مبتلا پائے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ اسے دوسروں سے بیان کرتا ہے تو یہ نہایت قبیح فعل ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو یہ بھی نہایت مشکل کام ہے۔ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر بعد میں جب وہ آیا تو اس نے کہا کہ تحقیق جو کچھ میں نے آپؐ سے پوچھا ہے، میں خود ہی اس میں مبتلا ہوا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیات نازل فرمائیں۔ آپؐ نے وہ آیات اس کے سامنے پڑھیں اور اسے نصیحت فرمائی اور اللہ کی سزا یاد کرائی اور فرمایا کہ ”دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ وہ بولا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے اس پر جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو بلوایا اور اسے بھی اسی طرح نصیحت فرمائی۔ وہ بھی بولی نہیں اس خدا کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے یقیناً وہ مرد جھوٹا ہے۔ پھر آپؐ نے اس مرد سے آغاز فرمایا۔ اس مرد نے چار قسمیں کھائیں پھر آپؐ نے عورت سے بھی

قسمیں لیں اور دونوں کے درمیان تفریق فرما دی۔
(مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿باب اللعان﴾ لام کے کسرہ کے ساتھ لاعن، یلاعن، ملاعنہ سے مصدر ہے۔ لعان کی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور بیوی اس سے انکار کرتی ہے شوہر کے پاس نہ تو گواہ ہوتے ہیں اور نہ کوئی ثبوت۔ پس اب شوہر چار مرتبہ اپنی بیوی کے خلاف اللہ کی قسم اٹھا کر شہادت دیتا ہے کہ اس نے جو الزام لگایا ہے اس میں وہ بالکل سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور عورت کے لئے یہ صورت کہ وہ مرد کی شہادتوں کی تردید کرے اپنی طرف سے شہادتیں دے کر یعنی وہ بھی چار مرتبہ اللہ کے نام کی قسم کھا کر شہادت دے کہ وہ یقیناً جھوٹا آدمی ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ مجھ پر الزام لگانے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے پس اگر عورت نے یہ شہادتیں دے دیں تو اس پر زنا ثابت نہیں ہو گا اور اس کے شوہر پر حد قذف نہیں ہو گی اور ان کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی واقع ہو جائے گی اور اگر عورت ان قسموں سے انکار کرے تو مرد کو سچا قرار دے کر عورت پر حد رجم جاری کی جائے گی اور اس کا نام لعان اس لئے رکھا گیا ہے کہ میاں بیوی دونوں اپنے آپ پر لعنت کرتے ہیں۔ خواہ دوسرا سچا ہی ہو لفظ غضب عورت کی جانب سے اختیار کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل لعنت کو مستلزم ہے۔ پس عورت کی طرف جو گناہ منسوب ہے۔ وہ زنا ہے اس دوران مرد کا گناہ قذف (تہمت زنا) ہے۔ ﴿سال فلان﴾ اکثر روایات میں اس کی صراحت ہے کہ فلاں سے مراد عویمر عجلانی ہے اور سیاق کلام بھی اس کا مقتضی ہے کہ یہ آیات اسی کے حق میں نازل ہوئی ہیں لیکن بہت سی روایات میں ہے کہ یہ آیات ہلال بن امیہ ضمری کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لعان کیا۔ پس ﴿انزل فیکن﴾ کے قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ ایسے مسئلہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا تیرا مسئلہ ہے۔ ﴿واخبرہ ان عذاب الدنیا﴾ عذاب دنیا سے مراد حد قذف ہے۔ جس میں اسی کوڑے سزا ہے۔ ﴿اھون﴾ آسان و سھل ترین ﴿ثم نسی بالمرأۃ﴾ تشبیہ سے ماخوذ و مشتق ہے۔ ایک فعل و کام کے بعد دوبارہ اسی کو کرنا۔ یعنی پہلے مرد نے قسمیں کھائیں پھر عورت نے اس کے بعد ﴿ثم فرق بینھما﴾ پھر دونوں میں تفریق کرا دی۔ بہت سے علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق حاکم وقت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس جمہور علماء اسلام مثلاً امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ اور ان کے ہم خیال علماء و متبعین نے کہا ہے کہ فقط لعان سے تفریق واقع ہو جائے گی اور فرق بینھما کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس تفریق کو نمایاں اور ظاہر فرمایا اور حکم شرع بیان فرمایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نئے سرے سے فرقت و جدائی ڈالی۔ دلیل کے اعتبار سے جمہور کا قول ہی بہتر ہے۔

(۹۳۷) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ

عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنِينَ: «حَسَابُكُمَا عَلَى اللَّهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا لِي؟ «إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا، فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا، فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ہے تو مال تجھ سے اور بھی دور ہو گیا۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿لا سبیل لک علیہا﴾ یعنی اب تیرے لئے اس کے ساتھ ہونا حلال ہی نہیں بلکہ وہ تو تیرے لئے ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی ہے۔ اس سے جسور نے استدلال کیا ہے کہ صرف لعان ہی فی نفسہ فرقت کا باعث ہے۔ تفریق کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ﴿مالی﴾ میرا مال سے مراد وہ مال ہے جو مر میں دیا تھا۔

(۹۳۸) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَبْصُرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَبْيَضُ، سَبْطًا، فَهُوَ لَزُوجِهَا، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلُ، جَعْدًا، فَهُوَ لِلَّذِي رَمَاهَا بِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ہوگا جس کے متعلق شوہر نے اس پر تہمت لگائی۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿فان جاءت به﴾ بہ میں ضمیر مجبور اس بچہ کی جانب راجع ہے جو لعان کے موقع پر عورت کے رحم میں پرورش پا رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر اس عورت نے بچے کو جنم دیا تو اس پر نظر رکھنا۔ ﴿ابيض سبطا﴾ سفید رنگ والا۔ ﴿سبطا﴾ سین پر فتح اور ”با“ کے نیچے کسرہ اور ساکن بھی جائز ہے۔ ایسا آدمی جس کے بال سیدھے ہوں خمدار یا گھٹکھریالے نہ ہوں۔ ﴿فہولزوجہا﴾ کیونکہ اس کا خاوند اسی وصف والا تھا۔ ﴿اکحل﴾ سرگیں چشم۔ ایسا شخص جس کی آنکھیں سرمہ لگائے بغیر ہی سرگیں نظر آئیں۔ ﴿جعدا﴾ جیم پر فتح عین ساکن۔ ایسا شخص جس کی بال گھٹکھریالے ہوں۔ ﴿فہو

للہٰی دماہبہ ﴿ پھر یہ بچہ اس مرد کا ہے شوہر نے عورت پر جس کی تمت لگائی ہے اور متم کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھر وہ بچہ زانی کا ہوگا۔ کیونکہ زانی مرد سرگیں آنکھوں والا، گھنگھریالے بالوں والا، پتی پنڈلیوں والا تھا جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ اس عورت نے ایسی مکروہ اوصاف والا بچہ ہی جنا تھا۔ اس سے یہ دلیل معلوم ہوئی کہ قیافہ قابل اعتبار و لحاظ ہے جبکہ کوئی مانع اس پر عمل کرنے میں رکاوٹ کا باعث نہ ہو اور لعان تو موانع سے زبردست مانع ہے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے ”اگر وہ چیز نہ ہوتی جو کتاب اللہ میں گزری ہے تو اس کی خوب خبر لیتا۔“

(۹۳۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
ﷺ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ
الْحَامِسَةِ عَلَى فِيهِ، وَقَالَ: «إِنَّهَا
مُوجِبَةٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ، وَرَجَّاهُ
يُفَات.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ”وہ پانچویں
قسم کے وقت قسم کھانے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ
دے“ اور آپؐ نے فرمایا ”یہ پانچویں قسم ہلاکت و
بربادی کی موجب ہے۔“ (ابوداؤد و نسائی اس کے راوی
ثقتہ ہیں)

لغوی تشریح: ﴿عند الخامسة﴾ یعنی پانچویں شہادت کے وقت۔ ﴿انہا موجبة﴾ جدائی اور عذاب الہی کو واجب کر دینے والی ہے۔ اگر اس نے جھوٹ بولا اور جھوٹا بیان دیا۔

(۹۴۰) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الْمُتَلَاعِنِينَ - قَالَ: فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاُعِنِهِمَا، قَالَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. مَقْنَعٌ عَلَيْهِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے لعان کرنے والوں کے قصہ میں مروی ہے کہ جب دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو مرد بولا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اور اگر میں اب اسے روک لوں گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے پھر اس نے اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ اسے حکم ارشاد فرماتے، تین طلاقیں دے دیں۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس مرد نے اپنی لعان شدہ بیوی کو تین طلاقیں اس لئے دیں کہ اسے علم نہیں تھا کہ لعان بذات خود ہمیشہ کی جدائی کا موجب ہے۔ پس اس نے بیوی کو بذریعہ طلاق ہی حرام کرنا چاہا۔ لہذا طلاق لغو ہوئی۔ کیونکہ طلاق اپنے مقام پر واقع ہی نہیں ہوئی۔ اگر ہم کہیں کہ جدائی صرف لعان سے ہو جاتی ہے تو یہ ظاہر بات ہے اور اگر کہیں کہ تفریق حاکم و عدالت کے ذریعہ واقع ہوتی ہے تو پھر یہ معلوم شدہ ہے کہ لعان کے بعد نکاح کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں اور نہ اس کے ہمیشہ رہنے کی کوئی سبیل بلکہ لعان نکاح کے تعلق کو منقطع کر دیتا ہے اور عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے، اس لئے تین طلاقیں

مقصد لعان کو مؤکد کرنے کیلئے ہیں۔ اس قسم کے نکاح میں طلاق کا نافذ ہونا لازم نہیں کرتا کہ اس کا نفوذ اس نکاح میں بھی ہو جس نکاح کا قائم رکھنا ہمیشہ کیلئے ہو۔ لہذا اس شخص کا استدلال باطل ہوا جس نے اس حدیث سے طلاق ثلاثہ کے جواز پر اور ان کے یکبارگی وقوع پر استدلال کیا ہے اور جب یہ طلاق غیرت و حمیت کی بنا پر دی گئی اور ایسے مقام پر اس کا اظہار مطلوب بھی ہے اور قابل ستائش و تعریف بھی ہے اس لئے دراصل نبی ﷺ نے مجرد یہ خبر دے کر یہ طلاق لغو ہے اس ارشاد سے مدد لی کہ لا سبیل لکء علیہا یعنی اب تجھے اس عورت پر کوئی اختیار نہیں تیری طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ لغو ہو جائے گی۔ آپ اس پر ناراض و غضبناک نہیں ہوئے جس طرح اس شخص پر ہوئے تھے جس کا قصہ محمود بن لبید نے بیان کیا ہے جو کہ طلاق کے باب میں بیان ہوا ہے۔

(۹۴۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ تَقُولُ: إِنَّ امْرَأَتِي لَا تَرُدُّ بَدَ لَامِسٍ، قَالَ: «عَرَبْنَهَا»، قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَتَّبَعَهَا نَفْسِي، قَالَ: «فَاسْتَمْنِعْ بِهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، يُلْقِظُ: «قَالَ: «طَلَّقَهَا» رَوَى ثَقَفُ (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ)! میری بیوی کسی کا ہاتھ نہیں جھکتی۔ آپ نے فرمایا ”اسے دور کر دو۔“ مجھے اندیشہ اور خوف ہے کہ میرا نفس اس کے پیچھے لگے گا۔ تو فرمایا ”اس سے فائدہ اٹھاتا رہ۔“ (اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سنائی نے دوسرے طریق سے اسے روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں کہ ”اسے طلاق دے دو۔“ وہ مرد بولا میں تو اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا ”پھر اسے روکے رکھو۔“

لغوی تشریح: ﴿لَا تَرُدُّ بَدَ لَامِسٍ﴾ اس کا ایک معنی تو یہ کیا گیا کہ یہ زنا سے کنایہ ہے اور دوسرا یہ معنی کیا گیا ہے کہ تہذیر مراد ہے اور یہ دوسرا معنی تو انتہائی بعید قول ہے۔ مؤلف موصوف نے تلخیص میں کہا ہے بظاہر لا ترد بد لامس کا یہ معنی ہے کہ وہ جو اس سے جھپٹ چھاڑ سے تلذذ حاصل کرنا چاہتا وہ خاتون کسی کا ہاتھ نہیں روکتی تھی۔ اگر اس سے جماع مراد لیا جائے تو اسے قاذف شمار کیا جائے گا یا پھر اس خاتون کے شوہر نے اس کے حال سے یہ سمجھ لیا کہ جو اس سے زنا کا ارادہ رکھتا ہو یہ اسے منع نہیں کرتی۔ یوں نہیں کہ کوئی اجنبی مرد اس سے جرم کا مرتکب ہو جاتا تھا۔ ﴿غریبہا﴾ تغریب سے امر کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اسے اپنے سے دور کر دے اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اسے طلاق دے کر فارغ کر دے۔ ﴿اخاف ان تتبعها نفسی﴾ مجھے خوف ہے کہ میرا نفس اس کا اشتیاق رکھے گا اور میں صبر نہ

بس اتنی مقدار کے مساوی۔

حاصل کلام: اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی لمحہ بھر کیلئے کسی بچے کو اپنا بچہ تسلیم کر لے اور اقرار کر لے کہ یہ بچہ واقعتاً اسی کا ہے تو پھر وہ واقعتاً ساری عمر کے لئے اسی کا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معمم بن قتادہ صحابی بعض شبہات کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار کرنا چاہتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے انکار نہیں کرنے دیا تھا۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

(۹۴۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أَمْرَاتَيْنِ وَلَدَتَا غُلَامًا أَسْوَدَ، قَالَ: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلَوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقٍ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَأَنَّى ذَلِكَ؟» قَالَ: لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ، قَالَ: «فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ». مَنَّانٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: «وَهُوَ يُعَرِّضُ بِأَنْ يَنْفِيَهُ» وَقَالَ فِي آخِرِهِ: «وَلَمْ يُرْخَصْ لَهُ فِي الْإِنْفَاءِ مِنْهُ». اور اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپ نے اسے نفی کی رخصت و اجازت نہ دی۔

نعمی تشریح: ﴿حمر﴾ ”حما“ پر ضمہ اور میم ساکن۔ احمر کی جمع۔ اس کے معنی سرخ۔ ﴿اورق﴾ جس میں سیاہی مائل سفیدی ہو یا جس میں سیاہی تو ہو مگر سخت سیاہی نہ ہو اس طرح کہ مائل بہ خاکستر ہو۔ ﴿لعلہ نزعہ﴾ ممکن ہے اس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ ﴿عرق﴾ عین کے نیچے کسرہ اور را ساکن۔ اصل کے معنی میں۔ یعنی یہ اپنے اصلی رنگ پر پیدا ہوا ہے یعنی اس کی دور کی جڑ اور اصل کا رنگ یہی تھا۔ ﴿يعرض بان ينفيه﴾ تعريض سے ماخوذ ہے یعنی وہ بچہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ یہ اس کا بچہ نہیں ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ایک مغالطہ کی تصحیح کی گئی ہے کہ کالے رنگ نے صحابی کو مغالطہ اور اشتباہ میں مبتلا کر دیا کہ ہم میاں بیوی تو سیاہ رنگ نہیں پھر یہ بچہ اس رنگ کا کہاں سے پیدا ہو گیا۔ رسول اللہ

ﷺ کے پاس جب اس نے عندیہ اور مانی الضمیر ظاہر کیا تو آپؐ نے اسے ڈانٹ پلائی اور نہ اس کی بیوی کی صریح الفاظ میں صفائی پیش فرمائی۔ بلکہ عربوں کی ذہنی سطح پر اتر کر آپؐ نے سمجھانے کی کوشش فرمائی اور کامیاب رہے کہ سفید رنگ کے زوجین کے ہاں سیاہ رنگ بچے کی پیدائش بچے کی ماں کی بدکاری و بدچلتی پر دلالت نہیں کرتی، یہ خاندانی اثرات ہوتے ہیں جو کبھی بہت دور نسل میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس سے بچے کے نسب پر درحقیقت کوئی عیب اور نقص واقع نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسائل کو جواب حکمت سے دینا چاہئے اور اس کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر دینا چاہئے۔ فلسفیانہ جواب کی بجائے عام روزمرہ کی مثالوں سے دینا تفہیم مدعا کیلئے زیادہ مفید اور کارگر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اسے صاحب علم سے دریافت کر لینا بہت بڑے فتنے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

۱۱ - بَابُ الْعِدَّةِ وَالْإِحْدَادِ وَالِاسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

حضرت مسور بن مخرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ سبیحہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اسے نکاح کی اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے) اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس روز بعد بچے کو جنم دیا۔

اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں کہ زہری نے کہا میں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ حالت نفاس میں ہی نکاح کر لے مگر اس کا شوہر اس کے قریب اس وقت تک نہ جائے جب تک کہ وہ نفاس سے غسل کر کے پاک و صاف نہ ہو جائے۔

لغوی تشریح: ﴿بَابُ الْعِدَّةِ﴾ عِدَّة کے عین کے نیچے کسرہ اور دال پر تشدید ہے۔ یہ عدت اس مدت انتظار کو کہتے ہیں جو عورت اپنے شوہر کی جدائی کے بعد طلاق کی وجہ سے یا فسخ نکاح یا خاوند کی وفات کی وجہ سے گزارتی ہے اور سوگ منانے کا نام ہے اور احداد مصدر ہے ”احدت المرأة علی زوجها تجدد فہی محددة“ یعنی عورت اپنے شوہر کا سوگ مانتی ہے وہ سوگ منانے والی ہوتی ہے جب وہ خاوند کی

وفات کی وجہ سے غمزہ اور غمگین ہوتی ہے اور حزن و ملال والا لباس پہنتی ہے اور جسمانی، بدنی زیب و زینت اور آرائش ترک کر دیتی ہے۔ یہ حدت تحد فہی حادۃ سے بھی ماخوذ ہے۔ حد کے معنی دراصل تو منع کرنے اور روکنے کے ہیں اور جامع معنی یہ ہیں کہ جس خاتون کا شوہر وفات پا جائے وہ اپنے آپ کو زیب و آرائش سے روک لیتی ہے اور خوشبوؤں کا استعمال ترک کر دیتی ہے۔ ﴿نفسۃ صیغۃ مجہول۔ یعنی اس نے وضع حمل کیا اور نفاس والی بن گئی۔﴾ وہی فی دمہا ﴿دمہا سے مراد ہے کہ وہ ہنوز نفاس کی حالت میں تھی۔﴾ لایقربہا زوجہا ﴿اس کا شوہر اس کے قریب بھی نہ پھٹکے سے مراد ہے کہ اس حالت میں اس سے لطف اندوز نہ ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے لمبی اور طویل ہو یا مختصر اور تھوڑی۔ عام اہل علم کی یہی رائے ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے حاملہ کی عدت کی مدت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو، ثابت ہو رہی ہے کہ وضع حمل ہے۔ اس حدیث میں جس خاتون کا ذکر ہے وہ سبیعہ رضی اللہ عنہا نامی مشہور صحابیہ ہیں۔ اس کا پہلا شوہر سعد ابن خولہ رضی اللہ عنہ حجة الوداع سے چند روز بعد مکہ مکرمہ میں وفات پا گیا تھا سبیعہ رضی اللہ عنہا نے سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے چالیس یا پچاس روز بعد یا اس سے بھی پہلے بچہ کو جنم دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے خواہ وہ مدت چار ماہ دس دن سے کم ہو یا زیادہ۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اس آیت میں جس طرح حاملہ مطلقہ کی مدت عدت بیان ہوئی ہے اسی طرح بیوہ حاملہ عورت کی مدت بھی بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے جسے امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور ضیاء نے المختارہ میں بیان کیا ہے۔

راوی حدیث: ﴿سبیعہ رضی اللہ عنہا﴾ (تفسیر کے ساتھ) بنت حارث اسلمیہ۔ بنو اسلم کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے اسلمیہ کہلاتی ہیں۔ مشہور و معروف صحابیہ ہیں۔ ابن سعد کے بقول یہ مہاجرات میں سے ہیں۔ یہ خاتون سعد بن خولہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ حجة الوداع کے موقع پر مکہ میں اس کا چچا وفات پا گیا پھر اس نے اپنی قوم کے ایک نوجوان سے نکاح کر لیا۔ جس کا نام ابوالسائب تھا۔

﴿الزہری﴾ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب القرشی الزہری۔ بہت بڑے عالم و فاضل۔ حجاز و شام دونوں کے مشترک عالم تھے۔ چوتھے طبقہ کے سرکردہ علماء کرام میں سے تھے۔ ان کی جلالت شان اور اتقان پر سب متفق ہیں۔ لیث کا قول ہے میں نے ابن شہاب ایسا جامع الصفات عالم کبھی نہیں دیکھا اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابن شہاب بہت سخی انسان تھے۔ انسانوں میں ان کی نظیر و مثال نہیں ملتی۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔

(۹۴۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: أُمِرْتُ بِرَبْرَةٍ أَنْ دِيَاغِيَا كَهْ وَتَيْنِ حَيْضِ عَدَّتْ غَزَارَے۔ (اسے ابن ماجہ

طَهْرَتْ، نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ». مگر جب ایام حیض سے پاک ہو تو تھوڑی سی عود مُتَقَنَّ عَلَیْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ، وَلَا يَبْنِي دَاوُدُ وَالنَّسَائِيُّ مِنَ الزَّيَادَةِ: «وَلَا تَخْضَبُ». وَلِلنَّسَائِيِّ: «وَلَا تَمْتَشِطُ»۔
 ہندی (ایک خوشبو دار لکڑی) یا اظفار (مشک) استعمال کر سکتی ہے۔“ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور ابو داؤد اور نسائی میں اتنا اضافہ ہے کہ ہندی و خضاب نہ لگائے اور نسائی میں ہے کنگھی بھی نہ کرے۔

لغوی تشریح: ﴿ثوب عصب﴾ فتح اور سکون کے ساتھ۔ یہ ترکیب اضافی ہے۔ یعنی یمنی چادریں۔ جن کا سوت بننے سے پہلے ہی اکٹھا جمع کر دیا جاتا ہے اور کئی جگہوں میں مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے تو اس طرح بعض مقام سے سفید ہوتا ہے اور بعض جگہ سے رنگ دار۔ پھر ان چادروں کو ان دھواگوں کے ساتھ بنا جاتا ہے تو یہ دھاری دار تیار ہو جاتا ہے۔ ﴿نُبْذَةً﴾ نون پر ضمہ اور ”با“ ساکن۔ کسی چیز کا ٹکڑا، یہ معمولی چیز کیلئے بولا جانے لگا۔ ﴿قُسْطٍ﴾ قاف پر ضمہ اور سین ساکن۔ خوشبو دار لکڑی جس سے دھونی دی جاتی ہے۔ ہندوستان سے عرب میں لے جائی جاتی ہے۔ ﴿اظفار﴾ حمزہ پر فتح۔ خوشبو کی ایک قسم۔ اس کا واحد نہیں آتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا واحد ظفر آتا ہے۔ وہ عطر کی کالی رنگ کی چیز اس کا ٹکڑا ناخن کے مشابہ ہوتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس خوشبو کی رخصت ایام حیض سے غسل کرنے والی کیلئے ہے تاکہ مکروہ بو کا ازالہ کیا جاسکے۔ اس کا استعمال خوشبو کیلئے نہیں۔

(۹۴۹) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: جَعَلْتُ عَلَى عَيْنَيْ صَبْرًا، بَعْدَ أَنْ تُوفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ، فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ، وَانْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ، وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطَّبِيبِ، وَلَا بِالْحِنَاءِ فَإِنَّهُ خَضَابٌ»، قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ؟ قَالَ: «بِالسَّدْرِ». (اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)

لغوی تشریح: ﴿صبرا﴾ صاد کے فتح اور با کے نیچے کسرہ اور کبھی ساکن بھی ہوتی ہے۔ ایک درخت کا

سوت ہے جو انتہائی کڑوا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی کڑواہٹ زہر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ بطور دوا دونوں آنکھوں کے اطراف پر اس کا لپ کیا جاتا ہے۔ اگر آنکھوں کے اندر لگایا جائے تو نظر ضائع ہو جاتی ہے۔ ﴿انہ یسب الوجه﴾ یشب باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے۔ رنگت کو نکھارتا ہے، صاف کرتا ہے، رنگ میں اضافہ کرتا ہے۔ چہرے پر رونق، جمال و خوبصورتی اس طرح نمایاں کر دیتا ہے جس طرح نوجوان کا چہرہ خور و مزین ہوتا ہے اور سوگ کے ایام گزارنے والی عورت کیلئے یہ چیزیں مستحسن نہیں اور نہ اسے زیب ہی دیتی ہیں۔

(۹۵۰) وَعَنْهَا أَنْ أَمْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ ابْنَتِي مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدْ اشْتَكَتْ عَيْنَهَا، أَفَنُكْحِلُهَا؟ قَالَ: لَا. مَنَّكَ عَلَيْهِ. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میری بیٹی کا شوہر وفات پا گیا ہے اور بیٹی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئی ہے کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا سکتی ہوں؟ فرمایا ”نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿وقد شكت عينها﴾ عینہا پر فاعل ہونے کی بنا پر رفع ہے اور نصب اس کے مفعول ہونے کی وجہ سے۔ دوسری صورت میں فاعل کی ضمیر بنت (بیٹی) کی جانب راجع ہے۔ ﴿افنكحلها﴾ باب نصر اور فتح دونوں سے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ سوگ منانے والی عورت کیلئے سرمہ کا استعمال حرام ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے کہا رات کے وقت لگا لو اور دن کے وقت اسے دھو ڈالو۔ جیسا کہ مؤطا وغیرہ میں ہے اور ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ پس تو رات کو سرمہ لگالے اور دن میں اسے دھو ڈال۔ اس سے معلوم ہوا کہ رات میں سرمہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ تاہم اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ سرمہ کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ یہ خوبصورتی کا موجب ہے لہذا اگر سرمہ سفید ہو جس میں زینت بھی نہ ہو تو اس کا دن کے اوقات میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۹۵۱) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجِدَ نَخْلَهَا، فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتْ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «بَلْ جُدِّي نَخْلِكَ، فَإِنَّكَ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی اور اس نے دوران عدت اپنی کھجور کا پھل اتارنے کے ارادہ سے باہر جانا چاہا تو ایک آدمی نے ان کو ڈانٹا۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا ”ہاں تم اپنے درختوں کا پھل توڑ سکتی ہو۔ عین ممکن ہے کہ تم صدقہ کرو یا اس ذریعہ سے کوئی دوسرا عمل خیر تمہارے ہاتھ سے

انجام پا جائے۔“ (مسلم)

نفوی تشریح: ﴿ان تجد نخلها﴾ یہ کہ تم اپنے پھل توڑ لو۔ تجد کا فعل جیم اور دال کے ساتھ باب نصر بنصر سے ہے اور اس امر کا میثاق و مخاطب جدی آتا ہے۔ جدی کے جیم پر ضمہ اور دال پر تشدید۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو عورت ایام عدت میں ہو وہ ضرورت کیلئے گھر سے باہر جاسکتی ہے اور کام کاج کر کے واپس گھر آجائے تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۹۵۲) وَعَنْ فُرَيْعَةَ بِنْتِ مَالِكٍ، أَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبِدٍ لَهُ، فَقَتَلُوهُ، قَالَتْ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ، وَلَا نَفَقَةً، فَقَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ نَادَانِي، فَقَالَ: أَمْنُكُنِي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ، قَالَتْ: فَأَعْتَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، قَالَتْ: فَقَضَى بِهِ بَعْدَ ذَلِكَ عُثْمَانُ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّهْلِيُّ وَابْنُ جِبَانَ وَالْحَاكِمُ وَغَيْرُهُمْ.

حضرت فریعیہ بنت مالک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس کا شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ فریعیہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق دریافت کیا کیونکہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں کوئی گھر نہیں چھوڑا اور نہ ہی نفقہ۔ آپ نے فرمایا ”ہاں! (تم اپنے میکے جاسکتی ہو)“ جب میں حجرے میں پہنچی تو آپ نے مجھے آواز دی اور فرمایا ”تم اپنے پہلے مکان ہی میں اس وقت تک رہو جب تک کہ تمہاری عدت پوری نہ ہو جائے۔“ فریعیہ کا بیان ہے کہ میں نے پھر عدت کی مدت چار ماہ دس دن اسی سابقہ مکان میں پوری کی۔ فرماتی ہیں کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے بعد اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔ (اسے احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے۔ ترمذی، ذہبی، ابن حبان اور حاکم وغیرہم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ جس خاتون کا شوہر وفات پا جائے تو وہ عورت اسی مکان میں عدت وفات پوری کرے گی جس میں وہ خاوند کے ساتھ رہائش پذیر تھی اور جہاں اسے خاوند کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ مدت عدت کے اتمام و اختتام تک اسی مکان میں رہے گی۔ محققین علماء کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری جگہ منتقل ہونا بھی اس کیلئے جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿فریعیہ بنت مالک بن سنان خدیجہ رضی اللہ عنہا﴾ مشہور صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ بیعت رضوان میں حاضر تھیں۔

(۹۵۳) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ مِيرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور زَوْجِي طَلَّقَنِي ثَلَاثًا، وَأَخَافُ أَنْ يُفْتَحَمَ عَلَيَّ، قَالَ: فَأَمَرَهَا فَتَحَوَّلَتْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ کوئی میرے پاس بے جا طور پر گھس نہ آئے اور ظلم کرے۔ تو آنحضور ﷺ نے اسے اجازت مرحمت فرما دی اور وہ وہاں سے

منتقل ہو گئی۔ (مسلم)

لَعْنَى تَشْرِيح: ﴿ان يفتحم علي﴾ صيغہ مجہول۔ زبردستی بعض اجنبی شریر لوگ گھس آئیں اور اس سے کوئی حادثہ یا فتنہ برپا ہو جائے ﴿فتحولت﴾ منتقل ہو گئی۔ یعنی اپنے شوہر کے مکان سے اپنے چچا زاد بھائی عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خطرے اور اندیشے کے پیش نظر عورت دوسرے قریبی رشتہ دار کے ہاں عدت گزارنے کیلئے منتقل ہو سکتی ہے مثلاً مکان غیر محفوظ ہو۔ مکان کے گر جانے کا خوف ہو، ہمسایوں سے اذیت رسانی کا اندیشہ ہو۔ تنہائی سے ڈرتی اور خوف کھاتی ہو وغیرہ۔

(۹۵۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَا تَلْبِسُوا عَلَيْنَا: سُنَّةَ نَيْبِنَا، عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ، إِذَا تَوَفَّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا، أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَعْلَلَهُ الدَّارَقُطَنِيُّ ہے اور دارقطنی نے اسے انقطاع سے معلول کیا ہے) (اس روایت کو احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا)

بِالْإِنْقِطَاعِ.

حاصل کلام: اس روایت میں ام الولد کی عدت کا بیان ہے مگر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اسے قبیمہ بن ذویب، عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں مگر ان کا سماع عمرو سے ثابت نہیں۔ امام اوزاعی اور ظاہریہ ام الولد کی عدت چار ماہ دس دن کے قائل ہیں مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ، امام احمد رضی اللہ عنہ اور مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی عدت ایک حیض ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک عدت تین حیض۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ وغیرہم کہتے ہیں کہ اس کی عدت صرف ایک ماہواری اس لئے ہے کہ نہ تو وہ زوجہ ہے اور نہ مطلقہ۔ اسے تو صرف استبراء رحم کی ضرورت ہے اور وہ محض ایک ہی حیض سے ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا چار ماہ دس دن کا قول سن کر تعجب کرتے اور فرماتے تھے کہ آنحضور ﷺ کی کون سی سنت ہے؟ اور فرماتے تھے کہ چار ماہ دس روز تو سنت نبوی ﷺ کے مطابق آزاد عورت کی عدت ہے۔ ام ولد تو لونڈی

ہے۔ منذری رحمہ اللہ کا قول ہے عمرو بن عاص رحمہ اللہ کے قول کی سند میں مطرب لہمان ابورجاء وراق ہے جسے بہت سے علماء محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف کے علاوہ یہ مضرب بھی ہے۔ اس لئے یہ قابل احتجاج و استناد نہیں۔

(۹۵۵) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّمَا الْأَقْرَاءُ طَهَرُوا طَهْرَهُنَّ طَهْرَهُنَّ (اسے مالک، احمد اور نسائی نے ایک قصہ اَلْأَطْهَارُ. أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالتَّيْمِيُّ، فِي مِثْقَاتِهِ مَعْلُومٌ. بِسَنَدٍ صَحِيحٍ.

لغوی تشریح: ﴿انما الاقراء الاطهار﴾ قرآن حمید میں والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء مذکور ہے اس میں لفظ قروء سے مراد طہریں تو اس اعتبار سے مطلقہ عورت تین طہر عدت گزارے گی۔ یہ فتویٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو قابل استدلال نہیں۔ بالخصوص جب کہ دیگر دلائل اس کے خلاف ہیں اور ”قرء“ بمعنی حیض بھی آتا ہے اور طہر کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور زیادہ دلائل اسی طرف ہیں کہ اس سے حیض مراد ہے طہر نہیں۔

(۹۵۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَا: طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ، وَأَخْرَجَهُ مَرْوَعًا، وَصَعْفَةَ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَخَالَفُوهُ، فَأَتَّفَقُوا عَلَى ضَعْفِهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض۔ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے مگر اسے ضعیف کہا ہے۔ نیز اس روایت کی تخریج ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر دوسرے محدثین نے ان کی مخالفت کی ہے، وہ اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں)

(۹۵۷) عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ، وَحَسَنَهُ الْبَزَّازُ.

حضرت روفیع بن ثابت سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔“ (اس کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ہزار نے اسے حسن کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ان يسقي ماءه﴾ يسقي السقي سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنا نطفہ رحم

میں داخل کرے۔ ﴿زوع غبرہ﴾ غیر کی کھیتی میں اور زرع سے مراد حمل لیا ہے اور بچہ جب رحم کے ساتھ معلق ہوتا ہے تو اسے کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے کھیتی اگتی ہے اور زمین میں پختہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ یعنی جب عورت دوسرے مرد کے نطفہ سے حاملہ ہو چکی ہو تو ایسی عورت سے وطی و جماع کرنا حلال نہیں اور اس کی مثال اس لونڈی کی سی ہے جسے ایک آدمی نے خریدا تو اس وقت وہ دوسرے مالک سے حاملہ تھی یا یوں سمجھیں کہ اسیر ہونے سے پہلے وہ حاملہ تھی اب ایسی لونڈی کے خریدار یا مالک و آقا کیلئے اس کے ساتھ وطی و جماع کرنا حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ اس کا حمل وضع نہ ہو جائے۔

راوی حدیث: ﴿رویف بن ثابت رضی اللہ عنہ﴾ رویف تغیر ہے رافع سے۔ انصار کے قبیلہ بنو مالک بن نجار سے تھے۔ ان کا شمار مصریوں میں ہوتا ہے۔ ۴۶ھ کو وفات پائی۔

(۹۵۸) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے گم شدہ، مفقود الخبر مرد کی عورت تَعَالَى عَنْهُ، فِي امْرَأَةٍ الْمَفْقُودِ، کیلئے فرمایا، اس کیلئے چار سال انتظار کرنا ہے۔ اس تَرَبُّصُ أَرْبَعِ سِنِينَ، ثُمَّ تَعْتَدُ أَرْبَعَةَ کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ (مالک و شافعی اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَ الشَّافِعِيُّ. نے نکالا ہے)

لعوی تشریح: ﴿المفقود﴾ غائب ایسا کہ جس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں کہ آیا وہ زندہ ہے یا نہیں؟ اس اثر کے مطابق امام مالک و شافعی رحمہ اللہ اور اکثر فقہاء و محدثین کا فیصلہ ہے اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ وغیرہم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ مگر حنفیہ اور شیعہ میں سے ہادیہ فرقہ کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ ایسی عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی جب تک کہ اس کی موت کی خبر کی صحت یا اس کی طلاق کا ثبوت یا اس کے مرتد ہونے کا ثبوت نہ مل جائے اور موت سے ان کے نزدیک موت طبعی کی مقدار مراد ہے۔ اس میں پھر ان میں اختلاف واقع ہوا ہے ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد ساٹھ سال ہے اور ایک قول ہے کہ ستر سال اور ایک قول کے مطابق نوے برس اور ایک قول ۱۲۰ برس کا ہے اور ۱۵۰ برس سے دو سو برس تک کا قول بھی ہے اور ایک تیسری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر غائب آدمی نے بیوی کیلئے نان و نفقہ اور دیگر حاجات و ضروریات کا سامان چھوڑا ہے تو اسے حاضری سمجھا جائے گا۔ ورنہ حاکم و عدالت اس کا نکاح جب عورت عدم نان و نفقہ کی صورت میں فسخ نکاح کا مطالبہ کرے گی، فسخ کرائے گی۔ یہ بہترین و عمدہ قول ہے اور قابل توجہ ہے۔ مگر پہلا قول محققین کے نزدیک رائج ہے۔

(۹۵۹) وَعَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ حَضْرَتِ مَغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ سے مروی ہے کہ رسول رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ اللَّهُ ﷻ نے فرمایا ”مفقود الخبر مرد کی بیوی“ اس کی رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ: «امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ بیوی ہے جب تک کہ گم شدہ کے متعلق واضح طور امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ». أَخْرَجَهُ پر اطلاع موصول نہ ہو جائے۔“ (دارقطنی نے اسے

ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

الدَّارُ قُطَيْبِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

نغوی تشریح: ﴿حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ﴾ یعنی جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ ابھی مسلمان ہے یا مرد ہو گیا ہے۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے اسی بنا پر محققین نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا۔ اس کی سند میں صالح بن مالک اور محمد بن فضل دونوں مجہول الحال ہیں۔ نیز سوار بن معب متروک اور محمد بن شرجیل بھی متروک ہے۔ یہ صاحب مغیرہ بن شعبہ سے مناکیر اور ابابیل روایتیں بیان کرتا ہے۔

(۹۶۰) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَبْتَئِنُّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاحِحًا، أَوْ ذَا مَحْرَمٍ». (مسلم) أخرجه مُسْلِمٌ.

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے کسی اجنبی عورت کے پاس خلوت و تنہائی میں رہنا حرام ہے۔ محرم کے پاس رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ محرم اسے کہتے ہیں جس سے کسی صورت میں کسی وقت نکاح درست اور جائز نہ ہو۔

(۹۶۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَخْلُونُ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ». أخرجه البخاري.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی و خلوت اختیار نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو۔“ (بخاری)

(۹۶۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ: «لَا تَوَطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعْ، وَلَا عَيْرٌ ذَاتِ حَمْلٍ، حَتَّى تَحْبِضَ حَيْضَةً». أخرجه أبو داود، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الدَّارُ قُطَيْبِيُّ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اوطاس کے قیدیوں کے متعلق فرمایا ”حاملہ عورت جب تک وضع حمل نہ کر لے، اس سے جماع نہ کیا جائے نیز غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک اسے ایک ماہواری نہ آجائے۔“ (اس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دارقطنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا شاہد مروی ہے)

نغوی تشریح: ﴿سَبَايَا أَوْطَاسٍ﴾ سبایا سببی اور سبیہ کی جمع ہے۔ سبیہ اس عورت کو کہتے

ہیں جو جنگ میں اسیر ہو جائے اور اوطاس حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں قبائل ثقیف و ہوازن کی عورتیں غزوہ حنین کے موقع پر قید ہوئی تھیں۔

(۹۶۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». کیلئے پتھر۔“ (بخاری و مسلم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ایک قصہ کے متعلق بھی اسی طرح روایت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نسائی نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد نے یہی روایت بیان کی ہے)۔

لغوی تشریح: ﴿الولد للفراش﴾ فراش ایسی خاتون ہے جس سے شوہر مجامعت و مباشرت کر چکا ہو خواہ وہ بیوی ہو یا لونڈی لیکن فراش سے یہاں اس کا صاحب و مالک مراد ہے۔ بخاری میں ہے الولد لصاحب الفراش یہاں صاحب الفراش سے مراد خاوند اور مولیٰ ہے کیونکہ یہ دونوں عورت کو بستر پر لٹاتے ہیں اور اس کے ساتھ سوتے ہیں۔ ﴿وللعاهر الحجر﴾ العاهر زانی اور العهر زنا کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی زانی کیلئے ناکامی و نامرادی ہے۔ بچے میں اس کا کوئی حق نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زانی کیلئے پتھر اور اس کے منہ میں مٹی۔ یعنی اس کیلئے سوائے ناکامی و نامرادی اور ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ الحجر سے مراد یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے گا۔ مگر یہ قول کمزور و ضعیف ہے کیونکہ سنگسار تو صرف شادی شدہ کو کیا جاتا ہے۔

حاصل کلام: حدیث کا معنی یہ ہے کہ عورت جب بچے کو جنم دے گی وہ کسی کی بیوی یا لونڈی ہو گی، اس بچے کا نسب اس آدمی کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اور وہ اس کا بچہ شمار کیا جائے گا۔ میراث اور ولادت کے دیگر احکام ان کے درمیان جاری ہوں گے خواہ کوئی دوسرا اس عورت کے ساتھ ارتکاب زنا کا دعویٰ کرے اور یہ دعویٰ بھی کرے کہ یہ بچہ اس کے زنا سے پیدا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس بچے کی مشابہت بھی اس کے ساتھ ہو اور صاحب فراش کے ساتھ نہ ہو۔ اس ساری صورت حال کے باوجود بچہ کو صاحب فراش کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ اس میں زانی کا کوئی حق نہیں ہوگا اور یہ اس صورت میں ہے جب صاحب فراش اس کی نفی نہ کرے۔ اگر مرد نے انکار کر دیا تو پھر بچہ ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اور اس بچہ کا نسب ماں کے ساتھ ہوگا، زانی کے ساتھ نہیں۔ جمہور نے کہا ہے کہ عورت تو صرف نکاح ہی سے فراش بن جاتی ہے۔ پھر جب چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے اس امکان کے ساتھ کہ خاوند نے اس کے ساتھ وطی و جماع کیا ہوگا جب فراش کا ثبوت مل جائے گا تو بچہ خاوند کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور اگر وطی کا امکان نہ ہو تو پھر بچہ کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ حنفیہ کہتے ہیں مجرد عقد کے بعد ہی ملا دیا جائے گا خواہ وطی کی ہو یا نہ کی ہو۔ پھر اگر مغرب کے رہنے والے نے مشرق

میں رہنے والی خاتون سے نکاح کیا اور دونوں میں سے کسی نے بھی اپنا وطن مالوف نہ چھوڑا یا عقد نکاح کے بعد طلاق دے دی پھر چھ ماہ بعد اس عورت نے بچہ کو جنم دیا تو اس صورت میں بچہ اسی مرد کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ یہ قول ایسا ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ عورت سے دخول محقق کی معرفت ضروری اور لابدی ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ اور صاحب المنار نے ان کی تائید کی ہے اور یہ بات لفظ فراش سے لغوی، عربی اور عقلی طور پر سمجھی جاسکتی ہے۔

۱۲ - بَابُ الرِّضَاعِ - دودھ پلانے کا بیان

(۹۶۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةَ وَلَا حُرْمَتُ ثَابِتٍ نَهِيَتْ» (مسلم)

لغوی تشریح: "باب الرضاع" رضاع اور رضاعت کی "را" پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہے عورت کے پستان سے بچے کا مخصوص وقت میں دودھ چوس کر پینا اور وہی سبب ہے، دودھ پینے اور پلانے والی کی حرمت کے ثبوت کا اور وہ بچہ اس کا بچہ قرار پاتا ہے۔ اب اس عورت سے ہمیشہ کے لئے اس کا نکاح حرام ہے۔ پھر یہ حرمت دودھ پینے اور پلانے والی کی اولاد میں اور دودھ پینے اور پلانے والی کی اولاد اور اس کے شوہر کی اولاد یا اس کے آقا کی اولاد جس نے اس سے وطی کی ہوگی، پر مشتمل گی۔ ﴿لَا تَحْرَمُ﴾ تحریم سے ماخوذ ہے۔ ﴿الْمَصَّةُ﴾ مص سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی چوسنے کے ہیں۔ ایک دو مرتبہ چوسنا۔ یعنی تھوڑا سا پینا اور ایک روایت میں ہے ایک دفعہ پینے یا دو مرتبہ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ سبل السلام میں ہے۔ رضعة کی حقیقت یہ ہے کہ جب بچہ ماں کے پستان منہ میں لے کر چوستا ہے پھر بغیر عارضہ کے اپنی خوشی و مرضی سے پستان کو چھوڑ دیتا ہے اسے رضعة کہتے ہیں۔ پستان چھوڑنا کسی عارض کی بنا پر جیسے سانس لینے کیلئے یا معمولی سا آرام حاصل کرنے کیلئے یا کسی اور چیز کیلئے جو اسے دوسری طرف مشغول کر دے پھر جلد ہی دوبارہ پینا یا چوسنا شروع کر دے، یہ دورانیہ ایک مرتبہ پینے کے عرصہ سے خارج نہیں ہوگا۔ ایک مرتبہ پینے کے ثبوت میں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے اور یہ لغت کے موافق ہے۔

حاصل کلام: رضاعت کا حکم کتنا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے، اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ، ثابت ہو جاتا ہے۔ امام داؤد ظاہری اور ایک قول میں امام احمد، امام اسحاق، ابو عبیدہ وغیرہم نے اس حدیث کے مفہوم کے مطابق کہا ہے کہ رضاعت کا حکم تین مرتبہ پینے سے ثابت ہوتا ہے دو دفعہ پینے سے نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پانچ مرتبہ پینے سے رضاعت ثابت

ہوتی ہے اور انہوں نے آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ سے استدلال کیا ہے اور ظاہر ہے کہ منطوق مفہوم سے زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ عرف عام میں لوگوں میں مروج ہے کہ جب وہ یہ بولتے ہیں کہ یہ ایک یا دو سے ثابت نہیں ہوتا تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ تین مرتبہ سے ثابت ہو جائے گا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مطلق تعداد و کثرت کا مقتضی ہے۔ رہا جمہور کا مذہب کہ حکم رضاعت قلیل و کثیر دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

وَامْهَاتُكُمُ اللَّائِي اَرْضَعْنَكُمْ (۴: ۲۳) سے استدلال کیا ہے حالانکہ اس میں ان کیلئے کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ ماں کا لفظ اس کا تقاضا کر رہا ہے کہ دودھ پلانے والی کی حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس نے تین مقدار میں دودھ پلایا ہو جس سے وہ ماں کہلانے کی مستحق بن جائے۔ اس وصف سے متصف وہی ہو سکتی ہے جس نے بچہ کو جنم دیا ہو یا جو اس کے بدن کا جز بن گیا ہو اور وہ دودھ ہے جو کہ بدن کا جز بنتا ہے اور یہ صرف مجرد رضاعت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے ثبوت کیلئے کافی مقدار ناگزیر ہے۔ پھر کس قدر دودھ بچے کا جزو بدن بنتا ہے، اس کی مقدار معلوم نہیں۔ اس لئے شارع نے جو مقدار مقرر کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور جب میں نے گہری اور عمیق نظر سے غور کیا تو دیکھا کہ رضاعت کے سلسلہ کی تمام احادیث اسی علت و سبب کے گرد گردش کرتی ہیں اور اس کیلئے بھوک کی شرط اور آنتوں کو کھولنے کی شرط اور ہڈیوں کی نشوونما اور موٹا کرنے کی شرط اور گوشت اگانے اور پیدا کرنے کی شرط اور اس رضاعت کا دو سال کے دوران ہونا اور بڑے آدمی کی رضاعت کا کوئی اعتبار نہ کیا جانا یہ تمام اسی علت و سبب کی وجہ سے ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ آیت قرآنیہ جمہور کے مذہب کی تائید نہیں کرتی بلکہ اس مسلک کی تائید کرتی ہے جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہاں حدیث اور آیت قرآن میں باہم تعارض نہیں ہے بلکہ دونوں میں کلی توافق اور ہم آہنگی اور موافقت ہے۔ اگر مطلق رضاعت ہی مراد ہوتی تو پھر اس طرح کہنا چاہئے تھا النساء اللاتی ارضعنکم وہ عورتیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔

(۹۶۵) وَعَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «انظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُمْ، فَإِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ». مَقْذُوبٌ بھائی کون ہیں کیونکہ رضاعت اس وقت معتبر ہے جب دودھ بھوک کے وقت پیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿انظرن من اخوانک﴾ انظر امر کا صیغہ ہے مطلب ہے رضاعت کے معاملہ میں پوری تحقیق، پوری احتیاط اور بالغ نظری سے کام لیا جانا چاہئے اور اس کی علت و وجہ ”فانما الرضاعة من المجاعة“ سے بیان کر دی۔ یعنی وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو بچپن میں

ہو اور دودھ اس بچے کی بھوک ختم کر دے اور اس کے ذریعہ گوشت پیدا ہو تو پھر اس عورت کی اولاد کے ساتھ حرمت میں شریک ہو جائے گا۔ پس آنے والی دونوں احادیث ہم معنی ہیں۔ "لارضاع الا ما انشز العظم وانبت اللحم" رضاعت ہڈیوں کو مضبوط بنانے اور گوشت جسم پر پیدا کرنے کا نام ہے۔ رضاعت سے حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ وہ رضاعت انترویوں کو کھول دے۔ جیسا کہ امام ابو عبید نے کہا ہے۔ (سبل السلام)

حاصل کلام: اس حدیث میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات آپ کی طبع مبارک پر گراں گزری اور میں نے چہرہ انور پر ناراضگی کے آثار ملاحظہ کئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو میرا رضاعی بھائی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا غور سے دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں؟

(۹۶۶) وَعَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ سَهْلَةَ بِنْتُ سَهْلٍ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حَذِيفَةَ مَعَنَا، فِي بَيْتِنَا، وَقَدْ بَلَغَ مَا يَبْلُغُ الرِّجَالُ، فَقَالَ: «أَرْضِعِيهِ، نَحْرُمِي عَلَيْهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سہلہ بنت سہلہ بِنْتُ سَهْلٍ، فَقَالَتْ: يَا سَمِيلَ بْنَ سَمِيحٍ آتَيْنِي اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! سَلِمٌ ابُو حَذِيفَةَ کا آزاد کردہ غلام ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے وہ مرد کی حد بلوغت کو پہنچ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا "اسے اپنا دودھ پلا دو" تو اس پر حرام ہو جائے گی۔ (مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿ارضعہ﴾ قاضی عیاض نے کہا ہے ممکن ہے سہلہ نے اپنا دودھ نکال کر پلایا ہو اور پستان کو چھونے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور نہ دونوں کے جسم باہم ملے ہوں۔ جیسا کہ نووی رحمہ اللہ نے ان سے یہ ذکر کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ سہلہ نے پانچ بار دودھ پلایا پس وہ اس کے بچے کی جگہ ہو گیا۔ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ اس میں پانچ بار دودھ پلانے کا بیان ہے یہ پانچ بار پلایا جانا پچپانا اور ثابت شدہ ہے۔ یہ حدیث بڑی عمر کے آدمی کے دودھ پینے پر حرمت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور یہی رائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور داؤد ظاہری کی ہے۔ لیکن یہ پہلی حدیث کے معارض ہے نیز ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آنے والی حدیث کے بھی معارض ہے اور یہ احادیث اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ رضاعت دو سال کے دوران کی حرمت ثابت کرتی ہے اس کے بعد کی رضاعت نہیں۔ جمہور نے اس قصہ کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ان کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس کے سوا دوسروں کی طرف اس کا حکم متعدی نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رضاعت کے معاملہ میں بچپن کا اعتبار کیا جائے گا الا یہ کہ جب کوئی حاجت و ضرورت اس کی داعی ہو۔ جیسا کہ بڑی عمر کے آدمی کی رضاعت کا مسئلہ جسے عورت کے پاس جانا ناگزیر ہے اور عورت کا اس سے

(پردہ) کرنا بھی دشوار ہے۔ جیسا کہ سالم کا ابو حذیفہ کی بیوی کے ساتھ مسئلہ تھا اس طرح کے بڑی عمر کے آدمی کو جب ضرورت و حاجت کیلئے عورت نے دودھ پلایا تو اس مرد کا دودھ پینا موثر ہوگا اور ایسی صورت کے علاوہ دودھ پینے کی مدت بچپن کی عمر ہے۔ (سبل السلام)

راوی حدیث: ﴿سہلہ بنی سہلہ﴾ سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشیہ بنو عامر بن لوی میں سے تھیں۔ قدیم الاسلام تھیں۔ اپنے شوہر ابو حذیفہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ان کے ہاں محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔

﴿سالم بن معقل﴾ سالم بن معقل۔ ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام۔ ان کو ایک انصاری خاتون نے خریدا تھا۔ ان کا نام لیلیٰ بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ثبیبہ تھا۔ ان سے پھر ابو حذیفہ نے نکاح کر لیا تھا اور سالم ان کے ساتھ ہی آیا تھا۔ ابو حذیفہ نے اسے اپنا لے پالک بنالیا تھا اور اسے اپنا حلیف قرار دے لیا تھا۔ سالم معرکہ بدر میں حاضر تھے۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا تھا سالم مولیٰ ابو حذیفہ ان چاروں میں سے ایک تھے۔ نبی ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے قابیل کی ماجرین کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے حالانکہ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ان ماجرین میں شامل تھے۔

﴿ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ﴾ ایک قول کے مطابق ان کا نام مہشم تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہاشم بن عتبہ بن عبد شمس تھا۔ یہ بڑے فضلاء صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ غزوات بدر و احد اور ان کے بعد والے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ کے روز قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۵۳ برس تھی۔

(۹۶۷) وَغَنَهَا أَنْ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي
الْقَعْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا بَعْدَ
الْحِجَابِ، قَالَتْ: فَأَيُّتُ أَنْ أَدْنَ
لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
أَخْبَرْتُهُ الَّذِي صَنَعْتُهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَدْنَ
لَهُ عَلَيَّ، وَقَالَ: إِنَّهُ عَمَلٌكَ. مَنَّكَ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابو القعس کا بھائی افع حباب کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آنے کیلئے اجازت طلب کرتا رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے سارا واقعہ آپؐ کو سنایا جو میں نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ ”میں ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیا کروں اور فرمایا کہ وہ تمہارا چچا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا دودھ پی لیا جائے اس کا شوہر اس کا باپ ہوگا۔ اب جو رشتے ماں باپ کی جانب سے حرام ہوتے ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جائیں گے۔ افع حباب حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا اس لئے ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوالقیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ دودھ کی پیدائش میں مرد و عورت دونوں کے نطفہ کا دخل ہوتا ہے، اس لئے رضاعت بھی دونوں کی جانب سے ہوئی۔ اس لئے حرمت بھی ثابت ہو گئی۔

راوی حدیث: ﴿السلح﴾ ابوالجعد ان کی کنیت اور نام الفلح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا بھائی ابوالقیس تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام جعد تھا اور ایک قول یہ ہے کہ واسل بن الفلح اشعری ان کا نام تھا اور ان کے بھائی کا نام الفلح تھا۔ اس طرح اس کا نام اس کے باپ کا ہم نام ہوا۔ معلوم رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا دوتھے۔ ایک تو نبی ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا، دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دودھ پلانے والی کا دیور، جیٹھ تھا۔ ان کا نام الفلح تھا۔ ابوالقیس کا بھائی اور ابوالقیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی باپ تھا۔

(۹۶۸) وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَشْرَ رَضَعَاتٍ مَّغْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّغْلُومَاتٍ، فَتَوَفَّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قرآن میں یہ حکم نازل کیا گیا تھا کہ دس بار دودھ پینا جبکہ اس کے پینے کا یقین ہو جائے نکاح کو حرام کرتا ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ پانچ بار (یعنی دودھ پینے کے حکم) سے پھر رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، اس وقت پانچ کی تعداد قرآن میں پڑھی جاتی تھی۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿معلومات﴾ محقق و ثابت شدہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب رضاعت مشکوک ہو تو حرمت کا فائدہ نہیں دیتی۔ ﴿وہی فیما یقرا من القرآن﴾ بقراءتہ مجہول ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ پانچ کی تعداد کا نسخ اتنی تاخیر سے ہوا کہ نبی ﷺ کی وفات کا واقعہ پیش آ گیا اور بعض لوگ پھر بھی ان پانچ کی تعداد کو قرآن سمجھ کر تلاوت کرتے رہے کیونکہ آپ کی وفات کے بالکل ساتھ ہی ان کا منسوخ ہونا نازل ہوا تھا اور لوگوں کو اس کی خبر نہ ہوئی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور سب متفق ہو گئے کہ اب اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ پھر اس کا ذکر کیا کہ نسخ کی تین انواع ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوں جیسے دس مرتبہ دودھ پینے والی آیت، دوسری یہ کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو مگر اس کا حکم باقی رہے۔ جیسے پانچ مرتبہ دودھ پینے کی آیت اور آیت رجم اور تیسری یہ کہ جس کا حکم تو منسوخ ہو چکا ہو مگر تلاوت اس کی باقی ہو اور ایسا تو اکثر ہے، جیسے آیت وصیت ہے۔

(۹۶۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ، فَقَالَ: «إِنَّهَا

لَا تَحِلُّ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنْ حَلَالٍ نَحْسُ اس لئے کہ وہ میرے رضائی بھائی کی بیٹی الرِّضَاعَةِ وَيَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا هُوَ۔ جو عورت رشتہ و نسب سے حرام ہے وہی يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ رضاعت سے بھی حرام ہے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ارید علی ابنہ حمزہ﴾ ارید فعل، صیغہ مجہول۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اس لڑکی سے نکاح کر لیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ وہ شخص جس نے اس لڑکی کا نبی ﷺ سے نکاح کے ارادہ کا اظہار کیا ہے وہ علی بن ابی طالب تھے اور حمزہ کی اس صاحبزادی کے نام میں کئی اقوال ہیں۔ مثلاً امامہ، سلمیٰ، فاطمہ، عائشہ، امہ، اللہ، عمارہ اور یعلیٰ۔ یہ لڑکی نبی ﷺ کے رضاعی بھائی کی بیٹی اس طرح بنتی تھی کہ نبی ﷺ اور حضرت حمزہ رضاعی کو ثیبہ نے اپنا دودھ پلایا تھا اس طرح حضور ﷺ اور حمزہ رضاعی چچا بھتیجا ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے اور ثیبہ ابولسب کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔

(۹۷۰) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءُ، وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ»۔ روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم دونوں نے اسے صحیح کہا

(ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿لا یحرم﴾ یحرم میں ”را“ پر تشدید کمزورہ۔ ﴿الامعاء﴾ اس جملہ میں ما موصولہ مرفوع ہے کیونکہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور امعاء مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رضاعت یا دودھ جو بچے کی آنتوں کو کھول دے اس کے علاوہ اور کوئی غذا حرمت ثابت نہیں کرتی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دودھ بچے کی آنتوں میں رواں ہوتا ہے اور غذا کی جگہ واقع ہوتا ہے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ دودھ ان اوقات میں پلایا جائے جو اس کی غذا بننے کے اوقات ہوں اور ”امعاء“ معی کی جمع ہے۔ (معی کے میم کے نیچے کسرہ عین پر فتح اور ”یا“ ساکن) پیٹ میں خوراک کی جگہ ﴿الْفِطَامِ﴾ ”قا“ کے نیچے کسرہ۔ بچے کو دودھ چھڑانا۔

(۹۷۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ عَدِيٍّ مَرْفُوعاً وَمَوْقُوفاً، وَرَجَّحَا الْمَوْقُوفَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی رضاعت معتبر نہیں سوائے اس رضاعت کے جو دو سال کے دوران میں ہو۔ (اسے دارقطنی اور ابن عدی نے مرفوع اور موقوف روایت کیا ہے مگر ترجیح دونوں نے موقوف کو دی ہے)

راوی حدیث: ﴿عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ﴾ ابو سروع، سروع کے سین کے نیچے کسرہ۔ ”را“ ساکن اور ”واو“ پر فتح۔ عقبہ بن حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کی۔ مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں میں سے ہیں۔ اس کے بعد وہ پچاس برس تک زندہ رہے۔

﴿ام یحییٰ﴾ ان کا نام غنیہ ہے۔ غین پر فتح، نون کے نیچے کسرہ اور ”یاء“ پر تشدید۔ غنیہ بنت ابی اہلب بن عویر تمیمی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام زینب تھا۔

(۹۷۴) وَعَنْ زِيَادِ السَّهْمِيِّ قَالَ: حضرت زیاد سہمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُسْتَرْضَعَ الْحَمَقَى. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ. وَهُوَ مُرْسَلٌ، منع فرمایا ہے۔ (اسے ابو داؤد نے نکالا ہے اور یہ مرسل وَلَيْسَتْ لِزِيَادٍ صُحْبَةٌ۔ لغوی تشریح: ﴿تسترضع الحمقى﴾ صیغہ مجہول۔ اس سے دودھ پلانے کا مطالبہ و تقاضا کرنا اور حقیقی احمق سے فعلی کے وزن پر زیادہ بیوقوف۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غبی، کم عقل اور بیوقوف عورتوں سے دودھ نہ پلویا جائے۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دودھ میں طبیعت اور مزاج کا اثر ہوتا ہے۔ لڑکایا لڑکی بھی اسی وجہ سے اگر کم عقل اور احمق بن جائے تو اس سے بڑی آفت اور مصیبت کیا ہوگی۔ یہ تو دین و دنیا دونوں کیلئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ علماء اسلام میں سے امام غزالی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے توبہ کار اور بے دین عورت کے دودھ پلانے سے بھی منع کیا ہے اور اس سے تو انکار مشکل ہے کہ دودھ کے اپنے طبعی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر مرض صحت مند، تومند، سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ کی حامل ہوگی تو اس کے اثرات دودھ پینے والے بچوں پر لازماً پڑیں گے۔ اس لئے اس پہلو سے یہ بھی ارشاد گرامی بڑا قابل قدر ہے۔

راوی حدیث: ﴿زیاد سہمی﴾ تقریب میں ہے کہ یہ تیسرے طبقہ کا آدمی ہے۔ مرسل حدیث بیان کرتا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے اس کا ذکر صحابہ میں نہیں کیا۔

نفقات کا بیان

۱۳ - بَابُ النِّفَقَاتِ

(۹۷۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہند بنت عتبہ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلْتُ هِنْدُ بِنْتُ ابوسفیان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں غُثْبَةً، أَمْرَأَةً أَبِي سُفْيَانَ، عَلَى حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے۔ مجھے وہ اتنا خرچ اللہ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَجِيحٌ، لَا نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کیلئے کافی ہو مگر

يُعْطِيَنِي مِنَ الْنَّفَقَةِ مَا يَكْفِيَنِي، یہ کہ میں پوشیدہ طور پر کچھ لے لوں تو ایسا کرنے وِیْکْفِي بَنِي، إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَّالِهِ میں مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بَغَيْرِ عِلْمِهِ، فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ: «خُذِي مِنْ مَّالِهِ اور تمہارے بچوں کیلئے کافی ہو۔» (بخاری و مسلم)

بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيْكَ، وَيَكْفِي بَنِيكَ». مَثَقَّ عَلَيْهِ.

لعوی تشریح: ﴿باب النفقات﴾ نفقہ کی جمع ہے ”نون“ فا اور قاف“ تینوں پر فتح‘ اتفاق سے اسم ہے نفقہ کہتے ہیں انسان کا نقدی خورد و نوش اور پینے کی اشیاء پر جو خرچ کرنا ہے۔ ﴿شحيح﴾ شح سے ماخوذ ہے۔ وہ لالچ و حرص جس کے ساتھ بخل بھی شامل ہو اور ﴿معروف﴾ سے مراد اپنی وسعت و طاقت کے مطابق خرچ کا جو اندازہ لوگوں میں متعارف ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر استطاعت کے باوجود اخراجات پورے ادا نہ کرے تو بیوی اس کو بتائے بغیر اتنا خرچہ اس کے مال سے لے سکتی ہے جو معروف کے درجہ میں آتا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنا جائز حق جس طرح وصول ہو سکتا ہو، کیا جا سکتا ہے۔ ناانصافی کے ازالے کی غرض سے شکوہ و شکایت غیبت کے زمرہ میں نہیں آتی۔ خواہ وہ نقص و برائی متعلقہ شخص میں پائی جاتی ہو۔ بیوی عدالت میں اپنے شوہر کی شکایت لے جانے کی مجاز ہے۔ یہ شکایت بھی غیبت میں شمار نہیں اگر یہ غیبت کی تعریف میں آتا تو رسول اللہ ﷺ ہند کو منع فرما دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ عورت عدالت کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔

راوی حدیث: ﴿ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہا﴾ اس نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے شوہر ابوسفیان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس کا والد عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید غزوہ بدر کے روز قتل ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ اس کی طبیعت پر بڑا شاق گزرا۔ پس جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو اس نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چپایا مگر نگل نہ سکی اور باہر پھینک دیا۔ ۱۳ھ کو محرم میں وفات پائی اور اس کے علاوہ بھی مختلف سنوں کا ذکر کیا ہے۔

﴿ابوسفیان رضی اللہ عنہ﴾ صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ نبی ﷺ کے ساتھ معرکہ آرائی میں کفار کے علمبردار، قائد اور سپہ سالار فوج تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام اس وقت قبول کیا جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی پناہ و حفاظت میں ان کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ دخول مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قبول اسلام کو بہت عمدہ اور اچھا ثابت کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

(۹۷۶) وَعَنْ طَارِقِ الْمُحَارِبِيِّ، حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم مدینہ میں قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے لوگوں سے

ﷺ قَاتِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَخْطُبُ خُطْبًا مُرَافِعًا، وَيَقُولُ: «يَدُ الْمُعْطِي وَابْنُ أُمِّكَ، وَأَبْنَاءُ بَنِي تَمُورٍ، ثُمَّ أَذْنَاكَ وَأَخَاكَ، وَأَخْتُكَ، وَصَحْحَةُ ابْنِ جَبَانَ». (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لعنوی تشریح: ﴿وَابْنُ أُمِّكَ﴾ یعنی خُرج کا آغاز ان سے کرو جن کا خرچہ تم پر واجب ہے۔ جب وہ خورد و نوش اور لباس وغیرہ کے محتاج ہوں۔ ﴿امك واباك﴾ منصوب فعل مقدر کی وجہ سے یعنی ان کا نان و نفقہ ضرور مہیا کر اور اپنے مال میں سے ان کو دے۔ ﴿اذناك فاذناك﴾ درجہ بدرجہ قربت کے اعتبار سے۔

راوی حدیث: ﴿طارق بن عبد اللہ محاربی رضی اللہ عنہ﴾ صحابی ہیں۔ محارب بن خصفہ جو بنو غطفان کا قبیلہ ہے کی طرف نسبت کی وجہ سے محارب بنی کہلائے۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے ذوالحجاز میں ہجرت سے پہلے نبی ﷺ کو دیکھا تھا۔

(۹۷۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لِمَمْلُوكٍ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلِّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”غلام کا کھانا پینا اور لباس مہیا کرنا مالک پر واجب ہے اور طاقت سے بڑھ کر کام کی تکلیف نہ دی جائے۔“ (مسلم)

(۹۷۸) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا حَقُّ زَوْجَةٍ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبَ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحَ». - الْحَدِيثُ - وَتَقَدَّمَ فِي عَشْرَةِ نِسَاءٍ.

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم میں سے ہر ایک پر اس کی اہلیہ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا ”جب خود کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ۔ جب خود پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور اس کے منہ پر نہ مارو اور اسے قبیح نہ کہو۔“ (ابی حدیث ہے جو عشرۃ النساء کے باب میں پہلے گزر چکی ہے۔)

(۹۷۹) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لِمَمْلُوكٍ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلِّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حج کے بارے میں لمبی

تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ، فِي حَدِيثٍ الْحَجَّ بِطَوْلِهِ، قَالَ فِي ذِكْرِ النِّسَاءِ: «وَلَكُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ. (مسلم)

(۹۸۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ يَلْفِظُ «أَنْ يَخْسِرَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوَّتَهُ».

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک انسان کیلئے یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی روزی کا ذمہ دار و کفیل ہے ان کو ضائع کر دے۔“ (نسائی) اور مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ ”جس کی روزی کا مالک ہے اسے روک لے۔“

نعوی تشریح: ﴿کفی بالمرء اثماً﴾ اس کے گنہگار و خطا کار ہونے کیلئے کافی ہے یا یہ معنی کہ اس کیلئے یہی گناہ کافی ہے۔ ﴿ان یضیع﴾ ”تضییع“ سے ماخوذ ہے۔ اسے چھوڑ دے۔ ایسی حالت میں کہ اسے ہلاک و ضائع کرنے والا ہو۔ ﴿من یقوت﴾ جس کی عیال داری کا ذمہ دار ہے، جسے روزی دیتا ہے، کھانے پینے کا بندوبست و انتظام کرتا ہے اس میں من موصولہ یضیع کا مفعول واقع ہو رہا ہے۔

(۹۸۱) وَعَنْ جَابِرٍ، يَرْفَعُهُ، فِي الْحَامِلِ أَلْتَمَوَّقَى عَنْهَا زَوْجُهَا، قَالَ: لَا نَفَقَةَ لَهَا. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لَكِنْ قَالَ: الْمَخْضُوطُ وَفَقَهُ، وَبَيَّنَّا نَفِي النِّفَقَةِ فِي حَدِيثِ قَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، كَمَا تَقَدَّمَ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حاملہ کے بارے میں جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اس کیلئے نفقہ نہیں ہے۔ (اس کو بیہقی نے نکالا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس کا موقوف ہونا ہی محفوظ ہے۔ نفقہ کی نفی قاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس حاملہ خاتون کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کیلئے نفقہ نہیں، تو جو غیر حاملہ ہو بلاوٹی اس کیلئے نفقہ نہیں اور مطلقہ ثلاثہ غیر حاملہ کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ رہائش اور مطلقہ ثلاثہ حاملہ کیلئے نفقہ ہے رہائش نہیں۔ بیوہ غیر حاملہ کیلئے نفقہ نہیں رہائش ہے اور بیوہ حاملہ کیلئے رہائش ہے مگر نفقہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کیلئے نفقہ نہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ نفقہ و رہائش کی بحث اس وقت تک ہے جب کہ عورت عدت میں ہو۔ عدت گزرنے کے بعد تو وہ کسی چیز کا استحقاق نہیں رکھتی۔

(۹۸۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْبَيْدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْبَيْدِ السُّفْلَى، وَيَبْدَأُ أَحَدُكُمْ بِمَنْ يَعْوَلُ، تَقُولُ الْمَرْأَةُ: أَطْعِمْنِي أَوْ ظَلِّفْنِي»۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تم میں ہر کوئی اس سے آغاز و ابتدا کرے جس کی وہ عیال داری کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو بیوی کہنے لگے کہ نان و نفقہ دو یا طلاق دو۔“ (اس کو دارقطنی زَوَاهِ الدَّارِ قُطْنِي، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔ نے حسن سند سے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر بیوی کا نفقہ دیدہ و دانستہ پورا نہ کرے یا مالی حالت کی کمزوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو بیوی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوگی۔

(۹۸۳) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ، فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ، قَالَ: يُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا. أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزُّنَادِ، عَنْهُ، قَالَ: فُلْتُ لِسَعِيدٍ: سُنَّةٌ؟ فَقَالَ: سُنَّةٌ. وَهَذَا مُرْسَلٌ قَوِيٌّ۔
 اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ایسے آدمی کے متعلق مروی ہے جو اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہ دے سکے کہ ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی۔ اس روایت کو سعید بن منصور نے سفیان سے اور انہوں نے الزناد سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا: کیا یہ سنت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں سنت ہے۔ (یہ روایت مرسل قوی ہے۔)

حاصل کلام: اس روایت کی رو سے شوہر نان و نفقہ نہ دے تو میاں بیوی کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء ائمہ میں سے امام مالک رضی اللہ عنہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ وغیرہ فسخ نکاح کا اختیار عورت کو دیتے ہیں۔ ظاہریہ کا بھی یہی قول ہے لا ضرر ولا ضرار والی حدیث کو بھی اس کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ احناف کا قول ہے کہ نفقہ نہ ہونے کی صورت میں فسخ نکاح کا اختیار عورت کو نہیں۔ انہوں نے دلیل میں قرآن حمید کی آیت وعن قدر علیہ رزقہ پیش کی ہے۔ مگر علامہ حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب عورت نے مرد سے نکاح کیا اس وقت مرد تندرست تھا اور مرد کی تنگ دستی کا عورت کو علم بھی تھا یا نکاح کے وقت مرد کی مالی حالت تسلی بخش تھی مگر بعد میں کسی وجہ سے تنگ دستی کا شکار ہو گیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ کیونکہ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آج تنگ دستی ہے تو کل فراخ دستی بھی ہو سکتی۔ بصورت دیگر عورت کو حق ہوگا کہ وہ فسخ نکاح کا اختیار رکھے اور اسے استعمال کرنا چاہے تو استعمال بھی کرے۔ جن علماء و فقہاء نے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے ان میں سے امام مالک رضی اللہ عنہ خاوند کو ایک ماہ کا وقت دیتے ہیں اور امام

شافعی رحمہ اللہ صرف تین دن اور حوا نے ایک سال کی معاد دی ہے۔

راوی حدیث: ﴿سفیان﴾ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری۔ ابو عبد اللہ کوئی۔ بڑے ائمہ کرام میں سے ایک ہیں۔ ان کے امام ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اتفاق، ضبط حفظ، معرفت اور زہد و ورع کے اوصاف سے متصف تھے۔ ۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

﴿ابوالزناد﴾ عبد اللہ بن ذکوان اموی۔ ان کے مولیٰ مدنی تھے۔ بڑے ائمہ میں شمار ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے ثقہ ہیں۔ امیر المومنین ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ صحیح ترین سند ہے۔ ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۹۸۴) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أَمْرَاءِ الْأَجْنَادِ، فِي رَجَالٍ غَابُوا عَنْ نِسَائِهِمْ: أَنْ يَأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يَنْفُقُوا، أَوْ يُطْلَقُوا، فَإِنْ طَلَقُوا بَعُثُوا بِنَفَقَةٍ مَا حَبَسُوا. أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ ثُمَّ التَّبَهَّقِي شافعی رحمہ اللہ اور تبہقی نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے

لعوی تشریح: ﴿امراء الاجناد﴾ قائدین لشکر۔ اجناد جند کی جمع ہے لشکر کو کہتے ہیں۔ یہ روایت اور پہلی دونوں احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ شوہر پر بیوی کا خرچہ واجب ہے۔ پھر اگر تنگ دست ہو یا ٹال مٹول سے کام لے تو عورت کو اختیار ہے اس سے علیحدگی اور فرقت کا۔ جمہور اہل علم امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور اہل نواہر اسی کے قائل ہیں۔ یہ جدائی اور علیحدگی فسخ ہوگی یا طلاق۔ اس میں دو قول ہیں۔ جس نے اسے طلاق ہی قرار دیا ہے اس نے کہا کہ یہ مقدمہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا تاکہ وہ شوہر پر لازم کرے کہ وہ نفقہ دے یا طلاق۔ پھر اگر وہ انکار کرے تو حاکم اسے طلاق رجعی دے دے۔ پھر اگر اس نے بیوی سے رجوع کر لیا تو عدالت دوسری طلاق دے دے گی۔ اب پھر اگر اس نے رجوع کر لیا تو عدالت تیسری طلاق دے گی اور جس نے اسے فسخ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں بھی مقدمہ حاکم وقت کی عدالت میں لے جانا ناگزیر ہے تاکہ وہ اپنی تنگ دستی کا ثبوت پیش کر سکے اس کے ثبوت پیش کرنے کے بعد نکاح فسخ کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدمہ حاکم کی عدالت میں لے جایا جائے گا تاکہ حاکم شوہر کو طلاق پر مجبور کرے یا نکاح فسخ کرے یا فسخ کی اس سے اجازت لے پھر اگر اس نے نکاح فسخ کیا یا فسخ کی اجازت دی تو اسے فسخ قرار دیا جائے گا طلاق نہیں۔ اس صورت میں رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ یہ بحث الہدیٰ اور سبل السلام سے ماخوذ ہے۔ اس مقام پر اور بھی بہت سے اقوال ہیں مگر اس تفصیل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

حاصل کلام: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تحریری فرمان کا پس منظر یہ ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت پر تھے۔ ایک ایسے خیمہ پر سے آپ کا گزر ہوا جس میں ایک خاتون شوہر کی جدائی کی طوالت پر دردناک شعر پڑھ رہی تھی۔ وہ اشعار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سن لئے۔ اس کا شوہر فوج میں ملازم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ ایک عورت خاوند کے بغیر کتنا عرصہ تک گزار سکتی ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار ماہ تک۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے سپہ سالاروں کو حکم تحریر فرمایا کہ فوجیوں کو حکم دو کہ وہ چار ماہ بعد ضرور گھر آیا کریں ورنہ اپنی بیویوں کو طلاقیں دے دیں اور ساتھ ہی ان کا سابقہ نان و نفقہ بھی بھیج دیں۔

(۹۸۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! عِنْدِي دِينَارٌ؟ قَالَ: «أَنْفَقَهُ عَلَى نَفْسِكَ»، قَالَ: عِنْدِي؟ آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفَقَهُ عَلَى وَلَدِكَ»، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفَقَهُ عَلَى أَهْلِكَ»، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفَقَهُ عَلَى خَادِمِكَ»، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْتَ أَعْلَمُ». أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَالْحَاجِمُ بِتَقْدِيمِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا ”اپنے آپ پر خرچ کرو۔“ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا ”اپنی اولاد پر خرچ کرو“ وہ پھر بولا میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا ”اپنی بیوی پر خرچ کرو۔“ اس نے عرض کیا میرے پاس اور ہے۔ فرمایا ”اپنے خادم پر خرچ کرو۔“ وہ بولا میرے پاس اور ہے۔ فرمایا ”مجھے خوب علم ہے کہ تو اسے کہاں خرچ کرے۔“ (اس کی شافعی اور ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور نسائی اور حاکم نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ اس میں ولد سے پہلے زوجہ کا ذکر ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت خاص سے نوازے اور اس کے پاس خرچ کرنے کی گنجائش ہو تو اس کے مصارف کی ترتیب کیا ہونی چاہئے۔ چنانچہ فرمایا کہ سب سے پہلا حق انسان پر اس کی اپنی جان کا ہے۔ اس کے بعد اسی ترتیب کے مطابق خرچ کرے۔ جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں جو یہ فرمایا کہ انت اعلم اور ایک دوسری روایت میں انت البصرہ بھی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ تو اس کے خرچ کرنے کی جگہ کا زیادہ علم رکھتا ہے کہ کہاں اور کس کو کتنا دینا چاہئے۔

(۹۸۶) وَعَنْ يَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ

حضرت بھز بن حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے واسطے

أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ أَبْرُ؟ قَالَ: «أُمُّكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمُّكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمُّكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَلَا اقْرَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَنُهُ.

سے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں حسن سلوک اور بھلائی کس کے ساتھ کروں؟ آپؐ نے فرمایا ”اپنی والدہ کے ساتھ۔“ میں نے پھر عرض کیا۔ پھر کس سے؟ آپؐ نے پھر فرمایا ”اپنی والدہ سے“ میں نے پھر عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا ”اپنی والدہ سے“ میں نے پھر عرض کیا۔ پھر کس سے؟ فرمایا ”اپنے والد“ سے۔“ (اسے ابو داؤد اور ترمذی نے تخریج کیا اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے)

نفعی تشریح: ﴿ابر﴾ بر سے ماخوذ ہے۔ متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی احسان اور نیکی و بھلائی کے ہیں۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ والد سے زیادہ ہے۔ ماں بچے کی وجہ سے جو تکلیفیں اور دکھ برداشت کرتی ہے اس وجہ سے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے۔ عورت کمزور اور صنف نازک ہے۔ بچے بڑے ہو کر ماں کے قابو اور کنٹرول میں بہت کم رہتے ہیں۔ ماں کی بے قدری کی جاتی ہے۔ شریعت نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی شدت سے تاکید کی ہے اور اولاد کو احساس دلایا ہے کہ ماں کو ہر ممکن طریقہ سے زیادہ سے زیادہ آرام اور راحت پہنچانی چاہئے۔ اس کے حکم کو بے چون و چرا ماننا اور تسلیم کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ خلاف شرع حکم نہ دے۔

پرورش و تربیت کا بیان

۱۴ - بَابُ الْحِضَانَةِ

(۹۸۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ أَمْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ ابْنِي هَذَا، كَانَ بَطْنِي لَهُ وَعَاءٌ، وَنَذْبِي لَهُ سِقَاءٌ، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءٌ، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي، وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ، مَا لَمْ تَنْكِحِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ،

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ جو میرا لخت جگر ہے میرا پیٹ اس کیلئے برتن تھا۔ میری چھاتی (پستان) اس کیلئے مشکیزہ اور میری آغوش اس کیلئے ٹھکانہ تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ مجھ سے اس بچہ کو بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”جب تک تو دوسرا

أَبُوكَ، وَهَذِهِ أُمُّكَ، فَخُذْ بِبَدِ أَيْهَمَا شِئْتِ، فَأَخَذَ بِبَدِ أُمِّهِ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

تیرا باپ ہے اور یہ تیری والدہ۔ ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔“ اس بچہ نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلتی بنی۔ (اسے احمد اور

چاروں نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لعوی تشریح: ﴿بشرابی عنبہ عنبہ﴾ کے عین کے نیچے کسرہ اور نون پر فتح۔ ماں نے اپنی حاجت و ضرورت کو بچہ کی طرف ظاہر کیا اور ماں اس بارے میں بچہ ہی سے زیادہ حق رکھتی تھی اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس بچہ پر دونوں قرعہ ڈالو“ خاندن بولا میرے بچہ کے بارے میں مجھ سے کوئی نہیں جھگڑ سکتا۔ تو نبی ﷺ نے بچے کو مخاطب کر کے فرمایا ”یہ تیرا باپ ہے الخ۔“ اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث سے حاصل ہوا کہ بچہ جب صغریٰ میں ہو تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہے اور جب سن شعور کو پہنچ جائے اور تربیت و پرورش کی اسے چنداں ضرورت نہ رہے تو اس صورت میں والدین کے درمیان اس بچے کو اختیار دیا جائے گا (جس کے ساتھ چاہے چلا جائے) امام شافعی رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ، اسحق رحمہ اللہ اور عام اہلحدیث اسی طرف گئے ہیں اور انہوں نے استغناء کی عمر سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور اہل الرائے اختیار دینے کی طرف نہیں گئے۔ بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ماں بچیوں کی زیادہ حقدار ہے تاوقتیکہ ان کا نکاح ہو جائے اور باپ لڑکوں کا زیادہ حق رکھتا ہے تاوقتیکہ وہ جوان و بالغ ہو جائیں اور اہل الرائے کا قول ہے کہ جب بچہ مستغنی ہو جائے تو باپ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے مگر یہ حدیث اختیار کو واجب قرار دے رہی ہے جو ان کے خلاف حجت ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بچے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس کے پاس رہنا پسند کرے اس کے پاس رہے اور اس سے پہلے حدیث میں والدہ کو زیادہ حق دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جس بچہ کا ذکر ہے وہ بڑا ہوگا اور سمجھدار ہوگا۔ اسی وجہ سے اسے اختیار دیا گیا کہ خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچہ بڑی عمر کا ہو اور اپنی حفاظت میں والدین کا محتاج نہ ہو تو اسے شریعت نے اختیار دیا ہے کہ ماں باپ دونوں میں سے جس کے پاس چاہے رہے۔ یہ اختیار کتنی عمر کے بچے کو دیا جائے گا۔ فقہاء نے سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جس امر میں بچے کی مصلحت اور خیر خواہی ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔ اگر ماں باپ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح تربیت و پرورش اور حفاظت کرنے والی ہو اور نہایت غیرت مند خاتون ہو تو ماں کو باپ پر مقدم کیا جائے گا۔ اس موقع پر قرعہ اندازی یا اختیار میں سے کسی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا کیونکہ بچہ تو نادان، کم عقل، ناعاقت اندیش ہوتا ہے۔ ماں باپ میں سے جو بچہ کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو، بچہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر باپ میں یہ اوصاف ماں کی بہ نسبت زیادہ ہوں تو بچہ باپ کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ وہی اس کی پرورش و تربیت کا ذمہ دار ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں ماں کے پاس رہیں گے اور احناف نے کہا کہ

لڑکی ماں کے پاس اور لڑکا باپ کے پاس رہے گا۔ قرین انصاف بات علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی معلوم ہوتی ہے۔

(۹۸۹) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ سَيَّانٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ، وَأَبَتْ أَمْرَهُ أَنْ تُسَلِّمَ، فَأَقْعَدَ النَّبِيُّ ﷺ الْأُمَّ نَاجِيَةً، وَالْأَبَ نَاجِيَةً، وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّ بَيْنَهُمَا، فَمَالَ إِلَى أُمِّهِ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ اهْدِهِ، فَمَالَ إِلَى أَبِيهِ، فَأَخَذَهُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَّاسِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خود مسلمان ہو گیا اور اس کی بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو ایک طرف اور باپ کو دوسرے گوشے میں بٹھادیا اور بچے کو دونوں کے درمیان میں بٹھا دیا۔ تو بچہ ماں کی جانب مائل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ”الہی اس بچہ کو ہدایت دے۔“ اس روئے بچہ باپ کی جانب

ابوداؤد اور نسائی نے کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بچہ چھوٹا تھا ابھی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ”صبی“ کا لفظ اسی کا مقتضی ہے بلکہ ابوداؤد میں صاف طور پر منقول ہے کہ یہ جھگڑا ایک چھوٹے بچے کے بارے میں تھا اور وہ عورت دودھ چھڑانے والی یا اس کے مشابہ تھی۔ جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ بچہ چھوٹا تھا اور تمیز کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو پھر تاذرع و جھگڑا بچہ کی حق حضانت کے بارے میں تھا۔ ولایت و سرپرستی میں نہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ کافر ماں کیلئے حضانت کا حق ثابت ہے لیکن اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ بچے کو تمیز کی اہلیت کے بعد والدین کے انتخاب میں اختیار دیا جائے گا خواہ والدین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو۔

راوی حدیث: ﴿ رافع بن سنان رضی اللہ عنہ ﴾ ابوالحکم انصاری اوسی مدنی رضی اللہ عنہ۔ مشہور صحابی ہیں۔ الانساب میں ابو القاسم بن سلام نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ عطیوں کی اولاد میں سے ہیں اور وہ عامر بن ثعلبہ ہیں۔

(۹۹۰) وَعَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى فِي ابْنَةِ حَمْزَةَ لِحَالِهَا، وَقَالَ: «الْحَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: وَالْجَارِيَةُ
عِنْدَ خَالَتِهَا فَإِنَّ الْخَالََةَ وَالِدَةٌ.

لغوی تشریح: ﴿فَانِ الْخَالَةَ وَالِدَةً﴾ یعنی خالہ بمنزلہ ماں۔ اس بچی کی خالہ کا نام اسماء بنت عمیس تھا اور مذکورہ بچی کا نام عمارہ تھا اور امامہ بھی کہا گیا ہے۔ ان کی کنیت ام الفضل تھی۔ یہ فیصلہ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا تھا جب حضرت علیؓ حضرت جعفرؓ اور زید کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کا دعویٰ تھا کہ اس کا زیادہ استحقاق میں رکھتا ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفرؓ کا دعویٰ تھا کہ یہ میری چچا زاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے اور حضرت زیدؓ کا دعویٰ تھا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ساری روایات و قصہ سماعت فرما کر آپؐ نے اس بچی کا فیصلہ خالہ کے حق میں دے دیا۔ مشکل یہ پیش آئی کہ یہ خالہ شادی شدہ تھیں اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ نکاح کے بعد حق حضانت نہیں رہتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق حضانت نکاح کی صورت میں اس وقت ساقط ہوتا ہے جبکہ والدین کے مابین جھگڑا پیدا ہو کہ بچہ کس کے پاس رہے کیونکہ مطلقہ کا بغض و ناراضگی پہلے شوہر کے بارے میں زیادہ سخت و شدید ہوتا ہے پھر اکثر اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ دوسرے شوہر سے عورت کی محبت و دلچسپی اور شوہر کی بچے کے متعلق سختی بچے کی طرف توجہ کو کم کر دیتی ہے جس سے بچہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے۔

(۹۹۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أَمَى أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيَبَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پیش کرے تو اگر وہ اس خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا نہ کھلائے تو پھر ایک یا دو لقمے اسے دے۔“ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

(۹۹۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «عَذَبَتْ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ، فَدَخَلَتْ النَّارَ فِيهَا، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا، وَسَقَتْهَا، إِذْ هِيَ حَسَنَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشٍ الْأَرْضِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک عورت کو بلی کے قید کرنے میں عذاب دیا گیا جس نے بلی کو اتنی دیر تک باندھے رکھا کہ وہ مر گئی۔ اس عورت کو جہنم میں ڈال دیا گیا کہ نہ تو اس عورت نے بلی کو کچھ کھلایا اور نہ پلایا بلکہ باندھ رکھا اور نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ زمین کے جانور کھا لیتی۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عَذَبَتْ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ﴾ اس جملہ میں ”فی“ سببیہ ہے یعنی بلی کی وجہ سے۔ ﴿سَجَنَتْهَا﴾ روکے رکھا اسے اور باندھے رکھا۔ ﴿فَدَخَلَتْ النَّارَ فِيهَا﴾ اس کو باندھے رکھنے کی وجہ سے اسے آگ میں داخل کیا گیا۔ ﴿خَشَاشٍ﴾ ”خاک“ کے نیچے کمرہ کے ساتھ اور فتح بھی جائز ہے اور ضمہ بھی۔ حشرات الارض۔ زمین کے جانور، چڑیا وغیرہ۔

حاصل کلام: سیاق تقاضا کرتا ہے کہ اس عورت کو عذاب بلی کے کھانے پینے سے روکے رکھنے کی وجہ سے دیا گیا اور اسے بھوکا پیاسا مارنے کی وجہ سے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کہ بلی کو قتل کرنا حرام ہے اور نہ اس کے جواز پر اس میں بحث ہے بلکہ اس مسئلہ میں تو سکوت ہے۔ بہترین قول یہ ہے کہ جب بلی دشمنی پر اتر آئے تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو اس باب میں اس لئے لائے ہیں تاکہ مشکفل اور ضامن کو ان کی ذمہ داری کی عظمت اور گراں باری پر متنبہ کریں اور اس پر خبردار کریں کہ جس کی کفالت کی ذمہ داری اس پر ہے، اس کی ضروریات زندگی کا خیال و لحاظ اور اس سے ملاطفت اور حسن سلوک کفیل کے واجبات اور اس کے آداب میں ہے۔ اس کو اہمیت نہ دینا، معمولی سمجھنا اور اسے ضائع کرنا اللہ کے ہاں کبیرہ گناہ ہے۔ جس کا اس کے ہاں مؤاخذہ ہو گا اور اس وجہ سے سزا و عذاب دیا جائے گا۔



إِخْدَى ثَلَاثَ خِصَالٍ: زَانٍ مُّحْصَنٌ شَدَّ زَانِيٍّ، پَسِ اسے سَنگسار کِیا جائے اور وہ آدمی جو فَرَجَمُ، وَرَجُلٌ يَفْتُلُ مُسْلِمًا مُتَعَمِّدًا ویدہ و دانستہ کسی مسلمان بھائی کو قتل کرے پس اسے فَيَقْتُلُ، وَرَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ، قتل کِیا جائے گا اور ایک وہ آدمی جو دائرۃ اسلام سے فَيَحَارِبُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَيَقْتُلُ، أَوْ يَضْلِبُ، أَوْ يُنْفِي مِنَ الْأَرْضِ. رَوَاهُ سولی دی جائے گی یا اسے جلا وطن کِیا جائے گا۔“

أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. (اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کِیا ہے اور حاکم نے

اسے صحیح کما ہے)

لغوی تشریح: ﴿فَيَقْتُلُ﴾ تینوں افعال صیغہ مجہول ہیں اور نفی من الارض سے مراد جلا وطنی ہے۔ یہ سزا ہر ایک مرتد کیلئے نہیں ہے بلکہ اس مرتد کیلئے ہے جو مرتد ہونے کے بعد عملاً لڑائی شروع کر دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض (۵: ۳۳) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ (لڑائی) کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی سعی و کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کِیا جائے یا پھانسی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا جلا وطن کئے جائیں۔ رہا وہ مرتد جو ارتداد کے بعد محاربہ نہیں کرتا اسے صرف سزائے قتل ہی دی جائے گی۔

(۹۹۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے روز لوگوں رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ کے درمیان سب سے پہلے جن مقدمات کا فیصلہ کِیا النَّاسِ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فِي الدِّمَاءِ“. جائے گا وہ خون کے مقدمات ہوں گے۔“ (بخاری و مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فِي الدِّمَاءِ﴾ دم کی جمع ہے اور جار (حرف جر) ان کی خبر ہے۔ یہ حدیث آپؐ کے ارشاد اول ﴿مَا يَحْسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتَهُ﴾ کہ سب سے پہلے نماز کے بارے میں محاسبہ ہو گا کے معارض نہیں ہے اس لئے کہ یہ اللہ کا حق ہے اور پہلا اس سے متعلق ہے جو بندوں کے درمیان ہے کیونکہ یہ محاسبہ کے متعلق ہے۔ پہلے کا تعلق حکم اور قضا سے ہے اور محاسبہ تو حکم سے پہلے ہوتا ہے پس پہلا درحقیقت نماز ہے۔

(۹۹۶) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ حضرت سمہہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”جس مالک نے اپنے غلام کو قتل کیا **﴿مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْتَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْتَاهُ﴾**۔ زَوَاهُ أَحْمَدُ۔ وَالْأَزْبَعَةُ، وَحَسَنَةُ التَّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ سَمُرَةَ، وَقَدْ اخْتَلَفَ فِيهِ هِيَ۔ یہ سرہ سے حسن بصری کی روایت ہے اور سرہ سے حسن بصری کے سماع میں اختلاف ہے) اور ابوداؤد اور نسائی وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: کی روایت میں ہے کہ ”جس مالک نے اپنے غلام کو **﴿وَمَنْ خَصَصِيَ عَبْدَهُ خَصَصْتَاهُ﴾**۔ وَصَحَّحَ خُصِي كَمَا هُمْ اسے خاصی کر دیں گے۔“ (اس اضافہ کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے) الْحَاكِمُ هَذِهِ الرِّوَايَةَ۔

لعفی تشریح: ﴿جدع عبده﴾ جس مالک نے اپنے غلام کے کان، ناک، ہونٹ وغیرہ کاٹے۔ جدع دراصل ناک کاٹنے سے مخصوص ہے۔ ﴿خصی عبده﴾ جس مالک نے اپنے غلام کے خیسے کھینچ کر نکال دیئے اور کاٹ دیئے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ مالک و آقا سے غلام کے جسم اور اعضاء کا قصاص لیا جائے گا۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک قول تو یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں مطلقاً قتل کیا جائے۔ اس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کہ غلام اس کا اپنا ہو یا دوسرے کا۔ یہ اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں قتل کیا جائے گا جبکہ غلام دوسرے کا ہو، جب اپنا غلام ہو تو اس صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے مطلقاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ آخری قول امام احمد رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہم کا ہے۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے۔ کتب علیکم القصاص فی القتلی الحرب بالحر والعبد بالعبد (۱۷۸: ۲) انہوں نے کہا ہے۔ حدیث میں حسن بصری اور سرہ سے انقطاع کے باوجود تاویل کی جائے گی بایں معنی کہ آپ کے ارشاد قتلناہ کا معنی اسی طرح کی سزا ہم اسے دیں گے اور جس برے طریقہ سے اس نے کیا اسی طرح ہم اس سے بدلہ لیں گے۔ اس میں لفظ قتل بطور مشاکلت استعمال ہوا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها (۴۲: ۴۰) اس جگہ سینت کا دوبارہ لانا بطور مشاکلت ہے۔ اسی طرح کلام رسول ﷺ میں بھی لفظ قتل بطور مشاکلت ہے۔ اس طرح عبارت بیان کرنے کا فائدہ زجر و توبیخ اور ڈرانا دھمکانا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ آزاد مرد کے عضو غلام کے عضو کاٹنے کے بدلہ میں کاٹا جائے تو عام اہل علم کی رائے تو یہی ہے کہ آزاد کا عضو غلام کے عضو کے بدلہ میں نہ کاٹا جائے۔ ان کے قول کا مقتضی یہ ہے کہ اس حدیث کو انہوں نے زجر و توبیخ پر محمول کیا ہے۔

(۹۹۷) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حضرت عمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ اللَّهَ ﷻ سَنَاكَ "باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ يَقُوْلُ: «لَا يُقَادُ» (اے احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن جبارود اور تہقی نے صحیح قرار دیا ہے اور مَا جَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَقَالَ تَرْمِذِي نَعَمْ كَمَا هُوَ فِي حَدِيثٍ فِيهِ اضْطِرَابٌ. التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ مُضْطَرِبٌ.

لعوی تشریح: ﴿لا یقاد الوالد بالولد﴾ یقاد قود سے ماخوذ ہے جس کے معنی قصاص کے ہیں اور قصاص کہتے ہیں مقتول کے بدلہ قاتل کو قتل کرنا۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی نے جب اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اکثر سلف کی یہی رائے ہے کہ قصاص سے بدلہ میں باپ سے دیت وصول کی جائے گی۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ باپ کو قتل نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہے اور بیٹا باپ کے وجود کا سبب نہیں، اس لئے بیٹا باپ کو معدوم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ نیز عموماً باپ کی طبیعت سے یہ بعید ہے کہ اپنے لخت جگر کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ اگر اس سے اس گناہ و جرم کا ارتکاب ہو گا تو نادانستگی اور خطا کے طور پر ہو گا اور خطا کی صورت میں قتل میں قصاص نہیں ہوتا، دیت ہوتی ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر باپ بیٹے کو لٹا کر جانور کی طرح ذبح کرے تو اس صورت میں باپ سے قصاص لیا جائے گا۔ غالباً امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں خطا کا احتمال نہیں رہتا۔

ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مضطرب کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں ثنی بن صباح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کے تمام طرق میں انقطاع ہے۔ مگر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تلخیص میں تصریح کی ہے کہ تہقی کی روایت کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔ لہذا یہ روایت صحیح ہے۔

(۹۹۸) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے قُلْتُ لِعَلِيِّ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِّنَ الْوَحْيِ، غَيْرَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: لَا، وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِلَّا فَهَمَّ يُعْطِيَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ، وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، قُلْتُ: وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ، وَفِكَائِكَ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعہ نازل شدہ کوئی اور چیز بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم! جس نے دانا و غلہ اگایا اور جان کو پیدا فرمایا سوائے اس فہم کے جسے اللہ تعالیٰ کسی انسان کو قرآن کے بارے میں عطا فرماتا ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں تحریر ہے (میرے پاس کچھ نہیں) میں نے سوال

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ، دیت کے احکام، قیدی کو آزاد کرنے کا حکم اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے دِمَاؤُهُمْ، وَيَسْمَعُ بِذِمَّتِهِمْ أَذْنَاهُمْ، (بخاری) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو احمد، وہم يَدُّ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ، وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ. صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

برابر ہیں اور ان میں سے ادنیٰ آدمی کی ذمہ داری کی حیثیت بڑے آدمی کے برابر ہے اور اپنے سوا وہ غیر مسلمانوں کے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں اور کوئی مومن کسی کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی معاهد (ذمی) کو اس کے زمانہ عہد میں قتل کیا جاسکتا ہے۔ (اس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿هل عندكم شئى الخ﴾ اس جملہ میں ﴿کم﴾ کی ضمیر جمع تعظیم کے طور پر لائی گئی ہے یا پھر یہ مراد ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سارے اہل بیت ہوں جن کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سردار تھے۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ شیعہ کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ اہل بیت کے پاس بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی ہوئی ایسی اشیاء ہیں جن کو نبی ﷺ نے اہل بیت کیلئے مخصوص قرار دیا ہے ان کے ماسوا دوسرے کسی کو ان کا علم نہیں ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے۔ ﴿والذى﴾ اس میں ”واؤ“ قسم کیلئے ہے۔ ﴿فلق الحبة﴾ جس سے پھار کر دانا نکالا اور اس میں سے بنا پودا اور اس کی شاخیں نکلیں۔ ﴿وبرا النسمة﴾ نسمة نون اور سین دونوں پر فتح۔ جس نے جان کو پیدا فرمایا۔ ہر چوپایہ جو جاندار ہے وہ نسمة میں داخل ہے۔ ﴿الافهم﴾ لفظ شئی سے یہ اشتاء ہے اور ”لا“ کے قول میں مقدر ہے کہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں بجز فہم کے جو اس نے ہمیں قرآن کے متعلق عطا فرمایا ہے۔ یہ بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ﴿وما فى هذه الصحيفة﴾ اس میں ماموصلہ ہے اور فہم پر عطف ہے اور صحیفہ کے معنی تحریر شدہ ورق۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم دین کے سلسلہ میں لوگوں کو نظر انداز کر کے کوئی خاص چیز نہیں دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کے درمیان اتنا بڑا علمی تفاوت و فرق جو وقوع پذیر ہوا ہے وہ صرف اس فہم و تدبر فی القرآن کی وجہ سے ہوا جو ان کو عطا ہوا

ہے۔ نیز اس وجہ سے کہ استنباط کے مواہب و عطایا مختلف ہیں۔ صحیفہ کو مستثنیٰ احتیاط کے طور پر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی کے خیال میں آئے کہ اس میں ایسی کوئی چیز ہے جو دوسرے لوگوں کے علم میں نہیں یا پھر اس لئے اس کا استثناء کیا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چیز بالخصوص ہوتی تو اس صحیفہ میں ہوتی مگر اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو لوگوں کے پاس نہ ہو اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہو۔ یہ تخصیص کا بلیغ ترین انداز بیان ہے۔ ﴿العقل﴾ دیت۔ مطلب یہ ہے کہ اس صحیفہ میں دیت کے احکام اور ان کی تفصیلات ہیں ﴿وفسکاکہ الاسیر﴾ ”فا“ پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ اس صحیفہ میں غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے اور آزاد کرنے کی ترغیب ہے۔ ﴿وان لی یقتل مسلم بکافر﴾ کافر خواہ حربی ہو یا ذمی۔ اس کے بدلے میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔ اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے جس میں امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہم شامل ہیں مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ کافر اگر ذمی ہو گا تو قتل کیا جائے گا مگر اس دعویٰ پر کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں۔ پہلا مذہب ہی درست ہے۔ ﴿تسکافا دماوہم﴾ دیت اور قصاص کے سلسلہ میں ان کے خون مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ شریف سے کہیں کا قصاص و دیت لی جائے گی۔ بڑے سے چھوٹے کی، عالم سے جاہل کی اور عورت کی مرد سے اور اس کے برعکس تمام اصناف میں۔ یہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں کے خون برابر و مساوی نہیں ہیں۔ ﴿ویسعی بذمتہم ادناہم﴾ ذمہ کے معنی امان ہے۔ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جب کوئی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو اس کافر کا خون بہانا تمام مسلمانوں پر حرام ہے۔ خواہ پناہ دینے والا آدمی مسلمانوں میں سے حقیر ترین آدمی ہی کیونہ ہو۔ مثلاً غلام ہو، ملازم ہو یا عورت ہو۔ ﴿وہم یدعلیٰ من سواہم﴾ وہ مسلمان اپنے غیر کے مقابلہ میں سب اکٹھے ہیں یعنی اپنے دشمن کے مقابلہ میں مجتمع ہیں۔ لہذا مسلمانوں کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کو رسوا کریں اور نظر انداز کریں اور اسے اپنے دشمن کے سپرد کر دیں اور اسے دشمن کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ ان پر ایک دوسرے کی ضمانت دینا واجب ہے۔ ایک دوسرے سے باہمی تعاون کرنا، دنیا کی تمام اقوام و ملل اور ادیان کے مقابلہ میں جہاں کہیں وہ ہوں سیدہ پلائی دیوار ہوں، اس سے اسلامی ممالک و ولایات میں کفار کی کسی عمدے میں سرداری ناجائز قرار پاتی ہے کیونکہ سربراہ کا ہاتھ اپنی رعایا پر ہوتا ہے۔ ﴿ولا ذوعہد فی عہدہ﴾ ذی جب تک اپنے عہد پر قائم رہے اور اسے نہ توڑے اس کا قتل حلال نہیں۔

(۹۹۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ جَارِيَةً وَجَدَتْ رَأْسَهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجْرَيْنِ، کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا تھا۔ صحابہؓ نے اس سے فسألوها، مَنْ صَنَعَ بِكَ هَذَا؟ فَلَانَ؟ سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ ایسا کس نے کیا

شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَجُلًا طَعَنَ رَجُلًا بِقَرْنِهِ، فِي رُكْبَتِهِ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: أَقْدَنِي، فَقَالَ: حَتَّى تَبْرَأَ، ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَقْدَنِي، فَأَقَادَهُ، ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَرَجْتُ، فَقَالَ: قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِي، فَأَبْعَدَكَ اللَّهُ، وَيَطَّلِعَ عَرَجُكَ، ثُمَّ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحِهِ حَتَّى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْذَاقُطْنِيُّ، وَأَعْلَى بِالْإِسْمَالِ.

اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں سینگ چبھو دیا تو وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا مجھے اس سے قصاص لے کر دیں۔ آپ نے فرمایا ”زخم مندمل ہونے کے بعد آنا۔“ وہ پھر آپ کے پاس آیا اور بولا مجھے قصاص دلوائیے۔ آپ نے اسے قصاص دلوا دیا۔ اس کے بعد پھر آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ میں لنگڑا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا ”میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہ مانی۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے دور کر دیا اور تیرے لنگڑے پن کو باطل کر دیا۔“ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”زخموں کا قصاص اس وقت تک لینا ممنوع ہے کہ جب تک زخمی آدمی صحت مند و تندرست نہ ہو جائے۔“ (اس روایت کو احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے مرسل ہونے کی وجہ سے معلول کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿طعن﴾ ماضی کا صیغہ ہے اور طعن جس کے معنی نیزہ وغیرہ سے مارنا کے ہیں۔ ﴿اقدنی﴾ اقادة سے امر کا صیغہ ہے یعنی مجھے قصاص دلوائیے یا حصول قصاص میں میرے لئے آسانی کریں۔ ﴿حتى تبرأ﴾ یہاں تک کہ تو اس بیماری سے صحت یاب ہو جائے۔ ﴿عرجت﴾ ”را“ پر فتح۔ لنگڑا ہو گیا ہوں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ قصاص لینے میں زخموں کے مندمل ہونے تک تاخیر کرنی چاہئے۔ حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے زخموں کی دیت اس وقت لی جانی چاہئے جب زخم مندمل ہو جائیں اور زخمی صحت یاب ہو جائے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ انتظار کرنا واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اسے مستحب کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عین ممکن ہے زخم خراب صورت اختیار کر لے اور اسی بنا پر وہ عضو ضائع ہو جائے اور ان دونوں صورتوں میں دیت الگ الگ ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ میں اس آدمی نے بے صبری اور عجلت سے کام لیا اور حضور ﷺ کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو اسے صرف پانچ اونٹ ملے۔ مگر جب وہ خرابی زخم کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تو اس وقت اسے پچاس اونٹ ملے۔ بے صبری اور عجلت پسندی اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عدم توجہ کے نتیجے میں صرف پانچ اونٹوں پر اکتفا کرنا پڑا۔

(۱۰۰۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أَفْتَتَلْتُ أَمْرَاتَانِ مِنْ هَذِيلٍ، فَرَمْتُ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَقَتَلْتُهُمَا وَمَا فِي بَطْنِيهَا، فَأَخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ دِيَّةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ، وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا، وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمْلُ بِنِ الثَّابِغَةِ الْهَذَلِيَّةِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَيْفَ نَعْرُضُ مَنْ لَا شَرْبَ وَلَا أَكْلَ؟ وَلَا نَطْقُ وَلَا اسْتَهْلُ؟ فَمِثْلُ ذَلِكَ يُطْلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّمَا هَذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُفَّانِ، مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ایک نے دوسری پر پتھر دے مارا۔ اس پتھر سے وہ عورت اور اس کے پیٹ کا بچہ مر گیا تو اس کے وارث مقدمہ نبی ﷺ کی عدالت میں لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ”جنین کے بدلہ ایک لونڈی یا غلام ہے اور عورت کے بدلہ قاتل کے وارثوں پر دیت عائد فرمادی اور اس خون بہا کا وارث اس کی اولاد کو بنایا اور ان وارثوں کو بھی جو ان کے ساتھ تھے۔“ حمل بن ثابغہ ہذلی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم ایسے بچہ کا بدلہ کیسے دیں جس نے نہ پیا نہ کھایا نہ بولا اور نہ چیخا۔ اس طرح کا حکم تو قاتل اعتبار نہیں۔ آپ نے فرمایا ”یہ تو کافروں کا بھائی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے تو کافروں کی سی قافیہ بندی کی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، سَأَلَ مَنْ شَهِدَ قَضَاءَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْجَنِينِ، قَالَ: فَقَامَ حَمْلُ بِنِ الثَّابِغَةِ، فَقَالَ: كُنْتُ بَيْنَ أَمْرَاتَيْنِ، فَضَرَبْتُ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى، فَذَكَرَهُ مُحْتَضِرًا وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون شخص جنین کے بارے میں نبی ﷺ کے فیصلہ کے موقع پر حاضر تھا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حمل بن ثابغہ کھڑا ہوا اور بیان کیا کہ میں اس وقت ان دو عورتوں کے درمیان تھا، جب ایک نے دوسری کو پتھر دے مارا تھا، پھر مختصر حدیث کا ذکر کیا۔ (ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿امرأتان من هذيل﴾ یہ دونوں عورتیں سوکنیں تھیں اور دونوں حمل بن مالک بن ثابغہ ہذلی کے نکاح میں تھیں اور ﴿جنین﴾ عورت کا وہ حمل جو اس کے رحم میں ہو۔ ﴿غرۃ﴾ غنیمت پر

ضمہ ”را“ پر تشدید اور تونین ﴿عبد اولیدۃ﴾ یہ غرۃ کا بیان ہے غرۃ دراصل اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے چہرے پر ہوتی ہے اور ولیدۃ کے معنی لونڈی ہے۔ ”او“ تقسیم کیلئے ہے شک و تردد کیلئے نہیں۔ ﴿وقضی ببدیۃ المراء علی عاقلتها﴾ یعنی قاتل عورت کی دیت اس کے عاقلہ پر ڈال دی۔ اس کے شوہر پر نہیں ڈالی۔ ﴿وورثھا﴾ تورث سے ماخوذ ہے یعنی دیت کا وارث بنایا۔ ﴿ولدها﴾ مقتولہ عورت کی اولاد کو۔ ﴿ومن معہ﴾ ان ورثاء کو جو بیٹے کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دیت کو مقتولہ کے بچوں اور اس کے شوہر کی میراث قرار دیا۔ عاقلہ (پوری رشتہ دار) کیلئے نہیں اور ابوداؤد میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس میں ہے کہ مقتولہ کے عاقلہ (پوری رشتہ دار) نے عرض کیا اس کی میراث کے حق دار تو ہم ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہیں ایسا نہیں۔ اس کی میراث اس کے شوہر اور اس کی اولاد کا حق ہے۔“ ﴿کیف نغرم﴾ ”را“ پر فتح۔ ہم کیسے ضمان دیں اور چٹی ادا کریں یعنی ہم دیت کیوں دیں۔ ﴿من لاشرب الخ﴾ یہ نغرم کا مفعول ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ وہ زندہ پیدا نہیں ہوا اور نہ اس میں زندگی کے آثار پائے گئے ہیں اور نہ اس نے پیدا ہونے کے وقت چیخ ماری۔ ﴿استہلال﴾ چیخ مارنا۔ مراد یہ تھا کہ وہ پیدائش کے وقت رویا بھی نہیں حالانکہ پیدائش کے وقت ہر بچہ روتا ہے۔ ﴿فمثل ذلک یطل﴾ یطل فعل مضارع ہے صیغہ مجہول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رائیگاں گیا اور ضمان قسم کی کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی کیونکہ ضمان تو زندہ چیز کے ضائع کرنے میں ہے۔ ﴿انما ہذا﴾ یہ بات و گفتگو کرنے والا۔ ﴿من اخوان الکھان﴾ کھان کے کاف پر ضمہ اور ”ھا“ پر تشدید اور کاصن کی جمع ہے یعنی کاہن لوگ اپنی بے اصل اور مزین باتوں کو قافیہ بندی کے ذریعہ ترویج دیتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اسے تشبیہ دینے سے اس شخص کی تردید مقصود تھی کیونکہ وہ مسجع و مسجع کلام کے ذریعہ وہ اس حق کا مقابلہ و معارضہ کرنا چاہتا تھا جسے نبی ﷺ نے ثابت کیا تھا اور مسجع کلام، متفع قافیہ بند گفتگو کو کہتے ہیں۔ ﴿کنت بین امرأتین﴾ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ ان دونوں کا شوہر تھا۔ راوی حدیث: ﴿حمل بن نابغہ رضی اللہ عنہ﴾ حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی صحابی ہیں۔ ابونضلہ ان کی کنیت تھی اور وہ بصرہ کے رہائشی تھے۔

(۱۰۰۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ الرُّبَيْعَ بِنْتَ النَّضْرِ - رُبَيْع بنت نصر نے ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیئے۔ رُبَيْع کے رشتہ داروں نے اس سے معافی طلب کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے الدارِشَ، فَأَبَوْا، فَأَتُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَأَبَوْا، إِلَّا الْقِصَاصَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی پھوپھی

اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: لینے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ فرما دیا۔ یہ سن کر حضرت انس بن نضر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا رنج کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں، اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے انس! اللہ کا نوشتہ تو قصاص ہی ہے۔“ اتنے میں وہ لوگ اس پر رضامند ہو گئے اور پھر معافی دے دی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔“

(بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

انغوی تشریح: ﴿عمتہ﴾ یہ بدل یا بیان ہے یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی اور انس بن نضر کی بہن کی۔ ﴿ثنیۃ جاریۃ﴾ ثنیۃ فعلیہ کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع ثنایا آتی ہے یہ منہ کے اگلے دانتوں کو کہتے ہیں۔ دو دانت اوپر والے اور دو دانت نیچے والے۔ ﴿الادش﴾ کے معنی دیت۔ ﴿لا نکسر نسیبہا﴾ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ یہ بات انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ارشاد گرامی کی تردید کیلئے نہیں کسی اور نہ آپ کے فرمان سے اعراض کے پیش نظر۔ یہ تو انہوں نے محض توقع اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید پر کہے کہ مخالف فریق کو اللہ تعالیٰ اس پر راضی فرما دے گا اور اس کے دل میں معافی کا جذبہ و داعیہ پیدا فرما دے گا اور وہ دیت لے کر قصاص کے حق سے دست بردار ہو جائے گا۔ ﴿کتاب اللہ القصاص﴾ کتاب اللہ مبتداء اور التماس اس کی خبر ہے۔ یعنی کتاب اللہ میں اس قسم کے مقدمات میں قصاص کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”السن بالسن والجروح قصاص“ اس اصول کی بنیاد پر کہ سابقہ شرائع اس وقت تک ہماری شرائع ہیں تا وقتیکہ اس کے نسخ کا حکم وارد ہو یا اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق وان عاقبتہم فعاقبوا بمثل ما عوقبتہم بہ (۱۶: ۱۲۶) ﴿لا برہ﴾ اس میں لام تاکید کیلئے ہے قسم کے جواب میں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم توڑے بغیر پوری فرما دے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے حضرت انس بن نضر کی فضیلت معلوم ہوئی کہ انہوں نے جو قسم کھائی اللہ نے اسے پورا فرما دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد اور مکمل بھروسے کی بنا پر قسم کھائی تھی جسے اللہ نے پورا کر دیا۔ نبی ﷺ کے ارشاد کی تردید اور اعراض مقصود نہ تھا۔ ایسا ہوتا تو ایک صحابی ارشاد نبوی کا نافرمان شمار ہوتا جو ایک صحابی کی شان کے کسی صورت لائق نہیں۔ نبی ﷺ کا ان کی تعریف فرمانا اس بات

کا کھلا ثبوت ہے ورنہ آپؐ نافرمان صحابی کی تعریف کیسے فرماتے۔

براوی حدیث: ﴿ربیع بنت نضرؓ﴾ ”را“ پر ضمہ با پر فتح اور ”یا“ پر کسرہ اور تشدید۔ یہ نضر بن معنم بن زید بن حرام کی بیٹی حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص کی پھوپھی اور حارث بن سراقہ جو غزوہ بدر میں جام شہادت نوش فرما کر غلہ بریں کے مکین بن گئے تھے کی والدہ تھیں۔

﴿انس بن نضرؓ﴾ یہ حضرت ربیع کے بھائی اور انس بن مالک رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص کے چچا تھے۔ یہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس کا ان کو بڑا افسوس تھا۔ جنگ احد کے روز مشرکین کی صف کی جانب بڑھے، یہ معذرت اللہ کے حضور پیش کرتے ہوئے بڑھتے کہ مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ ٹھیک نہیں اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ میں تو احد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد خوب لڑے اور شہید ہو گئے۔

(۱۰۰۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيَّا، أَوْ فِي رَمِيًّا بِحَجَرٍ أَوْ سَوْطٍ أَوْ عَصَا، فَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَا، وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا، فَهُوَ قَوْدٌ، وَمَنْ حَالَ دُونَهُ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اندھا دھند لڑائی میں قتل ہو جائے یا پتھر پھینکنے سے قتل ہو جائے یا کوڑے اور لاٹھی سے مر جائے تو اس کی دیت، خطا کی دیت ہوگی۔ جو شخص عداً قتل کیا جائے گا تو اس کا قصاص ہے اور جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا تو ایسے شخص پر اللہ کی لعنت ہے۔“ (اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے قوی سند سے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿عمیاء﴾ عین کے نیچے کسرہ اور میم مکسور مع التشدید اور پھر ”یا“ پر بھی تشدید۔ یعنی جو شخص ایسی صورت حال میں قتل کیا گیا جس کے قتل کا معاملہ صاف اور واضح نہ ہو اور اس کے قاتل کی نشان دہی بھی نہ ہو سکے ﴿اور میا﴾ رمی سے ماخوذ ہے۔ عمیاء کے وزن پر ہے اور ترائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایسی پوزیشن میں اس کا قتل ہوا جب لوگ تیر اندازی میں مشغول تھے اور ایک دوسرے کو مار پیٹ رہے تھے۔ ایسی صورت حال میں قاتل کی نشان دہی اور قاتل کا حال بھی معلوم نہ ہو تو ایسا قتل، قتل خطا کے زمرہ میں آتا ہے اور ابوداؤد میں الفاظ اس طرح ہیں ”من قتل فی عمیاء فی رمی“ اس جملہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ ﴿عصا﴾ اور بعض نسخوں میں ”عصی“ عین اور صاد دونوں پر کسرہ اور ”یا“ پر تشدید۔ اس صورت میں یہ عصا کی جمع ہوگی۔ ﴿عقل الخطا﴾ یعنی قتل خطا کی دیت اور وہ سوا نٹ ہے۔ ﴿قود﴾ قاف اور دال دونوں پر فتح۔ قصاص۔ ﴿ومن حال دونه﴾ جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا اور مانع بن کر کھڑا ہوا۔

(۱۰۰۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيَّا، أَوْ فِي رَمِيًّا بِحَجَرٍ أَوْ سَوْطٍ أَوْ عَصَا، فَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَا، وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا، فَهُوَ قَوْدٌ، وَمَنْ حَالَ دُونَهُ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ.

اللَّهِ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ، نے فرمایا ”جب ایک آدمی دوسرے آدمی کو پکڑے رکھے اور دوسرا آدمی پکڑے ہوئے آدمی کو قتل کر دے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قَتْلُہُ الْآخَرُ، يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَهُ، وَيُخَبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ“۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ قید کر دیا جائے گا۔“ (اسے دار قطنی نے موصولاً اور مرسلًا مَوْصُولًا وَمُرْسَلًا، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ، وَرَجَّاهُ روایت کیا ہے اور ابن قطن نے اسے صحیح قرار دیا۔ اس بَقَاث، إِلَّا أَنَّ الْبَيْهَقِيَّ رَجَّحَ الْمُرْسَلُ۔ مگر بیہقی نے اس کے مرسل ہونے کو

ترجیح دی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایک آدمی کو دو آدمی اس طرح قتل کریں کہ ایک نے پکڑ لیا اور دوسرے نے پکڑے ہوئے کو قتل کر دیا تو اس صورت میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کی سزا دی جائے گی اور یہ سزا عمر قید کی ہوگی یا عدالت کی صوابدید پر ہوگی۔ احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے مگر امام مالک رحمہ اللہ، نَحْنُیْ رحمہ اللہ اور ابن ابی لیلیٰ کا قول یہی ہے کہ دونوں کو قتل کیا جائے کیونکہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہیں اگر پکڑنے والا اسے نہ پکڑتا تو ممکن ہے وہ قاتل کے وار سے بچ کر بھاگ جاتا اور قتل نہ ہوتا چونکہ اس کے قتل میں دونوں برابر کے شریک ہیں سزا بھی دونوں کی برابر ہونی چاہئے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(۱۰۰۶) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَفْصَةَ عَمْرِو بْنِ بِلْمَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَمِعَ عَمْرِي (کافر) کے بدلے ایک بِمُعَاهِدٍ، وَقَالَ: «أَنَا أَوْلَى مَنْ وَفَى مُسْلِمًا كَوَقِلَّ مُسْلِمًا» (ساتھ ہی) فرمایا ”میں ایفائے بِذِمَّتِهِ“۔ أَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هَكَذَا مُرْسَلًا، عَمْدُ كَرْنِیْ وَالْوَلُوفِیْنَ سَبَّ سَبَّ بَسْمَرِ وَفَا كَرْنِیْ وَالْوَلَا وَوَصَلَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِذِكْرِ ابْنِ عَمْرِو فِيهِ، وَلِإِسْنَادِ هَوْنِ“ (عبدالرزاق نے اسی طرح مرسل روایت کیا ہے اور دار قطنی نے اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موصول بیان کیا

ہے لیکن اس کی سند کمزور ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی شدت ضعف اور حدیث ”لا يقتل مسلم بكافر“ کے معارض ہونے کی وجہ سے جمہور نے اس حدیث کو قابل استدلال قرار نہیں دیا۔ البتہ حنفیہ اسی طرف گئے ہیں مگر احناف اکثر اوقات صحیح حدیث پر ضعیف کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ لہذا اس مقام پر جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر کوئی تعجب نہیں۔

راوی حدیث: ﴿عبدالرحمن بن بيلماني﴾ عبدالرحمن بن ابی زید مولیٰ عمر۔ مدنی۔ حران میں جا کر فروکش ہوئے۔ ابوحاتم کا قول ہے کہ یہ کمزور راوی ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور

حافظ عبدالعظیم نے کہا کہ اس سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی۔ بیلان کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بیلانی کہلایا۔ بیلان کے ”با“ پر فتح اور یا ساکن اور لام پر فتح۔

(۱۰۰۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قُتِلَ غُلَامٌ فَرِيبٌ دَهِيٍّ مِنْ سَارِے اَهْلِ صَنْعَاءَ لَقَتْلَتُهُمْ بِهِ. أَخْرَجَهُ صَنَعَاءُ شَرِيكٌ هَوْتِے تَوِیْے اِن سَب كَو قَتْل كُرْذَالَتَا۔

(بخاری)

لغوی تشریح: ﴿غيلة﴾ غین کے نیچے کسرہ اور ”یا“ ساکن۔ اس کے معنی ہیں دھوکہ، فریب اور خفیہ طور پر کسی کو فریب دے کر ایسی جگہ لے کر چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ دیکھتا ہو اور وہاں قتل کر دے۔ ﴿صنعاء﴾ مد کے ساتھ ہے۔ یہ یمن کا دار السلطنت ہے جو قدیم ترین زمانوں سے چلا آ رہا ہے۔ اہل عرب کے ہاں کثرت بیان کرنے کیلئے بطور مثال استعمال ہوتا ہے۔ جسور علماء نے اسی اثر کو قبول کیا ہے اور کہا ہے کہ ایک آدمی کے بدلہ میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے جبکہ یہ سارے لوگ ایک کے قتل کرنے میں عملاً شریک ہوں۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پہلی روایت جو ابھی گزری ہے، کے معارض و مخالف ہے کہ جب ایک آدمی کسی کو مضبوطی سے پکڑ لے اور دوسرا آدمی اس گرفتار شدہ آدمی کو قتل کر دے تو حقیقی و اصلی قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کر دیا جائے گا۔ اکثر اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اشتراک سے مراد اجتماعی طور پر براہ راست قتل کرنے میں شراکت مراد ہے اور پکڑ کر روکے رکھنا قتل میں اشتراک نہیں بلکہ یہ تو تعاون و معاونت ہے۔ لہذا حدیث اور اثر میں باہمی کوئی مخالفت نہیں۔ لیکن اس قول کی تردید بعض طرق میں وارد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ اگر تمام اہل صنعاء اس پر ٹوٹ پڑتے تو میں ان سب کو قتل کر ڈالتا اور صاحب سبل السلام نے لکھا ہے کہ جماعت پوری کی پوری ایک آدمی کے قتل کے بدلہ میں قتل نہیں کی جائے گی بلکہ ایسی صورت حال میں دیت واجب ہوگی پھر اس نے کہا ہے کہ ہمیں پھر ایک کے بدلہ میں جماعت کو قتل کرنا قوی معلوم ہوا اور ہم نے اس کی دلیل ضواء النہار کے حواشی میں بیان کی ہے۔

(۱۰۰۸) وَعَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخَزَاعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ، بَعْدَ مَقَاتِلِيهِ، فَاهْلُهُ بَيْنَ خَيْرَتَيْنِ، إِمَّا أَنْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ، أَوْ يَقْتُلُوا». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ، وَأَضْلَهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مَنْ رَوَيْتَ كَمَا هِے اور اس روایت کا اصل اس کے ہم معنی

حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ بِمَعْنَاهُ. معینین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

لغوی تشریح: یہ حدیث فتح مکہ کے موقع پر خطاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ دوران گفتگو جب آپؐ نے جاہلیت کے خون کو باطل قرار دیا، فرمایا پھر تم نے اے گروہ خنساء! ہذیل کا یہ آدمی قتل کیا ہے میں اس کی دیت لے کر چھوڑوں گا۔ الحدیث ﴿بِیْنِ خَیْرَتَیْنِ﴾ خیر تین کی ”خا“ کے نیچے کسرہ اور ”یا“ پر فتح یعنی دیت لینے اور قصاص دونوں میں اسے اعتبار ہے جو چاہے انتخاب کرے۔

راوی حدیث: ﴿ابو شریح خزاعی﴾ عمرو بن فویلد اور بعض کے نزدیک فویلد بن عمرو کھنسی عدوی خزاعی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں ۶۸ھ کو وفات پائی۔

۱ - بَابُ الدِّيَاتِ - اقسام ویت کا بیان

(۱۰۰۹) عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ
بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ،
عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَبَ إِلَى
أَهْلِ الْيَمَنِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. وَفِيهِ
أَنَّ مَنْ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتَلًا عَنْ بَيْتِهِ،
فَإِنَّهُ قَوْدٌ، إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ
الْمَقْتُولِ. وَإِنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَّةَ:
مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْأَنْفِ إِذَا
أُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَّةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ
الدِّيَّةُ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَّةُ، وَفِي
الشَّفَتَيْنِ الدِّيَّةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَّةُ،
وَفِي الْبَيْضَيْنِ الدِّيَّةُ، وَفِي الصُّلْبِ
الدِّيَّةُ، وَفِي الرَّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ
الدِّيَّةِ، وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَّةِ،
وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَّةِ، وَفِي
الْمُنْقَلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ،
وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ، مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ
وَالرَّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي

السَّنَّ خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ، وَفِي عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا اور جن کے پاس الموضحة خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ، وَإِنْ اونٹ نہ ہوں اور سونا ہو تو ان سے ایک ہزار دینار الرَّجُلُ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ، وَعَلَى أَهْلِ وصول کئے جائیں گے۔“ (ابوداؤد نے اسے اپنی مراسیل أَلْذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي میں لکھا ہے اور نسائی، ابن خزیمہ، ابن جبارود، ابن حبان اور المَازِينِلِ، وَالشَّافِعِيُّ وَابْنُ حُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَاوِدِ احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت میں انہوں نے وَابْنُ جَبَّانٍ وَأَحْمَدُ، وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّتِهِ. اختلاف کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب الدیات﴾ دیات۔ دیت کی جمع ہے دونوں جگہ ”یاء“ مخفف ہے۔ اس کا اصل ودی ہے۔ واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض تالگادی گئی ہے۔ جس طرح عدۃ میں تالگادی گئی ہے دیت اس مال کو کہتے ہیں جو مقتول کی جان کے عوض دیا جاتا ہے۔ یا اعضائے بدن کے زخموں کے بدلے دی جاتی ہے۔ ﴿اعبط﴾ بغیر کسی وجہ و سبب کے قتل کرنا۔ یہ ”عبط الابل واعتبطہ“ سے ماخوذ ہے۔ جب اونٹ کو بغیر کسی مرض اور وجہ سے ذبح کر دیا جائے۔ ﴿قتلا﴾ یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ﴿عن بسنة﴾ گواہ قاتل پر قائم و ثابت ہو جائیں یا خود قاتل اقرار کر لے۔ ﴿فانه قود﴾ قود قاف اور واؤ دونوں پر فتح ہے۔ تو پھر اس کا حکم قصاص ہے۔ قاتل کو مقتول کے بدلہ قتل کیا جائے گا۔ ﴿الا ان برضى اولياء المقتول﴾ الا یہ کہ مقتول کے اولیاء و ورثاء راضی ہو جائیں کہ دیت لے لیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ دیت قبول کرنے کا اختیار مقتول کے اولیاء کو ہے تاکہ قاتل کو۔ جمہور علماء کی رائے تو یہی ہے البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتول کے اولیاء کو دیت لینے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہے جب تک قاتل راضی نہ ہو جائے اور وہ اس حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث سے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ﴿مانه من الابل﴾ یہ دیت کا بیان ہے اور بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر مرفوع ہے تو اس صورت میں مبتداء محذوف ہے ﴿اوعب جدعه﴾ فعل صیغہ مجہول ہے۔ معنی ہے کہ پورا ناک جڑ سے کٹ دیا۔ ﴿الدیہ﴾ یعنی پوری دیت ہے۔ ﴿وفی اللسان الدیہ﴾ پوری دیت اس صورت میں جبکہ زبان کو جڑ سے کٹ دیا گیا ہو یا اتنی زبان کٹ دی گئی ہو کہ بات چیت اور گفتگو نہ کر سکے۔ ﴿البیضین﴾ ”حصین“ المامومہ﴾ ایسا زخم جو دماغ کی جڑ تک پہنچ جائے اور ﴿ام الدماغ﴾ دماغ کے اوپر چڑے کو کہتے ہیں۔ ﴿الجائفہ﴾ نیزے وغیرہ کا وہ زخم جو پیٹ یا سر کے اندر تک پہنچ جائے۔ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر زخم ایک جانب سے دوسری جانب نفوذ کر کے نکل جائے تو اس صورت میں دو تہائی دیت ہے اس لئے کہ اس طرح یہ دو زخم شمار ہوں گے۔ ﴿المنقلة﴾ قاف پر تشدید اور کسر۔ ایسا زخم جو ہڈی کو توڑ دے اور اسے اپنی جگہ سے نکال باہر کرے۔ ﴿الموضحة﴾ ایضاح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ایسا زخم جو ہڈی کو گوشت سے نگا کر کے اسے نمایاں اور واضح کر دے۔ ﴿وعلى اهل الذهب الف دينار﴾ یعنی دیت میں ہزار دینار سونا اونٹوں کے بدلے۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا

یہ اندازہ شرعی ہے اور اصول دیت میں سے اصل ہے کہ سونے کے مالکوں پر بغیر کسی کمی و بیشی ہزار دینار متعین کئے گئے ہیں۔ خواہ اونٹ کی قیمت ارزانی اور گرانی کی وجہ سے کہیں پہنچ جائے یا وہ دیت کی قیمت کا اندازہ ہے۔ دیت میں اصل تو اونٹ ہی دینے آتے ہیں۔ پس اونٹ کی قیمت میں ارزانی اور گرانی کے مطابق سونے کی مقدار میں کمی و بیشی کی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور محققین نے دوسری رائے کو اختیار کیا ہے اور دلیل کے اعتبار سے وہی قابل ترجیح ہے اور مزید تفصیل ”مطلوات“ میں ملاحظہ ہو۔

راوی حدیث: ﴿ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری﴾ بخاری مدنی، قاضی۔ ان کا نام اور کنیت ایک ہی ہے اور ایک قول ہے کہ ان کی کنیت ابو محمد ہے، ثقہ ہیں۔ عبادت گزار ہیں۔ کتب ستہ کے راوی ہیں اور پانچویں طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ عرصہ چالیس سال سے رات کو بستر پر کمر نہیں رکھی۔ ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا۔ ابن سعد کے قول کے مطابق ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۰۱۰) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ، رَوَايَتُ كَمَا كَرِهَ اللَّهُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «دِيَةُ الْخَطَا أَحْمَسًا، عِشْرُونَ حِقَّةً، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً، وَعِشْرُونَ بَنَاتٍ مَخَاضٍ، وَعِشْرُونَ بَنَاتٍ لَبُونٍ، وَعِشْرُونَ بَنَاتٍ لَبُونٍ» أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَأَخْرَجَهُ الْأَزْبَعِيُّ بِلَفْظٍ: «وَعِشْرُونَ بَنَاتٍ مَخَاضٍ» بَذَلْ «بَنَاتٍ لَبُونٍ»، وَإِسْنَادُ الْأَوَّلِ أَقْوَى، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهِ آخَرَ مُوَفَّقًا، وَهُوَ أَضْعَفُ مِنَ الْمَرْفُوعِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا ”قتل خطا کی صورت میں پانچ قسم کے اونٹ دیت میں وصول کئے جائیں گے۔ بیس ایسے اونٹ جن کی عمر تین سال ہو اور بیس اونٹ جن کی عمر چار سال ہو اور بیس مادہ اونٹ جن کی عمر دو سال ہو اور بیس مادہ اونٹ جن کی عمر ایک سال ہو اور بیس نرا اونٹ جن کی عمر ایک سال ہو۔“ (سنن دار قطنی) اور چاروں نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ ”بیس نرا اونٹ ایک سال عمر کے بدلے دو سال عمر کے“ اور پہلی کی سند قوی ہے اور ابن ابی شیبہ نے ایک اور طریق سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کی سند اس مرفوع سے زیادہ صحیح ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ، عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ”دیت حِقَّةً، وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلْفَةً، فِي بَطْنِهَا أَوْلَادُهَا.

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيقِ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ: الدِّيَةُ ثَلَاثُونَ حِقَّةً، وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلْفَةً، فِي بَطْنِهَا أَوْلَادُهَا.

عمر بن عبد اللہ بن شعیب، عن ابیہ، عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ”دیت حِقَّةً، وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلْفَةً، فِي بَطْنِهَا أَوْلَادُهَا.

لغوی تشریح: ﴿دبۃ الخطا احماسا﴾ دیت کی ادائیگی بایں صورت واجب ہے یا یہ معنی کہ اس

طریقہ سے وصول کی جائے گی۔ قتل خطا کی دیت پانچ طرح سے لی جائے گی۔ اغناس نفس کی جمع ہے۔ نفس کی ”خا“ اور میم دونوں پر ضمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیت کی وصولی کو پانچ اجزاء پر منقسم کر دیا گیا ہے ہر جزو ایک خاص نوعیت کے اونٹوں کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا بیان اس قول سے شروع ہوتا ہے۔ ﴿عشرون حقة﴾ حقه ”خا“ کے نیچے کسرہ اور قاف مشدّد، وہ اونٹ جو اپنی عمر کے چوتھے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور ﴿جذعه﴾ جیم اور ”زا“ دونوں پر فتح۔ ایسے اونٹ کو کہتے ہیں جو اپنی عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو اور ﴿بنت مخاض﴾ ایسی اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ اور ﴿بنت لبون﴾ جو اونٹنی تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو ﴿واسناد الاول﴾ سے مراد ہے۔ سنن دارقطنی کی سند ﴿اقوی﴾ قوی ترین ہے۔ اس سند سے جسے چاروں نے نقل کیا ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ سند میں شعث بن مالک ایسا راوی ہے جو مجہول ہے نیز اس میں حجاج بن ارطاة مدلس ہے اور عمرو بن شعیب کی حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ﴿اربعون خلفه خلفه﴾ ”خا“ پر فتح اور لام پر کسرہ۔ حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں۔ یہ معلوم رہے کہ ابن مسعود کی یہ حدیث دیت میں ادا کئے جانے والے اونٹوں کی عمر کے تعین میں اصل ہے اور ائمہ اربعہ نے اسی کو لیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ قتل خطا کی دیت پانچ طرح سے وصول کی جائے گی۔ البتہ انہوں نے پانچویں کے تعین میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بنو مخاض مراد ہیں اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس سے مراد بنو لبون ہیں اور آپ نے معلوم کر لیا کہ دارقطنی کی سند قوی تر ہے اور اس میں بنو لبون ہے۔ لہذا وہی قابل ترجیح ہے۔ رہی عمرو بن شعیب کی وہ حدیث جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ دیت کی وصولی تین طرح سے کی جائے گی تو وہ دراصل قتل عمد کی صورت میں مقتول کا ولی قصاص کی بجائے دیت وصول کرنے پر رضامند ہو جائے تو پھر۔ معلوم رہنا چاہیے کہ قتل کی تین انواع ہیں۔ قتل عمد، قتل خطا اور قتل شبہ عمد اور شبہ عمد سے مراد ہے ایسے آلہ سے قتل کیا جائے کہ جس سے عادتاً قتل کا امکان نہ ہو۔ جیسے لاشی، کوڑا وغیرہ۔ باوجودیکہ وہ قتل کرنے کا قصد و ارادہ رکھتا تھا۔ پس قتل عمد اور قتل خطا میں یہی دیت ہوگی اور ابن مسعود کی حدیث میں شبہ عمد کی دیت ہے جسے دیت مغلظہ کہتے ہیں۔

(۱۰۱۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَغْنَى النَّاسِ عَلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ: مَنْ قَتَلَ فِي حَرَمِ اللَّهِ، أَوْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ. أَوْ قَتَلَ لِدُخْلِ الْجَاهِلِيَّةِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ جَبْرِ فِي حَدِيثِهِ صَحَّحَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے لوگ تین قسم کے ہیں (ایک) جو اللہ کے حرم میں قتل کرے (دوسرا) جو اپنے غیر قاتل کو قتل کرے (تیسرا) وہ جو جاہلیت کی عداوت و دشمنی کی بنا پر قتل کرے۔“ (ابن حبان نے اس کی تخریج ایک حدیث کے ضمن میں کی ہے۔ جسے انہوں نے صحیح قرار دیا

(ہے)

لغوی تشریح: ﴿اعْتَى النَّاسُ﴾ عتو سے اسم تفعیل کا صیغہ ہے جس کے معنی تکبر اور سرکشی کے ہیں تو اعی الناس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آدمی جو سب سے زیادہ سرکش اور سرکشی و تمرد میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور ﴿لَذُحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ جاہلیت کی وجہ سے انتقام لینا اور بدلے کا مطالبہ و تقاضا کرنا۔ یعنی دور جاہلیت میں کئے گئے جرم کا انتقام لینا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی سرکشی کرنے والے تین قسم کے آدمیوں کا ذکر ہے۔ ان میں ایک وہ بد نصیب ہے جو بد الامین یعنی مکہ میں قتل ناحق کرتا ہے۔ قتل کرنا ویسے ہی بہت بڑا جرم و گناہ ہے مگر حرم مکہ و مدینہ میں قتل کرنا سنگین ترین جرم ہے جس سے معلوم ہوا کہ مقام و جگہ میں جرم کی سنگینی میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے جو شخص حرم میں قتل خطا کا مرتکب ہو اس پر دیت سخت رکھی جائے اور دوسرا وہ ہے جو اصل قاتل کے علاوہ بدلے میں کسی اور کو قتل کرتا ہے۔ قاتل سے بدلہ لینا حکومت کی ذمہ داری ہے مگر جو شخص جوش انتقام میں قاتل کے رشتہ دار یا ہمشیر وغیرہ کو قتل کرتا ہے وہ دہرے جرم کا مرتکب بنتا ہے اور تیسرا وہ جو زمانہ جاہلیت کا بدلہ کسی مسلمان سے لیتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی سرکش ہے۔

(۱۰۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت بن العاص رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قتل خطا کی دیت اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَلَا إِنَّ دِيَّةَ شَبِّهِ عَمْدٍ (کی دیت ہے) جو کوڑے اور لاٹھی سے (مارا) أَلْخَطَا وَشَبِّهِ الْعَمْدِ، مَا كَانَ بِالسَّوْطِ (گیا) ہو۔ اس کی دیت سواوٹ ہے۔ ان میں چالیس وَالْعَصَا، مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، مِنْهَا اَوْثْنِيَا لِمَنْ هُوَ لِي جَنْجِي (جنگلی) کے پیٹ میں بچے پرورش أَرْبَعُونَ فِي بَطْنِهَا أَوْلَادُهَا»۔ أَخْرَجَهُ پا رہے ہوں گے۔ (اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ نَكَلَاہِ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے) جَبَّانَ۔

لغوی تشریح: ﴿مِنْهَا اَوْثْنِيَا لِمَنْ هُوَ لِي جَنْجِي﴾ اور باقی ساٹھ میں سے تیس حصہ یعنی تیس تین سالہ اوثنیاں اور تیس چار سالہ جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کو یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ عمرو بن شعیب والی حدیث کی تفسیر ہو جائے کہ اس میں جو تین طرح کی دیت بیان ہوئی ہے وہ قتل خطا کی دیت نہیں بلکہ قتل شبہ عمد کی ہے۔

(۱۰۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ اور یہ یعنی جنگلی اور انگوٹھا برابر قَالَ: «هَذِهِ وَهَذِهِ سَوَاءٌ يَعْني ہیں۔“ (بخاری)

الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

وَلَا يَبْنِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ: الْأَصَابِعُ اور ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ سب سَوَاءً وَالْأَسْنَانُ سَوَاءً، الثَّنِيَّةُ انگلیاں برابر اور سارے دانت برابر، ثنّیۃ (سامنے والے دانت) سَوَاءً۔ اور بیچے کے دو دو دانت اور داڑھ برابر اور ابن ولابنِ جَبَّانَ: دِيَّةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ حبان کی روایت میں ہے ”ہاتھوں اور پاؤں کی وَالرَّجْلَيْنِ سَوَاءً، عَشْرُ مَنَ الْإِبِلِ انگلیوں کی دیت برابر ہے۔ ہر انگلی کے بدلہ دس لِكُلِّ إِبْصَعٍ۔ اونٹ دیت ہے۔“

لغوی تشریح: ﴿ہذہ وھذہ سواء﴾ یہ اور یہ برابر۔ یعنی دیت میں چھوٹی بڑی سب انگلیاں برابر ہیں۔ ﴿الضرر﴾ ضرر کے ضار کے نیچے کسرہ اور ”را“ ساکن۔ اس کی جمع ”اضرار“ ہے۔ یہ پانچ یا چار داڑھیں ہوتی ہیں جو منہ کے دونوں اطراف میں منہ کے آخری حصہ میں ہوتی ہیں ان سے کھانا چبایا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دیت نفع کی مقدار کے حساب سے نہیں ہوتی۔ انگوٹھا چھنگلی سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہوتا ہے بلکہ وہ تو تمام انگلیوں سے زیادہ منافع بخش ہوتا ہے اور اسی طرح داڑھیں دوسرے دانتوں کے مقابلہ میں زیادہ سود مند اور نفع بخش ہوتی ہیں اس کے باوجود دیت میں یہ سب برابر ہیں اور ہر ایک کی دیت دس اونٹ ہے۔

(۱۰۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعُهُ، قَالَ: مَنْ تَطَبَّبَ، وَلَمْ يَكُنْ بِالطَّبِّ مَعْرُوفًا، فَأَصَابَ نَفْسًا فَمَا دُونَهَا، فَهُوَ ضَامِنٌ. أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَصَحَّحَهُ الْحَاجِمُ، وَهُوَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ، إِذَا أُنْ أُنْ مِنْ أَرْسَلَهُ أَقْوَى مِنْ وَصَلَةٍ.

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ ”جو شخص اپنے آپ طبیب بن کر کسی کو دوائی دیتا ہے حالانکہ اسے طبابت میں مہارت نہیں اور اس (کے غلط علاج) سے کوئی آدمی قتل ہو جائے یا کوئی نقصان کسی کو پہنچ جائے تو وہ اس کا ضامن ہے۔“ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو داؤد اور نسائی وغیرہ کے ہاں بھی یہ روایت منقول ہے مگر جن راویوں نے اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے وہ ان راویوں سے زیادہ قوی ہیں جنہوں نے اسے موصول بیان کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿من تطب﴾ پیشہ طبابت اختیار کیا اور مریض کو دوا دی۔ ﴿فأصاب نفساً﴾ دنیا کا مریض کی جان یا کوئی حصہ جسم ضائع ہو جائے۔ ﴿فہو ضامن﴾ تو وہ اس کا

ضامن ہے اور اس پر دیت واجب ہے جو اس کے عاقلہ یعنی عصبہ پر واجب الادا ہوگی۔
 حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص صحیح معنوں میں طیب نہیں مگر وہ کسی کو دوائی دیتا ہے اور اس سے جانی نقصان ہو جاتا ہے یا اعضاء بدن میں سے کوئی عضو ناکارہ ہو جاتا ہے تو اس پر اس کی دیت واجب ہوگی اور ادائیگی دیت کا بار اس کے عصبہ پر بھی پڑے گا۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے طیب حاذق کیلئے بیس باتوں کا خیال و لحاظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے پھر ان کو ایک ایک کر کے زاد المعاد میں بیان کیا ہے۔ ایسے نا تجربہ کار اور اناڑی طیب سے نقصان کی صورت میں اس پر دیت کے واجب ہونے پر سب علماء کا اجماع ہے۔

(۱۰۱۵) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عمرو بن شعيب نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ. وَزَادَ أَحْمَدُ: «وَالْأَصَابِعُ سَوَاءٌ كُلُّهُنَّ، عَشْرٌ عَشْرٌ مِّنَ الْإِبِلِ». وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُرَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ.
 میں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جن زخموں سے ہڈی کھل جائے ان کی دیت پانچ اونٹ ہیں۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے) اور احمد میں اتنا اضافہ ہے۔ ”تمام انگلیوں کی دیت برابر ہے یعنی ہر انگلی کی دیت دس دس اونٹ ہے۔“ (اس روایت کو ابن خزیمہ اور ابن جارود نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿المواضع﴾ میم پر فتح موصحہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی و تفسیر ابھی قریب ہی گزر چکی ہے۔ یعنی ایسا زخم جس سے ہڈی کھل جائے۔ مگر ٹوٹے نہیں۔
 حاصل کلام: لڑائی کے دوران چوٹ اور زخم کی صورت میں ہڈی سے گوشت الگ ہو جائے اور ہڈی واضح طور پر کھل جائے مگر ٹوٹنے سے بچ جائے تو ایسی صورت میں شوافع، احناف اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہی ہے۔ اس پر پانچ اونٹ دیت ادا کرنا لازمی ہوگا۔ ہر ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۱۰۱۶) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «عَقْلُ أَهْلِ الذِّمَّةِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِينَ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ. وَنَفَذَ أَبِي دَاوُدَ: «دِيَةُ أَلْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ». وَلِلنَّسَائِيِّ: «عَقْلُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ

یہ روایت بھی انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے) اور ابوداؤد کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ”ذمی کی دیت آزاد کے مقابلہ میں آدھی ہے“ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ”عورت کی دیت مرد کی دیت

عَقْلَ الرَّجُلِ، حَتَّى يَبْلُغَ الثَّلَاثَ مِنْ کی مانند ہے۔ یہاں تک کہ دونوں کی دیت تہائی دیتہا۔ وَصَحَّهٖ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔ تک پہنچے۔“ (اسے ابن خزمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لعنوی تشریح: ﴿عقل المرأة الخ﴾ سب السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے زخموں کی دیت، مرد کے زخموں کی دیت کے برابر ہے تاکہ تہائی تک پہنچ جائے (یعنی عورت کی دیت مرد کی دیت کے ایک تہائی درجہ تک کے برابر ہے) اور اگر زخم اس سے زیادہ ہے تو عورت کا زخم مرد کے زخم کے مخالف ہو جائے گا اور اس صورت میں مرد کی دیت سے عورت کے زخم کی دیت نصف ہوگی اور یہ اس لئے کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے۔ اس میں سب متفق ہیں کسی کا اختلاف نہیں۔ مکمل دیت کے مقابلہ میں عورت کے زخم کی دیت کا مفہوم مخالف کے اصول پر قیاس کیا جائے گا۔ فقہاء میں جمہور اس طرف ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور مدنی فقہاء کا قول بھی یہی ہے اور جمہور اہل مدینہ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ و امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو اسلامی ریاست میں بطور رعایا سکونت پذیر ہو۔ البتہ عورت کی دیت زخموں میں مرد کی دیت کے مقابلہ میں آدھی ہے بشرطیکہ اس زخم کی دیت مرد کی پوری دیت کے ثلث سے اوپر ہو۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک خاتون کی تین انگلیاں کٹ گئیں ان کی دیت دس اونٹ فی انگلی کے حساب سے تیس اونٹ ہوگی اور یہاں تک مرد کے برابر ہوگی اب اس خاتون کی چار انگلیاں کٹ جائیں اور مرد کی بھی چار کٹ جائیں تو مرد کی دیت چالیس اونٹ ہوں گے اور عورت کے بیس کیونکہ چالیس سو کے تہائی سے اوپر ہے اس لئے عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رہ جائے گا۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے مگر احناف اور شوافع قتل اور زخموں کی صورت میں عورت کی آدھی دیت کے قائل ہیں۔

(۱۰۱۷) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ ہی اس کے بھی راوی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قتل شبه کی دیت «عَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغْلَظٌ، مِثْلُ عَقْلِ الْقَتْلِ عَمْدٍ كِطْرُ حَرْبٍ» قتل عمد کی طرح دیت مغلظہ ہے۔ اس لئے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہیں شیطان يَنْزُو الشَّيْطَانُ فَيَكُونُ دَمًا بَيْنَ النَّاسِ درمیان میں دخل اندازی کرے اور بغیر کسی دشمنی فِي غَيْرِ ضَمِينَةٍ، وَلَا حَمْلٍ اور بغیر ہتھیاروں کے کسی اور وجہ سے قتل عام سِلَاحٍ»۔ أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّهٖ۔ شروع ہو جائے۔ (اس کی دارقطنی نے تخریج کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿مغلظ﴾ دیت مغلظہ یعنی پوری سو اونٹ دیت۔ ان میں سے چالیس اونٹیاں ایسی

جو حاملہ ہوں بچے ان کے پیٹوں میں پرورش پا رہے ہوں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ﴿یَنْزِرُ وَالشَّيْطَانُ﴾ نزو سے ماخوذ ہے اور یہ باب نصرینصر ہے۔ یعنی لوگوں کے درمیان خواہ مخواہ کود پڑے گا اور ان کو باہمی لڑائی اور قتل و قاتل پر آمادہ اور براہِ گنہگار کرے گا۔ ﴿ضَغِينَةً﴾ کینہ، 'حق'، عداوت۔ ﴿سِلَاحٌ﴾ یعنی ہتھیار سے قتل نہ ہو بلکہ پتھریا لاشھی وغیرہ سے ہو جس میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے، البتہ اس کی دیت، دیت مغلطہ ہے۔

(۱۰۱۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَتَلَ رَجُلٌ اللّٰهَ ﷻ كَے عہد میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی رَجُلًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ دِيَّتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ طے فرمائی۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے، نسائی اور أَلْفًا. رَوَاهُ الْأَزْهَعِيُّ، وَرَوَى النَّسَائِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ ابوحاتم دونوں نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔) إِسْنَانًا.

لغوی تشریح: ﴿اثنا عشر ألفا﴾ بارہ ہزار سے مراد، بارہ ہزار درہم ہے اور درہم چاندی کے سکے کو کہتے ہیں اور ان کا وزن چوالیس کلوگرام ہوتا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دیت میں اصل تو اونٹ ہی ہیں اور یہ معلوم رہے کہ اونٹوں کے نرخ میں کمی بیشی کی وجہ سے سونے اور چاندی کے وزن میں بھی کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو دیت نقدی کی صورت میں بھی دی جاسکتی ہے۔ وہ مروج سکہ خواہ دینار ہو یا درہم یا کاغذی سکہ۔ اونٹ کی قیمت طے کر کے اتنی نقدی ادا کی جاسکتی ہے۔

(۱۰۱۹) وَعَنْ أَبِي رِمَّةٍ قَالَ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَمَعِيَ ابْنِي، بھی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا "یہ کون ہے؟" میں فَقَالَ: «مَنْ هَذَا؟» فَقُلْتُ: ابْنِي، نے عرض کیا۔ میرا بیٹا ہے لہذا آپ اس پر گواہ وَأَشْهَدُ بِهِ، فَقَالَ: «أَمَّا إِنَّهُ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ. وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ. کا ذمہ دار نہیں اور نہ تو اس کے گناہ و جرم کا ذمہ دار۔" (اسے نسائی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿واشهد به﴾ اشد میں اس کا احتمال ہے کہ یہ صیغہ طلب ہو اور معنی ہو کہ آپ گواہ

رہیں کہ میرا یہ بیٹا میرے صلب سے ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ متکلم کا صیغہ ہو اور وہ ثابت کر رہا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس سے دراصل مقصود یہ تھا کہ جرائم کی ضمانت جاہلیت میں اس طور پر لازم ہوتی تھی کہ والد کی جگہ بیٹا اور بیٹے کی جگہ باپ پر عائد کر دی جاتی تھی۔ اس اصول کی طرف یہ صاحب اشارہ کر رہے تھے۔ اس لئے نبی ﷺ نے اس کے اس نظریے اور خیال کی تردید میں فرمایا کہ ”وہ تیرے جرائم و گناہ کا ذمہ دار نہیں اور تو اس کے جرائم کا جواب دہ نہیں“ یعنی اگر جرم کا ارتکاب و صدور اس کی جانب سے ہو گا تو اس کی پاداش میں تجھے مؤاخذہ میں گرفتار نہیں کیا جائے گا اور اس کی ضمان تیرے سر نہیں ہوگی اور اسی طرح اس کے برعکس کہ وہ اگر مرتکب جرم ہو گا تو اس ارتکاب جرم کا بار اسی پر پڑے گا اس کے جرم کی باز پرس تم سے نہیں ہوگی۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں موجود ہے لا تزدد وازدہ وزد اخری (۱۷: ۱۵) یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (اپنا بوجھ آپ ہی اٹھانا ہو گا۔ جو کرے گا سو بھرے گا)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصاص اور عتاب میں مجرم کے بدلے میں کسی اور کو نہیں پکڑا جائے گا حتیٰ کہ باپ کے بدلے میں بیٹا اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ شارع نے پھر قتل خطا اور قسامت کی صورت میں دیت کا بار عصبہ پر کیوں ڈالا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بوجھ نہیں بلکہ یہ باہمی تعاون و امداد ہے جو بھائی چارے اور برادری کی بنیاد پر بتقاضائے طبیعت بوقت ضرورت کی جاتی ہے اور برادری کے افراد بخوشی ادا کرتے ہیں کیونکہ ہر ایک اپنے قریبی عزیز کی غمگساری میں برضا و رغبت شریک ہونا فخر سمجھتا ہے اور انسانی تمدن اور معاشرت اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ آج اگر کسی پر افتادہ پڑ گئی ہے تو اس کا سہارا بنے، کل وہ بھی اس کا شکار ہو سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابودرمہ رضی اللہ عنہ﴾ ایک قول کے مطابق ان کا نام حبیب بن حیان اور ایک دوسرے قول کے مطابق رفاعہ بن یثرب یا عمارہ بن یثرب بلوی یا تمیمی تھا۔ بنو تیم الرباب سے ہونے کی وجہ سے اور ایک قول کے مطابق تمیمی ہیں امری القیس بن زید مناة بن تمیم کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار کوئی صحابہ میں ہوتا ہے اور رمثہ کا اعراب یہ ہے کہ ”را“ کے نیچے کسرہ اور میم ساکن ہے۔ نبی ﷺ سے ان کی ملاقات حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی۔

۲ - بَابُ دَعْوَى الدَّمِ وَالْقِسَامَةِ دعویٰ خون اور قسامت

(قسموں کو تقسیم کرنے) کا بیان

(۱۰۲۰) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَتْمَةَ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ كُتُبَاءِ قَوْمِهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحِبِّصَةَ بْنَ

حضرت سہل بن ابی حتمہ نے اپنی قوم کے بڑے بزرگوں سے روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن سہل اور محبصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی تنگ دستی کی وجہ

مَسْعُودٍ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرٍ، مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأَتَى مُحَبِّصَهُ، فَأَخْبَرَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ، وَطَرِحَ فِي عَيْنِهِ، فَأَتَى يَهُودَ، فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللَّهِ قَتَلْتُمُوهُ، قَالُوا: وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَأَقْبَلَ هُوَ، وَأَخُوهُ حُوَيْصَةُ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ، فَذَهَبَ مُحَبِّصُهُ لِيَتَكَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كَبُرَ كَبْرًا، يُرِيدُ السِّنَّ. فَتَكَلَّمَ حُوَيْصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَبِّصُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّمَا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِنَّمَا أَنْ يَأْذَنُوا بِحَرْبٍ»، فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ كِتَابًا، فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَقَالَ لِحُوَيْصَةَ، وَمُحَبِّصَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ: «أَتَحْلِفُونَ، وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «فِيحْلِفْ لَكُمْ يَهُودُ»، قَالُوا: لَيْسُوا مُسْلِمِينَ، فَوَدَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مِائَةَ نَاقَةٍ، قَالَ سَهْلٌ: فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سے خیر کی طرف نکلے۔ پس محیصہ نے آکر اطلاع دی کہ عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اسے ایک چشمہ میں پھینک دیا گیا ہے۔ محیصہ رضی اللہ عنہ یہود کے پاس آیا اور کہا کہ خدا کی قسم تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ وہ بولے اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ پھر محیصہ اور اس کا بھائی حویصہ اور عبد الرحمن بن سہل (رضی اللہ عنہم) تینوں رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پہنچے اور محیصہ نے گفتگو کرنی چاہی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بڑے کو بات کرنے دو بڑے کو۔“ آپ کی مراد تھی جو تم میں عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنی چاہئے۔ چنانچہ حویصہ رضی اللہ عنہ نے بیان دیا پھر محیصہ بولا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ لوگ یا تو تمہارے صاحب و ساتھی کی دیت ادا کریں گے یا جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔“ پھر اس سلسلہ میں آپ نے ان کو خط تحریر فرمایا جس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے حویصہ، محیصہ اور عبد الرحمن بن سہل (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا ”کیا تم لوگ قسم کھا کر اپنے صاحب کے خون کے حقدار بنو گے؟“ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”تم کو یہودی قسم دیں؟“ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو مسلمان نہیں ہیں (اس لئے ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں) پس پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت اپنے پاس (بیت المال) سے دی اور ان کو سو اونٹیاں بھیج دیں۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان میں سے ایک سرخ رنگ کی اونٹنی نے

مجھے لات ماری۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب دعوی الدم والقسمہ﴾ قسمامہ کے ”قاف“ پر فتح اور تخفیف السین اور ”اقسم“ کا مصدر ہے اور یہاں اس سے مراد قسم ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہ ایمان کا اسم ہے اور اصل لغت کے نزدیک قسمیں اٹھانے والوں کے لئے نام ہے اور قسامت کی صورت یوں ہوتی ہے کہ کوئی مقتول آدمی کسی بستی یا شہر میں پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے قتل پر کوئی گواہ بھی کھڑا نہ ہو۔ لیکن مقتول کا ولی اس کے قتل کا الزام کسی آدمی یا جماعت پر لگائے اور ان کے خلاف کنزو ثبوت ہو۔ جو ظن پر غالب آ رہا ہو تو پھر مدعی سچا ہے۔ گویا مقتول ان کے محلہ میں پایا گیا اور مقتول اور ان کے مابین دشمنی تھی تو پھر مقتول کے اولیاء سے ان کے خلاف پچاس قسمیں کھانے کا حکم دیا جائے گا پس اگر ان لوگوں نے قسمیں کھالیں تو دیت کے مستحق قرار پائیں گے جبکہ قتل خطاء یا قتل شبہ عمد ہو گا اور اگر قتل عمد کیا گیا ہو تو امام مالک اور امام شافعی کا قدیم قول اور امام احمد اور اسحاق کے نزدیک وہ قصاص کے مستحق ہونگے۔ مگر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے صحیح ترین قول کے مطابق قتل عمد میں بھی وہ دیت لینے کے مستحق ہوں گے اور جب مقتول کے اولیاء اعراض کریں اور قسم اٹھانے سے گریز کریں اور پیچھے ہٹیں تو پھر جس پر انہوں نے دعویٰ دائر کیا ہے، ان کو قسم اٹھانے کا حکم دیا جائے کہ وہ اس بات کی قسم کھائیں کہ انہوں نے قتل نہیں کیا۔ اور نہ ان کو علم ہے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ پس اگر قسم کھالیں تو وہ بری قرار پائیں گے۔ ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور اگر انہوں نے قسم کھانے سے گریز کر لیا اور منہ پھیر لیا تو ان پر دیت لازم کر دی جائے گی۔ ﴿من جھد﴾ جھد کے جیم پر فتح اور ضمہ دونوں طرح۔ یعنی مشقت کی بنا پر اور تنگ دستی، گزران کی وجہ سے۔ ”فاتی محبصہ فاحبر“ اتی اور اخیر دونوں فعل صیغہ مجہول ہیں۔ ”قد قتل وطرح“ دونوں صیغہ مجہول۔ طرح کے معنی ڈال دیا پھینک دیا گیا۔ ”فاقبل“ یعنی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ﴿فذهب محبصہ لیتکلم﴾ محبصہ نے گفتگو کرنی چاہی۔ اس نے صرف جلدی سے گفتگو اس لئے کرنے کا ارادہ کیا کہ یہ اس واقعہ قتل میں حاضر تھا اور اپنے بھائی حویصہ سے عمر میں چھوٹا تھا ﴿کبر کبر﴾ تکبر سے صیغہ امر ہے۔ یعنی بڑے کو آگے بڑھاؤ اور بڑے کے حق میں بڑائی کا لحاظ رکھو تاکہ وہ تجھ سے پہلے بات کرے۔ ﴿یرید السن﴾ یہ دوران گفتگو دراج ہے اور کبر کی تفسیر ہے۔ اس کلام سے مراد یہ تھی جو عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنی چاہئے ﴿اما ان یدوا صاحبکم﴾ یعنی تمہارے مقتول بھائی کی دیت دیں گے۔ فاعل کی ضمیر یہود کی جانب راجع ہے ﴿یدوا﴾ ”یا“ پر فتح اور دال پر ضمہ یہ ”ودی یدی دیہ“ باب ضرب بضرب سے مضارع کا صیغہ ہے۔ ﴿واما ان یاذنوا﴾ یا پھر وہ اعلان کر دیں گے ﴿بحرب﴾ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا۔ ﴿فکتب الیہم﴾ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف نوشتہ تحریر فرمایا ﴿فیحلف لکم یہود﴾ پس یہود اپنے خلاف تمہارے دعویٰ کو قسم کھا کر باطل کر دیں گے۔ ﴿لیسوا

المسلمین) وہ تو مسلمان ہی نہیں لہذا ہم ان کی قسموں پر راضی نہیں ہوں گے۔ ﴿فوداہ﴾ پس آپ نے خود اس کی دیت ادا فرمادی رکضتسی اونثی نے اپنی لات مجھے رسید کردی اور قسم مقتول کے اولیاء کے ذمہ پس اگر وہ گریز و اعراض کریں تو پھر جن پر دعویٰ دائر کیا گیا ہے اور وہ جب قسم کھالیں گے تو بری ہو جائیں گے اور ان پر کسی قسم کی کوئی چیز عائد نہیں ہوگی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے قسامت کا ثبوت ملتا ہے اور قسامت یہ ہے کہ قاتل کا کسی طرح پتہ نہ چلنے کی وجہ سے مشتبہ اشخاص یا قوم سے قسم لی جائے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اور ان کو اس کے قاتل کا علم بھی نہیں۔ یہ رسم دور جاہلیت میں بھی تھی اسلام نے اسے جائز رکھا۔ اس میں پچاس آدمیوں کی قسمیہ شہادت ہوتی ہیں کہ ہم نے یا ہمارے قبیلہ نے یا ہمارے گاؤں نے اسے قتل نہیں کیا۔ معلوم رہے کہ یہ قسم صرف خون کے مقدمہ میں ہوتی ہے باقی حدود کے مقدمات میں قسامت ہوتی ہی نہیں۔ قسامت دونوں جانب سے ہو سکتی ہے اگر مقتول کے اولیاء و درء ثبوت پیش کر دیں یا عدم ثبوت کی صورت میں قسم دے دیں کہ ہمارے مقتول کے قاتل یہی ہیں تو مدعا علیہ پر دیت لازم ہو جاتی ہے اور اگر مدعی ان دونوں باتوں سے قاصر ہوں تو مدعا علیہ یا مدعا ملعم پچاس قسمیں دے دیں تو وہ بری ہو جاتے ہیں اور قسمیں ان حضرات کی تسلیم ہوں گی جن کو مدعی منتخب کرے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اجتماعی معاملات پر عمر رسیدہ کو بات پہلے کرنی چاہئے۔

راوی حدیث: ﴿عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ﴾ عبد اللہ بن سہل بن زید بن کعب بن عامر انصاری حارثی۔ خیبر میں قتل کئے گئے اور ایک چشمہ میں پائے گئے کہ ان کی گردن توڑ دی گئی تھی۔

﴿محیصہ رضی اللہ عنہ﴾ ابو سعید محیصہ بن مسعود بن کعب الحارثی انصاری مدنی۔ عبد اللہ بن سہل مقتول کے چچا زاد بھائی۔ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ غزوات احد و خندق اور ان دونوں کے بعد کے تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فدک کی طرف بھیجا تھا تاکہ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔

﴿حویصہ رضی اللہ عنہ﴾ محیصہ کے بڑے بھائی ۳ھ میں اسلام قبول کیا۔ احد اور خندق بلکہ باقی تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔

﴿عبد الرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ﴾ یہ عبد اللہ بن سہل کے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت نافع بن عامر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدر و احد اور باقی تمام غزوات و مشاہدات میں شریک رہے۔ یہ وہ صاحب تھے جن کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ عمارہ بن حزم نے نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کو جھاڑ پھونک کی۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسباب میں اس بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے اور اسے بعید تصور کیا ہے۔

(۱۰۲۱) وَعَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ أَيْكَ انصاری صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی قسامت کو برقرار رکھا اور

باغیانہ روش سے باز آجائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے ”فقاتلوا التي تبغى حتى تفي الى امر الله“ باغی گروہ سے اس وقت تک لڑو کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے امر الہی کی طرف پلٹ آئیں۔ بکثرت احادیث بھی اس کی تائید میں ہیں۔

(۱۰۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ خَرَجَ عَنِ الطَّاعَةِ، كَمَا أُورِثَ الْمُسْلِمُونَ فِي جَمَاعَةٍ، جَدَا أَلْغَ هُوَ كَمَا أُورِثَ وَمَا رَقَّ الْجَمَاعَةُ، وَمَاتَ، فَمِيتُهُ مِيتَةً أَسَى حَالَتِ فِيهَا اسْ بِرِ مَوْتٍ وَارِدَ هُوَ كُنِيَ تَوَاسُ كِي يَه مَوْتِ جَاهِلِيَّةٍ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے امام کی اطاعت سے خروج کیا اور مسلمانوں کی جماعت سے جدا اُلگ ہو گیا اور وفارق الجماعۃ، و مات، فمیتہ میتہ اسی حالت میں اس پر موت وارد ہو گئی تو اس کی یہ موت جاہلیت کی موت ہوگی۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿من خرج عن الطاعة﴾ یعنی امیر وقت کی اطاعت یا اس خلیفہ وقت کی اطاعت سے جس کی خلافت پر سب کا اتفاق ہے۔ خواہ وہ کسی علاقہ یا کسی مملکت میں ہو۔ ﴿وفارق الجماعة﴾ اس جماعت کو خیر باد کہہ دیا جو مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس امیر کی اطاعت پر مجتمع و متفق ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے آدمی مسلمانوں کی جماعت سے بعض اختلافات کی وجہ سے الگ ہو جائے۔ صرف علیحدگی ہی اختیار کی ہو، باغیانہ روش اختیار نہ کی تو اس کے اس طرز عمل کی بنا پر اس سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ اور اسے اس کے حال پر چھوڑے رکھا جائے تا وقتیکہ وہ باغیانہ طرز زندگی پر نکل کھڑا ہو۔ جب وہ ایسی روش پر چلے گا تو اس سے لڑائی کی جائے گی۔ یہ معلوم رہے کہ امیر کی اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ کسی صریح اور بالکل واضح حکم شریعت کے خلاف حکم نہ دے اور اس کی بیعت توڑنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ صریح کفر و الحاد کے اختیار کرنے کا حکم نہ دے اور خود یہ کام نہ کرنے لگے۔ پابند شرح امیر و خلیفہ کی نافرمانی بغاوت ہے۔ لہذا جو ایسے امیر کی اطاعت سے نکل کر مسلمانوں سے الگ ہو جائے تو ایسے آدمی کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ ایسی موت کو گمراہی کی موت تو کہہ سکتے ہیں کفر کی موت نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باغی مسلمانوں سے لڑنا جائز ہے۔ مگر یہ لڑنا حکومت کا کام ہے۔ انفرادی طور پر لڑنا تو معاشرے کے امن و امان کو تہہ و بالا کرنا ہے۔ جس کی اسلامی حکومت اجازت نہیں دے سکتی۔

(۱۰۲۴) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «تَقْتُلُ عَمَارًا الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ». (مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔“

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿عمار﴾ ابن یاسر وہ ہیں۔ یاسر مشہور و معروف صحابی کائنات جگر ﴿الفنہ﴾ ”قا“ کے نیچے سرور اور ہمزہ پر فتح۔ معنی اس کے ہیں جماعت گروہ۔

حاصل کلام: عام مؤرخین کا خیال ہے کہ عمار کو جنگ صفین کے روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت کچھ اس طرح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپس میں لڑانے والا وہی باغیوں کا گروہ تھا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں باغیوں کا وہ گروہ موجود تھا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے۔ دوران جنگ اسی باغی گروہ نے جو مسلمانوں کو آپس میں الجھا کر ہی رکھنا چاہتا تھا، نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کر دیا اور حضور ﷺ کی پیشین گوئی بھی اسی گروہ کے بارے میں ہے۔ اسی حدیث کی آڑ میں روافض اور ان کے کئی ہمنوا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اسی دروازے سے وہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنے سے بھی خوف نہیں کھاتے۔ اس معاملے میں بہت سنبھل کر بات کرنی چاہیے کیونکہ یہ صحابہ کرامؓ کا معاملہ ہے۔ جن کے اللہ نے سارے گناہ معاف کر رکھے ہیں۔

(۱۰۲۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «هَلْ تَذَرِي، يَا ابْنُ أُمِّ عَبْدِ اللَّهِ؟ كَيْفَ حُكِمَ لِلَّهِ فِيمَنْ بَغَى مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ؟» قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «لَا يُجْهَرُ عَلَى جَرِيحِهَا، وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرُهَا، وَلَا يُظْلَبُ هَارِبُهَا، وَلَا يُقَسَّمُ فَيْئُهَا». رَوَاهُ الْبُزَارُ وَالْحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ، فَوَهَمَ، لِأَنَّ فِي إِسْنَادِهِ كُؤُزَ بَنِي حَكِيمٍ، وَهُوَ مَثْرُوكٌ. وَصَحَّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِنْ طَرَفٍ نَحْوُهُ مَوْفُوفًا. أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے ام عبد کے بیٹے! کیا تجھے معلوم ہے کہ اس امت کے باغی کے متعلق اللہ عباد! کيف حکم اللہ فیمن بغی من ہذہ الامۃ؟“ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ”اس کے زخمیوں کو ختم نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے قیدیوں کو قتل کیا جائے گا اور نہ بھاگنے والے کا پیچھا و تعاقب کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے مال غنیمت کو تقسیم کیا جائے گا۔“ (اس روایت کو بزار اور حاکم دونوں نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مگر یہ حاکم کا وہم ہے اس لئے کہ اس کی سند میں کوثر بن حکیم متروک راوی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوف اس کی مانند کئی طرق سے مروی ہے جو صحیح ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ اور حاکم نے نکالا ہے)

لغوی تشریح: ﴿یا ابن ام عبد﴾ ابن ام عبد سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔ گویا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یا نبی ﷺ کو حدیث بیان فرماتے سنا ہے۔ (بل) ﴿لا یجہز﴾ یہ اور اس کے بعد کے افعال صیغہ مجہول ہیں۔ یعنی زخمی پر سختی نہیں کی جائے گی اور نہ اسے قتل کیا جائے گا ﴿ولا یقسم فیئہا﴾ باغیوں کے اموال بطور مال غنیمت تقسیم نہیں کئے

وَالْتَرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ. (٥٠٠)

نفعی تشریح: ﴿باب قتل الجانی... الخ﴾ ”جانی“ - جنابہ سے ماخوذ ہے یعنی جرم اور ”جانی“ مجرم کو کہتے ہیں۔ ﴿المرتد﴾ - اور مرتد۔ اسلام سے پھر جانے والے کو کہتے ہیں۔ ﴿دون ماله﴾ دون مالہ کا مطلب ہے اپنے مال کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو آدمی دوسرے کا مال و متاع سلب کرنے اور چھیننے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے لڑنا جائز ہے اور مال کا مالک اگر اس دفاعی لڑائی میں مارا جائے تو وہ شہید ہے اور اگر مال کے مالک سے حملہ آور قتل ہو جائے تو اس پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت دینا پڑتی ہے اور نہ کسی قسم کا گناہ و جرم ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر مقاتلہ کی اجازت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، بتائیے اگر کوئی آدمی میرا مال حاصل کرنے کے ارادہ سے آتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم اسے مت دو۔ اس نے پھر پوچھا اگر وہ میرے ساتھ لڑائی کرے؟ تو آپؐ نے فرمایا ”تم اس سے لڑو“ اس نے پھر عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ تو آپؐ نے فرمایا ”تم شہید ہو“ اس نے پوچھا اگر میں اسے قتل کر دوں؟ تو فرمایا ”وہ آگ میں داخل ہوگا“ یہ حکم مالی معاملات میں ہے۔ مالیات کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی احادیث وارد ہیں۔ ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و متاع اور اپنی جان، اپنے خون اور اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔

(۱۰۲۸) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَاتَلَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ رَجُلًا، فَقَضَّ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ، فَاتَّزَعَ يَدَهُ مِنْ فَمِهِ، فَتَزَعَّ ثَنِيَّتَهُ، فَأَخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «أَبْعُضْ أَحَدُكُمَا أَخَاهُ، كَمَا يَبْعُضُ الْفَحْلُ؟ لَا دِيَةَ لَهُ». فَتَفَقَّ عَلَيْهِ، وَالْفَقْتُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے لڑائی ہو گئی۔ ایک نے دوسرے کو دانتوں سے کاٹا تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچ کر باہر نکالا تو اس کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر گر گیا۔ دونوں اپنا جھگڑا نبی ﷺ کی عدالت میں لے گئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کیا تم ایک دوسرے کو اس طرح کاٹ کھاتے ہو جس طرح زر اونٹ کاٹتا ہے۔ اس کیلئے کوئی دیت نہیں۔“

(بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

غزوئ تشریح: ﴿فعض﴾ عض یعنی باب سح سے ہے۔ اس نے اپنے دانتوں سے اسے کاٹا۔ "فمنع" زور سے ہاتھ کھینچنے کی وجہ سے اس کے سامنے کا دانت جڑ سے اکڑ گیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی دوسرے شخص کی طرف سے نقصان اور ضرر کو دور کرنے کیلئے اگر کوئی جرم ہو جائے تو وہ جرم قاتل مؤاخذہ نہیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے البتہ اس کیلئے دو

شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس تکلیف سے جسم میں درد ہوتا ہو دوسری یہ کہ اس کے بغیر جان چھڑانے اور خلاصی پانے کی کوئی دوسری صورت نظر نہ آتی ہو گویا ان دونوں شرطوں میں سے اگر کوئی بھی نہ پائی جائے تو پھر اس صورت میں دیت ہوگی۔ (السیل)

(۱۰۲۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «لَوْ أَنَّ أَمْرًا أُطْلِعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ، فَفَقَّاتَ عَيْنَهُ، لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ وَالشَّافِعِي، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ: «فَلَا دِيَّةَ لَهُ وَلَا قَصَاصَ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوالقاسم رحمہ اللہ نے فرمایا ”اگر کوئی مرد تیرے گھر بغیر اجازت کے جھانکے (نظر ڈالے) اور تو کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔“ (بخاری و مسلم) احمد اور نسائی کے الفاظ ہیں جسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے کہ ”نہ اس کی دیت ہے اور نہ وَالشَّافِعِي، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ: «فَلَا دِيَّةَ لَهُ وَلَا قَصَاصَ»۔

لعنوی تشریح: ﴿فحذفته بحصاة﴾ تو اسے کنکری مارے۔ ﴿ففقات عينه﴾ اس کی آنکھ پھوڑ کر اسے کانا بنادے۔ اگر کوئی اس غلطی کا ارتکاب کرے اور مالک مکان کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو اس پر نہ قصاص ہے اور نہ ہی دیت ہے۔ کیونکہ اس شخص نے دوسرے کی پردہ داری کو نقصان پہنچایا اور مالک مکان کی خلوت و تنہائی میں دخل اندازی کی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس کی دیت دینے کے قائل ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔

(۱۰۳۰) وَعَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّهَارِ عَلَى أَهْلِهَا، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِيَةِ بِاللَّيْلِ عَلَى أَهْلِهَا، وَأَنَّ عَلَى أَهْلِ الْمَاشِيَةِ مَا أَصَابَتْ مَاشِيَتُهُمْ بِاللَّيْلِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَيْبِيُّ، إِلَّا التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ، وَفِي إِسْنَادِهِ اخْتِلَافٌ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ”دن کے اوقات میں باغوں کی حفاظت و نگرانی مالکان بالغ کریں اور رات کے اوقات میں مویشیوں کی حفاظت و نگرانی مالکان مویشی کریں۔ رات کے اوقات میں جس قدر مویشی کسی کا نقصان کریں گے اس کا تاوان مویشیوں کے مالکان پر ہوگا۔“ (اس حدیث کو احمد اور ترمذی کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح اختلافاً۔

کما ہے تاہم اس کی سند میں اختلاف ہے) لعنوی تشریح: ﴿الحوائط﴾ یعنی باغات۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جانور دن کے اوقات میں جو نقصان کریں اس کا کوئی تاوان نہیں۔ البتہ اگر ان جانور کے ساتھ سوار ہو یا

ان جانوروں کے آگے پیچھے آدمی ہو تو اس صورت میں جمہور علماء بقدر نقصان تاوان کے قائل ہیں اور اگر نقصان رات کو کیا ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بقدر نقصان تاوان و ضمان جانوروں کے مالک کو ادا کرنا ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ ضمان و تاوان اس صورت میں ہوگا جب مویشیوں کے مالک نے ان کی حفاظت میں کوتاہی و کمی کی ہوگی۔ بصورت دیگر نہیں۔ دن اور رات کے تاوان میں اس لئے فرق کیا گیا ہے کہ بالعموم باغوں کے مالک دن کے اوقات میں خود حفاظت کرتے ہیں اور مویشیوں کے مالک ان کی حفاظت رات کے اوقات میں۔ پس جس نے اس عادت کی مخالفت کی تو وہ حفاظت کی راہ و رسم سے خارج ہوگا۔ سب السلام میں ہے کہ مالکیہ یہ قید لگاتے ہیں کہ جب مویشیوں کو ان کے چرنے کی مقررہ جگہوں میں چرنے کیلئے چھوڑا جائے تو ضمان نہیں۔ رہا اس وقت جبکہ وہ کاشت شدہ زمین میں چھوڑا جائے اور ان کے چرنے کی جگہ نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں وہ دن اور رات میں ضامن ہوں گے۔

(۱۰۳۱) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حَضَرْتُ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي رَجُلٍ أَسْلَمَ، ثُمَّ تَهَوَّدَ - : لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ، فَضَاءَ اللَّهُ وَرَسُولِهِ، فَأَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبْنِ دَاوُدَ: «وَكَانَ قَدْ اسْتَشِيبَ قَبْلَ ذَلِكَ».

حضرت معاذ بن جبل رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے متعلق جو پہلے اسلام لایا پھر یہودی ہو گیا، تھا مروی ہے کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا تاوقتیکہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ (بخاری و مسلم) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اسے قتل سے پہلے توبہ کرنے کے لئے کہا گیا۔

لغوی تشریح: ﴿ثم تہود﴾ باب تفعیل سے ہے۔ یعنی اسلام سے مرتد ہو کر یہودی بن گیا۔ ﴿لا اجلس﴾ اس حدیث میں حضرت معاذ رحمہ اللہ کے نہ بیٹھنے کا قصہ بیان ہوا ہے جو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رحمہ اللہ سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمہ اللہ کو یمن پر عامل (گورنر) بنا کر بھیجا۔ ان کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رحمہ اللہ کو بھی بھیج دیا۔ جب حضرت معاذ رحمہ اللہ ابوموسیٰ اشعری کے پاس پہنچے تو انہوں نے معاذ رحمہ اللہ کو سواری سے نیچے اترنے کیلئے کہا اور ان کیلئے تکیہ لگایا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک آدمی بندھا ہوا ہے۔ حضرت معاذ رحمہ اللہ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے یا یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ شخص پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا مگر اب پھر یہودی ہو گیا ہے اور گندے دین کی طرف پلٹ گیا ہے۔ حضرت معاذ رحمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے گا اور ابوداؤد میں ہے کہ میں اپنی سواری سے اس وقت تک نیچے نہیں اتروں گا جب تک اسے قتل نہیں کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جب ”فضاء اللہ ورسولہ“ کو مرفوع پڑھا جائے۔ اس صورت میں یہ خبر ہوگی، مبتداء

محذوف ہوگا جو اس طرح ہوگا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ و فرمان ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ”مَنْ بَدَلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ“ کی جانب اشارہ تھا اور نصب بھی جائز ہے اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور اس کا فعل محذوف ہوگا۔ ﴿اَسْتَتِيب﴾ صیغہ مجہول یعنی اس سے اسلام کی جانب رجوع کرنے، پلٹ آنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو سزائے ارتداد سے پہلے توبہ کا موقع دیا جائے گا اور اسے توبہ کیلئے باقاعدہ کہا جائے گا۔ جمہور علماء کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے۔ مگر بعض دوسرے علماء اور ظاہرہ اسے واجب تسلیم نہیں کرتے۔ اس حدیث میں لفظ ”مَنْ“ عام ہے یعنی مرتد مرد ہو یا عورت دونوں کو پلٹ آنے کی دعوت دینے کے بعد ان کے انکار پر مصر رہنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی عورت کو اس کے ارتداد کی سزا میں قتل کیا گیا۔ اس وقت کثیر صحابہ کرامؓ موجود تھے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرتد کے قتل پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ اس واقعہ سے درج ذیل مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) عالموں (گورنروں) کا تقرر امیر ریاست کو کرنے کا حق حاصل ہے۔ (۲) ایک وقت میں دو عالموں کا تقرر بھی جائز ہے۔ (۳) گورنر کا فرض ہے کہ مرتد کو سزائے ارتداد دے اور شرعی حدود نافذ کرے۔ (۴) اپنی تقرری کی جگہ سواری پر جانا ثابت ہے۔ (۵) مرکز سے مقرر کردہ گورنر و وزیر کا احترام بھی کرنا چاہئے۔ (۶) شرعی سزائے نفاذ میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے جبکہ تحقیق و تفتیش کی کارروائی مکمل ہو چکی ہو۔ (۷) مجرم کو جکڑنا جائز ہے۔ (۸) سزا کا اجرا و نفاذ لوگوں کی موجودگی میں کرنا چاہئے تاکہ عبرت حاصل ہو۔

(۱۰۳۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ”بِجَوِّهِ خُصَّ اِبْنِ دِينَ بَدَلَ لَ اَسَ اللّٰهُ ﷻ: «مَنْ بَدَلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ»۔ قتل کر دو۔“ (بخاری)

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حاصل کلام: یہ حدیث بھی صریح اور واضح دلیل ہے کہ مرتد کی سزا شرعاً قتل ہے۔ خواہ وہ مرد ہے یا عورت۔ اب اگر کوئی علی الاعلان مرتد ہو جائے تو عدالت اس کے ثبوت کے بعد قتل کی سزا دے گی اور اسے قتل کر دیا جائے گا البتہ اگر وہ ظاہری نہیں بلکہ اندرونی طور پر مرتد ہے اس کے ارتداد کا علم نہیں تو اسے قتل کی سزا نہیں دی جائے گی اور اگر اس کو بزور اور جبراً کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ایسا شخص مستوجب سزا نہیں۔

(۱۰۳۳) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى نَابِیْنا خُصَّ اَسَ کِ اِیکَ اَم وِلْد لَوْنْدِی رَسُوْل اللّٰہِ ﷺ کُو گَلِی دِیْی اور برا بھلا کہتی تھی۔ وہ نابینا صحابیؓ

فَلَا تَنْتَهِي، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَخَذَ اسے منع کرتے مگر وہ باز نہ آئی۔ ایک رات انہوں
الْمِعْوَلِ، فَجَعَلَهُ فِي بَطْنِهَا، وَاتَّكَأَ نے کدال لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر اس پر اپنا
عَلَيْهَا، فَفَتَّلَهَا، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ بوجھ ڈال کر دبایا اور اسے قتل کر دیا۔ یہ بات نبی
ﷺ، فَقَالَ: «أَلَا أَشْهَدُوكُمْ أَنَّ دَمَهَا عَلَيْكُمْ تَحْتَ يَدَيْكُمْ تَحْتَ يَدَيْكُمْ تَحْتَ يَدَيْكُمْ»
هَدَرَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَرَوَاهُ يَحْيَى. خون رائیگاں اور بیکار گیا۔“

(ابوداؤد۔ اس کے راوی ثقہ ہیں)
لغوی تشریح: ﴿وتقع فيه﴾ یہ لفظ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کسی پر عیب لگایا جائے اور اس کی
مذمت کی جائے ﴿المعول﴾ میم پر کسرہ اور عین ساکن اور واؤ پر فتح۔ کدال جس سے زمین کھودی جاتی
ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ چھوٹی سی تلوار ہوتی ہے جسے آدمی اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا سکتا ہے اور
یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوہے کا دھاری دار کانٹے والا چوڑا ہتھیار ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایسا
کوڑا ہوتا ہے جس کے اندر چھوٹی سی یعنی پتلی تلوار ہوتی ہے۔ حملہ آور اسے اپنی کمر کے ساتھ مضبوطی
سے باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ دھوکہ دے سکے۔ ﴿اتكأ عليها﴾ اس پر اپنا بوجھ ڈال
دیا۔ ﴿هدر﴾ باطل قرار پایا۔ نہ اس کی کوئی دیت اور نہ قصاص۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے بلکہ امام
ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا واجب القتل
ہے۔ اسی طرح ذی غیر مسلم بھی اگر یہ جرم کرے تو اس کی سزا بھی یہی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ
ایسے شخص کو توبہ کی سہلت بھی نہیں دینی چاہئے۔



۱۰۔ کِتَابُ الْحُدُودِ

حدود کے مسائل

زانی کی حد کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق میرا فیصلہ فرمائیں اور دوسرا جو اس کے مقابل میں زیادہ سمجھدار اور دانا تھا، نے بھی کہا کہ ہمارے درمیان آپ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا ”بیان کرو۔“ وہ بولا، میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری پر کام کرتا تھا، اس کی اہلیہ سے زنا کا مرتکب ہو گیا اور مجھے خبر دی گئی کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو میں نے اس کے فدیے میں (بدلے میں) ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اس کی جان چھڑائی۔ اس کے بعد میں نے اہل علم حضرات سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس عورت کو

۱ - بَابُ حَدِّ الزَّانِي

(۱۰۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَعْرَابِ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أُنْشِدُكَ بِاللَّهِ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللَّهِ! فَقَالَ الْآخَرُ - وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ -: نَعَمْ، فَأَقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ، وَأَثْنَدَ لِي، فَقَالَ: قُلْ، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا، فَزَنَى بِأَمْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَأَقْدَبْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيدَةً، فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى أَمْرَأَةٍ هَذَا الرَّجْمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ، الْوَلِيدَةُ وَالْعَنَمُ

رَدُّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدٌ مِائَةٌ سزائے رجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاعْذُ يَا أَتَيْسُ! إِلَى اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان امْرَأَةٌ هَذَا، فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَأَرْجُمُهَا“۔ ہے! میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے عین مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تمہیں مُنَقَّعٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

واپس لوٹائی جائیں گی اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی ہے۔ اے انیس! تم اس آدمی کی اہلیہ کے پاس جاؤ (اور اس سے پوچھو) اگر وہ اس کا اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دو۔“ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لعنوی تشریح: ﴿کتاب الحدود﴾ حدود۔ حد کی جمع ہے۔ حد کے معنی ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان حائل چیز جو ایک کو دوسری کے ساتھ ملنے سے مانع ہو۔ اور یہ لفظ تقدیر اور کسی مسئلے کے اختتام اور انتہاء کے لئے بھی مستعمل ہے اور شرعاً اس کا اطلاق ان احکام پر ہوتا ہے جن میں کوئی چیز مقرر و متعین ہو اور معاصی اور عقوبات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی وہ سزائیں جو معلوم گناہوں پر مقرر و متعین ہیں اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ ان سزاؤں کو حدود اس لئے کہا گیا ہے کہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کو یہ سزائیں دوبارہ جرم کرنے سے روکنے کا سبب بنتی ہیں اور دوسرے شخص بھی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور جرم کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ ﴿انشدک﴾ باب نصر بنصر سے صیغہ متکلم ہے۔ مؤلف نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ میں آپؐ سے اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں اور انشدک میں دراصل نمناذکرک کے معنی ہیں اور ”با“ کو حذف کر دیا گیا ہے معنی یہ ہوا کہ میں با آواز بلند آپؐ سے گزارش کرتا ہوں۔ پھر بعد میں ہر مطلوب مؤکد کے سلسلہ میں استعمال کیا گیا ہے خواہ آواز بلند ہو یا نہ ہو۔ ﴿الاقضیت لی بکتاب اللہ﴾ اس میں استثناء کے بعد فعل کا استعمال مصدری معنی میں کیا گیا ہے اور اس عبارت میں کچھ مقدر ہے اور معنی یہ ہوئے کہ میرا سوال آپؐ سے صرف یہ ہے کہ آپ فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرمادیں یا یہ معنی کہ میں اللہ کا نام لے کر آپؐ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ فیصلہ کے علاوہ اور کوئی کام نہ کریں اور کتاب اللہ سے اس کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کیا حکم ارشاد فرمایا ہے اور اپنے بندوں کو کیا حکم فرض فرمایا ہے؟ ﴿واذن لی﴾ مجھے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ ﴿عسیفا علی هذا﴾ اس کے ہاں مزدور تھا اس کا کام کرتا تھا اور گھریلو ضروریات و حوائج میں خدمت انجام دیتا تھا۔ ﴿فافتدیت منه﴾ یعنی میں نے اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیا سزائے رجم کے بدلے۔ ﴿بمانہ شاة وولیدة﴾ یعنی اپنے بچے کی سزائے رجم کے عوض میں نے سو بکریاں اور لونڈی اس عورت کے شوہر کو دے دی ہیں۔ ﴿جلد مائۃ﴾ جلد کی جیم پر فتح

یعنی سو کوڑوں کی مار۔ یہ سزا اس کی اس لئے تھی کہ وہ شادی شدہ نہیں تھا۔ ﴿وتغریب عام﴾ سال بھر کی جلا وطنی و شہر بدری۔ ﴿رد علیک﴾ تیری طرف واپس لوٹادی جائیں گی۔ ﴿وداغد﴾ غدو سے ماخوذ ہے۔ وال پر ضم۔ امر کا صیغہ ہے اور دراصل تو صبح سویرے جانے کیلئے ہے مگر پھر مطلق جانے کیلئے استعمال کیا جانے لگا۔ ﴿یا انیس﴾ انیس، انیس سے تغیر ہے۔ ان کا اصل نام انیس بن ضحاک اسمعی تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ علمائے احناف جلا وطنی کے قائل نہیں۔ مگر یہ صریح اور صحیح حدیث ان کے خلاف ہے۔ زنا کے نتیجے میں رقم دے کر راضی نامہ کرنا بھی بہر نوع غلط ہے کہ عزت و مصلحت کا تحفظ روپے سے نہیں بلکہ حدود سے ہے۔

(۱۰۳۵) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيْبُ بِالثَّيْبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ». رَوَاهُ نُسَيْمٌ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ” (احکام شریعت) مجھ سے حاصل کر لو۔ (احکام معاشرت) مجھ سے حاصل کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کیلئے راستہ واضح کر دیا ہے۔ کنوارہ لڑکا کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال بھر کی جلا وطنی اور اگر شادی شدہ عورت کے ساتھ شادی شدہ زنا کرے تو مِائَةُ وَالرَّجْمُ“۔ رَوَاهُ نُسَيْمٌ۔

اس کی سزا سو کوڑے اور رجم۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿خذوا عني خذوا عني﴾ یعنی مجھ سے زنا کا حکم حاصل کر لو۔ ﴿فقد جعل الله لهن سبيلاً﴾ اللہ نے ان کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ یہ آپؐ نے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زانیوں کے بارے میں امر الہی کا انتظار کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ فرمایا:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مَنْ نَسَأَكُمْ فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَاْمَسْكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۚ ۱۵:

تمہاری جو عورتیں زنا کی مرتکب ہوں تو ان کے خلاف اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں روکے رکھو تاوقتیکہ ان کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی راستہ پیدا فرما دے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو انتظار کا حکم دیا ہے اسی بنا پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھ سے حاصل کر لو۔“ ﴿البکر بالبکر﴾ یعنی جب کنوارہ کنواری سے زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی و شہر بدری کے معنی جلا وطنی ہے۔ مطلب یہ کہ اس مرد کو شہر بدر کر دیا جائے اور اسی طرح ﴿الثب بالثب الخ﴾ کا معنی ہے کہ شادی شدہ لڑکا جب شوہر دیدہ عورت سے زنا کرے تو

طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: اللَّهُ ﷻ نے رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کتنے والے کہیں گے کہ کتاب اللہ میں ہم رجم کی سزا کا ذکر نہیں پاتے۔ اس طرح وہ ایسے فرض کے تارک ہو کر جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، گمراہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ رجم کی سزا کتاب میں حق ہے اس شخص کیلئے جس نے زنا کیا ہو۔ اس حالت میں جبکہ وہ شادی شدہ ہو، وہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں جبکہ دلیل قائم ہو جائے یا حمل ہو یا خود

اقرار کرے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿ایہ الرجم﴾ آیہ کو مرفوع پڑھیں تو یہ کان کا اسم ہے اور اس کی خبر طرف ہے۔ وہ آیت یہ تھی۔

الشیخ والشیخۃ اذا رجموهما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم

ہم نے اسے حفظ کر لیا ﴿وعقلناھا﴾ ہم نے اسے خوب سمجھ لیا ﴿ورجمنا بعده﴾ رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی میں ہم نے بھی رجم کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے بعد اس پر اجماع ہوا ﴿احصن﴾ بالغ، عاقل کسی آزاد سے صحیح طور پر شادی کی ہو اور اپنی اہلیہ سے لذت صحبت حاصل کر چکا ہو ﴿اذا قامت البینۃ﴾ جب دلیل قائم ہو جائے یعنی چار شہادتیں مردوں کی ﴿الحبل﴾ یا حمل کا پایا جانا ﴿والاعتراف﴾ یا پھر مجرم کا خود اقرار زنا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زنا کا ثبوت تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ چار شہادتیں ہوں تو جرم زنا ثابت ہو گا یا مجرم خود اقراری ہو کہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے یا عورت کا حاملہ ہونا اور اگر یہ صورت پیش آجائے کہ ایک عورت شادی شدہ بھی نہیں اور لونڈی بھی نہیں مگر حاملہ ہے تو اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ اس پر حد زنا نافذ ہوگی۔ مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک محض حمل سے حد جاری نہیں کی جائے گی۔ یہ حدیث مختلف صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سورۃ احزاب، سورۃ بقرہ کے برابر تھی جتنی اب موجود ہے اس کے علاوہ باقی منسوخ ہو گئی اور اس میں ہم پڑھتے رہے تھے کہ شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو ان کو سنگسار کر دو۔ بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا۔

(۱۰۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا زَنَتْ أَمَةٌ أَحَدُكُمْ، فَتَبَيَّنَ زَنَاهَا، فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُتْرَبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُتْرَبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ الثَّالِثَةَ، فَتَبَيَّنَ زَنَاهَا، فَلْيَبْغِهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعْرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

دے خواہ بالوں سے بٹی ہوئی ایک رسی کے عوض میں ہی کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لعنوی تشریح: ﴿فتبین﴾ پس ثابت ہو جائے۔ ﴿ولا یشرّب علیہا﴾ تشریب سے ماخوذ ہے۔ ملامت کرنا، برا بھلا کہنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا، سختی سے جھڑکنا۔ ﴿فلیبغها﴾ تیسری مرتبہ بھی حد قائم کرنے کے بعد پھر اسے فروخت کر دینا چاہئے۔ ﴿ولو بحبل من شعر﴾ خواہ اس کی کتنی حقیر سی قیمت لگے مثلاً بالوں کی رسی اس کی کوئی خاص قیمت نہیں ہوتی اس کے عوض فروخت کر دے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے فروخت کرنے کا حکم اس احتمال کے پیش نظر دیا ہے کہ وہ لونڈی خریدار کے روبرو اپنے آپ کو پاک و امن ثابت کرے یا اس خوف کے پیش نظر کہ اسے جب وہ دوبارہ زنا کرے گی تو اس کے وطن مالوف سے نکال باہر کیا جائے گا اور یہ وطن سے نکالا جانا اس پر شاق گزرے گا اور یہ توقع اور امید بھی ہے کہ جگہ کی تبدیلی سے حالت کی تبدیلی واقع ہو جائے کیونکہ مجاورت اطاعت اور نافرمانی میں اپنی تاثیر رکھتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو آئندہ آنے والی ہے معلوم ہوا کہ لونڈی اور غلام پر اس کا مالک حد نافذ کر سکتا ہے اور آزاد کے مقابلہ میں ان پر آدھی سزا نافذ کی جائے گی۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا کہ ”فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب“ کہ ان پر پاک و امن آزاد عورت کی سزا سے نصف سزا ہے۔ اگر لونڈی شادی شدہ ہو تو اس پر حد نافذ کرنے میں اختلاف ہے کہ اس پر حد حکومت لگائے گی یا مالک۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس پر اس صورت میں بھی مالک ہی حد لگائے گا اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ شادی شدہ لونڈی پر مالک حد لگانے کا مجاز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ صرف مالک کی لونڈی ہی نہیں دوسرے کی بیوی بھی ہے۔ اگر لونڈی کا خاوند بھی اسی مالک کا غلام ہو تو پھر مالک اس پر حد لگا سکتا ہے۔ لونڈی کیلئے ثبوت زنا کی وہی صورتیں ہیں

جو ایک آزاد شریف زادی کیلئے ہیں البتہ بعض حضرات کی یہ رائے بھی ہے کہ اگر لونڈی کے ارتکاب کی شہادتیں اور اقرار نہ ہو اور مالک کو یقین و وثوق ہو کہ لونڈی نے جرم زنا کا ارتکاب کیا ہے تو مالک اپنے یقین و وثوق کی بنیاد پر بھی حد نافذ کر سکتا ہے۔

(۱۰۴۰) وعن علی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: «أَقْبِمُوا الْحُلُودَ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَهُوَ فِي مُسْلِمٍ مُؤَوَّفٌ. (روایت موقوف ہے)

(۱۰۴۱) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ أَمْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتْ النَّبِيَّ ﷺ، وَهِيَ حُبْلَى مِنَ الزَّوْنِ، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ! أَصَبْتُ حَدًّا، فَأَقِمْنِي عَلَى، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَيْهَا، فَقَالَ: «أَحْسِنِ إِلَيْهَا، فَإِذَا وَضَعْتَ فَأَنْبِي بِهَا»، فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِهَا فَشَكَّتْ عَلَيْهَا نِيَابُهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَتُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ! وَقَدْ زَنَتْ؟ فَقَالَ: «لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً، لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلَّهِ تَعَالَى؟». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قبیلہ کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور وہ اس وقت زنا (کے فعل حرام) سے حاملہ تھی۔ اس نے کہا اے اللہ کے نبی (ﷺ)! میں حد کی مستحق ہوں لہذا آپ اس حد کو مجھ پر نافذ فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ولی و سرپرست کو بلوایا اور اسے تلقین فرمائی کہ ”اس کے ساتھ حسن سلوک کرو جب وہ وضع حمل سے فارغ ہو تو اسے میرے پاس لے آؤ۔“ اس نے آپ کے فرمان کے مطابق عمل کیا۔ پھر آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا۔ چنانچہ اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیئے گئے۔ پھر آپ نے اس کے متعلق حکم دیا اور اسے سنگسار کر دیا گیا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے، اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ تو زنا کی مرتکب ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ اہل مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو وہ سب پر وسیع ہو جائے گی۔ کیا تو نے اس سے بہتر آدمی دیکھا یا پیا ہے جس نے اللہ کیلئے اپنی جان کو اللہ کے سپرد کر دیا ہو۔“ (مسلم)

لعوی تشریح: ﴿ان امراء من جھینہ﴾ یہ خاتون غلامیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ جھینہ نصیر ہے۔ یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور ”غامد“ اس کی شاخ تھی۔ ﴿فشکت﴾ میخڑ، مجبول۔ شدت کے وزن پر۔ مضبوطی سے اس کے جسم پر کپڑے باندھ دینا اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ پتھر جب اس پر پڑیں تو وہ برہنہ نہ ہو جائے یا جسم کا کوئی قابلِ ستر حصہ کھل نہ جائے۔ ﴿ثم صلی علیہا﴾ مبنی للمعلوم۔ یہ صریح نص ہے اس بارے میں کہ حضور ﷺ نے غلامیہ کی نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔ یہ اس قول کی تائید ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے اصحاب علم نے کہی ہے کہ جسے رجم کی سزا دی گئی ہو امام وقت اور دوسرے اصحاب فضیلت اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے امام وقت اور اہل علم و فضل کیلئے مرحوم کا جنازہ پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے البتہ عام مسلمانوں کو اس کا جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے مگر یہ حدیث ان کے موقف کے خلاف ہے۔ ﴿جادات بنفسہا﴾ اس نے اپنی جان دے دی ہے اور جس طرح انسان اپنا مال دے دیتا ہے اور سخاوت کر دیتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت پر زنا کی حد فوری طور پر نافذ نہیں کر دینی چاہئے۔ حمل تک بالاتفاق حد اس پر نافذ نہیں کرنی چاہئے۔ وضع حمل کے بعد بھی اگر نومولود کی پرورش کا کوئی ذمہ لے اور بچہ کو دودھ پلانے والی کا انتظام ہو تو پھر حد لگائی جائے گی۔ اگر ایسا بندوبست سردست نہ ہو سکے تو پھر دودھ چھڑانے تک نفاذ حد کا عمل مؤخر کیا جائے گا اور اگر کنواری عورت سے اس فعل کا ارتکاب ہوا ہو تب بھی وضع حمل تک حد نافذ نہیں کی جائے گی۔ اس عورت سے حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید ہے اس لئے کہ نادان رشتہ دار عورتیں اور بیوقوف مرد اسے طعن و تشنیع سے جینا دو بھر کر دیتے ہیں۔ شرعی سزا کے علاوہ اس قسم کا ناروا رویہ اور بے جا سلوک تو اسے جیتے جی زندہ درگور کر دینے کے مترادف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو رجم کرتے ہوئے اس کے ستر کا لحاظ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ امت نے مرد کو کھڑے کھڑے اور عورت کو گڑھے میں بٹھا کر سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رجم کی سزا یافتہ عورت ہو یا مرد دونوں کی نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عوام و خواص سبھی نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔

(۱۰۴۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: رَجِمَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِّنْ أَشْلَمَ، وَرَجُلًا مِّنَ الْيَهُودِ، وَأَمْرًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفَصَّحَهُ رَجِمَ الْيَهُودِيَّ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُثْمَرَ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اشلم قبیلہ کے ایک آدمی کو رجم کیا اور ایک یہودی مرد اور ایک عورت کو بھی۔ (مسلم۔ یہودی مرد و عورت کی سزائے رجم کا واقعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں منقول ہے)

لعوی تشریح: ﴿رجلا من اسلم﴾ اسلم قبیلہ کا ایک مرد اس سے مراد ماعز بن مالک اسلمی ہیں۔ ﴿رجلا من اليهود﴾ رجلا من اسلم کے مترادف ہیں۔

وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ وَامْرَأَةً ﴿۱﴾ ان میں سے یعنی یہود میں سے ہی ﴿وَقِصَّةَ الْيَهُودِيِّينَ﴾ تشبیہ کا صیغہ ہے۔ ﴿فِي الصَّحِيحِينَ﴾ یعنی بخاری و مسلم میں ان کے علاوہ یہ واقعہ مسانید اور سنن کی کتابوں میں بھی منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو پیش کیا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ زانی کے متعلق تم لوگ تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ بولے ہم دونوں کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرتے ہیں اور دونوں کے منہ مخالف سمتوں میں کرتے ہیں اور دونوں کو گھماتے ہیں اور چکر لگواتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ”اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔“ چنانچہ وہ تورات لے آئے اور اسے پڑھنا شروع کیا تا آنکہ جب وہ رجم والی آیت پر پہنچے تو اس کی تلاوت کرنے والے نوجوان نے اس آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا جس میں رجم کا ذکر تھا اور آگے پیچھے سے عبارت پڑھنے لگا۔ آپؐ کے ساتھ عبداللہ بن سلام تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اسے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ ذرا اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم موجود تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو رجم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے امدئی میں کہا ہے کہ یہ فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ذمہ جب اپنا فیصلہ کروانے کیلئے ہماری عدالت میں آئیں گے تو ہم اسلام کے حکم کے عین مطابق فیصلہ کریں گے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی اور زنا میں صرف رجم کیا جائے گا۔ کوڑے کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(۱۰۴۳) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ فِي أَبْيَاتِنَا رُؤَيْجِلٌ ضَعِيفٌ، فَخُبْتُ بِأَمَةٍ مِّنْ إِمَائِهِمْ فَذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: «اضْرِبُوهُ حَدَّه»، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهُ أَوْضَعُ مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: خُذُوا عِشْكَالًا فِيهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ، ثُمَّ اضْرِبُوهُ بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً، فَفَعَلُوا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لَكِنْ اُخْتَلِفَ فِي وَضْعِهِ وَإِرْسَالِهِ.

حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے گھروں میں ایک چھوٹا سا کمزور و نحیف آدمی رہتا تھا۔ وہ ہماری لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ جرم زنا میں ملوث ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا ”اسے حد لگاؤ۔“ تو سب لوگ بول اٹھے اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ تو نہایت ہی کمزور و لاغر ہے تو آپؐ نے فرمایا ”کھجور کے درخت کی ایک ایسی ٹہنی لو جس میں سو شاخیں ہوں۔ پھر اسے ایک ہی دفعہ اس مرد پر مار دو۔“ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ (اسے احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے لیکن اس کے موصول اور مرسل

کہ صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دو البتہ قتل کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے ہے کہ اونچے پہاڑ سے پھینک دیا جائے اور حضرت علیؓ کی رائے میں اس پر دیوار گرا دی جائے اور حضرت ابن عباسؓ کی رائے میں ان دونوں کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے پس سب کا اس کے قتل کرنے پر اتفاق ہے، اگرچہ قتل کرنے کی کیفیت مختلف ہے۔ امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے کہ لوطی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں صورتوں میں اسے سنگسار کیا جائے گا۔ دو مذہب اس جگہ اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ فعل کے مرتکب کی سزا تو زنا کی حد ہے یعنی اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کیا جائے ورنہ سو کوڑے مارے جائیں گے۔ یہ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے اور اس قول کی روشنی میں مفعول پر بقول امام شافعیؒ سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی مرد ہو یا عورت، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ دو سرا مذہب یہ ہے کہ دونوں پر کوئی حد نہیں بس تعزیر پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ رائے امام ابو حنیفہؒ کی ہے مگر پہلا قول حدیث کے موافق ہے اور اگرچہ اس حدیث میں بعض نے کام کیا ہے لیکن یہ سند کے اعتبار سے قابل عمل ہے۔ ان تمام اقوال میں پہلا قول راجح ہے اگرچہ اس پر فتویٰ دینے والے کم تعداد میں ہیں۔ ﴿ومن وجد تموه وقع علی بهیمه فافسلوه﴾ یعنی جو جانور سے بد فعلی کرے اسے قتل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ان کے قول کے معارض ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا جس نے جانور سے بد فعلی کی اس پر کوئی حد نہیں۔ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ موقوف قول ان کی مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور یہی قول امام احمدؒ اور اسحقؒ کا ہے اور خطابیؒ نے کہا ہے کہ فقہاء کی اکثریت کا خیال ہے کہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ عطاء اور ابراہیم نخعی نے بھی یہی کہا ہے اور امام مالکؒ، ثوریؒ، امام احمدؒ اور اصحاب الراہی اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اسی کے تائید میں ہے اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے مجرم کی حد، زنا کی حد ہے وافتلوا البہیمہ یعنی جانور کو قتل کر دو۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ جانور کو قتل کرنے کا کیا سبب ہے کیونکہ وہ تو غیر مکلف ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ نہیں سنا لیکن میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا گوشت کھانا اور اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ سمجھا ہے۔

(۱۰۴۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا. أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَنَى (زانی کو) مارا بھی اور جلا وطن بھی کیا اور ابوبکر صَرَبَ وَعَرَبَ، وَأَبُو بَكْرٍ صَرَبَ وَعَرَبَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّهُ اخْتَلَفَ فِي وَفْقِهِ وَرَفْعِهِ.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (زانی کو) مارا بھی اور جلا وطن بھی کیا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس کے موقوف اور مرفوع ہونے کے متعلق اختلاف ہے)

لغوی تشریح: ﴿ضرب﴾ یعنی کنوارے زانی کی سزا سو کوڑے لگائی۔ ﴿غروب﴾ تعزیم سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زانی کو اس کی جائے سکونت سے سال بھر کیلئے نکال باہر کیا (جلا وطن کیا) علامہ ایسانی نے سبل السلام میں کہا ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ روایت اس قول کی تردید میں نقل کی ہے کہ جلا وطنی کی سزا منسوخ ہے۔ کیونکہ جب خلفائے راشدین کا اس پر عمل ہے تو یہ منسوخ کیسے اور کب ہوئی؟

(۱۰۶۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ الْمُخَشَّيْنِ مِنَ الرَّجَالِ،
وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ، وَقَالَ:
«أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ». رَوَاهُ
الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں
کا روپ دھاریں اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے
جو مرد بنیں۔ نیز فرمایا کہ ”ان کو اپنے گھروں سے
نکال دو۔ (گھروں میں داخل نہ ہونے دو)۔“ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿المخشین﴾ نون کے نیچے کسرہ اور فتح بھی۔ ایسے مرد جو عورتوں سے عادات و اخلاق، حرکات و سکنات، طرز گفتگو اور فیشن وغیرہ میں اور ان امور میں جو عورتوں کیلئے مخصوص ہیں مشابہت پیدا کریں۔ پس اگر وہ عادات و خصلت پیدائشی و جبلی اور فطری ہوں تو اس میں کوئی ملامت نہیں اور ایسی عادت بتکلف بھی دور کرنے کی کوشش کرنا اس کیلئے ضروری اور لازمی ہے اور اگر اس نے قصداً و عمداً اختیار کی ہے تو یہ مذموم حرکت ہے۔ ﴿المترجلات﴾ ایسی عورتیں جو مردوں کے ساتھ تشبیہ اختیار کریں، فیشن میں، ہیئت و صورت میں، چال ڈھال میں، انداز گفتگو وغیرہ میں۔ اس پر لعنت کا کیا جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ فعل حرام ہے۔ یہ مرض ہمارے زمانہ میں وباء کی طرح عام ہو گیا ہے نہ مشرق اس سے محفوظ ہے اور نہ مغرب اس سے بچا ہوا ہے یہاں تک کہ یہ مرض نوجوان مسلمانوں کی صفوں میں چوٹی کی چال داخل ہو گیا ہے اور ان میں سرایت کر گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایسے مرد و عورتوں کو گھروں سے نکالنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ یہ شریف گھرانوں میں فتنہ و فساد کا موجب نہ بن جائیں اور ان کی دیکھا دیکھی شریف گھرانوں میں بھی یہ مرض سرایت نہ کر جائے۔

(۱۰۴۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ
 اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ ﷺ: «ادْفَعُوا الْحُدُودَ مَا وَجَدْتُمْ
 لَهَا مَدْفَعًا». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ، وَسَنَدُهُ
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 ﷺ نے فرمایا ”حدود کو دفع کرو جہاں تک اس کے
 دفع کرنے کی گنجائش پاوے۔“ (اسے ابن ماجہ نے نکالا ہے
 اور اس کی سند ضعیف ہے)

وَأَخْرَجَهُ التَّرمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ، مِنْ اور اس کو ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، بَلَفَظَ: أَدْرَأُوا الْحُدُودَ عَنْ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضاً. واسطہ سے بیان کیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ ”مسلمانوں سے جہاں تک حدود کو ہٹا سکتے ہو ہٹاؤ۔“ (یہ بھی ضعیف ہے) اور بیہقی نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ، عَنْ عَلِيٍّ، مِنْ قَوْلِهِ، بَلَفَظَ: أَدْرَأُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ.

لعنوی تشریح: ﴿مدفعا﴾ یعنی دفع کرنے کی گنجائش و راستہ ادرؤا یعنی دفع کرو اور شبہات سے مراد جیسے کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ زانی مرد نے اس پر جبر و اکراہ کیا ہے یا یہ بیان دے کہ مجھے سوتے میں اس نے آیا اور ایسی ہی دوسری مثالیں جن کا واقع ہونا ممکن ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب حدود کے ثبوت میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہو جائے تو حد کو موقوف کر دینا چاہئے۔ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مجرموں کو حدیں لگایا ہی نہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ حدود کا نفاذ اس وقت کرنا چاہئے جب جرم پوری طرح ثابت ہو جائے۔

(۱۰۴۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَجْنِبُوا هَذِهِ الْقَادُورَاتِ الَّتِي نَهَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، فَمَنْ أَلَمَ بِهَا فَلْيَسْتَرْ بِسَرِّ اللَّهِ تَعَالَى، وَلْيَتُبْ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِ لَنَا صَفْحَتَهُ نَقِمَ عَلَيْهِ كِتَابُ اللَّهِ تَعَالَى». رواه الحاكم، ومو في الموطأ من مزايند زید روایت کیا ہے اور یہ موطا میں زید بن اسلم سے مرسلًا

(مروی ہے)

لعنوی تشریح: ﴿القادورات﴾ قاذورۃ کی جمع ہے۔ قول و فعل کی فحش حرکتیں مثلاً زنا وغیرہ۔ ﴿اللم بها﴾ الالم سے ماخوذ ہے یعنی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ﴿من یبدلنا﴾ مضارع مجزوم، ابداء سے۔ یعنی جو کوئی اپنا پہلو، اپنا چہرہ ہمارے سامنے ظاہر کرے گا۔ کہا جاتا ہے ﴿ابدی صفحتہ﴾ یعنی اسی نے اپنا پہلو کھول دیا۔ یعنی جو شخص اپنے جرائم کا ہمارے سامنے انکشاف کرے گا تو ہم اس پر حد قائم کر کے

چھوڑیں گے، ہرگز اسے معاف نہیں کریں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بشری کمزوری کی بنا پر گناہ کا سرزد ہونا خلاف توقع نہیں۔ جب ایسا فعل سرزد ہو جائے تو انسان کو چاہئے کہ اپنا جرم اور فعل لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتا پھرے بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہے تو اسے پردے میں ہی رہنے دے اور پوشیدہ طور پر اپنے مولیٰ و مالک کے حضور توبہ کرے اس سے معافی کا طلب گار ہو۔ لیکن اگر وہ اپنے گناہ کا برملا اظہار کرتا ہے اور اعتراف جرم کرتا ہے تو پھر وہ شرعی سزا سے کسی صورت بچ نہیں سکتا۔

راوی حدیث: ﴿زید بن اسلم رضی اللہ عنہ﴾ صحابی ”بلوی“ قبیلہ سے ہیں۔ جو بنو عجلان میں سے تھا۔ یہ بنی عمرو بن عوف انصاری کے حلیف تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے۔ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ ہشام کلبی نے کہا ہے ان کو ملیح بن خویلد اسدی نے ”بزاخہ“ کے روز اھ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں قتل کیا تھا۔

۲ - بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ - تہمت زنا کی حد کا بیان

(۱۰۴۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَ عَذْرَى، قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَذَكَرَ ذَلِكَ، وَتَلَا الْقُرْآنَ، تِلَاوَتَ فَرْمَانِي. جب منبر سے نیچے تشریف لائے تو دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا کہ ان کو قَضَرُوا الْحَدَّ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ. حد لگائی جائے۔ (اس کو احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے) وَأَشَارَ إِلَيْهِ الْبَخَارِيُّ. اور بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿باب حد القذف﴾ قاف پر فتح اور ذال پر سکون۔ تہمت زنا کو کہتے ہیں اور اس کی حد اسی کوڑے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (والذین يرمون المحصنات ثم لم ياتوا بأربعة شهوداء فاجلدوهم ثمانين جلدة) (النور) ”جو لوگ پاک خواتین پر تہمت زنا لگاتے ہیں۔ پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ۔“ ﴿لما نزل عذری﴾ عذر سے مراد وہ آیات ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا بیان ہے اور وہ سورہ نور ۱۱ تا ۲۰ تک دس آیات ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات کو عذر کا نام اس لئے دیا کہ یہ آیات ان پر جھوٹی تہمت سے بریت کرتی ہیں۔ جس طرح عذر معذور کو اس کے جرم سے بری قرار دیتا ہے۔ اور ان کا واقعہ افسوسناک تو مشہور و معروف ہے کہ آپ ۵۵ یا ۶۰ھ میں غزوہ المریض سے واپس آرہی تھیں کہ صبح کی تاریکی میں ایک جگہ اپنا بارگم کر بیٹھیں، اسے تلاش کرنے میں مشغول ہو گئیں اور قافلہ نے کوچ کر لیا اور لوگوں نے ان کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا اور

وہ یہی سمجھتے رہے کہ آپ اس ہودج میں موجود ہیں۔ پھر جب آپ ہار کی تلاش کے بعد واپس اپنی جگہ پر تشریف لائیں تو اتنے میں صفوان بن معطل کا ادھر سے گزر ہوا جو قافلے کی گری پڑی چیزیں اٹھانے کیلئے پیچھے رکھے گئے تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنے اونٹ پر سوار ہونے کو کہا اور خود اپنے اونٹ کی مہار پکڑ کر پیدل اونٹ کے آگے چل پڑے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راستہ میں کوئی بات نہیں کی تا آنکہ ظہر کے وقت ان کو نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ پس رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے جب ان کو دیکھا تو فوراً ان پر تہمت لگا دی۔ اس منافق نے اور اس کے ہم مشرب منافق لوگوں نے اس کو خوب مشہور کیا اور اسے لوگوں میں پھیلایا۔ یہاں تک کہ اس جرم اشاعت میں تین مخلص مومن بھی حصہ دار بن گئے اور وہ تھے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور حنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور معاملہ بہت بڑھ گیا۔ قریب تھا کہ مسلک اضطرابات واقع ہو جاتے۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ اس پر ایک مہینہ گزر چکا تھا پھر کہیں جا کر ان کو خبر ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور اپنے والد کے گھر چلی گئیں اور وہاں جا کر اس خبر کی تحقیق کی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ لوگ ان کے بارے میں یہ کچھ کہہ رہے ہیں تو زار و قطار رونے لگیں اور روتے روتے دو راتیں گزر گئیں اور مسلسل روتی ہی رہیں۔ پھر نبی ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور اس معاملہ میں ان سے گفتگو فرمائی جو اس سے پہلے نہیں فرمائی تھی۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیات نازل ہوئیں۔ ﴿امر برجلین وامرأة﴾ دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف لگانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ یہ دو مرد حضرت حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حضرت حنہ بنت جحش تھیں۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ان لوگوں کے اس تہمت کے پھیلانے میں حصہ لینے کی وجہ سے قذف لگائی گئی۔ ﴿فصرىوا الحد﴾ فعل صیغہ مجہول یعنی پھران پر حد قذف لگائی گئی۔

(۱۰۵۰) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: أَوَّلُ إِسْلَامٍ فِي لِحَانٍ كَا پَہْلا واقعہ شریک بن سماء کا تھا۔ لِعَانٍ كَانَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ شَرِيكَ بْنَ سَحْمَاءَ قَذَفَهُ هَلَاكٌ بِنْتُ أُمَيَّةَ تہمت لگائی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا بِأَمْرَاتِهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: کہ ”گواہ لاؤ۔ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے“ (اس حدیث کی تخریج ابویعلیٰ نے کی ہے اور اس اَلْحَدِيثَ أَخْرَجَهُ أَبُو بَعْلَى، وَجَالَهُ بَقَات، کے راوی ثقہ ہیں اور بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وَفِي الْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ روایت بھی اسی طرح ہے) رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔

نفوی تشریح: ﴿البينة﴾ منصوب حالت میں ہے یعنی گواہ پیش کرو اور وہ چار گواہ ہیں۔ ﴿والا فحد

فی ظہرک) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے اور گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس پر حد واجب ہے۔ مگر یہ حد لعان سے منسوخ ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب شوہر لعان نہ کرے اور نہ ہی چار گواہ پیش کرے تو اس پر حد واجب ہے۔ جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔

راوی حدیث: ﴿شربک بن سحماء رضی اللہ عنہ﴾ یہ ”بلوی“ قبیلہ میں سے تھے۔ انصار کے حلیف تھے۔ ہلال بن امیہ نے ان پر اپنی بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی۔ ایک قول کے مطابق یہ اپنے والد کے ہمراہ احد میں حاضر تھے اور یہ براء بن مالک کے ماں جائے بھائی تھے اور ان کے والد کا نام عبدہ بن معتب تھا اور سماء ان کی والدہ کا نام تھا۔

﴿ہلال بن امیہ﴾ ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا۔ واقعی بھی کہلاتے تھے۔ مشہور و معروف صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ بنو واقف کے بتوں کے بت شکن تھے۔ بدر و احد کے معرکوں میں حاضر ہوئے۔ فتح مکہ کے دن بنو واقف کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ان تین صحابہؓ میں سے ایک تھے جو معرکہ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے۔

(۱۰۵۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے
بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: لَقَدْ أَذْرَكْتُ أَبَا بَكْرٍ کہ میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان
وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، فَلَمْ غلاموں کا عہد پایا ہے۔ میں نے
أَرَهُمْ يَضْرِبُونَ الْمَمْلُوكَ فِي الْقَذْفِ ان کو نہیں دیکھا کہ غلاموں کو سزائے قذف میں
إِلَّا أَرْبَعِينَ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتَّوْرِيُّ فِي جَامِعِهِ۔ چالیس (کوڑوں) سے زیادہ مارتے ہوں۔ (اسے مالک

نے روایت کیا ہے اور ثوری نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے)
حاصل کلام: عبد اللہ بن عامر جو ابو عمران کی کنیت سے مشہور ہیں۔ سات قاریوں میں سے ایک مشہور و
معروف قاری ہیں۔ تابعین کے طبقہ دوم میں ثقہ حافظ تھے۔ اس حدیث کی رو سے غلام اور لونڈی کی حد
آزاد مرد و عورت سے آدھی ہے۔ مثلاً زنا کی حد میں ان پر پچاس کوڑے ہیں۔ رجم کی حد نہیں ہے کیونکہ
سزائے موت کا نصف تو ممکن ہی نہیں۔ لہذا آدھی سزا ہے اور وہ پچاس کوڑے ہیں اور اسی طرح حد
قذف کا نصف چالیس کوڑے ہیں۔ جمہور اہل علم کا بھی یہی مسلک ہے۔ نص قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے
کہ یہ لونڈیوں کے حق میں ہے مگر غلام بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ سورہ نور میں استثناء میں غلام اور
لونڈی دونوں شامل ہیں۔

(۱۰۵۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ
«مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ يُقَامُ عَلَيْهِ تہمت لگائے اس پر قیامت کے روز حد لگائی جائے
الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا گی۔ الا یہ کہ وہ اسی طرح ہو جس طرح کہ اس نے

قَالَ. مُتَّقَى عَلَيْهِ. کہا ہے (یعنی وہ تمت پچی ہو)۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿يَقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اپنے غلام پر تمت لگاتا ہے تو دنیا میں اس مالک پر کوئی حد نہیں ہے۔ اسے سزا قیامت کے روز اللہ رب العالمین ہی دیں گے اور اگر تمت پچی ہوگی تو پھر مالک بری الذمہ ہے اور غلام کو جرم کی سزا دی جائے گی۔

چوری کی حد کا بیان

۳ - بَابُ حَدِّ السَّرِقَةِ

(۱۰۵۳) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَقْطَعُ يَدُ سَارِقٍ إِلَّا فِي چوتھائی دینار یا اس سے کچھ زائد چوری کرنے پر (کاٹا رُبْعَ دِينَارٍ فَصَاعِدًا». مُتَّقَى عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ جائے۔“ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور لِمُسْلِمٍ. وَلَفْظُ الْبُخَارِيِّ: «تَقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي بخاری کے الفاظ ہیں ”چور کا ہاتھ چوتھائی دینار اور رُبْعَ دِينَارٍ لِنَصَاعِدًا“۔ اس سے زائد پر کاٹا جائے گا۔“

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: «أَقْطَعُوا فِي اور احمد کی روایت ہے ”چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹ رُبْعَ دِينَارٍ، وَلَا تَقْطَعُوا فِيمَا هُوَ دو اور اس سے کم قیمت کی چوری پر نہ کاٹو۔“

لغوی تشریح: ﴿بَابُ حَدِّ السَّرِقَةِ﴾ سرقت میں سین اور را پر فتح اور سرقت کہتے ہیں کسی محفوظ جگہ و مقام سے کسی ایسی چیز کو خفیہ طور سے لے لینا کہ اس کا لینا جائز و درست نہ ہو۔ ﴿فَصَاعِدًا﴾ یہ حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا استعمال کبھی فاسے ہوتا ہے اور کبھی لفظ ثَم سے لیکن ”واو“ سے کبھی استعمال نہیں ہوتا اور اس کا معنی ہے خواہ اس سے زیادہ ہو۔ ﴿ادنى من ذلك﴾ اس سے کم تر ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب تک نصاب سرقہ مکمل نہ ہو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہی رائے جمہور علماء کرام کی ہے۔ مگر حسن بھری، ظاہریہ اور خوارج نے آیت کو مطلق دیکھ کر قلیل و کثیر ہر چوری پر قطع ید کی سزا کو واجب قرار دیا ہے جو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حدیث قرآن مجید کا بیان اور اس کی توضیح و تشریح ہے۔ حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تکمیل نصاب کی صورت ہی میں قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے جمہور کی رائے ہی صحیح ہے کہ نصاب سرقہ پورا ہونے سے پہلے قطع ید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ البتہ نصاب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن میں زیادہ مشہور دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ سونے میں نصاب ایک دینار کا چوتھا حصہ اور چاندی میں تین درہم۔ یہ رائے فقہاء حجاز اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہم کی ہے اور دوسرا یہ کہ دس درہم نصاب ہے اس سے کم میں قطع ید کی سزا

نہیں دی جاسکتی۔ امام سفیان ثوری اور احتاف کا یہی قول ہے۔ پہلے گروہ نے اسی متفق علیہ اور صحیح ترین حدیث کو لیا۔ ایک دینار کا وزن چار ماشہ سونا اور درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی۔ گویا چوتھائی دینار اور تین درہم ہم وزن ہیں۔ اس سے کم قیمت کی چوری پر قطع ید کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک ڈھال جس کی قیمت دس درہم تھی پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر یہ روایت صحیح بخاری و مسلم کے درجہ و مرتبہ کو نہیں۔ ڈھال کی قیمت اس کی حیثیت کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ اس لئے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ محدثین ہی کا موقف درست ہے کہ ربع دینار یا تین درہم چاندی کے برابر چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جس کی قیمت تین درہم تھی۔ یہ ربع دینار والی پہلی روایت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی تھا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ جمہور کا مسلک اس حدیث اور سابقہ حدیث کے مطابق ہے۔ البتہ ان میں ان دونوں احادیث پر عمل کرنے میں معمولی اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ چور کا ہاتھ تہمی کاٹا جائے گا جب چوتھائی دینار یا تین درہم چوری کرے۔ سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کرے تو اس کا نصاب تین درہم کے حساب سے ہوگا۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نصاب سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ ہے یا جو ربع دینار کی قیمت ہو اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”قطع ید کی سزا ربع دینار کی چوری میں ہے“ پھر فرمایا کہ ”اس سے کم قیمت کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا“ اور تین درہم چوتھائی دینار کے قائم مقام ہیں اصل نصاب سرقہ صرف چوتھائی دینار ہے۔

(۱۰۵۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ. مُتَّفَقٌ. اس کی قیمت تین درہم تھی۔ (بخاری و مسلم) عَلَيَّهِ.

(۱۰۵۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ، يَسْرِقُ انْدَا چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔ نیز رسی چوری الْبَيْضَةَ فَتَقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْحَبْلُ کرتا ہے اور اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم) فَتَقْطَعُ يَدُهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ أَيْضًا.

حاصل کلام: اس حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ قطع ید کی سزا قلیل و کثیر دونوں میں ہے کوئی متعین و مقرر نصاب پر نہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ چوری کا عمل قاتل نفرت ہے۔ چور ان معمولی اشیاء کے عوض اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس میں یہ وضاحت تو نہیں کہ جب وہ رسی یا انڈہ چوری کرے گانہ کہ ان کی قیمت ربع دینار کی قیمت کو نہ پہنچے تب بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ چور جب معمولی سی حقیر اشیاء اٹھانے لگے تو پھر چوری اس کی عادت بن جائے گی اور یہ عادت اس کو اتنی بڑی چیزیں اٹھانے کی بھی جرأت دلا دے گی جن کی قیمت اسی نصاب تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے۔

(۱۰۵۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ تَعَالَى عَنْهَا أَنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ تَعَالَى؟» ثُمَّ قَامَ، فَحَظَبَ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنْهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ». مَنَّعَ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَلَهُ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتْ أَمْرًا تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ، وَتَجْعَلُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بَقَطْعِ يَدِهَا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا تو اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتا ہے؟“ یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ کھڑے ہوئے پھر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا ”لوگو! اے شک تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئے کہ جب ان سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔“ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں) اور مسلم میں ایک اور سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ ایک عورت لوگوں سے (ادھار) چیزیں مانگا کرتی تھی اور پھر انکار کر دیتی تھی۔ پس اس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا نبی ﷺ نے حکم صادر فرمایا۔

لعوی تشریح: ﴿ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال﴾ نبی ﷺ نے یہ ارشاد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے خطاب ہو کر فرمایا جب انہوں نے فاطمہ ثانی محذوم قبیلہ کی ایک چور عورت سے سزا کو ساقط کرانے کیلئے سفارش کی تھی۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ حدود میں کسی کی سفارش کرنا جائز نہیں۔ ﴿كانت امرأه تستعير المتاع﴾ یعنی جو سامان ادھار لیتی تھی۔ اس سے امام احمد رحمہ اللہ، اسحق رحمہ اللہ اور ظاہر نے پھر استدلال کیا جو عاریتاً چیز لے کر انکار کرے اس کا قطع ید واجب ہے۔ مگر جمہور کی رائے ہے کہ انکار پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مخزومیہ خاتون کا قصہ کئی سندوں سے مروی ہے۔ اکثر میں ہے کہ وہ چوری کرتی تھی اور بعض میں یہاں تک صراحت ہے کہ اس نے نبی ﷺ کے گھر سے چادر چوری کی تھی۔ پس قطع ید تو صرف چوری کی وجہ سے ہے۔ رہا اس کے عاریتاً لے کر انکار کرنے والا واقعہ تو وہ اس کی عادت بن گیا اور اس سے وہ مشہور ہو گئی ایسے جیسے وہ قبیلہ مخزوم سے ہونے کی وجہ سے مخزومیہ مشہور ہو گئی۔ اس وجہ سے نہیں کہ قطع ید کی سزا عاریتاً لی ہوئی چیز کے انکار کرنے کی وجہ سے واقع ہوئی۔

اَعْتَرَفَ اَعْتِرَافًا، وَلَمْ يُوجَدْ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”میں خیال نہیں کرتا کہ مَتَاعٌ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا تَوْنِ چوری کی ہوگی۔“ اس نے کہا۔ جی ہاں! میں اِخَالَاكَ سَرَفْتُ، قَالَ: بَلَى، فَأَعَادَ نے کی ہے۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ اسی طرح عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَمَرَ بِهِ، دھرایا، اس نے اقرار کیا تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فُقِطَ، وَجِيءَ بِهِ، فَقَالَ: «أَسْتَغْفِرُ صادر فرمایا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے اللہ، وَتُبَ إِلَيْهِ». فَقَالَ: أَسْتَغْفِرُ بعد اسے آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اسے اللہ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ. فَقَالَ: «اللَّهُمَّ تلقین فرمائی کہ ”اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگ تُبْ عَلَيْهِ“ ثَلَاثًا. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ اور اس سے توبہ کر۔“ اس نے کہا میں اللہ سے بخشش و مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے حضور لہ، وَأُحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ. وَرَجَّاهُ بِقَات.

توبہ کرتا ہوں۔ آپ نے تین مرتبہ اس کے حق میں اللہ سے دعا فرمائی کہ ”الہی اس کی توبہ قبول فرما۔“ (اس حدیث کی تخریج ابو داؤد نے کی ہے۔ الفاظ بھی اسی کے ہیں نیز احمد اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، مِنْ حَدِيثِ اور حاکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخریجَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، کی ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ ”اسے لے جاؤ فَسَاقَهُ بِمَغْنَاهُ، وَقَالَ فِيهِ: أَذْهَبُوا بِهِ اور ہاتھ کاٹ دو پھر اسے داغ دینا۔“ اور اسی کے ہم قَاطَعُوهُ، ثُمَّ اخْصِمُوهُ. وَأَخْرَجَهُ معنى ذکر ہیں۔ (اسے ہزار نے بھی روایت کیا ہے اور کہا الْبَزَّازُ أَيْضًا، وَقَالَ: لَا بَأْسَ ہے کہ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں ہے۔) بِإِسْنَادِهِ.

لغوی تشریح: ﴿مَا اِخَالَاكَ﴾ حمزہ کے نیچے کسرو اور مضارع کا صیغہ ہے۔ معنی ہے میرا گمان و خیال نہیں ہے۔ اِحْسَمُو حِسْمَ سے ماخوذ ہے۔ امر کا صیغہ ہے باب ضرب مضرب سے۔ مقام قطع کو آگ سے داغنا تاکہ خون بننے کی جگہیں اور راستے بند ہو جائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس نے عدالت کے روبرو چوری کا ایک بار اعتراف کر لیا ہو گو اس سے مال و متاع برآمد نہ ہوا ہو تو اس کی سزا قطع یہ ہے۔ قطع یہ کہ بعد گرم تیل میں ہاتھ رکھنا یا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ خون بہنا بند ہو جائے۔ اگر بروقت اس کا یہ مداوانہ کیا جائے جس کے نتیجے میں خون بہہ کر وہ جاں بحق ہو گیا تو اس کی دہت بیت المال پر پڑ جائے گی۔ اکثر علماء تو چور

ایک ہی اقرار و اعتراف کو کافی سمجھتے ہیں مگر امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق کے نزدیک چور کے دو مرتبہ اعتراف پر چوری ثابت ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے پہلے گروہ کی تائید ہوتی ہے۔
راوی حدیث: ﴿ابو امیہ مخزومی رحمہ اللہ﴾ ان کا تعلق حجاز سے ہے۔ مشہور صحابی ہیں لیکن ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ حماد بن مسلمہ نے کہا ہے کہ وہ مخزومی ہیں اور حماد بن یحییٰ نے کہا ہے کہ ان کا تعلق انصار سے تھا۔

(۱۰۶۰) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لَا يُعْرَمُ كَرْدِي جَائِعٌ تَوْ بَحْرَمَالِ كِي ضَمَانَتِ اسْ بِرْ نَمِيسْ» السَّارِقُ إِذَا أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ. رَوَاهُ (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور خود ہی واضح کر دیا کہ یہ السَّارِقُ، وَبَيَّنَّ أَنَّهُ مُنْقَطِعٌ، وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: هُوَ مُنْقَطِعٌ هُوَ اور ابو حاتم نے اسے منکر کہا ہے) مُنْكَرٌ.

لغوی تشریح: ﴿لا یعرم﴾ تعزیم سے ماخوذ ہے صیغہ مجہول ہے۔ اس حدیث کے حکم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر چور کے پاس چوری شدہ مال برآمد ہوا تو اس سے لے لیا جائے گا ورنہ اس پر حد نافذ کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور سبیل السلام میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم کے مطابق اسے منافع قرار دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی منقول ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”ہاتھ ضامن ہے اس چیز کا جسے اس نے لیا تاوقتیکہ اسے ادا نہ کر دے۔“ انہی عبد الرحمن کی یہ حدیث ضعف کی بنا پر قابل استدلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ آپس میں باطل طریقہ سے اپنے اموال نہ کھاؤ۔ (۱۸۸: ۲) اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”کسی مسلم مرد کا مال حلال نہیں الا یہ کہ وہ اپنی طیب نفس سے کھانے کی اجازت دے۔“ نیز اس لئے بھی کہ اس میں دو حق جمع ہو گئے۔ ایک اللہ کا حق اور دوسرا آدمی کا حق۔ ہر ایک حق اپنے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ جب اصل مال اپنی حالت میں موجود ہو تو وہ لے لیا جائے گا جب وہ مال اس کی ضمان میں نہ پایا جائے گا تو دوسرے اموال واجبہ پر اس کو قیاس کیا جائے گا۔ اس قول کی قوت کسی پر مخفی نہیں ہے۔

(۱۰۶۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ، مِنْ ذِي حَاجَةٍ، فَخَصْرٌ مُتَّخِذٌ حُبْنَةً، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، لَكِي هَوِي كَهْوَرِ كِي مُتَعَلِّقِ دِرِيَا فِت كِيَا كِيَا۔ آپ نے فرمایا ”جو شخص بھوکا ہو وہ کھانے کیلئے توڑ لے مگر کپڑے میں نہ بھرے تو اس پر کوئی سزا نہیں اور جو شخص کپڑے میں ڈال کر نکل جائے تو اس پر تاوان

وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ الْغَرَامَةُ بھی ہے اور سزا بھی اور جو شخص ایسی صورت حال میں وَالْعُقُوبَةُ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَعْدَ کھجوریں لے جائے کہ مالک نے توڑ کے محفوظ جگہ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ، فَبَلَّغَ ثَمَنَ میں ڈھیر کر لیا ہو اور ان کی قیمت ایک ڈھال کی الْمِجَنِّ، فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ قیمت کے مساوی ہو تو اس پر قطع ید کی سزا نافذ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. ہوگی۔“ (اسے ابوداؤد اور نسائی نے تخریج کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الشمس﴾ ٹا اور میم دونوں پر فتح۔ یعنی پھل ﴿المعلق﴾ درختوں پر لگے ہوئے، ﴿بفيه﴾ منہ سے کھائے۔ ﴿خبثه﴾ کپڑے کا پلو، مطلب ہے کہ کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے۔ ﴿الغرامة﴾ اسی کی طرح کا تادان و ضمان۔ ﴿والعقوبة﴾ بطور سزا اور عبرت چند کوڑے۔ یوروہ اکھا کرتا ہے، جمع کرتا ہے۔ ﴿الجرین﴾ جیم پر فتح اور را کے نیچے کسر۔ کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ و مقام۔ جیسے گندم کیلئے کھلیان ہوتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں۔ مثلاً پھل درخت کے اوپر ہی ہیں ابھی تک توڑنے کی نوبت نہیں آئی ایک بھوکا مسافر پھل توڑ کر کھا کر اپنی بھوک دفع کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں ایسے آدمی پر بلا اتفاق نہ کوئی جرمانہ و تادان عائد ہوگا اور نہ ہی اسے چوری کی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا لیکن اگر پھلوں کو پہلے درختوں سے اتارے، پھر شکم سیر بھی ہو جائے مزید برآں کپڑے میں ڈال کر ساتھ لے جانے کی بھی تیاری کرے تو ایسی صورت میں اس پر جرمانہ و تادان بھی عائد ہوگا اور سزا بھی دی جائے گی۔ بمعنی میں روایت ہے کہ جرمانہ مسروقہ مال کی قیمت سے دوگنا ہوگا اور سزا زیادہ سے زیادہ دس کوڑے اور اگر مالک نے پھل درختوں سے اتار کر ڈھیر کر لئے ہوں اور اس ڈھیر کی نوعیت محفوظ سلمان کی ہو اور اس میں سے چوری کی صورت میں بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں قطع ید کی سزا نافذ ہوگی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مالی جرمانہ بھی جائز ہے۔ نیز جمہور اہل علم نے سزائے قطع ید میں مال کے محرز و محفوظ کی جو شرط لگائی ہے ان کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے۔

(۱۰۶۲) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ کے بارے میں سفارش کی جس نے چادر چرائی تھی قَالَ لَهُ - لَمَّا أَمَرَ بِقَطْعِ الَّذِي سَرَقَ اور اس کے قطع ید کا حکم آپؐ نے فرمایا تھا کہ رِدَاءَهُ فَشَقَّ فِيهِ - : «هَلَّا كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ؟» أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ”میرے پاس لانے سے پہلے تمہیں اس پر رحم و ترس کیوں نہ آیا۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا وَالْأَزْهَقِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَالْحَاكِمُ.

ہے اور ابن جارود اور حاکم دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے

حاصل کلام: یہ چوری کا واقعہ یوں ہے کہ صفوان بن امیہ مقام بطحاء یا مسجد حرام میں لیٹے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور صفوان کے سر کے نیچے سے اس کی چادر کھینچ لی۔ اسے گرفتار کر کے نبی ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تو صفوان بولا میں نے اسے معاف کیا اور درگزر کیا۔ آپؐ نے فرمایا ”یہ تو نے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں کیا؟“ پھر آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ جب مقدمہ عدالت و حاکم کے پاس چلا جائے تو پھر معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۰۶۳) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: جِيءَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ»، فَقَالُوا: إِنَّمَا سَرَقَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: «اقْطَعُوهُ»، فَقُطِعَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ»، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّالِثَةَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الرَّابِعَةَ كَذَلِكَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ، وَاسْتَنْكَرَهُ، وَأَخْرَجَ مِنْ حَدِيثِ الْحَارِثِ بْنِ حَاطِبٍ نَحْوَهُ، وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ أَنَّ الْقَتْلَ فِي الْخَامِسَةِ مَنُوحٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ”اسے قتل کر دو۔“ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس نے چوری کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”تو پھر اس کا ہاتھ کاٹ دو“ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسے پیش کیا گیا تو پھر آپؐ نے فرمایا ”اسے مار ڈالو۔“ پھر اسی طرح ذکر کیا گیا۔ پھر اس کو تیسری بار لایا گیا تو پھر اسی طرح ذکر کیا۔ پھر چوتھی مرتبہ گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو اسی طرح ذکر کیا۔ پھر پانچویں مرتبہ گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ”اسے قتل کر دو۔“ (اس کو ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اسے منکر قرار دیا ہے اور نسائی نے حارث بن حاطب کی حدیث سے اسی طرح اور شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ پانچویں مرتبہ مار ڈالنا منسوخ ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں جرم چوری میں قتل کی سزا بیان ہوئی ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ روایت منکر اور بے اصل ہے اور تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ قابل عمل نہیں۔

راوی حدیث: ﴿حارث بن حاطب جمحی قرشی﴾ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے مکہ میں ۶۶ھ میں والی مقرر ہوئے اور چھ سال کام کیا مروان کی امارت مدینہ کے دوران ان کے

ساتھ بھی کافی تعاون کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وفات پائی۔

۴ - باب حَدِّ الشَّارِبِ وَبَيَانِ شَرَابِ پینے والے کی حد اور نشہ آور

الْمُسْكِرِ

چیزوں کا بیان

(۱۰۶۴) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ. قَالَ: وَقَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، فَلَمَّا كَانَ عَمْرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، اسْتَسَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ: أَخَفْتُ الْخُدُودَ ثَمَانُونَ، فَأَمَرَ بِهِ عَمْرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی۔ پس اس شخص کو دو چھڑیوں سے چالیس کے لگ بھگ کوڑے لگائے گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سزا دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہلکی ترین سزا اسی کوڑے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم صادر فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

وَلِلْمُسْلِمِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي قِصَّةِ الْوَلِيدِ بْنِ عُثْبَةَ: جَلَدَ النَّبِيُّ ﷺ أَرْبَعِينَ، وَأَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ، وَعَمْرُ ثَمَانِينَ، وَكُلُّ سُنَّةٍ، وَهَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ. وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ رَجُلًا شَهِدَ عَلَيْهِ أَنَّهُ رَأَى يَتَقَبَّأَ الْخَمْرَ، فَقَالَ عُثْمَانُ إِنَّهُ لَمْ يَتَقَبَّأَهَا حَتَّى شَرِبَهَا.

اور مسلم میں ولید بن عقبہ کے قصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چالیس اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چالیس اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے سزا دی اور ہر ایک سنت ہے اور یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے ولید کے خلاف شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے شراب پی نہ ہوگی تو قے کیسے ہوگی۔

لغوی تشریح: ﴿باب حد الشارب﴾ یعنی شراب پینے والا، شراب پینے کی حد اسی کوڑے ہے۔ ﴿بجريدتين﴾ شاخ خرما۔ کھجور کی چھڑی۔ اس کو جریدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر سے پتے جھڑ چکے ہوتے ہیں اور صاف ہوتی ہے۔ ﴿نحو اربعين﴾ ایک قول تو اس کی تفسیر میں یہ ہے کہ ہر ایک چھڑی

فِي شَارِبِ الْخَمْرِ: «إِذَا شَرِبَ» پئے تو اسے کوڑے مارو۔ پھر دوبارہ شراب نوشی فَاَجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الثَّانِيَةَ کرے تو پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر جب تیسری مرتبہ فَاَجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الثَّلَاثَةَ شراب پئے تو پھر کوڑے لگاؤ۔ مگر جب چوتھی دفعہ فَاَجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الرَّابِعَةَ شراب نوشی کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔“ (اسے فَاَضْرِبُوا عُنُقَهُ، أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَهَذَا لَفْظُهُ، احمد نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں اور چاروں وَالْأُضْبَعُ، وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ مَا يَذُلُّ عَلَى أَنَّهُ نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ مَنُوشُوعُ، وَأَخْرَجَ ذَلِكَ أَبُو دَاوُدَ صَرِيحًا عَنْ تُوَاسٍ پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا قتل کرنا منسوخ ہے اور الزُّهْرِيُّ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرابی کو قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اہل خواہر اور علامہ ابن حزم کی یہی رائے ہے مگر جمہور نے قتل کو منسوخ کہا ہے اور اس کی ناسخ ابوداؤد میں امام زہری کی روایت ہے کہ آنجناب ﷺ نے چوتھی بار شراب نوشی پر قتل نہیں کیا تھا صرف کوڑوں کی سزا پر اکتفا فرمایا تھا بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ شراب پینے والے شخص کیلئے کسی صورت بھی موت کی سزا نہیں ہے۔

(۱۰۶۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی حد لگائے تو چہرے کو بچائے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سزا دیتے وقت چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح بچوں اور زیر دستوں کو اگر کسی امر مجبوری کی وجہ سے مارنے کی نوبت آجائے تو چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ چہرہ شرف انسانی کا ترجمان ہے۔ شرابی کی سزا کے موقع پر سر میں مٹی ڈالنا اور زجر و توبخ کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ ایک حد میں ﴿فوطدی اخصیتین﴾ پر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے البتہ سر پر مارنے کو بعض نے جائز رکھا ہے۔

(۱۰۶۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي جَانِبَيْنِ»۔ (ترمذی مستدرک حاکم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مسجدوں میں حدود نہ لگائی جائیں۔“ (ترمذی مستدرک حاکم)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مساجد میں حدود قائم نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ مساجد صرف اللہ کی

عبادت و بندگی کیلئے ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی جگہیں ہیں۔ ایسی پاکیزہ اور رحمت کی جگہوں پر اگر حدود کا اجراء کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ خون سے مسجد کی بے حرمتی ہو اور جہاں نزول رحمت ہو وہاں حدود اللہ کا انتقام لیا جائے تو یہ اس کے مقام و مرتبہ کے منافی ہے۔ حرم مکہ میں اگر کوئی مجرم پناہ گزیں ہو جائے تو اسے وہاں سے نکلنے کیلئے مجبور کرنے کیلئے اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے تاکہ وہ از خود مجبور ہو کر باہر نکلنے پر مجبور ہو اور اسے قتل کر کے حرم میں خونریزی سے اجتناب کیا جائے۔

(۱۰۶۸) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ أُنْزِلَ اللَّهُ شَرَابٌ كَهَجُورٍ سَوِيٍّ مُنْجِيٍّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ وَنَجَاتٍ لِلْعَالَمِينَ. (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث کے بیان کرنے کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ محض انگور سے کشید کردہ شراب ہی حرام نہیں ہے بلکہ ہر چیز سے تیار کردہ شراب حرام ہے جو نشہ آور ہو اور انسان کی عقل کو ڈھانپ لے اور انسان اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اس کی تائید آئندہ احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱۰۶۹) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ
وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: مِنَ الْعِنَبِ،
وَالْتَمْرِ، وَالْعَسَلِ، وَالْحِنْطَةِ،
وَالشَّعِيرِ، وَالْخَمْرِ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ.
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حاصل کلام: اس حدیث میں پانچ چیزوں سے شراب تیار کرنے کا ذکر ہے کیونکہ اس دور میں عموماً انہی سے شراب تیار کی جاتی تھی۔ خمر یعنی شراب اسے کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے اور حواس پر غالب آجائے۔ اس لئے یہ صورت جس میں بھی پانی جائے وہ حرام ہوگی خواہ وہ کھجور یا انگور وغیرہ سے تیار ہوئی ہو یا کسی دوسری چیز سے۔

(۱۰۷۰) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ
 قَالَ: «كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ ”ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔“ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے وہ عصیر کی شکل میں ہو یا نبیذ کی یا

کسی اور شکل و صورت میں ہو۔

(۱۰۷۱) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «جَسَازٌ كَثِيرٌ مَقْدَارُ نَشَةِ آوَرٍ هُوَ اس كَقِلِيلٍ مَقْدَارُ بَهِی حَرَامٌ»۔ (اس کی تخریج احمد اور أخرجه أحمد والأربعة، وصححه ابن حبان۔ چاروں نے کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کا کثیر استعمال نشہ آور ہو اس کا قلیل استعمال بھی حرام ہے۔ مگر احناف اور کوفہ و بصرہ کے علماء کا خیال ہے کہ انگور اور کھجور کے سوا جو شراب نشہ دینے کی مقدار تک نہ پہنچے وہ حلال ہے لیکن یہ حدیث صراحتاً ان حضرات کے اس قول کی تردید کرتی ہے۔

(۱۰۷۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُنْبِذُ لَهُ الزَّبِيبُ فِي السَّاءِ، كَمَا جَاتَا تَحَا۔ آپ اس کو اس روز بھی اور دوسرے اور تیسرے روز بھی نوش فرماتے تھے۔ جب تیسرے روز کی شام ہوتی تو اسے نوش فرماتے اور دوسرے وَسَاءَهُ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَهْرَاقَهُ۔ کو پلا دیتے اور باقی ماندہ کو گرا دیتے۔ (مسلم) أخرجه مسلم۔

لغوی تشریح: ﴿یبنذ﴾ صیغہ مجہول۔ یعنی منقی سے نبیذ تیار کی جاتی اور ﴿زبیب﴾ خشک کشش کو اور ﴿سقاء﴾ چڑے کے مشکیزہ کو کہتے ہیں۔ ﴿فان فضل﴾ یعنی تیسرے روز شام کو پینے کے بعد بھی وہ اگر بچ جاتی تو اسے گرا دیتے مبادا اس میں نشہ نہ پیدا ہو جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ نبیذ استعمال فرماتے تھے مگر جب اس میں نشہ کی کیفیت کا گمان اور اندیشہ محسوس ہوتا تو اسے گرا دیتے نہ خود استعمال فرماتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو تحفہ دیتے۔ اس حدیث کا قطعاً یہ مفہوم نہیں کہ نبیذ کا استعمال تین دن تک بہر نوع جائز ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نشہ سے پہلے تو اس کا استعمال جائز ہے بعد میں نہیں۔ خواہ وہ موسم کے لحاظ سے دوسرے روز ہی پیدا ہو جائے۔

(۱۰۷۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»۔ أخرجه البيهقي، وصححه حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: «اللہ عز وجل نے جو چیز تمہارے لئے حرام قرار دے دی ہے اس میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔» (اسے بیہقی نے تخریج

ابنِ جَبَّانَ. کیا ہے اور ابنِ حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی نشہ آور چیز میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی شفا نہیں رکھی۔ اس لئے ان کا برائے علاج استعمال بھی ناجائز ہے۔

(۱۰۷۴) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ الْحَضَرَمِيِّ، حضرت وائل بن حضرمی سے روایت ہے کہ طارق
أَنَّ طَارِقَ ابْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے شراب کے بارے
عَنِ الْخَمْرِ يَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ، فَقَالَ: میں پوچھا کہ وہ اسے دوا کیلئے بناتے ہیں۔ آپؐ نے
«إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهَا دَاءٌ». فرمایا ”یہ دوا بالکل نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔“
(اسے مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے تخریج کیا ہے)

حاصل کلام: شراب کو بطور دوا استعمال کرنا حرام ہے۔ یہ بذات خود بیماری ہے شفا نہیں ہے۔
راوی حدیث: ﴿طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ عنہ﴾ صحابی ہیں۔ سوید بن طارق بھی کہا جاتا ہے۔ بعضی
بھی کہا جاتا تھا۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اہل کوفہ نے ان سے روایت کیا ہے۔

۵ - باب التَّعْزِيرِ وَخَمِّ الصَّائِلِ۔ تعزیر اور حملہ آور (ڈاکو) کا حکم

(۱۰۷۵) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ الْأَنْصَارِيِّ حضرت ابو بردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يُجْلَدُ» حدود اللہ میں سے کسی حد کے سوا دس کوڑوں سے
فَوْقَ عَشْرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ زِيَادَةِ سِزَانِهِ دِي جَائِءٌ۔“ (بخاری و مسلم)
حُدُودِ اللَّهِ تَعَالَى. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿باب التعزیر﴾ سزا کو کہتے ہیں۔ جو حد سے کم ہوتی ہے اور یہ حسب حال قول و فعل
دونوں طرح سے دی جاتی ہے، یہ عذر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں منع کرنا اور روکنا اور اس کا یہ نام
اس لئے رکھا گیا ہے کہ قبیح فعل کو دوبارہ کرنے سے روک دیتی ہے۔ ﴿لا یجلد﴾ صیغہ نفی کی صورت
میں مجہول اور صیغہ نہی کی صورت میں یہ مجزوم ہوگا۔ ﴿فوق عشرة اسواط﴾ ایک روایت میں ”فوق
عشرة جلدات“ اور ایک دوسری روایت میں ”فوق عشر ضربات“ کے الفاظ ہیں اور تینوں کا
مطلب ایک ہی ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ یہ حدیث حنفی، مالکی اور شافعی حضرات
کے مخالف ہے، اس لئے کہ ان حضرات نے دس کوڑوں سے زیادہ سزا دینا جائز رکھا ہے۔ اس مسئلہ میں
لمبی تفصیل ہے جس کا اس مقام پر بیان کا موقع نہیں۔ رائج بات وہی ہے جس پر یہ حدیث دلالت کر رہی
ہے کہ دس کوڑوں سے زائد کی سزا جائز نہیں۔

راوی حدیث: ﴿ابو بردہ رضی اللہ عنہ﴾ بلوی قبیلہ سے تھے۔ شرف صحابیت سے سرفراز تھے۔ ان کا نام ہانی بن نیار رضی اللہ عنہ تھا۔ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔ ۴۱ھ یا ۴۲ھ یا ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

(۱۰۷۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: فرمایا ”صاحب عز و شرف لوگوں کو بجز حدود الہی، ان «أَقْبِلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَشْرَاتِهِمْ إِلَّا» کی لغزشیں درگزر کر دیا کرو۔“ (اسے احمد، ابوداؤد، الحدود)۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ نَسَائِي اور بیہقی نے روایت کیا ہے)

وَالْبَيْهَقِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿اَقْبِلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ﴾ اقبیلوا سے ماخوذ ہے۔ یعنی صاحب شرف و صلاح اور مروت والے حضرات کو ان کی لغزشیں معاف کر دیا کرو۔ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر گرفت نہ کرو اور ﴿عشرة﴾ کے معنی لغزش کے ہیں۔

(۱۰۷۷) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں کسی پر ایسی تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: مَا كُنْتُ لِأَقْنِمَ حد نافذ نہیں کروں گا کہ وہ اس سے مر جائے اور عَلَى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتَ، فَأَجِدَ فِيَّ میں اس کا غم اپنے دل میں محسوس کروں سوائے نَفْسِي، إِلَّا شَارِبَ الْخَمْرِ، فَإِنَّهُ لَوْ شرابی کے اگر وہ سزا میں جاں بحق ہو جائے تو میں مَاتَ وَذَبْنُهُ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ. اس کی دیت ادا کروں گا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿لَا قِيمَ﴾ مضارع پر نصب ”ان“ کے مقدر ہونے کی وجہ سے اور یہ ”ان“ نائبہ لام مکسورہ کے بعد ہے۔ اس لام کو گرامر میں لام محذوہ کہتے ہیں۔ ﴿فَيَمُوتَ﴾ اور وہ مر جائے سزا کی وجہ سے۔ مضارع منصوب ہے۔ ﴿فَأَجِدَ﴾ نفی کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب واقع ہوا ہے۔ معنی ہوگا مجھے افسوس اور تاسف ہوگا۔ ﴿وَذَبْنُهُ﴾ میں اس کی دیت ادا کروں گا۔

حاصل کلام: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرابی کی سزا میں مر جانے کی صورت میں دیت کا جو فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرابی کی سزا مقرر نہیں فرمائی۔ اس لئے شرابی کا سزا سے مرجنا قتل خطا کے زمرے میں آجاتا ہے اور قتل خطا میں دیت دینا لازم ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ تعزیر کی صورت میں وہ شخص مر جائے تو سربراہ مملکت پر اس کی دیت ادا کرنا ضروری ہے۔

(۱۰۷۸) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ اللّٰهُ ﷻ نے فرمایا ”جو شخص اپنے مال و متاع کی رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ حفاظت کرتا ہوا مارا جائے، وہ شہید ہے۔“ (اسے فُهِمَ شَهِيدٌ. رَوَاهُ الْأَزْبَعِيُّ، وَصَحَّحَهُ چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا

الترمذی.

(ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال لوٹنے والے کو ہر طرح اور ہر ممکن طریقہ سے دفع کرنا اور اس کا مقابلہ کرنا جائز ہے بلکہ بعض نے تو اپنا دفاع کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اس دفاعی کشمکش میں ڈاکو کو اگر مالک قتل کر دیتا ہے تو قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت۔ اس کا قتل رائیگاں گیا۔ اسی طرح جو کوئی اپنے دین و ایمان کا تحفظ اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں خود قتل ہو جائے تو مرتبہ شہادت اور اگر دوسرے کو قتل کر دیا تو قصاص و دیت معاف۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ اسلام نے جان، مال اور عزت کی حفاظت کو کتنی اہمیت دی ہے۔

(۱۰۷۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَبَّابٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: فِي مِثْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كُفْرًا وَرُومًا هُوَ سَنَاءٌ لِلَّهِ ﷻ يَقُولُ: «تَكُونُ فِتْنًا، فَكُنْ» هِيَ كَمَا «مِيرے بعد فتنے رونما ہوں گے۔ اے اللہ فیہا عَبْدُ اللَّهِ الْمَقْتُولُ، وَلَا تَكُنْ كَمَا تَكُنْ» (اس کو ابن ابی حبشہ اور دارقطنی نے نکالا ہے اور احمد و أخرجه أحمد نحوه عن خالد ابن عوف طه). اسی طرح خالد بن عرفطہ سے روایت کیا ہے

لعنوا تشرح: ﴿فتن﴾ فتنہ کی جمع ہے اور یہاں اس سے مراد قتل نفوس اور خونریزیاں ہیں اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ فتنوں کے دور میں الگ ہو کر بیٹھ جانا اور اس میں حصہ نہ لینا ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ جب دو گروہ بغیر حق و استحقاق کے باہم لڑیں یا پھر یہ کہ اس لڑائی میں حق کی وجہ آدمی کو معلوم نہ ہو سکے جب اسے معلوم ہو جائے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے تو پھر حق کی مدد اور باطل کے دفع کرنے میں تگ و دو اور دوڑ دھوپ اس پر واجب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فقاتلوا التي تبغى حتى تفي الى امر الله (۹:۳۹)

مگر جب اس پر کوئی ہجوم کر لے اور اسے قتل کرنا چاہے یا اس کا مال و متاع لوٹنا چاہے یا ایسی ہی کوئی دوسری صورت رونما ہو جائے تو اس حدیث کی رو سے اسے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا چاہئے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس سے لڑنا چاہئے اور اس دفاعی و حفاظتی لڑائی میں اگر وہ مارا جائے گا تو مرتبہ شہادت پالے گا۔ بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں امور میں سے جو مصالح کے موافق ہو اسے اختیار کر لے۔

راوی حدیث: ﴿عبد اللہ بن خباب﴾ مدنی ہیں۔ ثقہ تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ ۲۷ھ کو نمرवान کے راستے پر حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کے بعد خارجیوں نے انہیں قتل کیا۔ اور ان کے قتل کے بعد وہ ان کے گھر گئے اور ان کی بیوی کا پیٹ پھاڑا اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ یہی واقعہ مشہور جنگ، جنگ

نعمروان کا باعث بن گیا، جس میں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سارے خارجی قتل ہو گئے۔ صرف سات بچے جو بعد میں اٹھنے والے بڑے فتنے کے لیے جراثیم ثابت ہوئے۔ ﴿خباب﴾ خباب میں باء پر تشدید۔ خباب بن ارت بن جندلہ تمیمی۔ اللہ کے راستے میں شادی نہ کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ بدری صحابی ہیں۔ جنگ صفین سے واپسی پر کوفہ میں ۳۷ھ کو ۷۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

﴿خالد بن عرفطہؓ﴾ قضاعی عذری ہیں۔ عذرہ قبیلہ سے تھے۔ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ کوفہ پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی جانب سے حاکم تھے۔ ۶۱ھ میں وفات پائی اور یہ کہا گیا ہے کہ مختار بن ابی عبید نے یزید کی موت کے بعد ان کو قتل کر دیا۔ یہ ۶۴ھ کی بات ہے۔



۱۱۔ کِتَابُ الْجِهَادِ

مسائل جہاد

(۱۰۸۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ مَاتَ، وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ يَفَاقٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص ایسی حالت میں مر گیا کہ اس نے نہ کبھی جہاد میں حصہ لیا اور نہ کبھی اس کے دل میں یہ خیال آیا اور نہ اس کی خواہش و تمنا پیدا ہوئی تو اس کی موت نفاق کے شعبہ پر ہوئی۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب الجہاد﴾ جہاد لغت میں مشقت اور کوشش کو کہتے ہیں اور شرعاً دین اسلام کی حفاظت و حمایت اور کلمۃ اللہ کو بلند و بالا کرنے کی غرض سے قتال اور باغیوں سے لڑنے میں اپنی پوری جدوجہد کرنا اور سعی و کوشش صرف کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ ﴿ولم یغز﴾ غزو سے ماخوذ ہے معنی اس کے کہ یہ ہیں کہ اس نے دشمنان دین سے کبھی لڑائی نہیں کی۔ ﴿ولم یحدث نفسه به﴾ اور نہ اس کے خیال میں یہ چیز وارد ہوئی اور نہ اس کے دل میں اس کی نیت تھی کہ وہ اس کا وقت آنے پر اور قتال کے ممکن ہونے پر ان سے لڑے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے کم از کم جہاد فی سبیل اللہ کی پختہ نیت رکھنا واجب ہے۔ اگر جہاد فی سبیل اللہ میں عملاً شریک ہونے کا موقع میسر آجائے تو اس میں شریک ہونے سے گریز نہ کرے بلکہ ایسے موقع کو سعادت سمجھے اور اگر موقع میسر نہیں آتا تو پھر موقع کے انتظار میں رہے گویا کہ حسب موقع ہر وقت ایک مومن پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے اور اسلامی زندگی اسی جذبہ قربانی سے وابستہ ہے۔ اگر ایک مومن اپنا نصب العین ہی فراموش کر دے تو پھر مومن اور کافر میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ مومن کا تو فرض منصبی ہی کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے اگر وہ اپنے حقیقی فرض سے تغافل برتے گا تو اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

(۱۰۸۱) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ رِوَايَةٍ هِيَ أَنَّ نَبِيَّ ﷺ

تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: فرمایا ”مشرکین سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی
”جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ، زبانوں سے جہاد کرو۔“ (اسے احمد اور نسائی نے روایت
وَأَنْفُسِكُمْ، وَالنِّسَاءُ أَمْحَدُ کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا)
وَالنِّسَاءُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

لعنوی تشریح: ﴿الجہاد باللسان﴾ جہاد باللسان زبان سے جہاد یہ ہے کہ کافروں پر حجت قائم
کردی جائے۔ ان کو توحید الہی کی جانب دعوت دی جائے اور ان کی جھوکی جائے اور اس طرح ان کو رسوا
اور ذلیل کیا جائے کہ ان کی ہمتیں بیٹھ جائیں اور لڑائی سے بزدلی دکھائیں اور میدان میں نہ آئیں۔
حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خدا کے باغیوں، سرکشوں، لہدوں اور بے دین لوگوں کے
خلاف جہاد فی سبیل اللہ کیلئے خود کو ہر لمحہ مستعد رکھے۔ اس سلسلہ میں مال خرچ کرے، زبان سے جہاد
کرے، کافروں پر توحید و رسالت اور آخرت کو تسلیم کرنے پر دلائل پیش کرے۔ آج کے دور میں میڈیا
ایسا موثر اور عالم گیر ہتھیار ہے کہ لڑنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی اذہان و خیالات اور نظریات کو یکسر
تبدیل کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ شعر و شاعری اور اچھے مضامین کے ذریعہ اس جہاد میں حصہ لینا اس دور کی
اہم ترین ضرورت ہے۔

(۱۰۸۲) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے
تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا خواتین پر
رَسُولَ اللَّهِ! عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ بھی جہاد ہے؟ فرمایا ”ہاں! جہاد ہے جس میں لڑائی
قَالَ: «نَعَمْ، جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ، هُوَ نہیں۔ وہ ہے حج اور عمرہ۔“ (اسے ابن ماجہ نے روایت
الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ، وَأَضْلَعُ کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے)
فِي الْبُخَارِيِّ.

حاصل کلام: اس حدیث میں مذکور ہے کہ خواتین کا جہاد لڑنا، مارنا نہیں بلکہ ان کیلئے حج اور عمرہ جہاد
ہے۔ جہاد میں انسان کو سفری صعوبتیں، مشقتیں، تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ حج
و عمرہ میں بھی ان سب مشقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے خواتین کو حج و عمرہ کا ثواب جہاد کے برابر
ملتا ہے۔ اسی بنا پر حج و عمرہ کو خواتین کیلئے جہاد قرار دیا گیا ہے گویا خواتین پر جہاد بایساف فرض نہیں۔ اس کا
ثواب اسے حج اور عمرہ ادا کرنے کی صورت میں مل جاتا ہے۔

(۱۰۸۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا
رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي اور وہ جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

الْجِهَادِ، فَقَالَ: «أَحْيِ وَالِدَاكَ؟» آپؐ نے فرمایا ”کیا تیرے والدین بقید حیات ہیں؟“
فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَفِيهِمَا خِدْمَت) میں جد و جہد کرو۔“ (بخاری و مسلم) مسند احمد

اور ابوداؤد میں ابوسعید کی روایت بھی اسی طرح
وَلَا حَمْدَ وَأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوُهُ، وَزَادَ: «أَرْجِعْ،
فَأَسْتَأْذِنُهُمَا، فَإِنْ أَذِنَا لَكَ، وَإِلَّا فَبِرَّهِمَا»۔
منقول ہے۔ اس میں اضافہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا
”واپس چلے جاؤ“ ان سے اجازت طلب کرو۔ پھر اگر
وہ دونوں تجھے اجازت دے دیں تو درست ورنہ ان
کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرو۔“

لعنوی تشریح: ﴿فبرہما﴾ امر ہے ”بر“ سے باب سمع ہے یعنی اچھا سلوک کر۔
حاصل کلام: اس حدیث سے والدین کی اہمیت و فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی نظر میں جہاد جیسا
فریضہ بھی والدین کی رضامندی کے بغیر ادا نہیں کیا سکتا۔ آج کا نوجوان والدین کو خاطر میں لانے کیلئے تیار
ہی نہیں۔ اپنی من مانی کرتا ہے، اپنی رائے کا پابند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ والدین کی رضامندی کو اتنی
اہمیت اس لئے دی گئی ہے کہ جہاد سب پر تو فرض کفایہ ہے اور والدین کی اطاعت فرض عین ہے۔ ظاہر
ہے کہ فرض عین کو فوقیت حاصل ہے۔

(۱۰۸۴) وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِينَ»۔ رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ
حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا ”میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ
ہوں جو مشرکین میں قیام پذیر ہو۔“ (اسے تینوں نے
روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے مگر بخاری نے اس
صَحِيحٌ، وَرَجَّحَ الْبُخَارِيُّ إِسْنَادَهُ۔ کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مسلمان کفار کے درمیان مقیم ہوں اور مجاہدین کے
ہاتھوں ان کا قتل ہو جائے تو مجاہدین پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اس فعل پر ان کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا۔
حالات کے تقاضا کے مطابق مشرکین کے گھروں اور علاقوں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

راوی حدیث: ﴿جریر بن عبد اللہؓ﴾ ان کی کنیت ابو عمرو ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ جریر بن عبد اللہ
بن جابر بن بکلی۔ قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بکلی کہلائے۔ بکلی کے ”با“ پر فتح اور جیم ساکن۔ ۱۰۷ھ میں
دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے نبی ﷺ نے ان کے اعزاز کیلئے کپڑا بچھایا اور ان کو ذی الخلفہ بت کو منہدم
کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ انہوں نے اسے گرا دیا۔ آپ کے زمانہ میں ان کو یمن پر عامل مقرر کیا گیا۔ ان کا کہنا
تھا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا اس روز سے آپ نے مجھ سے حجاب نہیں کیا اور مجھے ہمیشہ

مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ان کی جوتی کا سائز ایک ہاتھ کے برابر تھا۔ مدائن کی فوج کے موقع پر حاضر تھے اور جنگ قادسیہ میں ان کو فوج کے میمنہ پر متعین کیا گیا ان کو اس امت کا یوسف کہا گیا ہے۔ ۵۲ھ میں یا ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۰۸۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
 اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ ﷺ: «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ،
 وَلَكِنْ جِهَادٌ وَبَيْتَةٌ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

لغوی تشریح: "لا ہجرۃ بعد الفتح" فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے بالخصوص مدینہ کی طرف ہجرت نہیں ہے اس لئے کہ جب مکہ دارالسلام بن گیا تو اب دارالسلام میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف ہجرت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مکہ سے خروج جائز نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اب مکہ سے ہجرت کرنا واجب نہیں اور نہ ہی اب اسے ہجرت کا ثواب ملے گا۔ (فتح الباری) البتہ دارالکفر سے دارالسلام کی طرف ہجرت قیامت تک باقی رہے گی جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے ﴿ولکن جہاد نسیۃ﴾ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بھلائی اور خیر جو ہجرت کے انقطاع پر منقطع ہو چکی ہے اس کا حصول جہاد اور صالح نیت کے ذریعہ ممکن ہے۔

(۱۰۸۶) وَعَنْ أَبِي مُوسَى حَضْرَتِ ابْنِ مَسْرُوقٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ لَزَاكَ اللَّهُ كَلِمَةً بَلَدًا هُوَ تَوَدَّ اللَّهُ رَاهٍ فِي لُزْنِهِ قَاتِلٌ لِيَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ وَاللَّهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مُتَقَرِّبٌ عَلَيْهِ.

(۱۰۸۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّعْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَنْقُطُ الْهَجْرَةُ مَا قُوِنِلَ الْعَدُوُّ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ.

حضرت عبد اللہ بن سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”جب تک دشمنوں سے جنگ جاری رہے گی، ہجرت بھی جاری رہے گی۔“ (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام : مندرجہ بالا تینوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ آغاز اسلام کے وقت چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مرکز مدینہ منورہ کو مضبوط اور طاقتور کرنا تھا اس لئے یہ مقصد ہجرت کے بغیر حاصل ہونا نہایت ہی دشوار اور مشکل تھا۔ اس لئے ہجرت ایک مسلمان کیلئے فرض تھی۔ ابن جریر کی حدیث میں

اس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ مکہ فتح ہو گیا تو اس کے بعد مختلف قبائل پے درپے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور اسلامی ریاست کی توسیع ہو گئی۔ تو مدینہ میں ہجرت کر کے آنا فرض نہ رہا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ اب یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ اگر کوئی شخص دارالکفر میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے میں دشواری محسوس کرتا ہو تو اس کو دارالسلام کی جانب ہجرت کرنا اب بھی فرض ہے۔ ابن سعدی کی حدیث کا یہی مطلب و مفہوم ہے یعنی فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور دارالسلام کی طرف ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

راوی حدیث: ﴿عبد اللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ﴾ صحابی تھے۔ قرشی اور عامری تھے۔ واقدی نے کہا ہے کہ ان کی وفات ۷۵ھ میں ہوئی اور سعدی کا نام عمرو یا قدامہ یا عبد اللہ بن وقدان تھا۔

(۱۰۸۸) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ: أَعَارَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ، وَهُمْ غَارُونَ، فَقَتَلَ مَقَاتِلَهُمْ، وَسَبَى ذَرَارِيَهُمْ. حَدَّثَنِي بِذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر شب خون مارا تو اس وقت یہ لوگ بے خبر و غافل تھے۔ پس آپؐ نے ان کے لڑائی کرنے والوں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا۔ یہ مجھ سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿اغار علی بنی المصطلق﴾ بنی المصطلق پر ٹوٹ پڑے، شب خون مارا۔ یہ بڑا مشہور قبیلہ بنو خزاعہ کی شاخ تھی۔ ﴿غارون﴾ ”را“ پر تشدید اور بے خبر و غافل لوگ۔ ﴿مقاتلتہم﴾ یعنی جنگ کے قاتل لڑنے والے لوگ۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں شامل نہیں۔ ﴿وسبی ذراریہم﴾ ان کی اولاد اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ یہ معرکہ ۶ھ شعبان میں واقع ہوا۔ جو غزوہ مریسج کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مریسج کے میم پر ضہ اور ”را“ پر فتح۔ یہ چشمہ تھا جو جدہ اور رابغ کے درمیان واقع تھا۔ قید کے قریب بنی المصطلق اس مقام پر آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع موصول ہوئی کہ یہ لوگ آپؐ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ نے ان کو راتوں رات جالیا اور ایسا شب خون مارا کہ ان کے دس آدمی قتل کر دیئے اور باقی مردوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی شہید نہ ہوا۔ اسی معرکہ میں حضرت جویریہؓ قید ہوئیں۔ یہ دراصل حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی تھیں۔ ثابت نے ان سے مکاتبت کر لی، رسول اللہ ﷺ نے جویریہ کی مکاتبت خود ادا فرما کر ان سے شادی کر لی۔ جب لوگوں نے سنا کہ آپؐ نے جویریہ کو اپنے حرم میں داخل فرما لیا ہے تو لوگوں نے ان کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ ان کی شادی کی وجہ سے ان کے اہل خانہ کے سوا افراد آزاد ہوئے۔ پس حضرت جویریہؓ اپنی قوم کیلئے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں واقعہ اٹک رونما ہوا۔ اس واقعہ

کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۰۸۹) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے روایت
عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا سریر
إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ، کا امیر مقرر فرماتے تو اسے بالخصوص خدا خونی اور
أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَيَمْنُ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھلائی اور خیر کی
مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: نصیحت فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے ”اللہ کے نام
«اغزُوا بِسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، کے ساتھ، اس کے راستے میں جہاد کرو ان لوگوں سے
قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ، أَغْرُوا، وَلَا جو خدا کے منکر و کافر ہیں۔ لڑائی کرو، خیانت نہ کرنا،
تَغْلُوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَلُّوا، دھوکہ نہ دینا اور مثلہ نہ کرنا، بچوں کو قتل نہ کرنا۔
وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مشرک دشمن سے جب ملاقات ہو تو ان کو لڑائی سے
مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ پہلے تین چیزوں کی دعوت پیش کرو۔ ان میں سے جسے
حِصَالٍ، فَأَيَّتَهُنَّ أَجَابُوكَ إِلَيْهَا فَاقْبَلْ وہ قبول کر لیں اسے قبول کر لو اور ان سے لڑائی نہ
مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ: اذْعُهُمْ إِلَى کرو۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت پیش کرو۔ پس اگر
الْإِسْلَامَ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وہ اس کو تسلیم کر لیں تو اسے قبول کر لو۔ پھر ان کو
ثُمَّ اذْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ دعوت دو کہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر (دارالسلام)
إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا مهاجرین کے ملک کی طرف ہجرت کر کے آجائیں۔
فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَغْرَابِ اگر وہ انکار کریں تو ان کو خبردار کر دو کہ ان کے
الْمُسْلِمِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي حقوق بدوی مسلمانوں کے برابر ہوں گے اور ان کیلئے
الغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ مال غنیمت اور اموال فے میں سے کچھ بھی نہیں
يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ ملے گا۔ الّا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد
أَبَوْا، فَاسْأَلْهُمْ الْحِزْبَةَ، فَإِنْ هُمْ میں شریک ہوں۔ اگر اس سے انکار کریں تو ان سے
أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ جزیہ لو۔ اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو اسے بھی قبول کر
فَاسْتَعِزَّ بِاللَّهِ تَعَالَى وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا لو اور اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور
حَاصِرَتْ أَهْلَ جِصْنَ، فَأَرَادُوكَ أَنْ ان سے لڑائی شروع کر دو اور جب تم کسی قلعہ کا
تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا محاصرہ کر لو اور وہ تم سے اللہ اور اس کے نبی کا ذمہ و
تَفْعَلْ، وَلَكِنْ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ، عہد لینا چاہیں تو انہیں یہ ذمہ نہ دو بلکہ تم اپنا عہد و
فَإِنْكُمْ أَنْ تَحْفَرُوا ذِمَّتَكُمْ أَهْوَى مِنْ

أَنْ تَخْفِرُوا ذِمَّةَ اللَّهِ، وَإِذَا أَرَادُوكَ أَنْ تَنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تَفْعَلْ، بَلْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي أَنْصِبُ فِيهِمْ حُكْمَ اللَّهِ أَمْ لَا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

ذمہ ان کو دے دو۔ (اس کے خلاف نہ کرنا۔) اس لئے کہ اگر تم اپنے عہد و ذمہ کو توڑتے ہو تو یہ اللہ کی پناہ کو توڑنے سے بہت خفیف و ہلکا ہے اور جب یہ چاہیں کہ تو ان کو اللہ کے حکم و فیصلہ پر اتارے تو ایسا نہ کرنا بلکہ اپنے حکم و فیصلہ پر اتارنا کیونکہ تجھے علم نہیں کہ تو اللہ کے فیصلہ پر پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔“ (مسلم)

لعوی تشرح: ﴿امر امیرا﴾ امر فعل ماضی ہے۔ باب تفعیل سے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے امیر لشکر بنایا اور لشکر کی قیادت پر مقرر کیا۔ ﴿سریہ﴾ سین پر فتح، را کے نیچے کسرہ اور ”یا“ پر تشدید۔ لشکر کا حصہ، چھوٹا لشکر اور اہل مغازی کی اصطلاح میں سریہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ بذات خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ ﴿فی خاصتہ﴾ بالخصوص اپنے حق میں۔ ﴿ومن معہ﴾ خاصہ پر اس کا عطف ہے۔ معنی ہے کہ آپ قائد لشکر کو ان کے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی و بھلائی کی وصیت فرماتے تھے۔ ﴿ولا تغلوا﴾ باب نصر بنصر۔ غلول سے ماخوذ ہے یعنی مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ ﴿ولا تغدروا﴾ غدر سے ماخوذ ہے یعنی عہد شکنی نہ کرو۔ ﴿ولا تمشلوا﴾ ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے یعنی مثلہ نہ کرو۔ مثلہ کہتے ہیں مقتول کے اعضاء بدن ناک، کان اور عضو مخصوص وغیرہ کو الگ الگ کاٹنا۔ ﴿ولیدا﴾ بچہ۔ مراد یہاں یہ ہے کہ وہ بچہ جو ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اور وہ احکام شریعت کا مکلف نہ ہو۔ ﴿الی ثلاث خصال﴾ خصال خصلۃ کی جمع ہے۔ تین امور میں سے کسی ایک کی طرف دعوت دو۔ ﴿وکف عنہم﴾ باب نصر، کف سے امر کا صیغہ ہے۔ ان سے لڑائی سے رک جاؤ۔ ﴿ثم ادعہم الی التحول﴾ پھر ان کو ہجرت کرنے اور منتقل ہونے کی دعوت دو اور یہ پہلی خصلت کی تکمیل ہے ﴿فان ہم ابوا فاحبرہم﴾ یعنی قبول اسلام کے بعد اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں۔ ﴿الغنیمة﴾ جہاد اور جنگ کے بعد کافروں کے وہ اموال جو مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ ﴿الفسی﴾ وہ اموال جو بغیر جہاد اور لڑائی کے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ ﴿فان ہم ابوا فاسالہم الجزیۃ﴾ یہ تینوں خصلتوں میں سے دوسری خصلت ہے۔ مطلب ہے کہ یہ قبول اسلام سے انکاری ہوں تو پھر ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ جزیہ کی جیم کے نیچے کسرہ اور ”زا“ ساکن ہے۔ اسلامی مملکت میں ذمیوں سے ان کی حفاظت ان کے خون کے تحفظ اور ان کے اموال و اعراض کی حفاظت کے عوض جو کچھ لیا جائے اسے جزیہ کہتے ہیں۔ ﴿فان ہم ابوا فاستعن باللہ﴾ یہ تیسری خصلت ہے یعنی اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے لڑو۔ ﴿اہل حصن﴾ حصن کے معنی قلعہ کے ہیں۔ ﴿فادادوک﴾ پھر وہ اپنے آپ کو تیرے سپرد کرنا چاہیں بشرطیکہ تو ان کو اللہ کے ذمہ و ضمان اور اس کے عہد

وامان کی ذمہ داری دے۔ ﴿تخفروا ذممکم﴾ یہ باب ضرب اور ضرر دونوں سے ہے۔ باب افعال سے بھی آتا ہے یہ کہ اپنے عہد و بیان کو توڑ دیں۔ ﴿ان تنزلہم﴾ باب افعال سے۔ جنگ کے دوران نزول سے مراد ہے اپنے آپ کو حوالہ کر دینا، سپرد کر دینا۔ یعنی جب وہ غیر مشروط طور پر بغیر کسی معین شرط اور پختہ عہد کے اپنے آپ کو تیرے حوالہ کرنے پر تیار ہوں تو تفہا۔ ورنہ مجرد اللہ کے حکم کے مطابق تم سے معاملہ کا مطالبہ کر لیں تو تو ایسا نہ کرنا کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟

حاصل کلام: حدیث اصول جماد کے بڑے معتبر اصول پر مشتمل ہے۔ جو معمولی سے غور و تامل سے واضح ہو جاتے ہیں۔ فقہاء کی رائے اکثر مسائل میں مختلف ہے۔ اس موقع پر تفصیل اور طویل بحث میں جانے کی چنداں ضرورت و حاجت نہیں بلکہ نصوص کو علی الاطلاق لینا بحث و مباحثہ کی طرف جھکاؤ سے کہیں بہتر اور اولیٰ ہے۔

(۱۰۹۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ
كَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرَى بِغَيْرِهَا.
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی غزوہ پر جانا چاہتے تو توریہ (غیر سے چھپانے) سے کام لیتے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿وری﴾ توریہ سے ہے، توریہ کے معنی یہ ہیں کہ اشارہ کسی اور طرف اور جانا کسی اور طرف۔ مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ جاسوس اور مخبر کو معلوم نہ ہو سکے کہ کدھر کا پروگرام ہے تاکہ دشمن پہلے ہی محتاط نہ ہو جائے۔ مثلاً جانا جنوب کی طرف ہوتا تھا اور دریافت احوال شمال یا مشرق یا مغرب کے کرتے تھے تاکہ دشمن کو بے خبری اور حالت غفلت میں جالیں اور جاسوس کو صحیح اطلاع کا حصول ممکن ہی نہ رہے۔ دشمنان اسلام کے خلاف اس قسم کی حکمت عملی اصطلاحاً توریہ ہے، اسے دھوکہ نہیں کہا جاسکتا۔

(۱۰۹۱) وَعَنْ مَعْقِلٍ، أَنَّ
التُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ،
إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ أَخَّرَ الْقِتَالَ
حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ، وَتَهُبُّ الرِّيَّاحُ
وَيَنْزِلَ النَّصْرُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ،
وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَضْلَعَهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

حضرت معقل سے روایت ہے کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ آپ جب دن کے آغاز میں لڑائی شروع نہ کرتے تو پھر زوال آفتاب کے بعد لڑائی شروع کرتے۔ موافق ہو امیں چلتی تھیں اور مدد کرتی تھیں۔ (اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے)

لغوی تشریح: ﴿وتهب الرياح﴾ نصرت کی ہوائیں چلتی تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر کہا جاتا تھا کہ نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مومنین اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کیلئے دعا مانگتے ہیں۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ کا آغاز علی الصبح یا دوپہر کے بعد کرنا چاہئے۔

راوی حدیث: ﴿نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ﴾ مزین قبیلہ کی طرف نسبت کی وجہ سے مزنی کہلائے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں لشکر کے امیروں میں ایک یہ ہوتے۔ انہوں نے اپنے سات دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی۔ اصبحان کے فاتح تھے۔ ۲۱ھ میں نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ (مقرن کی راء پر کسرہ اور تشدید ہے۔ محدث کے وزن پر)۔

(۱۰۹۲) وَعَنْ الصَّعْبِ بْنِ حَضْرَتِ صَعْبِ بْنِ جِثَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الذَّرَارِيِّ انَّ كَافِرًا يَمُرُّ بِشَبٍّ مِنْ الْمَشْرِكِينَ، يُبْشِرُونَ عورتوں اور بچوں کو بھی مار دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ، فَقَالَ: «هُمْ وَهَبِي ان میں سے ہیں۔ (بخاری و مسلم) مِنْهُمْ». مَثَقَّ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿عن الذراری﴾ ذریہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد مشرکین کی اولاد ہے اور ان کی عورتیں بھی۔ ﴿یُبْشِرُونَ﴾ صیغہ مجہول۔ تبصیر سے ماخوذ ہے۔ تاریکی شب میں غارت گری کرنا جسے شب خون مارنا کہتے ہیں۔ ﴿فیصیبون﴾ شب خون مارنے والے دن عورتوں اور ان کی اولاد کو رات کی تاریکی میں قتل کرتے تھے کہ ایسے میں ان پر اچانک حملہ آوروں کے ٹوٹ پڑنے سے اپنا تحفظ دشوار اور مشکل تھا۔ ﴿ہم منہم﴾ اس حالت میں وہ (بچے) بڑوں کے حکم میں تھے اور یہ مراد نہیں ہے کہ قصداً ان کا قتل مباح تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی اولاد (بچوں) کو پالان کرنے کے علاوہ ان کے والدین تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ پس جب ان بچوں کو اپنے والدین کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا تو اس صورت میں ان کا قتل بھی جائز ہوگا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے۔

حاصل کلام: اس سے پہلے ایک حدیث میں دوران جہاد بچوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اسی بنا پر امام مالک رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ کا خیال ہے کہ جہاد میں کفار کے بچوں کو ہر آئینہ قتل نہ کیا جائے۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور نے صرف عمداً اور قصداً ان کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کفار تک پہنچنے میں اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو اس ناگزیر اور مجبوری کی صورت میں ان کا قتل بھی جائز ہے کہ یہ بھی ان میں سے ہیں جیسا کہ اس مفصل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱۰۹۳) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَضْرَتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ اس شخص سے فرمایا جو بدر کے دن آپؐ کے ساتھ

شین پر فتح اور ”را“ ساکن۔ ایسے نو عمر جو ہنوز بالغ نہ ہوئے ہوں۔ پس بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا حرام ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دشمنان اسلام کے ان بوڑھوں کو قتل کرنا جائز ہے جو جنگی مہارت و تجربہ اور جسمانی و ذہنی قوت رکھتے ہوں اور نابالغ بچوں کو قتل کرنے سے اجتناب کیا جائے گا۔ ویسے بھی نوخیز نسل سے زیادہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دائرۂ اسلام میں جلد داخل ہو کر اسلام کے پھیلانے میں مدد و معاون ثابت ہوں گے جبکہ معروہ عمر رسیدہ لوگوں سے اس کی امید کم ہی ہوتی ہے۔

(۱۰۹۶) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُطَوَّلًا. (بخاری) اور ابو داؤد میں یہ حدیث طویل ہے)

لغوی تشریح: ﴿انہم﴾ سے خود حضرت علیؑ، حضرت حمزہؑ اور عبیدہ بن حارثؑ مراد ہیں۔ ﴿تبارزوا﴾ مبارزت کی صورت اس طرح ہوتی تھی کہ باقاعدہ لڑائی کے آغاز سے پہلے دونوں طرف سے دو یا زیادہ نوجوان فریق مخالف کے نوجوانوں کو دعوت لڑائی دیتے اور اس دوران اپنی جوانمردی و بہادری کا انظار کرتے اور پھر انفرادی جنگ آزمائی ہوتی۔ اس جنگ آزمائی میں چاہے جس فریق کے بہادر کام آجاتے اس کے بعد تو پھر دونوں طرف سے باقاعدہ جنگ کیلئے صف بندی کی جاتی اور لشکر کے عام لوگوں میں جنگ شروع ہو جاتی۔ متذکرہ بالا مبارزت جو اس حدیث میں مذکور ہے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور حضرت حمزہؑ نے شبیبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ بن حارثؑ نے عتبہ اور عتبہ بن ربیعہ کے درمیان چوٹوں کا تبادلہ ہوا اور اسی اثناء میں حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؑ نے عتبہ پر پل پڑے اور دونوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہؑ کو دونوں اٹھالائے مگر ان کی ران کا کاری زخم بہتا رہا کہ وادی صفراء میں مدینہ کی جانب واپسی کے موقع پر فوت ہو گئے۔ دونوں فریقوں کی محاذ آرائی میں احادیث مختلف ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مبارزی جنگ میں جن صحابہ کرامؓ نے جو ہر شجاعت دکھائے وہ مذکورہ بالا ہی تھے۔

(۱۰۹۷) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِينَا مَغْشَرِ الْأَنْصَارِ، يَغْنِي قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قَالَهُ رَدًّا عَلَى مَنْ أَنْكَرَ عَلَى مَنْ حَمَلَ عَلَى صَفِّ الرُّومِ حَتَّى دَخَلَ فِيهِمْ. رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی ”اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو“۔ یہ حضرت ابو ایوبؓ نے ان لوگوں سے بطور تردید فرمایا تھا جنہوں نے رومیوں کی صفوں پر حملہ کیا تھا اور ان کی صفوں میں جا گھسے تھے۔ (اسے تینوں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی، ابن حبان اور حاکم تینوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

الْزَيْدِيُّ وَابْنُ جَبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

لغوی تشریح: ﴿معشر الانصاء﴾ یہ اختصا کی بنا پر منصوب ہے۔

حاصل کلام: اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ اسلم بن ابوعمران بیان کرتے ہیں کہ ہم قسطنطینیہ میں تھے کہ رومیوں کا ایک بڑا فوجی لشکر ان کے مقابلہ کیلئے سامنے آیا تو مسلمانوں میں سے ایک مجاہد نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان کی صفوں میں آگے گھس جاتا اور واپس آجاتا اس کی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دیکھ کر لوگوں نے بعد ابلند سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا کہ اپنے ہاتھوں آپ ہی ہلاکت کے منہ میں ڈال دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم اس آیت کی تاویل اس مرد کی کارکردگی میں کر رہے ہو حالانکہ یہ آیت ہمارے متعلق یعنی گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اس کے مددگاروں کی تعداد کثیر ہو گئی تو ہم نے مخفی و پوشیدہ طور پر کہا کہ ہمارے اموال تو ضائع ہو گئے اگر ہم ان میں ٹھہرے رہتے اور ان کو دوست رکھتے تو ان میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوتا۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ پس اس ہلاکت سے مراد ہمارا اپنے ارادوں پر قائم رہنا تھا۔ (ابن السلام)

(۱۰۹۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: حَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَحْلَ بَنِي النَّضِيرِ، وَقَطَّعَ. كُرُوادِيَّيْنِ اور كُنُوادِيَّيْنِ. (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿حرق﴾ تخریق سے ماخوذ ہے۔ بنو نصیر یہود کا قبیلہ تھا۔ مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں رہائش پذیر تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کا معاہدہ بھی تھا مگر انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ آپ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کئے رکھا اس کے بعد ان کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا۔ یہ واقعہ ۳ھ میں ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ناگزیر جنگی ضرورت کی بنا پر پھلدار درختوں کو جلوانا یا کٹوانا جائز ہے۔ مگر عام حالات میں بلا ضرورت ان کو کاٹنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

(۱۰۹۹) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”خیانت (غنیمت کے مال) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا» (میں) نہ کرو کیونکہ یہ (خیانت) دنیا میں بھی عار ہے تَمْلُوا، فَإِنَّ الْغُلُولَ نَارٌ وَعَارٌ عَلَى اور آخرت میں بھی عار۔“ (اسے احمد اور نسائی نے أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. رَوَاهُ روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

أَحْمَدُ وَالتَّيَمِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جَبَّانَ.

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیانت دنیا و آخرت دونوں جہاں میں عار اور ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ ایک مسلمان مجاہد کو دیانت دار ہونا چاہئے۔ بددیانت اور خائن نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا مقصد مال و متاع کا حصول نہیں بلکہ اس کی رضا اللہ اور اعلائے کلمہ اللہ کا حصول ہو اور جب تک وہ اس اصول کو اپنائے رکھے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا ورنہ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنے گی۔

(۱۱۰۰) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ حَضْرَتِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالسَّلْبِ لِلْقَاتِلِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، كَيْلَيْهِ هـ. (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے)

لغوی تشریح: ﴿السلب﴾ سین اور لام دونوں پر فتح۔ سلب سے جمہور کے نزدیک لڑنے مرنے والے کافر کا لباس اور سامان جنگ وغیرہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سواری کا جانور اس سلب میں داخل نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سامان حرب ہی مراد ہے۔

(۱۱۰۱) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ - قَالَ: فَأَتَبَدَّرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا، حَتَّى قَتَلَاهُ، ثُمَّ أَنْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَخْبَرَاهُ، فَقَالَ: «أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟ هَلْ مَسَخْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟» قَالَا: لَا، قَالَ: فَنَظَرَ فِيهِمَا، فَقَالَ: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» فَقَضَى ﷺ بِسَلْبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْجُمُوحِ. مَتَّقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبدالرحمن بن عوف رحمہ اللہ سے ابو جہل کے قتل کے قصہ میں مروی ہے کہ دونوں اپنی اپنی تلوار لے کر ابو جہل کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف پھرے اور آپ کو ابو جہل کے قتل کی خبر دی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ ”تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا؟“ نیز دریافت فرمایا کہ ”کیا تم نے تلواریں صاف کر لی ہیں؟“ دونوں بولے نہیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو ملاحظہ کیا اور فرمایا ”تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔“ پس رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کا ساز و سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فابند راہ﴾ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس میں تشنہ کی ضمیر سے معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفرہ مراد ہیں۔ دونوں عبدالرحمن بن عوف رحمہ اللہ کے دائیں بائیں تھے۔ ﴿حتى قتلاه﴾ تا آنکہ انہوں نے ابو جہل کا کام تمام کر دیا۔ ان دونوں ہی سے پہلی ضرب معاذ بن عمرو

بن جموح رضی اللہ عنہ نے ماری۔ یہ ابو جہل کی تاک میں تھے جیسے ہی ان کو فرصت نے موقع دیا باز کی طرح بھپٹ کر ابو جہل پر حملہ آور ہوئے پھر اس نے ایسی ضرب ماری کہ اس کے قدم سمیت آدھی پنڈلی بھی کاٹ کر جدا کر دی تو ابو جہل مرگے والے شخص کی طرح لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا اور خون میں لت پت ہو گیا۔ اس کے بعد معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے نیزہ دے مارا جس سے وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ معرکہ کے اختتام پر نبی ﷺ نے اس معاملہ کی تحقیق کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے اس کی تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو ایسی کشمکش کی حالت میں پایا کہ ہنوز آثار زندگی باقی تھے تو وہ ابو جہل کے سینے پر اپنا پورا وزن ڈال کر بچکے اور اس کا سرتن سے جدا کر دیا اور اسے نبی ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ جب آنحضور ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا ”یہ (ابو جہل) اس امت کا فرعون ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کا لباس اور سامان جنگ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دوسرے دوست و رفیق معوذ بن عفراء جو ابو جہل کے قتل میں ان کے شریک تھے وہ خود بعد میں اسی معرکہ کے دوران شہید ہو چکے تھے۔ لہذا معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی حق دار باقی نہیں رہا تھا۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے تمام سامان انہیں نہیں دیا تھا بلکہ اس کا زیادہ تر حصہ دیا تھا اور ابو جہل کی تلوار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

راوی حدیث: ﴿معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ﴾ یہ انصار کے قبیلہ خزرج کے فرد تھے۔ سلمی کہلاتے تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ انہوں نے ہی ابو جہل کا پاؤں اور اس کا سرتن سے جدا کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے ان کو چوٹ لگائی کہ ان کا ہاتھ کٹ کر لٹک گیا بالکل جدا نہیں ہوا تو انہوں نے پاؤں تلے دبا کر کھینچ کر اسے جدا کر دیا اور پھینک دیا اور باقی سارا وقت اکیلے ہاتھ سے لڑتے اور داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے موقف سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صاحب ابن عفراء کے علاوہ اور کوئی تھے کیونکہ ابن عفراء کا نسب تو اس طرح ہے۔ معاذ بن حارث بن رفاعہ نجاری۔

(۱۱۰۲) وَعَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَصَبَ الْمُنَجَّبِينَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاتِبِ، وَرَجَّاهُ يَقَاتُ، وَوَصَلَهُ الْعَقِيلِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ. عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. حضرت مکحول سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اہل طائف پر منجیق نصب کی۔ (اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں تخریج کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر عقیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ موصول قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿منجیق﴾ میم پر فتح پھر ساکن پھر فتح پھر کسہ پھر ساکن۔ جنگی آلہ و ہتھیار۔ جس کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر مضبوط قلعوں کی دیواروں کو گرانے اور بڑی اونچی اور پختہ عمارتوں کو منہدم کرنے

(ہیں)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائیں تو ان کا خون بہانا اور مال و متاع لوٹا دینا حرام ہیں۔ گویا حربی جب اپنی آزاد مرضی سے بغیر کسی بیرونی دباؤ کے اسلام میں داخل ہو تو پھر اس کا مال منقول جائیداد کی صورت میں ہو یا غیر منقول دونوں طرح حرام ہے۔
راوی حدیث: ﴿صخر بن عیبلہ رضی اللہ عنہ﴾ صخر کے صادر فتح اور ”خا“ ساکن۔ احمی کہلاتے تھے۔ ابو حازم ان کی کنیت تھی۔ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ ان سے یہی حدیث مروی ہے۔

(۱۱۰۷) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ حَضْرَتِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا كَانَ فِي بَدْرٍ قَالَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ: «لَوْ كَانَ بَنُ عَدِيَّ بَقِيدَ حَيَاتٍ هُوتَا پھر وہ میرے پاس آکر ان الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا، ثُمَّ كَلَّمَنِي مُرَدَّارُونَ كَ تعلق بات چیت کرتا تو میں ان کو اس فِي هَؤُلَاءِ النَّتْنَى، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ». رَوَاهُ کی خاطر چھوڑ دیتا۔“ (بخاری) الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿اساری﴾ مہزہ پر ضمہ ”اسیر“ کی جمع معنی قیدی۔ ﴿ثم کلمنی﴾ پھر وہ مجھ سے بات چیت کرتا یعنی ان کی سفارش کرتا۔ ﴿فی ہولاء النتنی﴾ ان مرداروں کے بارے میں۔ نتنی نتن کی جمع ہے۔ معنی اس کے ہیں سڑی ہوئی بدبو دار چیز جیسے زمین سے زمینی آتا ہے اسی طرح نتن سے نتنی ہے اور نتن کے معنی نہایت ہی بری بدبو۔ بری بدبو سے ان کی تعریف کرنے سے ان کے عقائد کی خرابی و خیانت اور گندگی مراد ہے۔ جو ان کے کفر پر قائم رہنے سے ان کو حاصل ہوئی ہے۔ ﴿لترکتہم لہ﴾ محض مطعم کی سفارش کی وجہ سے بغیر کسی فدیہ کے ان کو رہا کر دیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے نبی ﷺ جب اہل طائف سے مایوس ہو کر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس موقع پر مشرکین سے آپ کا دفاع بھی کیا۔ اس کے اسی احسان کی وجہ سے نبی ﷺ نے اس کو محبوب و دوست رکھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان سڑی ہوئی لاشوں کے متعلق مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کے احسان کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیتا اور اس کا بدلہ چکا دیتا۔

حاصل کلام: حضور ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ احسان کا بدلہ دینا مسنون ہے۔ خواہ کافر کا احسان ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمان کے احسان کا بدلہ دینا تو بطریق اولیٰ ہے۔ اچھے کام میں کسی کیلئے سفارش کرنا بھی جائز ہے اور جائز کلام کی سفارش کو قبول بھی کرنا مسنون ہے۔

(۱۱۰۸) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضْرَتِ ابُو سَعِيدِ خُدْرِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَصَبْنَا اوطاس کے دن کچھ لوٹیاں ہمارے ہاتھ لگیں جن سَبَايَا يَوْمَ اُوطَاسَ لَهُنَّ اَزْوَاجٌ، کے شوہر زندہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کے خاوندوں فَتَحَرَّجُوا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى کی موجودگی کو باعث حرج سمجھا تو اس موقع پر

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا تَعَالَىٰ فِيهِ آيَةٌ مِّنَ الْكِتَابِ﴾ اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔ عورتیں حرام ہیں، مگر وہ جن کے تم مالک ہوئے ہو۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فتحرجوا﴾ یعنی انہوں نے گمان کیا کہ ان لونڈیوں کے ساتھ وطی کرنا گناہ اور باعث حرج ہے۔ پس انہوں نے لونڈیوں سے لطف صحبت اٹھانے سے اجتناب کیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ میں جو عورتیں گرفتار ہو جائیں گرفتاری سے ہی ان کا پچھلا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ حمل سے ہوں تو وضع حمل کے بعد اور اگر غیر حاملہ ہوں تو ایک ماہواری کے بعد لطف صحبت اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ مسلمان بھی ہوں۔ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ باقاعدہ سرکاری تقسیم کے بعد جو لونڈی جس کے حصہ میں آئے وہ اس سے بعینہ اسی طرح لطف اٹھا سکتا ہے جس طرح اپنی منکوحہ بیوی سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

(۱۱۰۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَرِيَّةً، وَأَنَا فِيهِمْ، قَبَلَ بَعْضُهُمْ نَجْدًا، فَغَنِمُوا إِيلًا كَثِيرَةً، فَكَانَتْ فِيهِمْ حَصَةٌ مِنْ حَصَةِ بَعْضِهِمْ أَثْنِي عَشَرَ بَعِيرًا، وَنَفِلُوا بَارَهَ أَوْنِثَ مَالٍ غَنِيمَتِ كَ طُورٍ عَلَى آتَى أَوْرٍ پُورِ بَعِيرًا بَعِيرًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ انہیں ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿قبل نجد﴾ نجد کی جانب۔ قبل کے قاف کے نیچے کسرہ اور ”با“ پر فتح۔ ﴿سهمانهم﴾ سین پر ضم۔ سم کی جمع جس کے معنی نصیب اور حصہ کے ہیں۔ ﴿نفلوا﴾ صیغہ مجہول۔ تسفیل سے ماخوذ ہے (باب تفعیل) معنی ان کو بطور نفل دیا گیا اور نفل کہتے ہیں کہ غازی کو مال کے حصہ سے جو چیز زائد دی جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غازی کو مال غنیمت میں سے مقرر حصہ کے علاوہ زائد مال بھی دیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ زائد حصہ مال غنیمت میں سے ہوگا یا خنس میں سے یا خمس الخمس میں سے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اصل غنیمت میں سے دیا جائے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ اس اضافی حصہ کی مقدار کتنی ہوگی اس پر اتفاق ہے کہ سربراہ و امام یہ حصہ غنیمت کے تیسرے حصہ سے زائد دینے کا مجاز نہیں۔

(۱۱۱۰) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، وَلِلرَّاجِلِ حَصَةً مِنْ حَصَةِ بَعْضِهِمْ أَثْنِي عَشَرَ بَعِيرًا، وَنَفِلُوا بَارَهَ أَوْنِثَ مَالٍ غَنِيمَتِ كَ طُورٍ عَلَى آتَى أَوْرٍ پُورِ بَعِيرًا بَعِيرًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ یہ الفاظ بخاری و مسلم

سَهْمًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبَحَارِيِّ. (ہیں) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے پیدل مرد مجاہد کیلئے ایک حصہ اور گھڑ سوار کیلئے تین حصے۔ دو حصے اس کے گھوڑے کے اور ایک حصہ اس کا اپنا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے گھوڑ سوار کیلئے تین حصے اور پیدل کیلئے صرف ایک حصہ ہے۔ گھوڑے کا حصہ اس لئے زیادہ رکھا گیا کہ اس کی خوارک اور اس کی دیکھ بھال پر کافی خرچ اٹھ جاتا ہے۔

(۱۱۱۱) وَعَنْ مَعْنِ بْنِ يَزِيدَ حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ کو فرماتے سنا ہے ”حصہ سے اضافی رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا نَقْلَ إِلَّا» طور پر جو کچھ دیا جائے گا وہ پانچواں حصہ نکال کر دیا بَعْدَ الْخُمْسِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور وَصَحَّحَهُ الطَّحَاوِيُّ. طحاوی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: یہاں دو مسائل قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اضافی و زائد حصہ مال غنیمت میں سے دیا جائے گا یا خمس میں سے؟ اس حدیث میں ان دونوں باتوں پر دلالت کرنے والی چیز نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت کو پانچ حصوں میں نفلی حصہ دینے سے پہلے تقسیم کیا جائے گا۔ حالانکہ صحیح احادیث سے دو امر کا جواز ثابت ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا اضافی حصہ خمس سے پہلے دیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی جواز نہیں لیکن دوسری حدیث جسے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابھی بیان کیا گیا ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ ان کو نفلی حصہ خمس نکالنے سے پہلے دیا گیا۔ ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود (ج ۳، ص: ۲۲)

راوی حدیث: (معص بن یزید) معص بن یزید بن اخنس سلمیٰ خود صحابی بھی ہیں اور باپ بھی صحابی ہے۔ فاتح دمشق ہیں۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ جب مصر میں آئے تو پھر دمشق میں منتقل ہو گئے۔ مرج راحط کی جنگ میں ضحاک بن قیس کے ساتھ ۴۳ھ میں شامل ہوئے اور شہید ہو گئے۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کی لڑائیوں میں شریک رہے۔

(۱۱۱۲) وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے سریہ میں پہلی مرتبہ جانے پر چوتھا حصہ زائد عطا فرمایا اور دوبارہ جانے پر تیسرا حصہ۔ (اسے ابوداؤد نے

ذَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ جِبَّانَ رَوَيْتَ كَيْفَ هُوَ اور ابن جبارود، ابن حبان اور حاکم نے صحیح وَالْحَاكِمُ. کہا ہے)

نفوی تشریح: ﴿نفل الربیع﴾ یعنی خمس کے بعد غنیمت کے چوتھا حصہ بطور نفل عطا فرمایا۔ ﴿فی البداءہ﴾ بداءہ میں ”با“ پر فتح اور دال ساکن حمزہ پر فتح۔ سفر کے آغاز پر جب لشکر اسلامی دشمن کی جانب رواں دواں ہوا۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اس صورت حال میں سارے لشکر سے الگ دشمن پر حملہ آور ہونے کیلئے دستہ نکلے اور دشمن پر جا پڑے اور کامیاب و کامران غنائم لے کر واپس لوٹے تو اس دستہ کو اس کا چوتھا حصہ دیا جائے گا اور باقی غنائم کو سارے لشکر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ﴿والثلث فی الرجعة﴾ یعنی تیسرا حصہ اس صورت میں دیا جائے گا کہ لشکر اسلامی فتح یاب ہو کر وطن واپس آ رہا ہے اور راستہ میں اس لشکر میں سے ایک دستہ دوبارہ دشمن پر حملہ کرنے کیلئے الگ ہو کر چلا جائے اس صورت میں دشمن پر حملہ آور ہونا پہلے حملے کی نسبت زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ حریف اب چونکا ہو چکا ہوتا ہے اور اس صورت حال میں خطرات زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ دشمن ہر طرح سے ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے اور مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں رہتا۔

راوی حدیث: ﴿حبیب بن مسلمہ﴾ ابو عبد الرحمن حبیب بن مسلمہ فہری مکی۔ صحابی ہیں۔ حبیب روم کے نام سے جانے جاتے ہیں کیونکہ رومیوں کے لیے ان کی بہت سی خدمات ہیں۔ ارمنیہ کے والی بنے اور ۴۳ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۱۱۱۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُنْقُلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنْ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً، سِوَى تَقْسِيمٍ فِي شَمَالٍ نَحْوِهَا. (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر فوجی کو تو یہ نفلی حصہ عنایت نہیں فرمایا کرتے بلکہ صرف مخصوص فوجیوں کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے دینا مناسب خیال فرماتے پھر جن فوجی جوانوں کو یہ حصہ دیتے ان کو بھی مساوی طور پر نہ دیتے بلکہ خدمت اور مصلحت کے لحاظ سے کم و بیش دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج بھی خاص خدمات انجام دینے والے فوجیوں کو سربراہ مملکت خصوصی انعامات دے سکتا ہے۔ مثلاً مختلف قدر و قیمت کے تحفے، نشانات، نقد انعام وغیرہ۔ اس سے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

(۱۱۱۴) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ہمیں عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينِنَا غِرَواتٍ فِي شَمَدٍ، اِنْكَرَ هَاتِهَ آتِے تَوَانِ كَو كَهَا لِيَتِے

العَسَلَ وَالْعِنَبَ فَتَأْكُلُهُ، وَلَا نَرْفَعُهُ. اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے۔ (بخاری) اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ ان کھانے والے حضرات سے خمس وصول نہیں کیا جاتا تھا اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوران جنگ مجاہدوں کے ہاتھ کھانے پینے کی اگر کچھ چیزیں آجائیں تو انکو وہیں کھانے پینے کی حد تک استعمال کر سکتے ہیں البتہ اٹھا کر کیس لے جانے کی ان کو اجازت نہیں۔ خورد و نوش کے علاوہ اگر دشمن کے جانور اور ہتھیار قبضہ میں آجائیں تو انکو جنگ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں مگر جنگ کے اختتام پر مال غنیمت میں واپس جمع کرانا واجب ہے۔

(۱۱۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي خَبِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: خَبِرْتُ رُؤَيْفَ بْنَ أَبِي خَبِيرٍ، فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ، فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَالْحَاكِمُ.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے روز ہمیں کھانے کی اشیاء ہاتھ آئیں تو ہر آدمی آتا اور اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کھانے کیلئے حاصل کر لیتا تھا پھر واپس چلا جاتا۔ (اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے ابن جارد اور حاکم دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس سے بھی معلوم ہوا کہ خورد و نوش کی چیزیں کھانے پینے کی حد تک ہر سپاہی تقسیم پہلے لے سکتا ہے، اس پر اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

(۱۱۱۶) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبُ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتَّى إِذَا أَغْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ، وَلَا يَلْبَسُ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالثَّوَالِي وَرَجَّاهُ لَا بَأْسَ بِهِمْ.

حضرت روفیع بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو کوئی اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے تو وہ مسلمانوں کے مال غنیمت کے گھوڑے پر سوار نہ ہو مگر یہ کہ جب وہ کمزور ہو جائے تو اسے واپس کر دے اور مسلمانوں کے مال غنیمت سے کوئی کپڑا نہ پہنے حتیٰ کہ جب وہ بوسیدہ و پرانا ہو جائے تو اسے واپس بیت المال میں جمع کرا دے۔“ (اسے ابو داؤد اور دارمی نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ایسے ہیں جن میں کوئی حرج نہیں)

(نہیں)

لغوی تشریح: ﴿مَنْ لَى الْمُسْلِمِينَ﴾ یعنی مشترک مال غنیمت۔ ﴿اعجفها﴾ کمزور دہلا کر دے۔

﴿اخلقه﴾ اسے بوسیدہ و پرانا کر دے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غنیمت میں حاصل شدہ کپڑوں اور گھوڑوں کو میدان جنگ میں ضرورت کے وقت استعمال میں لایا جاسکتا ہے بعد میں ان کو استعمال کرنا ممنوع ہے۔ بعض نے وقتی طور پر استعمال کرنے کیلئے بھی سپہ سالار کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے کہ جب تک سالار لشکر کی اجازت نہ ہو اس وقت تک کسی طرح استعمال نہیں کر سکتا۔

(۱۱۱۷) وَعَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ بَعْضُهُمْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَحْمَدُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”مسلمانوں میں سے کوئی بھی پناہ دینے کا مجاز ہے۔“ (اس روایت کو ابن ابی شیبہ اور احمد نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔)

وَلِلْطَّيَالِسِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَذْنَاهُمْ. وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَذْنَاهُمْ. زَادَ ابْنُ مَاجَهَ وَمِنْ وَجْهِ آخَرَ «وَيُجِيرُ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ».

اور طیلانی میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی بھی پناہ و امان دے سکتا ہے“ اور صحیحین کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ ”تمام مسلمانوں کی پناہ ایک ہی ہے جس کیلئے ان کا ادنیٰ آدمی بھی سعی کر سکتا ہے۔“ ابن ماجہ نے ایک اور طریقے سے اتنا اضافہ نقل کیا ہے۔ ”ان کا بہت دور کا آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے“ اور صحیحین میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہم نے بھی امان دی جسے تو نے امان دی۔“

لغوی تشریح: ﴿یجیر﴾ یہ اجارہ سے ماخوذ ہے۔ امان دینا۔ ﴿علی المسلمین﴾ یہاں علی نفوذ اور وجوب کیلئے ہے یعنی وہ اپنی امان کو ان پر نافذ کر سکتا ہے تو اس کی اس امان کی رعایت کرنا ان کیلئے واجب ہے۔ ﴿اذناہم﴾ ان کا ادنیٰ مرتبہ کا آدمی یا صرف وہی تھا آدمی۔ ان کا حقیر اور کم حیثیت کا مالک آدمی مثلاً غلام، مزدور اور عورت وغیرہ۔ ﴿ذمۃ المسلمین واحدۃ﴾ مسلمانوں کی دی ہوئی امان ایک جیسی ہے۔ لہذا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی پناہ و امان کو کوئی توڑ دے خواہ کوئی ہو۔ ﴿یسعی بہا اذناہم﴾ یعنی اس کا عمل پناہ و امان دینا ثابت ہو اس کی پناہ سے۔ ﴿اقصاہم﴾ گھر کے دور ہونے کے اعتبار سے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان میدان کارزار سے بہت ہی دور

رہتا ہے اور وہ کافر کو امان دے تو دوسرے مسلمانوں پر اس کافر کی حفاظت و رعایت کرنا واجب ہے اور اس ذمہ کو توڑنا حلال نہیں ہے۔ ﴿قَدْ اجْرُنَا مِنْ اجْرَتِ﴾ مخاطب کے صیغہ کے ساتھ کہ جسے تو نے امان دی اسے ہم نے امان دی۔ یہ ارشاد آپؐ نے حضرت ام ہانیؓ کو اس موقع پر فرمایا، جب انہوں نے آپؐ کو اس کی اطلاع دی کہ اس نے دو آدمیوں کو جو اس کے سرکاری رشتہ دار تھے، پناہ دی ہے۔ مگر ان کے بھائی علی بن ابی طالبؓ نے اپنی بہن کی امان کو جائز نہ رکھا اور ان دونوں کو قتل کرنا چاہا اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد ہی نہیں عورت کی امان بھی جائز ہے۔ عام فقہاء کرام کا یہی موقف ہے۔ راوی حدیث: ﴿ام ہانسیؓ﴾ یہ ابوطالب کی صاحبزادی، حضرت علیؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کا نام فاختہ تھا اور ہند نام بھی بتایا گیا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئی تھیں۔

(۱۱۱۸) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سنا، تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ ”میں یہود و یَقُولُ: لأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال کر دم لوں گا۔ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، حَتَّى لَا أَدْعَ إِلَّا مُسْلِمًا“۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿لَا دَاعِ﴾ میں نہیں چھوڑوں گا اور جزیرۃ العرب سے مراد بحر ہند، بحر شام، پھر جلد و فرات نے جتنے علاقے پر احاطہ کیا ہوا ہے یا طول کے لحاظ سے عدن ابنین کے درمیان سے لے کر اطراف شام تک کا علاقہ اور عرض کے اعتبار سے جدہ سے لے کر آبادی عراق کے اطراف تک۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی کہ جزیرۃ العرب سے کافروں اور یہود و نصاریٰ کو باہر نکال دیں۔ اپنی زندگی میں اس پر پوری طرح عمل نہ کیا جاسکا پھر حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی خواہش اور آپؐ کے حکم کہ عرب میں دو دین نہ رہیں، پر عمل درآمد کیا اور اپنے دور خلافت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ عرب سے جلا وطن کر دیا۔

(۱۱۱۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ اموال، ان اموال میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ، وَمِمَّا لَمْ اپنے رسول کی طرف پلٹا دیئے ہیں۔ جن پر مسلمانوں يُوجِفُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ، فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خالص نبی ﷺ کیلئے تھے۔ آپؐ ان اموال میں سے فَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سَنَةً، وَمَا اپنی بیویوں پر سال بھر خرچ کرتے تھے اور جو باقی بچَ بَقِيَ يَجْعَلُهُ فِي الْكُرَاعِ وَالسَّلَاحِ، رہتا اس سے گھوڑے اور اسلحہ برائے جہاد فی سبیل

قائل ہیں یہ حدیث ان کے نظریے کی تردید ہے۔ ابن منذر کا قول ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے کوئی مال فنے میں غص کا قائل ہوا ہو۔ اس میں پہلی بستی سے مراد وہ بستی ہے جہاں لڑائی نہ ہو۔ اس میں مجاہدین کا حصہ دوسرے مسلمانوں کے مساوی ہے اور دوسری بستی سے مراد وہ بستی ہے جہاں لڑائی ہو۔ اس میں پانچواں حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غص اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ آخر کار وہ بھی مسلمانوں کے مصالح میں خرچ ہوگا۔

۱ - باب الجزیۃ والہذنیۃ جزئیہ اور صلح کا بیان

(۱۱۲۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ: «الْجَزْيَةُ وَالْهَذْنَةُ مِنْ مَجُوسٍ هَجَرَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلَهُ طَرِيقٌ فِي الْمُوطَأِ، أَوْ سَمِعْتُ فِيهِ انْقِطَاعٌ.»

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزئیہ لیا تھا۔ (اسے الجزیۃ، مِنْ مَجُوسٍ هَجَرَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلَهُ طَرِيقٌ فِي الْمُوطَأِ، اور سند ہے جس میں انقطاع ہے) فیہا انقطاع.

لعوی تشریح: ﴿باب الجزیۃ﴾ جزئیہ کی جیم کے نیچے کسرہ اور زائ ساکن۔ یہ وہ معاوضہ ہوتا ہے جو اہل ذمہ سے ان کے دار السلام میں رہنے، ان کے خون اور اموال کی حفاظت کے بدلہ میں لیا جاتا ہے۔ ﴿الہذنیۃ﴾ ہاء پر ضمہ اور وال ساکن۔ اس اتفاق کو کہتے جو جنگ کے لئے ایک خاص مدت تک دو حکومتوں کے درمیان طے پاتا ہے۔ ﴿المجوس﴾ وہ لوگ جو آگ کی عبادت و پرستش کرتے ہیں۔ ﴿ہجر﴾ ہا اور جیم دونوں پر فتح۔ یہ بہت بڑے شہر کا نام ہے۔ جو بحرین یعنی الاحساء کا دار الخلافہ تھا۔ معجم البلدان میں ہے کہ ہجر بحرین کا سب سے بڑا شہر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بحرین کا تمام کنارہ ہی ہجر ہے اور یہی بات درست ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسی مشرکوں سے جزئیہ وصول کیا جائے گا۔ جزئیہ صرف اہل کتاب پر نہیں جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے بلکہ دیگر مشرکین سے بھی جزئیہ وصول کیا جائے گا۔ مؤطا کی روایت میں انقطاع اس بنا پر ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے امام ابن شہاب زہری سے مرسل روایت کیا ہے۔

(۱۱۲۴) وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ سُلَيْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى أَكْبَدِرِ دَوْمَةَ الْجَنْدَلِ فَأَخَذُوهُ، فَأَتَوْا بِهِ فَحَقَّنَ دَمَهُ وَصَالَحَهُ عَلَى الْجَزْيَةِ.

عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومتہ الجندل کے حکمران اکیدر کے پاس بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس کا خون نہ

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔ بہایا اور اس سے جزیہ پر مصالحت کر لی۔ (ابوداؤد)

لغوی تشریح: ﴿وعن عثمان﴾ ان سے روایت کرنے والا بھی عاصم ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔ ﴿بعث خالد بن الولید﴾ خالد بن ولید کو بھیجا۔ آپؐ نے انہیں غزوہ تبوک کے ایام میں بھیجا تھا۔ ﴿الی اکیدر﴾ یہ صاحب اکیدر بن عبد الملک کنڈی۔ جو دومۃ الجندل کے فرمانروا تھے اور اکیدر کے حمزہ پر ضمہ اور کاف پر فتح ”یا“ ساکن اور دال کے نیچے کسرہ اور دومۃ کے دال پر ضمہ اور ”واؤ“ ساکن اور جندل کے جیم پر فتح اور نون ساکن اور ﴿دومۃ الجندل﴾ عربی نجد کے شمال میں وادی سرخان میں ایک شہر کا نام ہے۔ ﴿فحقن دمه﴾ اس کا خون نہیں بہایا بلکہ اس کی حفاظت کا عمدہ دیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عرب اہل کتاب سے بھی جزیہ لینا جائز ہے۔ اکیدر عرب کا ایک عیسائی رئیس تھا اور غسانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ (سبل) قاضی ابویوسف عربی سے جزیہ لینے کے قائل نہیں مگر امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ عربی و عجمی مشرک سے جزیہ لینے کے قائل ہیں۔

راوی حدیث: ﴿عاصم بن عمر﴾ ابو عمر عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان انصاری، تابعی تھے۔ کثیر الحدیث تھے۔ علم کے راوی۔ مغازی و سیر کے علم سے بہرہ ور تھے۔ ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۹ھ وغیرہ

﴿عثمان بن ابی سلیمان﴾ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم، مکہ کے قاضی تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ ابن معین رحمہ اللہ اور ابوحاتم رحمہ اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ عثمان تابعی ہیں اور عاصم نے یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متصل اور عثمان سے مرسل بیان کی ہے۔

(۱۱۲۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ نَبِيٌّ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ ”میں فَأَمَرَنِي أَنْ أَخَذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ ہر بالغ سے ایک دینار بطور جزیہ وصول کروں یا پھر دِينَارًا، أَوْ عِدْلَهُ مُعَافِرِيًا. أَخْرَجَهُ اس کے برابر معافری کپڑا لوں۔“ (اس کی تخریج تینوں الثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانٍ وَالْحَاكِمُ۔ نے کی ہے، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حالم﴾ بالغ۔ ﴿عدله﴾ عین کے نیچے کسرہ اور فتح بھی ہے۔ معنی ہیں مثل، اس جیسا ﴿معافریا﴾ کپڑا جو معافری کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے معافری کہلایا اور معافری یمن کا ایک شہر ہے یا حمدان کا قبیلہ۔ یہ حدیث کتاب الزکاۃ کے تحت گزر چکی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ کی سالانہ مقدار ایک دینار یا اسی کے برابر کوئی اور چیز فی کس ہوگی۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دینار کم از کم جزیہ ہے۔ اس سے زیادہ بھی لیا جاسکتا ہے اور جزیہ صرف بالغ آزاد مرد سے ہی لیا جائے گا۔

(البل)

(۱۱۲۶) وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عائذ بن عمرو المزنی رحمہ اللہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اسلام غالب رہتا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: «الْإِسْلَامُ يَغْلِبُ، وَلَا يُغْلَى» أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

حاصل کلام: اس حدیث میں خبر و اطلاع بھی ہے اور پیشین گوئی بھی کہ اسلام ہمیشہ غالب بن کر رہنے کیلئے آیا ہے، مغلوب بن کر رہنے کیلئے نہیں۔ لہذا اہل اسلام کو چاہئے کہ نظریاتی اور عملی طور پر اسے غالب رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اسلام کی صحیح تبلیغ و اشاعت کریں۔ اس کے مطابق پہلے خود اپنی عملی زندگی ڈھالیں تاکہ ان کے عمل و کردار اور اخلاق و اطوار سے متاثر ہو کر غیر مسلم دائرۃ اسلام میں داخل ہوں۔ اس حدیث کو حدنہ کی تمہید اور ابتداء کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ باہمی مصالحت میں اگر بفرض محال کوئی شرط و دفعہ بظاہر اسلام کے ماننے والے کے مفاد کے خلاف بھی معلوم ہو تو پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ وہ اسے ہمیشہ سر بلند و بالاتر اور اعلیٰ و غالب رکھے گا۔ اس کے ماننے والے اگر اس کے مطابق عمل کریں گے تو سرخرو ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی نصرت و مدد فرمائے گا۔ اسلام کا دلائل و براہین کے اعتبار سے سب پر غالب رہنا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

راوی حدیث: ﴿عائذ بن عمرو مزنی رحمہ اللہ﴾ ابو ان کی کنیت تھی۔ بصرہ میں فروکش ہو گئے تھے۔ صالح صحابہ میں سے تھے۔ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ یزید ابن معاویہؓ کے عہد میں وفات پائی۔

(۱۱۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَصْبَغِهِ». رَوَاهُ دُو- ”مسلم“

لغوی تشریح: ﴿فاضطروه﴾ ان کو مجبور کر دو یا اس طور کہ ان کیلئے صدر راستہ نہ چھوڑو۔ اسے رسوا و ذلیل کرنے کیلئے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مسلمان کا یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کو پہلے سلام کہنا حرام ہے۔ جمہور سلف کی رائے یہی ہے مگر کچھ لوگ جن میں حضرت ابن عباسؓ بھی شامل ہیں کہتے ہیں ذی اہل کتاب کو پہلے سلام کہنا جائز ہے لیکن یہ درست نہیں۔ نیز ان سے راستہ میں ملاقات ہو جائے تو ان کیلئے

راستہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔ اس سے ان کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ وہ چھوٹے لوگ ہیں اور چھوٹے ہی بن کر رہیں۔ اس سے یہ مطلب نہ نکالنا چاہئے کہ اسلام انسان، انسان کے مابین امتیاز پیدا کرتا ہے۔ یہ تو اصول کی بات ہے کہ جو لوگ دین فطرت کو قبول کرنے سے انکاری ہیں ان کا مقام و مرتبہ بہر حال وہ نہیں ہو سکتا جو ماننے والوں کا ہے۔

(۱۱۲۸) وَعَنِ الْمُسَوِّرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوْلِهِ، وَفِيهِ: «هَذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، سُهَيْلُ بْنُ عَمْرِو: عَلَى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ، وَيَأْمَنُ فِيهَا النَّاسُ، وَيَكْفُفُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَضْلَفَ فِي الْبُخَارِيِّ.

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن مسور دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حدیبیہ کے سال نکلے۔ راوی نے لمبی حدیث بیان کی ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ یہ وہ (دستاویز) ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے سمیل بن عمرو سے صلح کی ہے کہ دس سال جنگ بند رہے گی۔ اس عرصہ میں لوگ امن سے رہیں گے اور ان میں سے ہر ایک (جنگ سے) اپنا ہاتھ روکے رکھے گا۔ (ابوداؤد اور اس کی اصل بخاری میں ہے) اور مسلم نے اس حدیث کا کچھ حصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ تم میں سے جو کوئی ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہیں کریں گے اور ہمارا کوئی آدمی تمہارے پاس آجائے تو تم اسے ہمارے پاس واپس لوٹا دو گے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہم یہ لکھ لیں؟ آپ نے فرمایا۔ ”ہاں! جو شخص ہم میں سے ان کے پاس چلا جائے گا اسے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ضرور کشائش اور کوئی راستہ نکال دے گا۔“

وَأَخْرَجَ مُسْلِمٌ بَعْضَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ، وَفِيهِ: أَنَّ مَنْ جَاءَنَا مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ، وَمَنْ جَاءَكُمْ مِنَّا رَدَدْنَاهُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: أَنْكُتُبُ هَذَا؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: «نَعَمْ إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ فَسَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُ قَرَبًا وَمَخْرَجًا».

لغوی تشریح: ﴿عام الحدیبیہ﴾ یہ واقعہ ذوالقعدہ بروز پیر ۶ھ میں پیش آیا جب آپ عمرہ کرنا چاہتے تھے۔ حدیبیہ ”ح“ پر ضمہ اور وال پر فتح اور ”یا“ ساکن اور اس کے بعد ”یا“ مخففہ اور مشدودہ بھی کہا گیا ہے۔ جدہ کے راستہ میں مکہ کے قلب سے دس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔ حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس سے اس کا نام حدیبیہ پڑ گیا۔ ﴿فذکر الحدیث بطولہ﴾ اس حدیث میں حدیبیہ کی

جانب جانے کا قصہ ہے۔ اہل مکہ نے آپؐ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا پھر چند شرائط پر مصالحت کر لی تھی۔ ان شروط میں سے وہ شرط بھی تھی جسے مؤلف نے بیان کیا ہے۔ ﴿سہیل بن عمرو﴾ یہ کفار کی جانب سے نمائندہ تھے۔ ﴿وضع الحرب﴾ لڑائی کو چھوڑ دیا۔ ﴿یکف﴾ روکتا ہے۔ ﴿من جاء منکم﴾ یہ شرط مسلمانوں کے خلاف پڑی تھی یعنی جو آدمی مسلمانوں کے کیمپ سے بھاگ کر کافروں کے کیمپ میں چلا جائے گا اسے کفار واپس نہیں کریں گے اور اہل مکہ میں سے جو کوئی مسلمانوں کے ہاں پناہ لے گا وہ اسے کافروں کی جانب لوٹا دیں گے۔ ﴿انکتب هذا﴾ کیا اسے قلمبند کر لیا جائے۔ اس میں استغمام انکاری ہے اور بظاہر رسوائی جو اس میں محسوس ہوتی ہے اس پر اظہار تعجب ہے۔ ”فرجا“ فاور رادونوں پر فتحہ۔ فراخی اور کشادگی، کشاکش۔

راوی حدیث: ﴿سروان رضی اللہ عنہ﴾ اس سے مروان بن حکم اموی مراد ہے۔ ابو عبد الملک کنیت تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ یزید کی وفات کے بعد عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بارے میں دلچسپی لی اور اس کے بیٹے معاویہ کی معزولی کے بعد مصر اور شام پر والی بن گئے۔ ان کی وفات دمشق میں ۶۵ھ میں ہوئی۔

﴿سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ﴾ سہیل بن عمرو کا شمار قریش کے سرکردہ شرفاء و رؤسا میں ہوتا تھا۔ ان کے عقلاء اور خطباء میں سے ایک تھے۔ بدر کے روز قید ہوئے اس وقت کافر تھے۔ فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ فتنہ ارتداد کے موقع پر قریش ان کی وجہ سے اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ۱۴ھ میں یرموک کے موقع پر قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے یا ان کی وفات مرج صفر میں یا طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں ہوئی۔

(۱۱۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ رَوَايَتُ كِي هِي كِه ”جس کسی نے عمدی کو قتل کیا ﷺ قَالَ: «مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَوْحْ وَه جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو رَائِحَةُ الْجَنَّةِ، وَإِنْ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ جَالِسِ بَرَس کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔“ (بخاری) مَسِيرَةَ أَرْبَعِينَ عَامًا. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿لم يرح﴾ یرح کے ”را“ پر فتح ہے۔ نہیں پاسکے گا۔ نہیں سونگھ سکے گا۔ ﴿رائحة الجنة﴾ جنت کی خوشبو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی ذمی اور معاہد کو بلاوجہ اور کسی شرعی حق کے بغیر قتل کرنا حرام ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے مسلمان قاتل سے دنیا میں قصاص نہیں لیا جاتا، اس لئے اخروی سزا بیان کی۔ معاہد دراصل وہ آدمی ہے جو مسلم علاقہ کا باشندہ نہ ہو۔ غیر مسلم حکومت میں سکونت رکھتا ہو اور امان لے کر اسلامی حکومت کے علاقہ میں آیا ہو۔ اس کے قتل پر اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پائی جاتی ہے۔

۲ - باب السَّبَقِ وَالرَّمْيِ - گھڑ دوڑ اور تیر اندازی کا بیان

(۱۱۳۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَابَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْحَيْلِ الَّتِي قَدْ أَضْمَرْتُ، مِنْ الْحَفِيَاءِ، وَكَانَ أَمْدُهَا ثِنْتَهُ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْحَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ، مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيْمَنْ سَابَقَ مُتَّفَقًا عَلَيْهِ. هَبْ كَه سَفِيَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا نِيَانِ كِيَا كَه ”حَفِيَاءَ“ سَه ”زَادَ الْبُخَارِيُّ“ قَالَ سَفِيَانُ: مِنْ الثَّنِيَّةِ الْوَدَاعِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ، أَوْ سِتَّةَ، وَمِنْ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ مِيلٌ.

لغوی تشریح: ﴿باب السبق﴾ سبق کے سین پر فتح اور ”ہا“ ساکن مصدر بمعنی مسابقة الخیل یعنی گھڑ دوڑ، اسے ”رہان“ بھی کہتے ہیں اور ”رمی“ یعنی تیر اندازی کا مقابلہ، نشانہ بازی کا مقابلہ۔ ﴿اضمرت﴾ صیغہ مجہول اور اضمار اور تضمیر یہ کہ پہلے گھوڑے کو خوب بکثرت چارہ کھلا کر موٹا تازہ کرتے ہیں اور خوب توانا اور قوی کرتے ہیں پھر اس کی خوراک کم کرنا شروع کرتے ہیں اور میدان میں دوڑاتے اور چکر لگواتے ہیں تاکہ اس کا جسم مضبوط اور سخت جان ہو جائے اور جسم کا ڈھیلا پن سخت ہو جائے اور عربوں کے ہاں تضمیر کا یہ عمل چالیس روز تک ہوتا تھا۔ ﴿من الحففاء﴾ ”حاف“ پر فتح اور ”قا“ ساکن ممدودہ اور کبھی قصر یعنی بغیر مد کے بھی پڑھ لیتے ہیں۔ مدینہ کے باہر ایک جگہ کا نام اور اس فقرے میں کلمہ ”من“ سے مراد غایت کی ابتداء ہے۔ ﴿امدھا﴾ حمزہ اور میم دونوں پر فتح۔ اس سے غایت مراد ہے۔ ﴿ثنية الوداع﴾ یہ بھی مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام ہے اور ثنیۃ ”ثا“ پر فتح نون کے نیچے کسرہ اور ”یا“ پر تشدید۔ یہ عقبہ کی طرف جانے والا راستہ ہے۔ الوداع کی جانب اسے مضاف کیا گیا ہے اس لئے کہ مہمانوں کو اس جگہ سے الوداع کہا کرتے تھے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے جہاد کی تیاری کیلئے گھڑ دوڑ، تیر اندازی اور نیزہ بازی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس دور میں یہی چیز عموماً جنگ میں کام آتی تھی۔ آج کے دور میں ٹینک، بکتر بند گاڑیاں چلانے کی تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ تیرو نیزے کی جگہ بندوق، توپ اور جدید جنگی تربیت حاصل کرنی چاہئے۔

(۱۱۳۱) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ ، نَظَرُوا فِي الْغَايَةِ . رَوَاهُ أَحْمَدُ . وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ .
 وَفَضَّلَ الْفُرَحَ فِي الْغَايَةِ . رَوَاهُ أَحْمَدُ .
 ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان سے صحیح کہا ہے

لعنوا تشریح: ﴿ فضل الفرح في الغاية ﴾ نوجوان گھوڑے کی غایت (فاصلہ) زیادہ دور اور لمبا رکھا دوسرے کی بہ نسبت اور فعل تفخیل سے مبنی للفاعل ہے اور قرح کے قاف پر ضمہ اور ”را“ پر تشدید اور فتح، قارح کی جمع۔ نوجوان گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی عمر پوری و مکمل اور جس کی کچلیاں نمایاں ہو چکی ہوں۔ غایت میں یہ فضیلت و فرق اس لئے رکھا گیا ہے کہ نوجوان، تندرست و توانا اور قوی الجشہ گھوڑا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ لمبی دوڑ کا تحمل ہو سکتا ہے جبکہ کمزور اور ضعیف اس کی سکت نہیں رکھتا۔
 حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جانوروں کا بھی بہت خیال اور لحاظ رکھنا چاہئے۔ جتنی ہمت و طاقت کا جانور ہو اس سے اس کے مطابق کام و خدمت لی جانی چاہئے۔ ہمت و طاقت سے زیادہ کام لینا درست نہیں۔

(۱۱۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ، أَوْ نَصْلٍ، أَوْ حَافِرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالثَّلَاثَةُ، مُقَابَلَةً مِثْلَ: «لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ، أَوْ نَصْلٍ، أَوْ حَافِرٍ»۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”دوڑ کا مقابلہ صرف اونٹ اور گھوڑوں میں ہے اور ہار جیت صرف تیر اندازی کے مقابلہ میں۔“ (اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لعنوا تشریح: ﴿ لاسبق ﴾ سبق کے ”سین“ اور ”با“ دونوں پر فتح۔ دوڑ کے مقابلہ میں جو مالی انعام وغیرہ رکھا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ مسابقت میں مال لینا حلال نہیں ہے۔ ﴿ الا في خف ﴾ سوائے اونٹ کے۔ ﴿ او نصل ﴾ یا تیر اندازی کے ﴿ او حافر ﴾ یا گھڑ دوڑ میں۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ مقررہ انعام کی صورت میں دوڑ کا مقابلہ کرنا جائز ہے۔ ﴿ جعل ﴾ کے جیم پر ضمہ، معنی انعام۔ اگر انعام دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لینے والوں کے علاوہ اور کسی کی جانب سے ہے جیسے امام جینتے والے کو کوئی انعام دے تو یہ حلال ہے۔ بغیر کسی خوف و تردد کے اور اگر یہ انعام کسی مقابلہ میں حصہ لینے والے کی جانب سے ہو تو یہ حلال نہیں، یہ قمار و جوا ہے۔ انعام میں مال لینا مذکورہ بالا کاموں میں حلال ہے۔ اس لئے کہ یہ جنگ کی تیاری و تربیت اور ٹریننگ ہے اور جہاد کیلئے قوت تیار کرتا ہے۔ جو ایسی صورت میں نہ ہو اس پر مال لینا قمار ہے۔ جس سے اجتناب کیا جانا چاہئے۔ جیسے پرندوں اور کبوتروں کی دوڑ اور مینڈھوں کو لڑا کر انعام حاصل کیا جاتا ہے۔

(۱۱۳۳) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . حَضَرْتُ ابُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نَبِيَّ ﷺ مِنْ رِوَايَةِ كَرْتِي هُنَّ .
 قَالَ: «مَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ كَرْتِي هُنَّ» .
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جس شخص نے دو گھوڑوں کے

فَرَسَيْنَ، وَهُوَ لَا يَأْمَنُ أَنْ يَسْبَقَ فَلَا بَأْسَ بِهِ، فَإِنْ أَمِنَ فَهُوَ قِمَارٌ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

درمیان تیسرا گھوڑا داخل کیا لیکن اس شخص کو یہ یقین نہ تھا کہ یہ گھوڑا آگے بڑھ جائے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس شخص کو یہ یقین تھا کہ یہ تیسرا گھوڑا بڑھ جائے گا تو یہ جوا ہو جائے گا۔

(اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند

ضعیف ہے)

لعوی تشریح: ﴿ان یسبق﴾ صیغہ مجہول۔ یعنی وہ تو پیچھے رہ جائے گا اور دوسرا آگے بڑھ جائے گا۔ ﴿فان امن﴾ اگر اسے پیچھے رہنے اور آگے بڑھنے کا یقین ہو تو ﴿فہو قمار﴾ وہ قمار و جوا ہے۔ قمار کے قاف کے نیچے کسرہ۔ پس مسابقت سے غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ گھوڑے کی قوت و طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے جب غرض پوری نہ ہو تو بے سود ہونے کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دے دیا گیا۔

(۱۱۳۴) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَضَرَ عَقِبَةُ بْنُ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، (آیت) پڑھ رہے تھے۔ (ترجمہ) ”تم جو کچھ اپنی قوت یَقُولُ: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سے کافروں کے (مقابلہ) کے لئے تیار کر سکتے ہو تیار مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ ﴿آلَايَةَ﴾ کرو اور گھوڑوں کے باندھنے سے۔“ اور (فرماتے) أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيَ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ تھے) ”خبردار! قوت تیر اندازی ہے۔ خبردار! قوت تیر الرَّمْيَ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيَ“۔ رَوَاهُ اندازی ہے۔ خبردار! قوت تیر اندازی ہے۔“ (مسلم) مُسْنَدُهُ.

لعوی تشریح: ﴿اعدوا﴾ اعداد سے امر کا صیغہ ہے۔ اعداد تیاری کو کہتے ہیں مستقبل کیلئے کسی چیز کا تیار کرنا۔ ﴿ما استطعتم﴾ ما عام ہے حالات و ظروف اور اوضاع کے حسب حال انسان کے تمام ممکنات اس میں شامل ہیں۔ ﴿رباط الخیل﴾ ”راء“ کے نیچے کسرہ۔ اس کے معنی اصل میں روکنے اور جمع رکھنے کے ہیں پھر اسے خاص طور پر سرحدوں کی حفاظت اور سرحدوں پر واقع شہروں کی حفاظت کیلئے قیام کرنے کو رباط کہا جانے لگا۔ تفسیر المنار (ج ۱۰، ص ۶۹) میں علامہ رشید رضا نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کی مستقل آرمی ہونی چاہئے جو اپنا دفاع کرنے کیلئے ہر وقت تیار و مستعد رہے جس وقت بھی دشمن اچانک دھوکہ سے حملہ آور ہو۔ اسی وقت اسے ناکوں پنے چبانے کے لئے میدان کار زار میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو جائے۔ اس کے گھوڑ سواروں کا دستہ چاک و چوبند ہو اور تیز رفتاری و سبک رفتاری سے سرحدوں پر رونما ہونے والے واقعات کی اطلاع، سرحدی شہروں اور دیہاتوں پر واقع

ہونے والے واقعات کی خبر اور ہر طرف سے دار الخلافہ میں تیز گامی سے پہنچانے کیلئے تیار رہیں۔ ﴿الا ان القوة الرمی﴾ سن لو کہ قوت تیر اندازی میں ہے۔ تفسیر المنار (ج ۱۰، ص: ۷۰) میں ہے کہ اس حدیث میں رمی سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو پھینک کر دشمن کو نشانہ بنایا جاسکے، تیر ہے، نیزہ ہے، منجیق کے ذریعہ گولہ باری ہے، جنگی جہازوں کے ذریعہ گولہ باری ہے یا بندوق کے ذریعہ اور توپ کے ذریعہ گولے پھینکنا وغیرہ ہے۔ اگرچہ یہ تمام اسلحہ حرب نبی ﷺ کے عہد سعادت میں متعارف نہیں تھا مگر لفظ رمی سب کو شامل ہے۔ اگر آپؐ اسے معروف تیروں سے مقید کر دیتے تب بھی مقصود یہی پھینکنے والی چیز مراد ہوتی۔ حالانکہ آپؐ نے تیر کے پھینکنے کا ذکر نہیں کیا ہے ہمیں کیا معلوم شاید اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی لسان مبارک پر ان الفاظ کو جاری فرما دیا ہو جس میں عمومیت کا معنی پایا جاتا ہے کہ ہر دور میں آپؐ کی امت کیلئے عمومیت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس دور میں حسب ضرورت اسے مارنے کے معنی میں استعمال کر سکے۔



۱۲۔ کِتَابُ الْأَطْعِمَةِ

کھانے کے مسائل

(۱۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”درندوں میں سے ہر کچلی والے کا کھانا حرام ہے۔“ (مسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جسے مسلم نے روایت کیا ہے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اتنا اضافہ ہے کہ ”پرندوں میں ہر اس پرندے کا کھانا حرام ہے جو پنجوں میں گرفت کر کے کھائے۔“

لغوی تشریح: ﴿کتاب الاطعمه﴾ طعام کی جمع ہے یہاں یہ بیان کرنا اور بتانا مقصود ہے کہ کھانے کی اشیاء میں سے حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے۔ ﴿کل ذی ناب من السباع﴾ ناب اس دانت کو کہتے ہیں جو رباعیہ کے پیچھے ہوتا ہے اور رباعیہ ثنایا کے ساتھ ہی ہوتے ہیں (جسے ہم کچلیاں کہتے ہیں) اور ”سباع“ سبع کی جمع ہے سب سے سب پر فتح اور ”ب“ پر ضمہ ہے۔ وہ جانور جو چیر پھاڑ کرنے والا ہو اور کچلیوں والے جانوروں سے مراد وہ درندہ ہے جس کی کچلیاں ہوں اس کے ذریعہ سے وہ شکار کرنے میں قوت کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً شیر، بھیڑیا، چیتا اور تیندوا وغیرہ۔ (تحفہ الاحوذی، ج ۲، ص: ۳۵) ابن سینا کا قول ہے کہ ایک حیوان میں کچلی اور سینگ اکٹھے پیدا نہیں ہوتے۔ ﴿بلفظ نہی﴾ یعنی درندوں میں ہر کچلی والا جانور کھانے سے منع فرمایا۔ ﴿ذی مخلب﴾ مخلب کے میم کے نیچے کسرہ اور ”خا“ ساکن اور لام پر فتح۔ جس کے معنی پنجہ یا چنگل کے ہیں۔ جس طرح انسان کے ناخن ہوتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ پرندہ پنجے کے ذریعہ سے شکار میں تقویت حاصل کرتا ہے جیسے چیل، شکار، شامین اور باز وغیرہ۔

حاصل کلام: اس حدیث میں حرمت کی ایک جامع علامت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہر چیرنے

پھاڑنے والا درندہ چوپایہ دوسرے الفاظ میں گوشت خور جانور حرام ہے اور ہر وہ پرندہ جو پنجے میں پکڑ کر کھاتا ہو حرام ہے۔ اس اصول کو امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ نے تسلیم کیا ہے مگر اس کے باوجود درندوں کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ لہذا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گوشت خور جانور جیسا بھی ہو وہ ”سبع“ ہے۔ اس اعتبار سے بلی وغیرہ بھی سباع میں شامل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سباع وہ درندہ ہے جو انسان پر حملہ آور ہو جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ۔ بچو اور لومڑی نہیں۔ اس لئے کہ یہ آدمی پر حملہ نہیں کرتے۔ اسی طرح پنجے سے شکار اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والا پرندہ بھی حرام ہے جیسے عقاب، باز، شکر، شاہین وغیرہ۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے انہیں مکروہ کہا ہے حرام نہیں کہا البتہ جیل اور گدھ کو خباثت کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔

(۱۱۳۶) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتُ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَے روایت ہے کہ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے خیبر کے روز گھریلو گدھوں کے يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا اور گھوڑوں کے الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ. گوشت کی اجازت دی تھی۔ (بخاری و مسلم) اور مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: «وَرَخَصَ». بخاری کی روایت میں ہے ”اذن“ کے بجائے ”رخص“ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ آپؐ نے رخصت دی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیبر کے روز گھریلو گدھوں کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے اس کی اجازت تھی تو گویا احکام بتدریج نافذ کئے گئے ہیں۔ حرام کئے جانے کی وجہ جیسا کہ بخاری میں بھی آیا ہے کہ یہ ناپاک و پلید حیوان ہے۔ جمہور علماء، صحابہ و تابعین وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔ رخصت اور اذن کا لفظ غالباً اس لئے فرمایا کہ گھوڑوں کی کمی کی وجہ سے تزیی طور پر ممنوع قرار دیا تھا پھر رخصت دے دی۔ زید بن علی، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردان رشیدین یعنی صاحبین اور امام احمد رحمہ اللہ اور اسحق بن راہویہ رحمہ اللہ اور سلف و خلف کے سب علماء اس کی حلت کے قائل ہیں لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حرام ہے مگر یہ اور اسی موضوع کی دوسری احادیث صریحان کے خلاف ہیں۔

(۱۱۳۷) وَعَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى حَضْرَتِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ، کھاتے رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم) نَأْكُلُ الْجَرَادَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لعوی تشریح: ان احادیث میں کچھ جانوروں کی حلت و حرمت نام بنام بیان کی گئی ہیں۔ مڈی بھی انہی میں

سے ہے۔ اس کی حلت پر تقریباً سب کا اتفاق ہے۔

(۱۱۳۸) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «فَذَبَحَهَا فَبَعَثَ بِوَرِكَيْهَا إِلَى رَانَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي خِدْمَتِهِ مِثْلَ خِدْمَتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ». فَقَبِلَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فی قصۃ الارنب﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا اس وقت ہم مر الظہران کے مقام پر تھے۔ لوگ دوڑے اور پکڑنے کی کوشش کی۔ خرگوش دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ درماندہ ہو گیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ انہوں نے اسے ذبح کر کے ران نبی ﷺ کی خدمت میں بھیج دی جسے آپ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ ﴿ودک﴾ ”واؤ“ پر فتح اور ”را“ کے نیچے کسرہ اور کبھی کبھار ساکن بھی پڑھ لیا جاتا ہے ورک کہتے ہیں ران کے اوپر والے حصہ کو۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے۔ اگر حلال نہ ہوتا تو آپؐ اسے قبول نہ فرماتے۔

(۱۱۳۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ الدَّوَابِّ: الدَّوَابُّ: النَّمْلَةُ، وَالسَّحْلَةُ، (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے وَالْهُدْهُدُ، وَالصُّرَدُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ.

لغوی تشریح: ﴿من الدواب﴾ دواب دابہ کی جمع ہے۔ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو زمین پر رہتا ہے۔ ﴿الصرد﴾ عمر کے وزن پر۔ ایسا پرندہ جس کا سر، چونچ اور پر بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اس کا پیٹ سفید رنگ کا اور پشت سبز رنگ کی ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے جن کے مارنے سے منع فرمایا ہے وہ حرام ہیں۔ جمہور علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

(۱۱۴۰) وَعَنْ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «قُلْتُ لِعَبَّاسٍ: الصَّبْغُ صَيْدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: شَكَرَ؟» (بخاری و مسلم)

اللہ ﷻ! قَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ رَسُوْلُ اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! وَالْأَزْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ جِبَّانَ. (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور بخاری اور

ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الضبع﴾ ضاؤ پر فتح اور ”با“ پر ضم۔ معروف اور جانا پہچانا جانور ہے جو قبروں کو کھودنے (پھاڑنے) کا شوقین ہے۔ فارسی زبان میں اسے ﴿کفتار﴾ اور ہندی زبان میں بجو کہتے ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ اس کا معاملہ بھی حیران کن اور عجیب ہے کہ وہ ایک سال نہ ہوتے ہیں اور ایک سال مادہ۔ حاملہ وہ بحالت نہ ہوتی ہے اور بحالت مادہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ ﴿صیدھی؟﴾ یہاں پر حرف استفہام حذف ہے اور مقصود یہ تھا کہ کیا اس کا کھانا حلال ہے؟ اس لئے کہ شکار شرعاً اس جانور کا ہے جس کو کھانے کیلئے شکار کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اسحق رحمہ اللہ کے نزدیک بجو حلال ہے اور نیل الاوطار میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا، صفا اور مردہ کے درمیان ہمیشہ سے لوگ اس کی خرید و فروخت کرتے اور اسے کھاتے ہیں اور کوئی کسی پر اعتراض نہ کرتا۔ اس کے برعکس امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کو حرام کہتے ہیں کہ یہ درندہ ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی کچلیاں نہیں ہوتیں اور کسی درندے کے حرام ہونے کیلئے اس کا کچلیوں والا اور درندہ ہونا ضروری ہے یعنی اس میں دونوں وصف پائے جانے چاہیں اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ حدیث کے عموم سے یہ مخصوص ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابن ابی عمار﴾ ان کا نام عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابی عمار القرشی المکی ہے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کا لقب ”انقس“ یعنی راہب و پادری تھا۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

(۱۱۴۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ الْقُنْفِذِ، فَقَالَ: ﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِيمَا اُوحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ اَلَايَةٌ فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَهُ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ يَقُوْلُ: ذَكَرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ﴿اِنَّهَا خَبِيْثَةٌ مِّنَ الْخَبَاثِثِ﴾. اَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے سیہ (خارپشت) کے متعلق دریافت کیا گیا۔ انہوں نے جواب میں اللہ کا فرمان سنایا ”(اے رسول!) کہہ دے کہ میں اس میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا جو میری طرف وحی کی گئی ہے“ اس کے پاس ایک بزرگ بیٹھے تھے، انہوں نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اس کا ذکر نبی ﷺ کے پاس کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا ”خبیث جانوروں میں سے ایک خبیث جانور ہے۔“ (اس کی روایت احمد اور ابوداؤد نے

کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے)

لغوی تشریح: "لَتَفْسَفُذَ" قاف پر ضمہ، نون ساکن، فاف پر ضمہ۔ ایک خار دار جانور جو جسامت میں بلی کے برابر ہوتا ہے جس کے جسم پر نکلے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرہ کے موقع پر ان کو پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے۔ جسے سیمہ اور خار پشت بھی کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّهَا خَبِيْثَةٌ مِّنَ الْخَبَاثٰتِ﴾ کہ وہ خبیث جانوروں میں سے ہے اس لئے وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "يَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَاثَاتُ" (۷: ۱۷۵) کہ وہ ان کیلئے طیبات کو حلال اور خباثت کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہر وہ جانور حرام ہے جو خبیث ہے اور ایک نسخہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ جانور ایسا ہے تو یہ لازماً ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے خار پشت یعنی سیمہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور ابن ابی یعلیٰ کا خیال ہے کہ یہ حلال ہے کیونکہ حرمت کی کوئی دلیل صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ (سبل)

(۱۱۴۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْجَلَالَةِ وَالْبَانِهَا. أَخْرَجَهُ جَارُونَ فِي رَوَايَتِ كَيْسَانَ وَحَسَنَةُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور جانور کے گوشت کھانے اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی کے علاوہ اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار

دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الجلالة﴾ لام پر تشدید ہے یعنی گندگی خور جانور۔ خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے، بکری ہو یا مرغی۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ خطاب نے کہا ہے کہ ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ گائے گندگی خور ہو تو اسے چالیس روز چارہ کھلایا جائے۔ تو اس کے بعد اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔ شارح ترمذی نے تحفۃ الاحوذی (ج ۳، ص ۸۹) میں ابن رسلان کی شرح السنن سے نقل کیا ہے کہ بند کر کے رکھنے کی کوئی معین و مقرر مدت نہیں ہے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ اونٹ، گائے کیلئے چالیس روز اور بکری کیلئے سات روز اور مرغی کیلئے تین روز کی مدت ہے۔ اسی رائے کو المہذب اور التحریر میں پسند کیا گیا ہے اور سبل السلام میں ہے۔ وقت کی تعیین کے سلسلہ میں مخالفین کی مخالفت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔

(۱۱۴۳) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الْحِمَارِ سَلْسِلَةً فِي رَوَايَتِ كَيْسَانَ وَحَسَنَةُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے حمار وحشی کے قصہ کے سلسلہ میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کا گوشت تناول فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا جنگلی گدھا حلال ہے اور اس کی حلت پر اجماع ہے۔ (السبل)

عُثْمَانُ الْقُرَشِيُّ، أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ الضَّفَدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ، فَتَنَهَى عَنْ قَتْلِهَا. (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے مینڈک دوا میں استعمال کرنے کی غرض سے مارنا بھی ممنوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حرام ہے۔ یہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مینڈک کو مت مارو کہ اس کی آواز تبیح ہے۔

شکار اور ذبائح کا بیان

۱ - بَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ

(۱۱۴۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ، أَوْ صَيْدٍ، أَوْ زَرْعٍ، انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلِّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے مال مویشی کے تحفظ کیلئے (رکھے گئے کتے) یا شکاری کتے یا زراعت کی دیکھ بھال و حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ دوسرا کوئی کتا (شوقیہ طور پر) رکھا تو اس کے ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دل کے بھلاوے اور شوق فضول کی تسکین کیلئے کتا رکھنا ممنوع ہے البتہ شکار کیلئے، کھیتی باڑی اور جانوروں کی دیکھ بھال اور نگرانی و حفاظت کیلئے رکھنے کی اجازت ہے اور اس کے شوقیہ رکھنے کی وجہ سے یومیہ ایک قیراط ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(۱۱۴۸) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ فَأَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ، فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَذْكُرْتَهُ حَبًّا فَأَذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكَتْهُ قَدْ قُتِلَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ”جب تو اپنا شکاری کتا جانور کے شکار کیلئے چھوڑے تو اس پر اللہ کا نام پڑھ لیا کرو (بسم اللہ پڑھ لیا کرو) پھر اگر وہ شکار کو تمہارے لئے روک لے اور تو اسے زندہ پالے تو اسے ذبح کر لو اور اگر تو شکار کو مردہ حالت میں پائے اور کتے نے ابھی تک اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو تو

غَيْرُهُ، وَقَدْ قُتِلَ، فَلَا تَأْكُلْ. فَإِنَّكَ تَمَّ اسے کھا سکتے ہو اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ لَا تَذَرِي أَتَيْهَمَا قَتْلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتِ دوسرا کوئی کتابھی پائے اور جانور مردہ حالت میں طے بِسَهْمِكَ فَمَاذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ، فَإِنْ غَابَ تو پھر اسے نہ کھا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ ان عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے اور اگر تو اپنا سَهْمَكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ تیرا چھوڑے تو اس پر بسم اللہ پڑھ۔ پھر اگر شکار تیری غَرِيقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ. مُتَّفَقٌ نظروں سے ایک روز تک او جھل رہے اور اس میں تیرے تیر کے سوا دوسرا کوئی زخم کا نشان نہ ہو تو پھر عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

اسے تو کھالے۔ اگر تیری طبیعت کھانے کی طرف مائل ہو اور اگر شکار کو پانی میں ڈوب کر مرا ہوا پائے تو اسے نہ کھا۔“ (بخاری و مسلم) اور یہ الفاظ مسلم کے

(ہیں)

لغوی تشریح: ﴿مَسْلُوكٌ﴾ سدھایا ہوا کتا وہ ہوتا ہے کہ مالک جب کتے کو شکار پر جھپٹنے کیلئے ابھارے تو وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو اور جب ڈانٹ پلائے تو فوراً رک جائے اور جب شکار کر لے تو اسے مالک کیلئے روکے رکھے۔ خود نہ کھائے۔ یہ تیسری صفت کے شرط ہونے میں اختلاف ہے۔ ﴿فَانْ مَسْلُوكٌ عَلَيْكَ﴾ اور اگر وہ تمہارے لئے روکے رکھے بائیں طور کہ خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کیلئے یا منافع حاصل کرنے کیلئے شکار کرنا جائز ہے۔ شکار شکاری کتے سے کیا جائے یا شکاری پرندوں سے سب جائز ہے اور ان کا کھانا حلال ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ ضرور پڑھی جائے دوسرا یہ کہ کتا تربیت یافتہ یعنی سدھایا ہوا ہو سدھایا ہوا کتا اگر اس شکار میں سے کچھ کھالے تو شکار حرام ہو گیا۔ اس کا کھانا جائز نہیں رہا۔ اگر شکار کردہ جانور صحیح سالم حالت میں ہے تو اسے کھانا جائز ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی سامنے رہنی چاہئے کہ اگر کتے نے شکار اپنے دانتوں سے پکڑا ہے اور وہ مر گیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر کتے کے جسم کی ضرب سے مرے تو حرام ہے۔ پھر اگر وہ شکار آدمی کے پیچنے تک بقیہ حیات ہو تو اسے ذبح کرنا چاہئے اور اگر مرچکا ہو تو وہ کھانا حلال ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکاری کتے کو مالک نے خود پڑھ کر چھوڑا ہو۔ اگر از خود شکار پر ٹوٹ پڑا اور شکار مار بھی لیا تو ایسا شکار بھی حلال نہیں ہو گا۔ جسور علماء کی یہی رائے ہے۔ مگر ایک گروہ کی رائے یہ بھی ہے کہ کتے کا سدھایا ہوا ہونا شرط ہے۔ مقصد و ارادہ سے چھوڑنا شرط نہیں۔

اسی طرح اس حدیث سے شکار کی دوسری چیز نیزہ اور تیر سے شکار کرنا بھی ثابت ہے۔ تیر چھوڑتے وقت بھی اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بسم اللہ کتنا ایسے شکار کیلئے واجب ہے البتہ اگر بھول

فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ جَانور کو ذبح کرنے لگو تو احسن طریقہ سے ذبح کرو اور
فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ، وَلْيُجَدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُخَرَّ ذَبِيحَتَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔
لے اور اپنے ذبیحہ یا مقتول کو آرام پہنچائے۔“ (مسلم)
لغوی تشریح: ﴿الْقِتْلَةَ﴾ قتلہ اور ذبحہ کا ایک ہی وزن ہے۔ قتلہ کے قاف اور ذبحہ کے ذال
کے نیچے کسرہ ہے۔ یہ قتل اور ذبح کی ایک قسم ہے۔ ﴿وَلْيُجَدَّ﴾ اس میں لام امر کا ہے اور یجد احداد
سے ہے جس کا معنی ہے تیز کرنا اور لوہے کی دھار کو باریک و رقیق کرنا۔ ﴿شَفْرَتَهُ﴾ شین پر فتح اور
”قا“ ساکن چھری کے معنی میں۔ ﴿لِيُخَرَّ﴾ اراحہ سے ماخوذ ہے۔ معنی ہے آرام پہنچانا سبل السلام میں
ہے کہ یہ آرام چھری کو تیز کرنے، خون جلدی بہانے اور احسن طریقہ سے ذبح کرنے میں ہے۔

(۱۱۵۸) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”ماں کے ذبح کرنے سے
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «ذَكَاهُ الْجَنِينِ ذَكَاهُ اس کا پیٹ کا بچہ از خود ذبح ہو جاتا ہے۔“ (اسے احمد
أُمِّهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ۔ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ذَكَاهُ الْجَنِينِ﴾ مبتداء ہونے کی بنا پر مرفوع واقع ہوا ہے اور اس کی خبر بعد میں
آ رہی ہے۔ ذبح اور ”نحر“ کی طرح ذکاة کا ایک ہی مطلب ہے اور جنین وہ بچہ جو ابھی تک ماں کے شکم
میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ جنین جب ماں کے ذبح کئے جانے کے بعد بچہ مردہ برآمد ہوا ہو تو ایسے جنین کا
کھانا حلال ہے اسے از سر نو ذبح کی ضرورت نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ تمام اہل علم کی یہی رائے
ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے از سر نو ذبح کیا جائے گا مگر یہ حدیث ان کے سراسر خلاف ہے۔

(۱۱۵۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نے فرمایا ”مسلم کیلئے اللہ تعالیٰ کا نام ہی کافی
قَالَ: «الْمُسْلِمُ يَكْفِيهِ اسْمُهُ، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ حِينَ يَذْبَحُ فَلْيُسِّمْ ثُمَّ لِيَأْكُلْ»۔
خَرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِيهِ رَأْيُ فِي جَفْظِهِ ضَعُفٌ، وَفِي إِسْنَادِهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سَنَادٍ،
وَمَوْ صَدُوقٌ ضَعِيفٌ الْجَفْظُ، وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ،
مَوْثُوقًا عَلَيْهِ. وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ، فِي مَرَاتِيلِهِ. يُلْفِظُ: «ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ، ذَكَرَ اسْمَ
ہے۔ پس اگر ذبح کے وقت تکبیر ذبح بھول گیا ہو تو
پھر بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔“ دارقطنی اس کی سند میں
ایک ایسا راوی ہے جس کے حافظہ میں ضعف ہے اور اس
کی سند میں محمد بن یزید بن سناد،
حافظ اس کا بھی ضعیف و کمزور ہے اور عبدالرزاق نے ابن
عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے جو موقوف
(ہے) اس کے شواہد ابوداؤد کی مراتیل میں موجود
ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ کہ ”مسلم کا ذبیحہ حلال

اللہ عَلَیْهَا أَمَ لَمْ يَذْكُرْ، وَرَجَالُهُ مُؤْتَقُونَ۔ ہے۔ اس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔“

(اس کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بھول کر تکبیر ذبح چھوٹ جائے تو جانور حلال ہے مگر یہ احادیث ان صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جن سے ذبیحہ پر تکبیر پڑھنا واجب ثابت ہے۔ البتہ یہ احادیث تکبیر کے وجوب کو کمزور کر دیتی ہے اور متروک التسمیہ کے نہ کھانے کو ورع و تقویٰ کے باب میں لے جاتی ہے۔ (البل)

راوی حدیث: ﴿محمد بن یزید بن سنان﴾ یہ صاحب تسمی بھی ہیں اور جزری رھاوی بھی۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ آدمی تو صالح تھا مگر پختہ نہیں تھا اور ابو داؤد نے کہا ہے وہ کچھ بھی نہیں تھا اور امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ قوی نہیں تھا اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۲۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

(احکام) قربانی کا بیان

۲ - بَابُ الْأَضَاحِي

(۱۱۶۰) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُضْحِي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيُسَمِّي، وَيُكَبِّرُ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى صَفَاحِهِمَا. وَفِي لَفْظٍ: «دَبَحَهُمَا بِيَدِهِ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ: «سَمِينَيْنِ». وَلَأْبَنِي عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ: «ثَمِينَيْنِ» بِالْمَثَلَةِ بَدَلِ السَّيْنِ. وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: «وَيَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ».

حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو مینڈھے، چتکبرے، سیگوں والے قربانی کرتے تھے اور بسم اللہ پڑھتے اور تکبیر کہتے اور ان کے پلوؤں پر اپنا پاؤں مبارک رکھتے تھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان دونوں کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ خوب موٹے تازے تھے اور ابو عوانہ کی صحیح میں ”ثمینین“ سین کی جگہ ثاء ہے۔ یعنی وہ قیمتی تھے اور مسلم کے الفاظ ہیں کہ آپ نے بسم اللہ واللہ اکبر کہا۔

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ سیگوں والا مینڈھا ہو جس کے پاؤں کالے ہوں اور پیٹ کا حصہ بھی سیاہ ہو اور آنکھیں بھی سیاہ ہوں تاکہ آپ اس کی قربانی کریں۔ آپ نے فرمایا ”عائشہ چھری تیز کرو۔“ پھر

فَأَضَجَّهُ، ثُمَّ ذَبَحَهُ، وَقَالَ: بِسْمِ آفٍ نَے چھری کو پکڑا اور مینڈھے کو پچھاڑا۔ پھر اللہ، اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ اسے ذبح کیا اور فرمایا ”اللہ کے نام سے۔ اسے اللہ! مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحَّى مُحَمَّدٌ اور آلِ مُحَمَّدٌ اور امتِ محمدؐ (کی طرف) سے قبول یہ۔ ﴿۱۱۶۱﴾

فرما۔

لغوی تشریح: ﴿باب الاضاحی﴾ اضاحی میں ”حا“ کے نیچے کسرہ اور ”یا“ مشدّد ہے یہ ﴿اضحیہ﴾ کی جمع ہے جس کے معنی قربانی کے ہیں۔ امام نووی نے کہا ہے کہ ﴿اضحیہ﴾ میں چار لغات ہیں اور یہ اس ذبح شدہ جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے روز ذبح کیا جاتا ہے۔ پہلی اور دوسری لغت کے اعتبار سے اضحہ اور اضحیہ کے ضمہ اور کسرہ سے پڑھا گیا ہے اور اس کی جمع اضاحی آتی ہے اور اضاحی میں ”یا“ پر تشدید بھی ہے اور تخفیف بھی اور تیسری لغت کے اعتبار سے ضحیہ اور اس کی جمع ضحایا آتی ہے اور چوتھی لغت کے اعتبار سے اضحۃ ہمزہ فتح کے ساتھ اور اس کی جمع ہے اضحیٰ ارطۃ اور ارطی کے وزن پر اور اسی وجہ سے اس دن کو یوم الاضحیٰ کہتے ہیں۔ ﴿بکشین﴾ کبش بھڑکے زکو کہتے ہیں۔ یعنی مینڈھا خواہ عمر کتنی ہی ہو۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دودھا ہو یعنی جس کے دودانت نکل آئے ہوں اور ایک قول یہ ہے کہ چوگا یعنی جس کے چار دانت نکل چکے ہوں۔ ﴿املحین﴾ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے جسم پر سیاہ بال ہوں مگر سفید بال زیادہ ہوں۔ ﴿اقرنین﴾ دونوں کے دو خوبصورت اور مناسب سینگ ہوں۔ ﴿ویسمی ویکبر﴾ یعنی بسم اللہ واللہ اکبر کہتے۔ ﴿صفحاہما﴾ صاد کے نیچے کسرہ کا پہلو اور ایک قول ہے کہ ”صفحة“ کی جمع ہے اور چرے کے عرض کو کہتے ہیں اور ایک قول کے مطابق گردن کے ارد گرد کا حصہ ﴿سیمین﴾ سین کے ساتھ سمانہ سے ماخوذ ہے یعنی موٹے تازے تھے، کمزور نہیں تھے۔ ﴿ثمینین﴾ ”ٹا“ کے ساتھ معنی قیمتی۔ قیمتی اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کو خوب موٹے تازے نہ ہوں۔ ﴿یطا﴾ چلتا ہو (پاؤں) ﴿فی سواد﴾ یعنی ٹانگیں سیاہ باقی سفید۔ ﴿یبرک فی سواد﴾ بروک سے ماخوذ ہے۔ سینے کا وہ حصہ جو زمین سے جا لگتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مینڈھے کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو۔ ﴿وینظر فی سواد﴾ آنکھوں کے ارد گرد کا حصہ سیاہ ہو۔ ﴿اشحذی﴾ تیز کر کے لاؤ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) رسول اللہ ﷺ نے قربانی مدینہ طیبہ میں بھی کی ہے۔ (۲) مینڈھا جو چت کبرا، موٹا تازہ اور قیمتی ہو تا اس کی قربانی آپؐ کو محبوب تھی۔ (۳) قربانی سے پہلے چھری خوب تیز کر لینی چاہئے۔ (۴) ذبح جانور کو پہلو کے بل لٹا کر کرنا چاہئے۔ (۵) ذبح سے پہلے مسنون دعا اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔ (۶) اہل خانہ کی طرف سے ایک جانور قربانی کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔ (۷) قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنی چاہئے گو اس میں نیابت بھی جائز ہے۔

(۱۱۶۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ حَضْرَتُ ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص میں قربانی کرنے کی طاعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّاتَنَا“۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ حَكَمٍ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دوسرے ائمہ نے اس مَاجَہ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ لَكِنْ رَجَعَ الْأَيْمَةُ غَيْرُهُ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دوسرے ائمہ نے اس وَثَّقَهُ۔ حدیث کو موقوف قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے بعض نے قربانی کے وجوب پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال صحیح نہیں۔ اولاً تو یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ثانیاً یہ وجوب میں صریح نہیں یہ اسی طرح ہے جیسے حدیث میں ہے کہ جس نے لسن کھلایا ہو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔ جمہور کے نزدیک یہ حکم صرف استہاب کی تاکید کیلئے ہے۔ اس کے علاوہ بھی جن دلائل سے قربانی کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح اور صریح نہیں ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ قربانی سنت ہے بلکہ شعار اسلام سے ہے۔

(۱۱۶۲) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں عید قربان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تو دیکھا کہ ایک بکری ذبح کی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”جس کسی نے نماز سے پہلے ہی اسے ذبح کر دیا ہے وہ اس کی جگہ دوسری بکری ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا صحیح وقت نماز عید کے بعد ہے۔ اگر کسی نے نماز کی ادائیگی سے پہلے ہی جانور ذبح کر دیا تو اس کی قربانی نہیں ہوئی، اسے دوبارہ قربانی کرنی چاہئے۔ قربانی کا انتہائی وقت کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں ذوالحجہ ۱۲ تاریخ کی شام تک اس کا آخری وقت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذوالحجہ کی ۱۳ تاریخ کی شام تک۔ داؤد ظاہری اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک منی میں بارہ ذوالحجہ کی شام تک اور غیر منی میں یوم النحر کی شام تک صرف ایک روز اور ایک جماعت کی رائے یہ بھی ہے کہ ذوالحجہ کے آخری دن تک۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کو دلیل

کے اعتبار سے رائج قرار دیا ہے کہ ایام تشریق یعنی ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ﴾ جندب بن عبد اللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ بجیلہ قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بجلی کہلائے اور ملتی بھی۔ اور ملتی بجیلہ کی شاخ تھی۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ با اوقات اپنے دادا کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ پہلے کوفہ میں تھے پھر بصرہ میں تشریف لے گئے۔ ۶۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۱۶۳) وَعَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: «أَزْبِعْ لَا تَجُوزُ فِي الضَّحَايَا: الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوْرَتَهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرَجَاءُ الْبَيِّنُ ضَلْعُهَا، وَالْكَبِيرَةُ الْبَيِّنُ لُكْزُهَا جَانُورٌ جَسَاسٌ أَوْ بَرٌّ أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ جِبَانَ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے تھے تو آپ نے فرمایا ”چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں۔ ایک چشم جانور جس کا ایک چشم ہونا بالکل صاف طور پر معلوم ہو اور وہ بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو اور لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن نمایاں اور ظاہر ہو اور وہ جانور جو نہایت ہی بوڑھا ہو گیا ہو جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا)

ہے ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے

لغوی تشریح: ﴿العوراء﴾ اس جانور کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ کی بصارت جاتی رہی ہو۔ ﴿البین﴾ ظاہر اور واضح ﴿عورہا﴾ عین اور واؤ دونوں پر فتح جس کی دونوں آنکھوں میں سے ایک کی بینائی نہ ہو۔ ﴿المریضة البین مرضها﴾ بیمار ہو عموماً چارہ نہ کھاتی ہو اور اس کا مرض اس کے گوشت کے ناقص اور خراب ہونے کی وجہ سے واضح اور نمایاں ہو۔ ﴿العرجاء﴾ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے ایک پاؤں میں چوٹ آئی ہو اور اس وجہ سے چل پھر نہ سکتا ہو گویا لنگڑا ہو۔ ﴿ضلعها﴾ ضاد اور لام پر فتح اور لام پر سکون بھی جائز ہے۔ معنی اس کا لنگڑا پن اس کا لنگڑا پن ظاہر ہو جس وجہ سے وہ جانور چل پھر نہ سکے یا چراگاہ میں دوسرے جانوروں کے ساتھ مل کر چرنے کیلئے نہ جاسکے۔ ﴿الشی لا تنقی﴾ تنقی باب الافعال سے ہے یعنی لاغراور کمزور ہونے کی بنا پر اس کی ہڈیوں میں میخ اور گودا نہ رہا ہو۔

حاصل کلام: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا چاروں عیب والا جانور قربانی کے لائق نہیں۔ ان میں سے ایک عیب والا جانور بھی قربانی کیلئے جائز نہیں ہے اور اسی طرح کا دوسرا کوئی عیب یا جو اس سے بھی قبیح ہو۔ عیب کے واضح اور نمایاں ہونے کی قید اس چیز کی مقتضی ہے کہ قربانی کے جانوروں میں معمولی نوعیت کا کوئی نقص و عیب قابل گرفت نہیں۔ معاف ہے، قابل درگزر ہے۔

(۱۱۶۴) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ”نَهَى عَنْ ذَنْبٍ كَرُوْهُ مَرْدُوْهُ دَانَتْهُ (دوندنا) لیکن

میں ہے کہ یہ ایسی بکری ہے جس کے کان آگے سے کٹے ہوں اور لٹکے ہوئے ہوں۔ ﴿مداہرۃ﴾ ”با“ پر فتح یہ ایسی بکری جس کے کان پیچھے سے کٹے ہوں اور پیچھے سے لٹک رہے ہوں۔ ﴿خرقاء﴾ یہ ایسی بکری ہے جس کے کان میں گول سوراخ ہو اور خرق کے معنی سوراخ کے ہیں۔ ﴿شرقاء﴾ لمبائی میں جس کے کان کٹے ہوئے ہوں اور خرقاء کے بارے میں یہ بھی ہے کہ وہ جانور جس کے کان عرض میں کٹے ہوئے ہوں۔

(۱۱۶۶) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلَى بُذْنِهِ، وَأَنْ أَقْسِمَ لِحُومِهَا وَجُلُودِهَا وَجِلَالِهَا عَلَى الْمَسَاكِينِ، وَلَا أَعْطِي فِي جِزَارَتِهَا شَيْئًا مِنْهَا. مُتَّفَقٌ (بخاری و مسلم) عَلَيْنِهِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ میں قربانی کے اونٹوں کی نگرانی و حفاظت کروں۔ یہ حکم دیا کہ میں ان کا گوشت اور چمڑا اور جھول کو مساکین و غریاء پر تقسیم کر دوں اور قصاب کو اس سے کچھ بھی نہ دوں۔ اُعطی فی جزارتہا شیئاً منها۔ متفق (بخاری و مسلم) علیہ۔

لغوی تشریح: ﴿علی بدنہ﴾ بدن ”با“ پر ضمہ اور دال ساکن۔ بدنہ کی جمع۔ اصل میں تو اونٹ کو کہتے ہیں اور گائے کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ ﴿جلالہا﴾ جل کی جمع ہے۔ جیم پر ضمہ اور لام پر تشدید۔ مردی وغیرہ سے بچنے کیلئے جو کچرا جانور پر ڈالا جائے اسے ”جل“ کہتے ہیں۔ ﴿جزارتہا﴾ جیم پر ضمہ اس اجرت و معاوضہ کو کہتے ہیں جو قصاب ذبح کے بدلہ میں وصول کرتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں قربانی کے جن اونٹوں کا ذکر ہے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے وہ اونٹ تھے جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لائے تھے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت، اس کا چمڑا اور اس سے متعلق سلمان پالان، رسی وغیرہ سب کچھ خیرات کر دینا چاہئے اور قصاب کو اجرت تک اس گوشت میں سے نہیں دی جاسکتی۔ اجرت و معاوضہ الگ سے دینا چاہئے۔

(۱۱۶۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلح رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَحَرْنَا حُدَيْبِيَةَ کے موقع پر ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ اونٹ اور گائے کو سات سات آدمیوں کی جانب سے اَلْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ. نحر کیا۔ (مسلم) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حاصل کلام: سات افراد کی طرف سے اونٹ یا گائے ذبح کرنے کا یہ ضابطہ و اصول حدی کے جانوروں کیلئے ہے جبکہ قربانی میں اونٹ دس افراد کی طرف سے بھی جائز ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما

مُكَافَتَنَانِ، وَعَنْ الْجَارِيَةِ شَاةً. رَوَاهُ بَكْرِيُّ عَقِيْقَةٍ كَرِيْمٍ۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور الترمذی، وَصَحَّحَهُ، وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ عَنْ اِسے صحیح قرار دیا ہے، احمد اور چاروں نے ام کرز کعبیہ سے اُمُّ كُرْزٍ الْكَعْبِيَّةُ نَحْوَهُ۔ اسی طرح روایت کیا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿ان یعق﴾ صیغہ مجہول ﴿مکافعتان﴾ ”قا“ کے نیچے کسرہ۔ یہ بھی قول ہے کہ ایک جیسی ہوں۔ ایک دوسری کی تقریباً ہم عمر ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسی ہوں جیسی قربانی اور زکوٰۃ میں دی جاتی ہیں اور یہ بھی قول ہے کہ دونوں ایک دوسری کی مثل ہوں۔

حاصل کلام: یہ جمہور کے نزدیک مستحب ہے البتہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنی چاہئے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ دونوں میں فرق کے قائل نہیں مگر یہ حدیث ان کے خلاف ہے اور مطلقاً ﴿شاة﴾ کے لفظ سے یہ کہا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط نہیں ہیں لیکن اس کیلئے مساوی اور متقارب کی قید اس کا تقاضا کرتی ہے کہ اس میں کھلا ہوا نقص اور عیب نہ ہو۔ لہذا قربانی کے جانور میں شارع نے جن نقائص و عیوب سے بچنے اور پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ان کا لحاظ رکھا جائے۔ اس جانور کا منہ ہونا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں البتہ لفظ ﴿شاة﴾ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ بکری کا بچہ نہ ہو بلکہ بڑی عمر کا ہو جسے شاة (بکری) کہا جاتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا﴾ خزاعہ قبیلہ سے تھیں اس لیے خزاعیہ کہلائیں۔ شرف صحابیت سے مشرف تھیں۔ ان سے کئی احادیث منقول ہیں۔ کرز کے کاف پر ضمہ اور ”راء“ ساکن ہے۔

(۱۱۷۰) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا نَعَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ: «كُلُّ غُلَامٍ مَرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُحْلَقُ وَيُسَمَّى»۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿مرتہن﴾ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ رہن رکھا ہوا۔ خطائی کا قول ہے کہ ﴿مرتہن﴾ کے مفہوم میں اختلاف ہے اور سب سے عمدہ بات وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ یہ شفاعت کے متعلق ہے۔ یعنی جب بچہ کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچہ فوت ہو جائے تو وہ اپنے والدین کے حق میں سفارش نہیں کرے گا اور یہ بھی قول ہے کہ عقیقہ ناگزیر اور لازمی ہے اس کے کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور بچے کو رہن سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اسی طرح بچے کی طرف سے عقیقہ بھی ضروری ہے۔ توجیہ سے ان حضرات

کی تائید ہوتی ہے جو عقیقہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بالوں کی گندگی و ناپاکی میں مرہون ہے۔ اس لئے حدیث میں ہے کہ اس سے گندگی کو دور کرو۔ ﴿یوم سابعہ﴾ یعنی ساتویں روز عقیقہ کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ساتواں روز گزر جائے تو پھر چودھویں روز وہ بھی گزر جائے تو پھر اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے مگر وہ ضعیف ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز بچے کے سر کی پیدائشی آلائش صاف کر کے یعنی اس کے سر کے بال اتروا کر بچے کو نہلایا جائے۔ اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام بھی رکھا جائے



۱۳۔ کِتَابُ الْاِيْمَانِ وَالنَّذْرِ

قسموں اور نذروں کے مسائل

(۱۱۷۱) عَنْ أَنَسٍ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ، وَعُمَرُ يَخْلِفُ بِأَبْنِهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَلَا إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُم أَنْ تَخْلِفُوا آبَاءَكُمْ، فَمَنْ كَانَ خَالِفًا فَلْيَخْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُمْتُ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک کارواں میں اپنے باپ کی قسم اٹھاتے سنا تو نبی ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا ”اللہ نے تمہیں تمہارے آباء و اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔ پس اب جو قسم کھانا چاہے تو اسے اللہ کے نام کی قسم کھانی چاہئے خَالِفًا فَلْيَخْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُمْتُ“ متفق علیہ۔ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿کتاب الایمان﴾ ہمزہ پر فتح۔ یمین کی جمع ہے۔ لغت میں ہاتھ کو کہتے ہیں اور حلف (قسم) پر اس کا اطلاق اسی لئے کیا گیا ہے کہ جو لوگ قسم کھاتے تھے تو ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور شرعاً کسی شے کو پختہ اور مؤکد کرنے کے لئے اللہ کا ذاتی نام یا صفاتی لے کر قسم کھانا اور ﴿النذور﴾۔ نذر کی جمع ہے اور اس کا اصل تو ”انذار“ ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ انذار کے معنی کسی حادثہ کی وجہ سے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کے ہیں۔ ﴿فی ركب﴾ ”را“ پر فتح اور کاف ساکن۔ راکب کی جمع۔ مطلب ہے کہ ایک قافلہ و کارواں میں تھے اور وہ کارواں کسی غزوہ میں جا رہا تھا۔ ﴿فلیخلف باللہ﴾ اللہ کے نام و صفات کی قسم کھانی چاہئے۔ ﴿اولیصمت﴾ یا پھر خاموش رہے۔ صمت نصرینصر کے وزن پر ہے۔ لام اس میں امر کا ہے۔ ﴿ولا بلاندا﴾ انداز سے یہاں بت مراد ہیں۔ انداد ند کی جمع۔ ند کے نون کے نیچے کسرہ اور وال مشدود، مثل کے معنی میں۔ صنم کو ند کہا گیا ہے اس لئے کہ مشرکین نے اسے اللہ کے ساتھ مستحق عبادت بنا لیا تھا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا حرام ہے۔ ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔“ ابوداؤد اور احمد نے

بائیں الفاظ روایت نقل کی ہے کہ ”جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا اور یہ اس بنا پر ہے کہ کسی چیز کی قسم کھانا اس کی عظمت کا مقتضی ہوتا ہے اور عظمت فی الحقیقت صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔“ قدیم ترین زمانے سے لوگوں کا یہ اعتقاد و نظریہ چلا آرہا ہے کہ جس کے نام کی قسم کھائی جائے اس کا قسم کھانے والے پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے اور وہ مافوق الاسباب بھی نفع و نقصان دینے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے۔ پس جب قسم کھانے والا اپنی قسم پوری کرتا ہے تو جس کی قسم کھائی گئی ہوتی ہے وہ خوش ہوتا ہے اور اسے نفع دیتا ہے اور فائدہ پہنچاتا ہے اور جب قسم اٹھانے والا اپنی قسم پوری نہیں کرتا تو وہ اس پر ناراض ہوتا ہے اور اسے نقصان اور ضرر پہنچاتا ہے۔ لاریب ایسا اعتقاد غیر اللہ کے بارے میں رکھنا کھلا شرک و کفر ہے اور غیر اللہ کے نام کی قسم اور غیر اللہ کے نام کی نذر شرک کا باعث ہے۔ پس جب کوئی اس اعتقاد کے ساتھ قسم کھائے تو اس نے حقیقت میں شرک کا ارتکاب کیا اور جب قسم کھائے اور یہ اعتقاد و نظریہ نہ ہو تو پھر اس نے شرک کے اسباب میں سے ایک سبب کا ارتکاب کیا۔ شریعت نے اسباب شرک سے بھی اسی طرح منع کیا ہے جیسے شرک سے منع فرمایا ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ وَالسَّائِيَّ حَضَرْتُ ابُو هَرِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرْفُوعاً: «لَا تَحْلِفُوا بِأَبَائِكُمْ، وَلَا بِأُمَّهَاتِكُمْ، وَلَا بِالْأَنْدَادِ، وَلَا تَحْلِفُوا بِاللَّهِ إِلَّا وَأَنْتُمْ صَادِقُونَ»

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے: ”اپنے باپ دادوں، اپنی ماؤں اور اللہ کے شریکوں کی قسم نہ کھاؤ۔ اللہ کی قسم بھی صرف اس حالت میں کھاؤ کہ جب تم سچے ہو۔“

(۱۱۷۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «بِمَيْنِكَ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ». وَفِي رِوَايَةٍ: «الْيَمِينُ عَلَى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ». أَخْرَجَهُمَا مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تیری قسم اس پر واقع ہوتی ہے کہ تمہارا ساتھی تجھ کو سچا سمجھے“ اور ایک روایت میں ہے ”قسم کا دارومدار قسم لینے والے کی نیت پر ہے۔“ (ان دونوں احادیث کی روایت مسلم نے کی ہے)

لغوی تشریح: ﴿بِصَدِّقِكَ﴾ تصدیق سے ماخوذ ہے۔ ﴿صَاحِبُكَ﴾ سے یہاں مد مقابل ساتھی مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اس پر واقع ہونے والا ہے اور تو یہ اس میں اثر انداز نہیں ہوگا۔ پھر اگر قسم کھانے والا اپنے دل میں قسم لینے والے کی نیت کے خلاف نیت و ارادہ رکھے تو وہ اپنی قسم توڑنے سے نجات و چھٹکارا نہیں پائے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کھانا جائز ہے اور قسم کا اعتبار تب ہوگا جب مدعی کی مراد کے مطابق قسم کھائی جائے۔

(۱۱۷۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَضَرْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ عَنْ مَرْوَى عَنْ رَسُولِ

سَمَرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: اللَّهُ ﷻ نے فرمایا ”جب تم کسی کام پر قسم کھاؤ اور قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «وَإِذَا حَلَفْتَ اس کام کے خلاف کو بہتر دیکھو تو قسم کا کفارہ ادا کرو عَلى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا اور جو بہتر ہے وہ کر لو۔“ (بخاری و مسلم) اور بخاری مِنْهَا، فَكَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو کام بہتر ہے اسے کرو اور هُوَ خَيْرٌ“. مَنَّعَ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظِ قسم کا کفارہ ادا کرو۔“ اور ابوداؤد کی روایت میں اس لِلْبُخَارِيِّ: «قَالَتِ الَّتِي هُوَ خَيْرٌ، طرح ہے کہ ”اپنی قسم کا کفارہ دے کر وہ کام کرو جو وَكَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ“. وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي بہتر ہے۔“ (دونوں احادیث کی سند صحیح ہے) دَاوُدَ: «فَكَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ. ثُمَّ أَتَى الَّذِي هُوَ خَيْرٌ“. وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ.

لغوی تشریح: ﴿کفر﴾ تکفیر سے امر کا صیغہ ہے۔ مطلب ہے کہ اس کا کفارہ ادا کر۔ ﴿وات﴾ اتیان سے امر کا صیغہ ہے یعنی کرو۔ حدیث کے الفاظ مجموعی طور پر قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ کی ادائیگی پہلے بھی اسی طرح جائز بتاتے ہیں جس طرح اس کے بعد جائز بتاتے ہیں۔ جمہور کا یہی مسلک ہے مگر حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا کسی حالت میں درست نہیں ہے۔ مگر ابوداؤد رحمہ اللہ کی یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ جس میں کفارہ کے بعد ”ثم“ کے لفظ سے امر خیر کا حکم ہے اور ”ثم“ کا لفظ ترتیب کا مقتضی ہے۔

راوی حدیث: ﴿عبدالرحمن بن سمرہ رحمہ اللہ﴾ ان کی کنیت ابوسعید ہے۔ شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ مجستان اور کابل کے فاتح ہیں۔ بصرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ۵۰ھ یا بعد میں وفات پائی۔

(۱۱۷۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷻ نے فرمایا ”جو کسی کام پر قسم کھائے اور ساتھ ہی ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، انشاء اللہ کہے تو اس قسم کو توڑنے کا کفارہ نہیں فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَلَا حِنْثَ ہے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن عَلَيْهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ، وَصَحَّحَهُ أَبُو حَبَانَ نے اسے صحیح قرار دیا ہے) جَنَانٌ.

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے قسم کھانے والا ساتھ ہی اگر انشاء اللہ کہہ دے تو ایسی قسم توڑنے پر کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ قسم کو جب مشیت الہی سے مقید کر دیا جائے تو بالاتفاق وہ قسم منعقد نہیں ہوتی لہذا جب منعقد نہ ہوئی تو پھر اس کے توڑنے کے کفارہ کا کیا سوال۔

(۱۱۷۵) وَعَنْهُ، قَالَ: كَانَتْ يَمِينُ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی النِّبْيِ صلی اللہ علیہ وسلم: «لَا، وَمَقْلَبِ قسم کے الفاظ یہ ہوتے تھے ”نہیں“ قسم ہے دلوں کے الْقُلُوبِ“۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ بدلتے والے کی۔“ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿لَا﴾ پہلی بات اور گفتگو کی نفی اور تردید کیلئے ہے۔ ﴿وَمَقْلَبِ الْقُلُوبِ﴾ یہاں ”واو“ تسمیہ ہے اور مقلب اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور تقلیب قلوب سے مراد ہے دل کا ایک رائے سے دوسری رائے کی جانب پھرنا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے کا انداز و طریقہ بیان ہوا ہے کہ آپ پہلے جو گفتگو یا بات ہو رہی ہوتی تھی اگر درست نہ ہوتی تو پہلے لفظ ﴿لَا﴾ سے اس کی تردید اور نفی فرماتے پھر اللہ کے صفاتی نام سے قسم کھاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی سے بھی قسم کھانی جائز ہے۔ خواہ اس صفت کا تعلق آپ کی ذات سے ہو جیسے علم اور قدرت خواہ صفت فعلی سے ہو جیسا کہ قہر اور غلبہ وغیرہ۔

(۱۱۷۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْكَبَائِرُ؟ - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَفِيهِ - «الْيَمِينُ الْغَمُوسُ» - وَفِيهِ - قُلْتُ: وَمَا الْيَمِينُ الْغَمُوسُ؟ قَالَ: «الَّتِي يُقْتَطَعُ بِهَا مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ»۔ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور آپ سے پوچھا کہ کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ پھر اس نے ساری حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں جھوٹی قسم کا ذکر بھی تھا۔ میں نے عرض کیا جھوٹی قسم کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا ”جھوٹی قسم یہ ہے کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال اڑا لیا جائے حالانکہ وہ اس میں سراسر مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ“۔ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

لغوی تشریح: ﴿مَا الْكَبَائِرُ﴾ کبار کبیرہ کی جمع ہے۔ یعنی بڑے بڑے گناہ اور ذنوب۔ ﴿الْيَمِينُ الْغَمُوسُ﴾ جھوٹی قسم۔ ﴿غَمُوس﴾ کے غین پر فتح فاعل کے وزن پر اور غمس سے ماخوذ ہے۔ غمس کے معنی ہیں پانی میں غوطہ کھانا، ذوب جانا، اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا انسان گناہ میں غرق ہو کر انجام کار دوزخ کی آگ کا ایندھن بن جاتا ہے۔

(۱۱۷۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد اللہ تعالیٰ کے ”اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری لغو قسموں کا مواخذہ نہیں کرتا“ کی تفسیر میں فرمایا، اس

قَالَتْ: هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ: لَا، سے مراد انسان کا یہ کہنا ہے لا، واللہ (نہیں، بخدا) واللہ، وبلی، واللہ، أَخْرَجَهُ الْبَخَارِيُّ، اور ولسی، واللہ ہاں اللہ کی قسم۔ (اس کی تخریج بخاری نے کی ہے اور ابو داؤد نے اسے مرفوعاً روایت کیا

ہے)

لغوی تشریح: ﴿اللغو﴾ ایسی بے فائدہ و بے ثمر بات جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اور قسم میں لغویہ ہے کہ آدمی دلی ارادے کی پختگی کے بغیر ہی قسم کھائے بلکہ زبان پر یونہی جاری ہو جائے۔ جسے ہم تکیہ کلام کہتے ہیں کہ بات بات پر قسم کھا جانا۔

(۱۱۷۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ» مُتَّفَقٌ فِيهِ. وَسَاقَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ الْأَسْمَاءَ، وَالتَّحْقِيقُ أَنَّ سَرْدَهَا إِذْرَاجٌ مِّنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو (ناناویں) نام ہیں۔ جس نے ان کو ضبط رکھا وہ جنت میں داخل ہو گا۔“ (بخاری و مسلم) ترمذی اور ابن حبان نے وہ نام بھی بیان کئے ہیں اور تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ اصل حدیث میں اسماء کی تفصیل نہیں ہے بلکہ کسی راوی نے اپنی طرف سے ان کو درج کر دیا

ہے)

لغوی تشریح: ﴿من احصاها﴾ اور ایک روایت میں ﴿من حفظها﴾ ہے اور یہ حفظ دراصل احصی کی تفسیر ہے اور یہ بھی قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کو پوری طرح ذہن و حافظہ میں محفوظ کر لیا اور ان تمام اسماء سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی تو جو ثواب ان کے پڑھنے کے بدلہ میں دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا وہ اس آدمی کیلئے واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے جس کسی نے اس کے مقتضاء کے مطابق عمل کیا۔ اس باب میں اس حدیث کو لانے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جس کسی نے ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی۔

(۱۱۷۹) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی سے نیکی اور اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ اس کرنے والے سے کئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے تو اس نے اس کا پورا حق شکر یہ ادا کر دیا۔“ (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿صنع﴾ صیغہ مجہول۔ ﴿معروف﴾ احسان، عمدہ سلوک اور بھلائی و نیکی۔ ﴿ابلاغ فی النساء﴾ یعنی اس نے اس کی تعریف کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ سب سلام میں ہے کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنا (یعنی باب الایمان والنذور میں) غیر متعلق اور غیر موافق ہے۔ دراصل اس کے بیان کرنے کی اصل جگہ اور مقام باب الادب الجامع ہے۔

(۱۱۸۰) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ، كَمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: «إِنَّهُ لَا يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَحْلِ». (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا کہ ”نذر سے کوئی خیر و بھلائی حاصل نہیں ہوتی صرف بخلی و کنجوسی کا مال اس طریقہ سے نکال لیا جاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: نذر سے منع کرنا دراصل افضل کی طرف راہنمائی کرنا ہے اور صدقہ و خیرات وغیرہ کا مطلوب کے حصول سے متعلق کرنا کسی صاحب عظمت و مروت کے شان کے شایان نہیں ہے۔ یہ عمل تو ایسا بخل آدمی کرتا ہے جو کبھی خرچ نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو اس کے عوض افضل چیز کی خواہش کرتا ہے اور یہ ایسا شخص کرتا ہے جس کا دل صدقہ و خیرات کرنا نہیں چاہتا۔ الا یہ کہ جب اس کا ناطقہ بند اور حالات تنگ ہو جاتے ہیں تو حالات کی درنگی کیلئے صدقہ و خیرات کی نذر مانتا ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تب صدقہ کرتا ہے ورنہ خیرات نہیں کرتا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ نے مجھے میرے مرض سے شفا بخش دی یا میرے مریض کو صحت و تندرستی سے نوازا دیا تو میں اتنا مال راہ خدا میں خرچ کروں گا۔ اتنا مال خرچ کرنا میرے ذمہ ضروری و لازمی ہے اور وہ مال تب خرچ نہیں کرتا جب اسے اس مرض سے صحت و تندرستی مل جاتی ہے۔ اگرچہ کرتے وقت بھی دل کی ٹھٹھن موجود ہوتی ہے۔ لہذا نذر سے منع اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں ایسا کمینہ پن ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں نذر ماننے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسے نذر ماننے کی صورت میں وہ چیز حاصل ہو جائے گی جسے اللہ تعالیٰ نے مقدر نہیں فرمایا لیکن اگر اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو نذر ماننے کی اجازت ہے۔

(۱۱۸۱) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ». وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ فِيهِ: «إِذَا لَمْ يُسْمَعْ». وَصَحَّحَهُ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نذر کا کفارہ قسم توڑنے کا کفارہ ہی ہے۔“ (مسلم) ترمذی نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ”جب اس کا نام نہ لے“ (اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے)

وَلَا بَيْنَ دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ مَرْفُوعٍ رَوَاهُ عَبَّاسٌ مَرْفُوعاً: «مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ

اور ابو داؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت میں ہے کہ ”جس کسی نے کوئی نذر مانی اور اس کا

يُسَمُّهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةٌ يَمِينٌ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِي مَعْصِيَةِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةٌ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيقُهُ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيقُهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةٌ يَمِينٌ». وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ إِلَّا أَنَّ الْحُفَاطَ رَجَّحُوا وَفَقُّوا.

ہے۔“ (اس کی سند صحیح ہے مگر حفاظ حدیث نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح بتایا ہے)

وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: «وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يَعْصِيهِ». وَلِلْمُسْلِمِ مِنْ حَدِيثِ عِمْرَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: «وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يَعْصِيهِ».

اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”جس نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔“

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «لَا وَقَاءَ لِنَذِيرٍ» اور مسلم میں عمران سے مروی ہے کہ ”گناہ و معصیت کی نذر کو پورا نہ کرنا چاہئے۔“

لغوی تشریح: ﴿کفارۃ یمین﴾ یعنی قسم کا کفارہ، قسم کا کفارہ ارشاد الہی کے مطابق دس مساکین کو اوسط درجہ کا جو خود کھاتے ہیں وہ کھانا کھانا یا کپڑے دینا یا غلام آزاد کرنا۔ پس جو شخص یہ نہ پائے تو اسے تین روزے رکھنے ہوں گے۔ یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ جب تم قسم اٹھاؤ۔ (۵-۸۹) ﴿اِذَا لَمْ يَسْمَعْ﴾ یعنی جب نذر ماننے والا نہ تو نذر کا نام لے اور نہ اسے معین کرے بلکہ مطلقاً نذر مانے بایں قول کہ میں نے کوئی نذر مانی یا یوں کہے کہ مجھ پر نذر لازم ہے اور اس نذر کا تعین نہ کرے کہ وہ روزہ ہے یا کوئی اور عمل ہے۔ یہ حدیث معصیت کی نذر میں کفارہ کے واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحق بن راہویہ رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے مگر جمہور علماء نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے اور اس باب میں مذکورہ احادیث کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں مگر شارح ترمذی نے تحفۃ الاحوزی (ج ۲ ص ۳۶۷) میں کہا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں۔ ان سے حجت پکڑ جاسکتی ہے۔

(۱۱۸۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَذَرْتُ أَنْ تَمَشِيَ إِلَيَّ بَيْتِ اللَّهِ حَافِيَةً، فَأَمَرَنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَتَمَشِيَ وَلَتَرْكَبَ». مَثَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْمُسْلِمِ.

حضرت عقبہ بن عامر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میری بہن نے بیت اللہ تک ننگے پاؤں چل کر جانے کی نذر مانی اور اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کے لیے (اس معاملہ میں) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروں چنانچہ میں نے آپ سے فتویٰ طلب کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ”پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو لے۔“

(بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی نے بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق پوچھا۔ تو آپؐ نے دریافت فرمایا ”کیا اس جگہ بت تھا کہ جسے پوجا جاتا رہا ہو؟“ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا ”کیا وہاں ان کا کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟“ اس آدمی نے کہا نہیں۔ تو پھر آپؐ نے فرمایا ”اپنی نذر پوری کر۔ وہ نذر پوری نہیں کرنی چاہئے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو یا قطع رحمی ہو اور جس کا پورا کرنا اس آدم کے بیٹے کے بس میں نہ ہو۔“ (ابوداؤد طبرانی اور یہ الفاظ طبرانی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے اور مسند احمد میں کردم کی حدیث اس کی شاہد ہے)

لعوی تشریح: ﴿بوانہ﴾ پہلی ”با“ حرف جار ہے اور بوانہ کی ”با“ پر ضمہ ہے اور فتح بھی کہا گیا ہے اور واؤ پر تخفیف۔ بوانہ شام اور دیار بکر کے درمیان واقع ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ کے زیریں اور یلم سے آگے جگہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مینج کے آگے پھیلا ہوا پہاڑ یعنی میناء المدینہ ہے۔ یہ نذر ماننے والا شخص کرم تھا، اس کے اولاد نرینہ نہ ہوئی تھی۔ اس نے نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں اولاد نرینہ ہوئی تو وہ بوانہ کے سر پر کئی بکریاں ذبح کرے گا۔ یہ حدیث دلیل ہے مباح کاموں میں نذر جائز ہے۔ بتوں کی جگہ یا کفار کے میلے ٹھیلوں کے مقام پر نحر و ذبح کرنا جملہ معاصی میں سے ہے اگرچہ اللہ کی رضا کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہو اس لئے کہ اس میں ان کے شرک کے مظاہر اور ان کے دین کے شعار کی ترویج پائی جاتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿کردم﴾ جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

(۱۱۸۵) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي نَذَرْتُ - إِنْ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ - أَنْ أَصْلِيَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے فتح مکہ کے روز آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھوں مکہ فتح کر

فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ . فَقَالَ : صَلِّ هَاهُنَا . فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : صَلِّ هَاهُنَا ، فَمَا هَذَا . فَقَالَ : فَسَأَلَهُ إِذْنُ . رَوَاهُ أَحْمَدُ .
 دیا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا ”یہیں پڑھ لو۔“ اس نے پھر پوچھا تو آپ نے فرمایا ”یہیں پڑھ لو۔“ اس نے پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا ”تیری مرضی۔“ (مسند احمد، ابوداؤد اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿صل ہہنا﴾ اس جگہ پڑھ لو سے مراد مسجد حرام ہے۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس جگہ نذر پوری کرنے کی منت مانی ہو جب اس سے افضل جگہ پوری کر لی جائے تو نذر پوری ہو جائے گی بلکہ سیاق تو اسی کا مقتضی ہے کہ افضل مکان کو ترجیح حاصل ہے اگرچہ وہ جگہ نذر کی جگہ سے الگ ہو۔ ﴿شانک﴾ منصوب ہے معنی لازم پکڑے۔ ﴿اذا﴾ توین کے ساتھ معنی ہے کہ جب تو یہاں نماز پڑھنے سے انکاری ہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے وہ کرو یا یہ معنی ہوگا کہ جو نذر تو نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی مانی ہے وہیں جا کر پڑھو۔

(۱۱۸۶) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضْرَتِ ابُو سَعِيدِ خُدْرِي رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى ، وَمَسْجِدِي هَذَا» .
 حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ”تین مساجد کے سوا اور کسی کیلئے زیارت کی غرض سے سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔“ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

حاصل کلام: یہ حدیث باب الاعتکاف کے آخر میں پہلے گزر چکی ہے۔ اس جگہ اسے دوبارہ لانے کا غالباً مقصد یہ ہے کہ نذر کیلئے ان تین مقامات مقدسہ کے علاوہ اور کسی جگہ کو نذر پوری کرنے کیلئے متعین و مقرر نہ کیا جائے۔ (سبل السلام) یہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ان تین مساجد میں سے کسی ایک جانب سفر کی نذر تو جائز ہے اور کسی جگہ کیلئے نہیں۔

(۱۱۸۷) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ، قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ . قَالَ : أَوْفِ بِنَذْرِكَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ : فَأَعْتَكِفَ لَيْلَةً .
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے جاہلیت کے زمانہ میں نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ آپ نے فرمایا ”پھر اپنی نذر کو پورا کرو۔“ (بخاری و مسلم) اور بخاری نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے ایک

رات اعتکاف کیا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر نے حالت کفر میں جو نذر مانی تھی۔ اسلام لانے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ، امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور شوافع کی ایک جماعت کی رائے یہی ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی تو پوری کرنے کا کیا سوال۔ بعض مالکیہ نے یہ تاویل کی ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور استحباب نذر پوری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہو۔



۱۴۔ کِتَابُ الْقَضَاءِ

قاضی (جج) وغیرہ بننے کے مسائل

(۱۱۸۸) عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ، اثْنَانِ فِي النَّارِ، وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ: رَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ. وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَلَمْ يَفْضَرْ بِهِ، وَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ. وَرَجُلٌ لَمْ يَعْرِفِ الْحَقَّ، اس نے حق کو پہچانا نہ حق کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور دوسرا وہ جس نے حق کی پہچان کر لی مگر فیصلہ حق کے ساتھ نہ دیا بلکہ فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور تیسرا وہ جس نے نہ حق کو پہچانا نہ حق کے ساتھ فیصلہ کیا بلکہ اس نے لوگوں میں جہالت و نادانی سے فیصلہ کیا وہ فقَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ». رَوَاهُ الْأَزْهَرِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لفوی تشریح: ﴿جار فی الحکم﴾ فیصلہ میں جور و ظلم کیا ﴿علی جہل﴾ قضی کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی لوگوں کا فیصلہ جہالت و نادانی سے کیا۔ اس کا ظاہر تو یہی ہے کہ وہ دوزخی ہے۔ اگرچہ اس کا فیصلہ حق کے موافق ہو کیونکہ فقَضَى لِلنَّاسِ عَلٰی جَهْلٍ کے قول کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس نے حق کے مطابق فیصلہ کیا مگر وہ خود اپنے فیصلہ سے جاہل و نادان ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں عدالت میں فیصلہ کرنے والوں کی اقسام بیان ہوئی ہیں جنہیں قاضی یا جج کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو قسم کے قاضی تو ایسے ہیں جو دوزخ کا بندھن بننے والے ہیں۔ ایک حق کو نہ جاننے اور پہچاننے والا اور دوسرا حق کو جان پہچان کر اس پر عمل پیرا نہ ہونے والا۔ اس میں اس کی بددیانتی کو بھی دخل ہو سکتا ہے۔ تفتیش و تحقیق میں سستی و لاپرواہی بھی ہو سکتی ہے اور دوزخ سے بچنے والا قاضی وہ ہے جو حق کو پہچان کر حق دار کو اس کا حق دیتا ہے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا

نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جاہل شخص کو عمدہ قضاء پر بٹھانا درست نہیں بلکہ غیر مجتہد کالج بننا اور بنانا دونوں ناجائز ہے۔

(۱۱۸۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ» (سبحہ لو) کہ اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ «بَغَيْرِ سِكِّينَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْهَرِيُّ. (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور وَصَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ جِبَّانَ. ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿من ولی القضاء﴾ تولیہ سے ماخوذ ہے۔ مجہول کا صیغہ ہے یعنی جسے قاضی بنایا گیا۔ ﴿بغیر سکیں﴾ ایک قول کے مطابق ذبح کا معنوی مفہوم مراد ہے اس لئے کہ اگر اس نے صحیح فیصلہ دیا تو اہل دنیا اس کے درپے آزار ہوں گے۔ اگر غلط فیصلہ دیا تو آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تعبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ اسے خبردار اور متنبہ کیا جائے کہ اس ہلاکت سے مراد اس کے دین کی بربادی و تباہی ہے، بدن کی نہیں یا یہ کہ چھری سے ذبح کرنے میں مذبح کیلئے راحت ہوتی ہے اور بغیر چھری کے گلہ گھونٹنے یا کسی اور طرح سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ لہذا اس کے ذکر سے ڈرانے اور خوف دلانے میں مبالغہ کا بیان ہے۔ مگر یاد رہے کہ گلہ گھونٹنے کو ذبح کرنا نہیں کہتے۔

(۱۱۹۰) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ، وَتَسْتَكُونُونَ نَدَامَةَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَتَنْعَمَتِ الْمَرْضِعَةُ، وَبِئْسَتْ الْفَاطِمَةُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

(بخاری)

لعنوی تشریح: ﴿الامارة﴾ مہمہ کے نیچے کسرہ۔ معنی ولایت، حکومت، سربراہی۔ یہ ہر حکومت و ولایت کو شامل ہے۔ امامت عظمیٰ سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی سربراہی و ولایت تک۔ ﴿فنعمت المرضعة﴾ اچھی دودھ پلانے والی دنیا میں اس لئے کہ یہ دودھ مال و دولت، جاہ و منصب اور عزت و کرامت کی صورت میں۔ حکم کے نافذ کرنے اور لوگوں کو دبا کر رکھنے کی صورت میں۔ حکومت و امارت کو مرضعہ سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ یہ بھی اسی طرح منافع بخش اور سودمند رہتی ہے جس طرح دودھ پلانے والی بکثرت دودھ دیتی ہے۔ ﴿وبئست الفاطمة﴾ فاطمہ فطم سے ماخوذ ہے اور فطم کہتے ہیں بچے کے دودھ چھڑانے کو اور اس سے مراد قیامت کے روز تاوان ہے جو امارت پر مرتب ہوگا۔ یعنی امارت امیر کو محروم کرتی ہے اور اسے خیرات اور منافع سے الگ رکھتی ہے اور اسے تباہی کے گڑھوں اور

تاوان کے گرداب میں پھنسا کر گرا دیتی ہے اور یہ عام امراء کے حالات کے نقطہ نظر سے ہے۔ حاصل کلام: اس حدیث میں امارت و سرداری سے بچنے اور اجتناب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ حکومت و سربراہی دنیا میں ملامت اور حکومت سے فارغ ہوتے ہی ندامت و پشیمانی ہے اور آخرت میں باعث عذاب ہے۔ جس وقت حکومت کی کرسی پر براجمان ہوتا ہے تو عزت و توقیر ملتی ہے، دولت و ثروت ہاتھ آتی ہے، عوام ماتحت ہوتے ہیں، ان پر حکم چلتا ہے۔ ٹھانڈا ہاتھ جتے ہیں۔ ایسی صورت میں بڑی اچھی لگتی ہے۔ مگر جب بد عنوانیوں اور بد اعتدالیوں کا احتساب اس دنیا ہی میں شروع ہوتا ہے تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور آخرت کے حساب و کتاب کی سختی تو ایسی ہوگی جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی خوف کے پیش نظر امت مسلمہ کے صلحاء اس سے کوسوں دور رہنے کی کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ سزائیں بھگتیں مگر اس منصب پر بیٹھنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حکومت اور سرداری کی ابتداء بڑی خوبصورت ہے مگر اس کا انجام خطرناک ہے۔ ابتداء میں انسان عیش و عشرت پاتا ہے جیسے عورت جب تک دودھ پلاتی ہے تو بچہ خوش رہتا ہے مگر جب دودھ چھڑاتی ہے تو بچے کو ناگوار گزرتا ہے۔

(۱۱۹۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ تَوَاسَعَا دُغْنَا ثَوَابٍ مَلَأَ» اور جب وہ فیصلہ کرنے میں جدوجہد تو اسے دو گنا ثواب ملتا ہے اور جب وہ فیصلہ کرنے میں جدوجہد تو پوری کرے اور صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے فَلَهُ أَجْرٌ. نَقَّحَ عَلَيْهِ.

جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فاجتہد﴾ خوب غور و خوض کر لے۔ ﴿فأصاب﴾ اور اس کی کوشش اور جدوجہد اللہ کے حکم و فیصلہ کے موافق ہو جائے۔ ﴿فله اجران﴾ تو اسے دو اجر ملیں گے ایک جدوجہد کا اور دوسرا صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا۔ ﴿فله اجر﴾ اسے ایک اجر اس کی جدوجہد اور سعی و کوشش کا جو اس نے تلاش حق میں صرف کی کیونکہ اس کا اجتہاد عبادت ہے اور غلطی و خطا پر اجر نہیں دیا جاتا بلکہ اس سے صرف اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کیلئے ہے جو اجتہاد کے تمام آلات و ذرائع کا جامع، اصول اجتہاد سے واقف اور قیاس کی تمام اقسام کا عالم ہو اور جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ تو جان بوجھ کر اس مسئلہ میں الجھتا ہے لہذا غلطی و خطا کی صورت میں اسے معذور قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ گناہ گار ہے جیسا کہ ابھی شروع کی حدیث کے تحت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ الخ۔ نیز علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ان کا تعلق ان

فروعات سے ہے جو مختلف وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں مگر جو اصول کے مسائل ہیں اور ان کا تعلق ارکان شریعت اور ایسے احکام سے ہے اور جو مختلف وجوہ کے احتمال نہیں رکھتے اور نہ ہی ان میں تاویل کی گنجائش ہے۔ ان میں غلطی کرنے والا خطا کار ہے اور غیر معذور ہے اور ان میں اس کا فیصلہ مردود ہے۔ جیسا کہ علامہ ملا علی قاری نے المرقاة میں ذکر کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اصولی مسائل میں ہی اس کا غلط فیصلہ مردود نہیں بلکہ مجتہد نے جس مسئلہ میں بھی غلطی کی ہو اور منشاء شریعت کی مخالفت کی ہو وہ مردود ہے خواہ اس کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے۔

(۱۱۹۲) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَحْكُمُ آدَمِيُّونَ فِي بَيْنِ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانِ». مُتَّفَقٌ كَرِهَ. (بخاری و مسلم)

لعفی تشریح: ﴿وہو غضبان﴾ بغیر تینوں یہ غیر منصرف ہے۔ دو اسباب کی بنا پر ایک وصف اور دوسرا الف اور نون زائدہ۔ معنی ہے حالت غضب۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں وہ اجتہاد پر قدرت نہیں رکھتا اور دونوں کے مسئلہ میں غور و فکر صحیح طور پر نہیں کر سکتا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہر اس حالت میں جو فکر انسانی میں تشویش کا باعث ہو فیصلہ کرنا درست نہیں۔ مثلاً بھوک، پیاس، زیادہ شکم سیری، اونگھ اور نیند کا غلبہ وغیرہ۔ بظاہر تو یہ نہی تحریمی ہے مگر جمہور نے اسے کراحت پر محمول کیا ہے مگر راجح قول پہلا ہی ہے کہ یہ حرام ہے۔

(۱۱۹۳) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ، فَسَوْفَ تَذَرِيْ غَبِفَ تَقْضِيْ». قَالَ عَلِيٌّ: فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَنُهُ وَقَوَاهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جَبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ شَاهِدٍ حَاكِمِ الْهَاشِمِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَحْكُمُ آدَمِيُّونَ فِي بَيْنِ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانِ». مُتَّفَقٌ كَرِهَ. (بخاری و مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب دو آدمی تیرے پاس فیصلہ کیلئے آئیں تو کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے فیصلہ کیسے کرنا ہے۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس دن سے میں اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن مدینی نے اسے قوی کہا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کا شاہد حاکم کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے)

لعنوی تشریح: ﴿تقاضی﴾ حاکم تسلیم کریں اور مقدمہ برائے فیصلہ پیش کریں۔ ﴿فلا تقض لاول﴾ مقدمہ لانے والوں میں سے پہلے یعنی مدعی کے حق میں فیصلہ نہ دے دو تا وقتیکہ دوسرے فریق مدعا علیہ کی بات سن لو۔ ﴿فسوف تدری کیف تقضی﴾ اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے فیصلہ کیونکر کرنا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ فیصلہ تیرے روبرو واضح ہو جائے گا۔ ﴿بعد﴾ یعنی بعد کے دال پر ضمیمہ ہے کیونکہ اس وقت کسی کی طرف مضاف نہیں ہو رہا ہے مگر نیت میں مضاف الیہ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کا انہیں بلانے اور تعلیم دینے کے بعد۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قاضی کو فریقین کے دلائل سماعت کرنے کے بعد فیصلہ دینا چاہئے اگر وہ اس کے خلاف عمل کرے گا تو یہ حرام ہوگا۔ فریقین کی بات اور دلائل سماعت کر کے فیصلہ دینا واجب ہے محض ایک فریق کے دلائل سن کر فیصلہ کر دینا باطل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ رہا یہ سوال کہ اگر فریق ثانی خاموش رہے عدالت کے روبرو کچھ نہ کہے، نہ اقراری ہو نا انکاری یا فریق ثانی عدالت کی طلبی کے باوجود عدالت میں بیان دینے کیلئے حاضری نہ ہو یا لیت و لعل سے کام لے تو کیا ایسے فریق کے خلاف یک طرفہ ڈگری دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ قرین صواب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ پھر عدالت یک طرفہ فیصلہ دینے کی مجاز ہوگی۔ (سبل)

(۱۱۹۴) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضُكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بے شک تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو اور تم میں سے بعض اپنے دلائل بڑی خوبی و چرب زبانی سے بیان کرتا ہے تو میں نے جو کچھ سنا ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس جسے اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دوں تو میں اس کیلئے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿تختصمون﴾ فیصلہ کیلئے اپنے مقدمات اور اپنے تنازعات میرے پاس لاتے ہو۔ ﴿الحن﴾ لحن سے اسم تغفیل ہے۔ باب سمع سے۔ معنی ہے سمجھ، زیادہ معرفت حاصل کرنا، زیادہ پہچانا۔ معلوم ہوا کہ جب وہ زیادہ فطین و سمجھدار ہوگا۔ وہ اپنی دلیل دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ بلیغ طریقہ سے پیش کر سکے گا۔ ﴿فمن قطع له﴾ جس کے حق میں فیصلہ کر کے دے دوں۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ظاہر بیانات کی روشنی میں فیصلہ واجب ہے۔ حاکم کا فیصلہ حقیقت میں کسی چیز میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا اور نفس الامر میں نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے اور نہ حلال کو حرام۔ جمہور بھی اسی طرف گئے

ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح نافذ ہو جاتا ہے مثلاً ایک جج جھوٹی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دیتا ہے کہ فلاں عورت فلاں کی بیوی ہے باوجودیکہ وہ خاتون اجنبی ہے اس مرد کیلئے حلال ہو جائے گی حالانکہ اس کی قباحت اور اس کا باطل ہونا کسی پر مخفی نہیں۔

(۱۱۹۵) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «كَيْفَ تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لَأَنْ يُوْخَذَ مِنْ شَدِيدِهِمْ لِضَعِيفِهِمْ». رَوَاهُ ابْنُ جِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ عِنْدَ الْبَزَّازِ. وَآخَرُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ.

نغوی تشریح: ﴿تقدس﴾ باب کرم سے فعل معلوم ہے یعنی گناہوں سے کیسے پاک ہوگی اور کیسے بابرکت ہوگی۔ ﴿من شدیدہم﴾ جب ظلم کیا جائے تو طاقتوروں سے ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ سبل السلام میں ہے کہ اس سے مراد ہے کہ وہ امت جو قوی سے کمزور کو انصاف نہیں دلا سکتی اور اس کا جو حق بنتا ہے وہ لے کر نہیں دیتی تو وہ گناہوں سے کیسے پاک ہوگی۔ لہذا کمزور کی مدد کرنا واجب ہے یہاں تک کہ قوی سے کمزور کا حق لیا جائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے طاقتور سے کمزور کا حق دلانا فرض ہے اگر کسی حکومت کے کارندے اور حاکم کمزور کو اس کا جائز حق دلوانے میں دیدہ دانستہ کوتاہی کے مرتکب ہوں اور قوم ان سے پوچھ نہ سکے اور ان کے ہاتھ پکڑ کر ان کو جواب دہی پر مجبور نہ کر سکے تو پھر ساری قوم مجبور شمار ہوگی کیونکہ آج کے دور میں ان کا انتخاب اور چناؤ عوام ہی اپنے ووٹوں سے کرتے ہیں۔ کرسی عدالت اور کرسی اقتدار پر براجمان کرانے والے یہی عوام ہی ہیں۔ لہذا عوام کو اپنے بچاؤ کی خاطر حکمرانوں پر غلط اقدام کی برملا مخالفت کرنی چاہئے اور ان کو راہ راست پر لانے کیلئے ہر ممکن تدبیر بروئے کار لانی چاہئے۔ گویا جو غریب و کمزور کا ہمدرد نہیں وہ آخرت میں جواب دہی کیلئے تیار رہے۔

(۱۱۹۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «يُذْعَى بِالْقَاضِيِ
الْعَادِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُلْقَى مِنْ شِدَّةِ
الْحِسَابِ مَا يَتَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَفْضَرْ

بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي عُمْرِهِ». رَوَاهُ ابْنُ جِبَانَ، ایک فیصلہ بھی نہ کرتا۔“ (اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس کو نقل کیا ہے۔) اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ”کبھی ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کرتا۔“

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی کا عدالت الہی میں بڑا سخت احتساب ہوگا۔ اس لئے جس کے ذمہ انصاف ہو اسے چاہئے کہ وہ انصاف کرے ورنہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

(۱۱۹۷) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ أَمْرًا». جو عورت کو اپنا حاکم و فرمانروا بنا لے۔“ (بخاری رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ).

لغوی تشریح: ﴿لَوْ﴾ تولیہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی اپنے امور مملکت کا اس کو والی بنالیں۔ یہ ہر امارت کیلئے عام ہے امارت عظمیٰ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے منصب پر بولا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ ارشاد اس موقع پر فرمایا تھا جب آپؐ کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم و فرمانروا بنالیا ہے۔ بنت کسریٰ وہی بوران بنت پرویز تھی۔ اسے اہل فارس نے اس وقت اپنا حاکم بنایا جب نبی ﷺ کی حیات مقدسہ کے آخری ایام تھے۔ جب مملکت فارس کے تخت کی چولیں متزلزل ہو رہی تھیں گردش ایام اور حوادث زمانہ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شیروہ قباز نے اپنے باپ کسریٰ پرویز کو قتل کر دیا اور ۷ھ میں تخت پر قابض ہوا اور ۹ھ میں وہ وفات پا گیا۔ عوام نے ارد شیر کو جو ہنوز بچہ تھا فرمانروائے مملکت بنالیا اسے ایک سربر آوردہ قائد نے قتل کر دیا جس کا نام شہر براز تھا۔ پھر وہ خود تخت نشین ہوا مگر چالیس روز بعد اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بوران نامی شہزادی کو ۹ھ یا ۱۰ھ کے اوائل میں سربراہ مملکت بنا لیا۔ حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی موجب بربادی ہے۔ تاریخ اسلام میں اس کا کبھی ذکر نہیں۔ عمد رسالت کے بعد امہات المؤمنین میں سے بھی کسی کو یہ منصب نہیں سونپا گیا۔ جب عورت گھر کی سربراہ نہیں تو ملک کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں کس طرح دی جاسکتی ہے۔

(۱۱۹۸) وَعَنْ أَبِي مَرْيَمَ الْأَزْدِيِّ حَضْرَتِ ابُو مَرِيَمِ اَزْدِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ، فَاجْتَنَبَ عَنْ حَاجَتِهِمْ وَفَقَّرَهُمُ اجْتَنَبَ اللَّهُ دُونَ حَاجَتِهِ». حضرت ابو مریم ازدی نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی کام کا حاکم بنا دیا اور وہ پردہ میں رہا۔ ان کی ضروریات اور ان کی حاجات پوری کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی پردہ میں رہے گا اس کی

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ. حاجت سے۔“ (ابوداؤد اور ترمذی)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکاری اہل کار کو عوام کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے۔ اسے اس منصب پر اس لئے فائز نہیں کیا گیا کہ خود تو دربانوں کے پہرے میں بنگلے میں بیٹھی نیند سوئے اور غریب بے چارے مارے مارے پھریں۔ اس سے داد رسی کیلئے آئیں تو دربان اندر جانے ہی نہ دیں کہ صاحب اس وقت مصروف ہیں۔ جو حاکم ایسا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ روا رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی حاجت روائی و مشکل کشائی نہیں فرمائے گا۔

راوی حدیث: (ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ) ازدی، اسدی دونوں طرح مشہور ہیں، حضری بھی کہتے ہیں۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے تھے۔ ان کو یہ حدیث بیان کی۔ (۱۱۹۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّأْشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ فِي الْحُكْمِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نسائی کے علاوہ ابن جبان، وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عِنْدَ الْأَزْبَعَةِ إِلَّا النَّسَائِيَّ. چاروں کے ہاں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی شاہد ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے تو گویا رشوت لینا اور دینا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے حقوق العباد پر کھلے بندوں دن رات ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد اور غمگسار کیسے ہو سکتے ہیں؟

(۱۲۰۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ الْخَضَمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جھگڑا کرنے والے دونوں حاکم کے روبرو بیٹھیں۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔)

حاصل کلام: اس حدیث میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ایک یہ کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو یکساں سلوک کا مستحق سمجھا جائے۔ کسی سے امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ دوسرا یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے بیٹھ کر بیان دیں، کھڑے ہو کر بیان نہ دیں۔

(۱۲۰۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ الْمُجَهَنِّي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ بَهِتَرِينَ گواہ کون سے ہیں؟ وہ جو کہ بغیر گواہی طلب الشَّهَدَاءِ؟ هُوَ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ كَعَنْهُ اِزْخُودِي گواہی دے۔“ (مسلم) قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿باب الشهادات﴾ شہادت کی جمع ہے۔ کسی چیز کی صحت کی خبر و اطلاع دینا۔ اپنی آنکھوں دیکھے حال اور مشاہدے کی بناء پر۔ مؤلف اسے جمع اس لئے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی انواع و اقسام ہیں۔ ﴿قبل ان يسالها﴾ فعل صيغہ مجہول۔ یعنی گواہی طلب کئے بغیر ہی گواہی از خود دے۔ بایں صورت کہ اس کے پاس کسی انسان کی شہادت کا حق تھا اور اس انسان کے علم میں بھی نہ ہو کہ وہ گواہ ہے۔ اس کے پاس آئے اور باخبر کرے کہ وہ اس کا گواہ ہے یا اس کے پاس طلاق یا عتاق یا وقف یا وصیت یا ایسے ہی دوسرے معاملہ کی شہادت ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ قاضی کے پاس اسے لے جائے اور اعلان کرے تاکہ فی الحقیقت معاملات کی جو پوزیشن ہے وہ مکمل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اداء شہادت کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور اسے چھپانا گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمُ قَلْبِهِ (۲: ۲۳۸) ”کہ گواہی کو مت چھپاؤ جو اسے چھپاتا ہے وہ گناہ گار ہے۔“ اور فرمایا: وَاقِيمُوا الشَّهَادَةَ (۲: ۶۵) ”اور شہادت کو پورا کرو۔“

(۱۲۰۲) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنْ خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَكُونُ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ، وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُؤْفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السَّمَنُ». مَثَّقَ عَلَيْهِ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میرا زمانہ تمہارے تمام زمانوں سے بہتر ہے۔ پھر اس کے بعد والا۔ پھر اس کے بعد والا۔ اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے اور ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ وہ خائن ہوں گے، امین نہیں ہوں گے۔ نذر مانیں گے مگر پورا نہیں کریں گے اور ان میں مونا ظاہر و نمایاں ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿قرنی﴾ قرنی سے مراد ایسے زمانے کے لوگ جنہوں نے مجھے پایا اور مجھ پر ایمان لائے اور وہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ ﴿ثم الذين يلونهم﴾ یعنی پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے مرتبہ کے قریب ہوں گے یا ایمان میں ان کی پیروی کریں گے یا ان کے زمانہ سے متصل ہوں گے بایں طور کہ انہوں نے ان کو پایا ہوگا اور ان سے استفادہ کیا ہوگا اور وہ تابعین کرامؓ ہیں۔ ﴿يشهدون ولا يستشهدون﴾ يشهدون

پہلا صیغہ معروف اور دوسرا مجہول ہے یعنی وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ قبل اس کے کہ ان سے شہادت طلب کی جائے، از خود شہادت دیں گے۔ یہ حدیث بظاہر پہلی حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس حدیث سے از خود شہادت دینے کی مذمت ہوتی ہے جبکہ پہلی حدیث میں اس کی مدح و تعریف کی گئی ہے۔ تعارض اس طرح دفع ہو جاتا ہے کہ مذمت مطلقاً از خود شہادت پیش کرنے کی نہیں بلکہ جلدی سے ایسی شہادت دینے کی وجہ سے ہے جس سے جھوٹ ثابت کر سکیں اور باطل طریقہ سے کھاپی سکیں اور لوگوں کے حقوق پر ڈال کہ ڈال کر ہضم کر سکیں۔ جو شخص سابق حدیث میں ذرا غور و تامل کرے گا وہ یہ کھلا ہوا فرق پا لے گا۔ ان دونوں احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ طلب سے پہلے از خود شہادت دینا بہتر اور عمدہ طریقہ ہے جبکہ یہ شہادت حقوق کے تحفظ کیلئے دی گئی ہو اور قبیح اس صورت میں ہے کہ حقوق کو ہڑپ کر جانے کی نیت ہو۔ «السمن» سین کے نیچے کسرہ اور میم پر فتح۔ لاغر پن کی ضد۔ یعنی موٹاپا۔ یعنی ان لوگوں کا مطمع نظر دنیا ہی ہو، دین نہ ہو۔ پھر یہ لوگ خوب کھائیں پیئیں کہ بدنوں پر چربی چڑھ جائے اور جسم موٹے اور بھاری بھرکم ہو جائیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بہترین زمانہ کی پیش گوئی ہے۔ سب سے بہتر زمانہ آپ کا عہد مبارک ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ پھر تابعین کرام کا جس سے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یہ فضیلت جمہور علماء کے نقطہ نظر سے فرداً فرداً بھی ہو سکتی ہے اور بحیثیت مجموعی بھی۔ لیکن اصحاب بدر اور حدیبیہ ہر اعتبار سے افضل ہیں۔ اس حدیث میں لفظ قرن آیا ہے۔ قرن کہتے ہیں زمانہ کی ایک مدت اور عرصہ کو جس کی حد دس سال سے لے کر ایک سو بیس سال بتائی گئی ہے۔ مگر صحیح ترین بات یہ ہے کہ ایک زمانہ کے لوگوں کا مقصود و مطلوب امور میں شریک ہونا مراد ہے اور اس حدیث میں بھی غالباً اسی معنی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱۲۰۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ حَضْرَتُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا ذِي غُمِرٍ عَلَى أَحِيهِ، وَلَا تَجُوزُ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِأَهْلِهِ الْبَيْتِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”خائن مرد و عورت کی گواہی جائز نہیں اور دشمن اور کینہ ور شخص کی اپنے بھائی کے خلاف بھی گواہی جائز نہیں اور جو شخص کسی دوسرے کے زیر کفالت ہو اس کی گواہی کفیل خاندان کے حق میں جائز نہیں ہے۔“ (مسند احمد و ابوداؤد)

لغوی تشریح: «ولا ذی غمر» غین کے نیچے کسرہ اور میم ساکن ہے۔ حقد و کینہ اور عداوت و دشمنی۔ «علی احیہ» اپنے مہمان بھائی کے خلاف۔ پس کسی دشمن کی شہادت اس کے دشمن کے خلاف جائز نہیں۔ «القانع» سے مراد گھر کا خادم اپنی ضروریات کی تکمیل اور اہل خانہ کی خدمت کیلئے کٹ کر رہ

قاضی (جج) وغیرہ بننے کے مسائل

۔۔۔

گیا ہو۔ جیسے خادم، تابع دار اور مزدور اس کی شہادت اہل خانہ کے حق میں قابل قبول نہیں، اس لئے کہ وہ شہادت دے کر اپنا فائدہ حاصل کرے گا اور یہ تہمت کا مقام ہے۔
حاصل کلام: اس حدیث سے خائن، دشمن اور کینہ ور کی شہادت ناجائز ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کے زیر کفالت ہو اس کی گواہی بھی اس شخص اور اس کے اہل خانہ کے حق میں قبول نہیں تاکہ جانب داری کا شبہ نہ رہے۔

(۱۲۰۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ
ﷺ يَقُولُ: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدْوِيٍّ
عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ
مَاجَةَ.

لفظی تشریح: ﴿البدوی﴾ بادیہ نشین۔ دیہات کا باشندہ۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نمایہ میں کہا ہے کہ شہری کے حق میں دیہاتی کی شہادت کو اس وجہ سے ناپسند اور مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس میں دین کے بارے میں سختی اور احکام شرع سے ناواقفیت ہوتی ہے اور اس وجہ سے قابل قبول نہیں کہ وہ لوگ شہادت کو اچھی طرح ضبط نہیں رکھ سکتے۔ سبل السلام میں ہے کہ اکثریت نے ان کی شہادت کو قبول کیا ہے اور اس حدیث کو ایسے دیہاتیوں پر محمول کیا ہے جن کی عدالت ثابت نہ ہو۔ کیونکہ اکثر و بیشتر ان کی عدالت معروف نہیں ہوتی۔

(۱۲۰۵) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ خَطَبَ
فَقَالَ: إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ
بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ،
وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا
نَأْخُذُكُمْ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ
أَعْمَالِكُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حاصل کلام: اس اثر سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی تھی اور آپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا گویا نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اب نہ کوئی نیا نبی و رسول آئے گا اور نہ وحی آسمان سے نازل ہوگی۔ اب اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو وہ سراسر دروغ گو، کذاب اور مفتزی اور دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں تو لوگوں کے بارے میں معلومات کا ذریعہ وحی الہی تھی مگر اب ایک شخص کے ظاہری حالات و اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے اگر اس کے ظاہری اعمال و احوال شک و شبہ سے محفوظ ہیں تو وہ قابل

اعتبار ہے ورنہ نہیں۔

(۱۲۰۶) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يَكُونَ الْغَوَاةُ فِي الْكَبَائِرِ. (بخاری و مسلم کی لمبی حدیث میں ہے) مَتَّقْ عَلَيْهِ فِي حَدِيثِ طَوِيلٍ.

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ بہت سے ہیں مثلاً اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، میدان کارزار سے بلاوجہ فرار، پاک دامن خاتون کی عصمت پر تہمت لگانا وغیرہ کے علاوہ جھوٹی گواہی دینا، کبیرہ گناہ وہ ہے جس کی شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا عذاب آخرت کی وعید دی گئی ہو۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہی کا سلسلہ اگر بند ہو جائے تو انصاف نہایت ارزاں اور جلد مل جائے۔ عدالتی نظام کے فساد کی جڑ جھوٹی گواہی ہے مزید برآں رشوت۔ اس نظام کو ان دو بڑی خرابیوں سے پاک کر دیا جائے تو معاشرہ میں امن و سلامتی کی ہماریں آجائیں۔

(۱۲۰۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ: «تَرَى السَّمْسَ؟» قَالَ: «نَعَمْ.» قَالَ: «عَلَى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ، أَوْ دَعُ.» أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، (اسے ابن عدی نے ضعیف سند سے نکالا) وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ فَأُخْطِئَ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا ”تو سورج کو دیکھتا ہے؟“ اس نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا ”اس طرح کی روشن شہادت ہو تو گواہی دے ورنہ چھوڑ دے۔“ (اسے ابن عدی نے ضعیف سند سے نکالا) وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ فَأُخْطِئَ. ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر غلطی کی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے گواہی اس وقت دینی چاہئے جب اس کے روز روشن کی طرح ہونے کا یقین ہو ورنہ گواہی سے اجتناب بہتر ہے۔ محض گمان اور ظن کی بنیاد پر گواہی دینا درست نہیں۔

(۱۲۰۸) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى بَيْنَيْنِ وَشَاهِدٍ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی اس کے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ (اس کی روایت مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند عمدہ ہے)

لغوی تشریح: ﴿بَيْنَيْنِ وَشَاهِدٍ﴾ یہ اس صورت میں ہے جبکہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو تو مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم کو قبول کر لیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ اور اسلم بن راھویہ رحمہ اللہ اور جمہور امت اسی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ مالی معاملات میں ایک گواہ اور ایک قسم جائز ہے البتہ غیر مالی معاملات میں ان کے نزدیک دو گواہوں کا ہونا ناگزیر اور لازمی ہے۔ رہے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو ان کے نزدیک مالی معاملات ہوں یا غیر مالی معاملات دونوں میں دو گواہوں کا ہونا لازمی ہے (ضروری و لازمی ہے) اس باب کی تقریباً تیس کے قریب احادیث ان کے خلاف حجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے۔ واشہدوا ذوی عدل منکم (۲: ۲۵) اور اللہ کا فرمان: واستشهدوا شہیدین من رجالکم الخ (۲: ۲۸۲) اس سے ان کا استدلال کامل نہیں بالخصوص جبکہ وہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین (ج ۱، ص: ۳۲-۳۸) میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

(۱۲۰۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِثْلَهُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے۔ (اس کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

۲ - بَابُ الدَّعْوَى وَالْبَيِّنَاتِ - دعویٰ اور دلائل کا بیان

(۱۲۱۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادْعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ، وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى عَلَيْهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر لوگوں کو محض ان کے دعوے کرنے سے حق دے دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کے خون اور ان کے اموال کا دعویٰ کریں گے لیکن مدعا علیہ کے ذمہ قسم لازم ہے۔“ (بخاری و مسلم) اور بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ اور قسم اس کے ذمہ جو اس کا انکار کرے۔

وَلِلْبَيْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ: «الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدْعَى، وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ».

لغوی تشریح: ﴿باب الدعوى والبيّنات﴾ 'بیّنات - بیئہ - کی جمع ہے اس کی با پر فتح ہے اور یا مکسورہ پر تشدید ہے۔ اس کے معنی واضح دلیل و ثبوت کے ہیں۔ اس کو بیئہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق کو صاف اور واضح طور پر ظاہر کرتی ہے اور اس سے مراد وہ دلیل ہے جس سے مدعا واضح ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام: اس حدیث میں قضا کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ مدعی اپنا دعویٰ دلائل سے ثابت کرے اور گواہ پیش کرے یا مدعا علیہ، مدعی کے دعویٰ کی خود تصدیق کر دے کہ اس کا بیان درست ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو مدعا علیہ - دعویٰ کے خلاف اپنے دلائل عدالت کے روبرو پیش کرے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر مدعا علیہ قسم دے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

(۱۲۱۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَضَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم پیش کی تو وہ قسم کھانے پر فوراً

عَلَى قَوْمِ الْيَمِينِ فَأَسْرَعُوا، فَأَمَرَ أَنْ تَيَّارَ هُوَ كَيْتَ تَوَّابُ نَ كَمَ فَرَمَا كَ ”ان لوگوں میں
يُسْهِمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ، أَيْتُهُمْ قَرَعَهُ اِنْدَازِي كِي جَائَ كَ كُونِ اِن مِي سَ قَسْمِ
يُخْلِفُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿فاسرعوا﴾ یعنی دونوں فریق ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر قسم اٹھانے کیلئے تیار
ہو گئے۔ ﴿فاسرعوا﴾ بمعنی ﴿سرع﴾۔ یعنی قمر اندازی کی جائے۔ پس قمر جس کے نام کا نکلا وہ
حلف اٹھائے، قسم کھائے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے وہ اس حدیث کے
معنی کی صحیح تفسیر ہے کہ دو آدمیوں نے کسی مال و متاع کے سلسلہ میں جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش
کیا۔ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”قسم کے بارے میں تم دونوں
قمر اندازی کرو کہ کون قسم اٹھائے۔“

حاصل کلام: جس مقدمہ کی نوعیت ایسی ہو کہ فریقین مدعی ہوں اور دونوں باہم مدعا علیہ بھی ہوں
بالفرض دیگر حتمی اور یقینی طور پر اس کا علم نہ ہو سکے کہ مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون تو ایسی صورت
میں دونوں کو قسم دینے کا حق پہنچتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی قسم سے انکاری ہو تو فریق مخالف قسم دے کر
مال اپنے قبضہ میں لے لے گا اور اگر دونوں فریق قسم اٹھانے پر آمادہ ہوں تو پھر ایسی صورت میں قمر
اندازی کی جائے گی۔ قمر جس کے نام نکلے وہ قسم دے کر مال لے جانے کا مستحق قرار پائے گا۔

(۱۲۱۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْخَارِثِيِّ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
ﷺ قَالَ: «مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ
مُسْلِمٍ بِمِيمِنِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللَّهُ لَهُ
النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ». فَقَالَ لَهُ
رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا
رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «وَإِنْ كَانَ قَضِيًّا
دِرْخْتِ بِلُو كِي اِيَكِ شَاخِ هُوَ.» (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿القصيب﴾ شاخ، ٹنڈی، ﴿والادراك﴾ ممرہ پر فتح مشہور و معروف درخت ہے جس
کے پتے اونٹ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اردو زبان میں اسے بیلو کا درخت کہتے ہیں۔

راوی حدیث: ﴿ابو امامہ رضی اللہ عنہ﴾ یہ صاحب ابو امامہ بن ثعلبہ انصاری حارثی تھے۔ ان کے نام میں بہت
اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام ایاس بن ثعلبہ تھا۔ یہ بنو حارث بن خزرج یا ایک قول کے مطابق
بلوی تھے۔ انصار کے حلیف تھے اور قدامت صحابہ کرام میں سے تھے۔ اپنی والدہ کی تیار داری کی وجہ سے
غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔

(۱۲۱۳) وَعَنْ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، يَقْطَعُ بِهَا مَالَ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ، هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص قسم کھا کر کسی دوسرے کا مال اڑالے اور وہ اس میں جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر سخت ناراض ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

راوی حدیث: ﴿اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ﴾ اشعث بن قیس بن معدیکرب، کندی ابو محمد ان کی کنیت تھی۔ کوفہ میں فروکش ہوئے۔ یوم یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ بڑے سختی، مریبان انسان تھے۔ قسم کھائی اور اس کا کفارہ پندرہ ہزار دیا۔ آزر بایجان کے والی بنے۔ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے چالیس روز بعد وفات پائی۔ اس وقت ۶۳ برس کے تھے۔

(۱۲۱۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي دَابَّةٍ، وَلَيْسَ لِرَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةٌ فَقَضَىٰ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَهَذَا لَفْظُهُ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ حَيْثُ.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ ان میں سے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی تو آپ نے اس جانور کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (اسے احمد، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے، یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ اس کی سند عمدہ اور اچھی ہے)

حاصل کلام: علامہ خطابی نے کہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اونٹ یا جانور کو دونوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ تب ہی نبی ﷺ نے ان دونوں کو آدھے آدھے کا مستحق قرار دیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ یعنی ان دونوں کے علاوہ وہ کسی تیسرے آدمی کے قبضے میں ہوتا تو صرف دعوے سے وہ دونوں حقدار نہ بن سکتے تھے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ جانور کسی تیسرے آدمی کے پاس ہو جس کا ان دونوں کے ساتھ کوئی تنازعہ نہ ہو۔

(۱۲۱۵) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى مِثْرِي هَذَا بِيَمِينِ أَيْمَةٍ نَّبَوًا مَّقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے میرے اس منبر پر کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا۔“ (اسے احمد، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ایمۃ﴾ جھوٹی قسم جو موجب گناہ ہو۔ اس حدیث میں تنبیہ ہے کہ جو مقام جتنا مرتبہ

و فضیلت والا ہوگا وہاں ارتکاب گناہ کا عذاب بھی بہت زیادہ ہوگا۔ اسی طرح اوقات جن کی فضیلت بیان ہوئی ہے مثلاً عصر کے بعد اور جمعہ کے دن، رات میں جو گناہ کیا جائے گا اس کی سزا بھی زیادہ اور سخت ہوگی۔

(۱۲۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلٍ مَاءٍ بِالْفَلَاءِ يَمْنَعُهُ مِنْ ابْنِ السَّبِيلِ. وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسَلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَخَلَفَ لَهُ بِاللَّهِ: لَأَخْذَهَا بَكْذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ، وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ. وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی جانب نظر (رحمت) کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ پہلا وہ آدمی جو ایک مسافر کو جنگل میں بچے ہوئے پانی سے روکتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد کسی چیز کا دوسرے سے سودا کرتا ہے اور اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ اس نے اس چیز کو اتنے اتنے میں خریدا ہے حالانکہ حقیقت ایسے نہ تھی اور وہ خریدار اس کو سچ مان گیا اور تیسرا وہ شخص جس نے دنیاوی غرض کے لئے کسی بادشاہ کی بیعت کی اگر بادشاہ اس کو کچھ دیتا ہے تو وہ وفا کرتا ہے اور اگر وہ اس کو کچھ نہیں دیتا (یعنی دنیا کا مال) تو وہ وفا نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿علی فضل ماء﴾ اپنی ضرورت و حاجت سے زائد پانی۔ ﴿بالفلاء﴾ ایسا وسیع صحراء کہ جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور پھر بھی وہ پانی کو روک لے اور کسی دوسرے کو نہ دے۔ ﴿بسلیعة﴾ سین کے نیچے کمرہ اور لام ساکن سامان تجارت۔ ﴿فصدقة﴾ خریدار اس کی قسم کے پیش نظر اسے سچا سمجھے۔ ﴿وهو علی غیر ذلک﴾ سامان فروخت کرتے وقت درحقیقت ایسا نہ ہو بلکہ جھوٹا ہو۔ ﴿وفی﴾ اپنا عہد وفا پورا کرے اور اپنی بیعت سچ و طاعت کو نبھائے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے زائد از ضرورت پانی کو روک لینا اور ضرورت مندوں کو لینے نہ دینا۔ عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرنا اور دنیاوی غرض کیلئے حاکم وقت کی تائید کرنا۔ رب کائنات کی سخت ناراضی کا موجب ہے اور رحمت الہی سے محرومی کا باعث ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی حیثیت جس طرح کسی افضل مکان کی وجہ سے دوچند ہو جاتی ہے اسی طرح افضل وقت میں بھی اس کی

حیثیت بڑھ جاتی ہے۔

(۱۲۱۷) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي نَاقَةٍ، فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا: نُبْتَجَتْ عِنْدِي، وَأَقَامَا بَيْنَهُ، فَقَضَىٰ بَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمَنْ هِيَ فِي يَدِهِ. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک اونٹنی کا مقدمہ عدالتِ نبویؐ میں لائے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ اونٹنی نے بچہ میرے ہاں جنا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے گواہ بھی پیش کئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی۔

لفوی تشریح: ﴿نُبْتَجَتْ﴾ بچہ جنا۔ بناء للمفعول۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ موافق شہادتِ مدعی کیلئے وجہ ترجیح ہے اور یہ کہ دونوں کے دلائل میں تعارض ہو تو ایک کے حق میں فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ الایہ کہ قابلِ ترجیح پہلو ہو اور قبضہ قابلِ ترجیح ہے۔

(۱۲۱۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ الْيَمِينَ عَلَى طَالِبِ الْحَقِّ. رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِي إِسْنَادِهِمَا ضَعْفٌ. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدعی پر قسم ڈال دی۔ (ان دونوں احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند میں ضعف ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ عدم ثبوت یا عدم شہادت کی صورت میں قسم اٹھانے سے بھی انکار کر دے تو ایسی صورت میں مدعی سے قسم کھانے کیلئے کہا جائے گا اگر وہ قسم کھالے گا تو متنازعہ فیہ چیز اسے دے دی جائے گی۔

(۱۲۱۹) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ مَسْرُورًا، تَبَرُّقُ أَسَارِينِ وَجْهِهِ، فَقَالَ: «أَلَمْ تَرَ أَنَّ مُجَزَّزًا الْمُدْلِحِيَّ نَظَرَ أَنْفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: هَذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ خوش و خرم میرے ہاں تشریف لائے۔ آپؐ کا رخ انور چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”کیا تجھے معلوم نہیں کہ مجز زملجی نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم) کو دیکھ کر کہا ہے کہ یہ پاؤں ایک دوسرے کا جزء ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

لفوی تشریح: ﴿تَبَرُّقُ﴾ ”را“ پر ضمہ باب نہر۔ چمک رہے تھے، روشن تھے۔ ﴿اسَارِينِ﴾ اسرار کی جمع ہے اور اسرۃ اور اسرار سر کی جمع ہے۔ سین کی زیر اور ضمہ دونوں جائز ہیں اور ”راء“ پر تشدید اور اسرۃ کی جمع سرسرد کے سین اور را دونوں پر فتح۔ اساریر جمع الجمع ہے۔ چرے کے خطوط جو پیشانی پر جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی بکھر بھی جاتے ہیں۔ ﴿مُجَزَّزًا﴾ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تفعیل سے اور کبھی

اسے اسم مفعول بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ صاحب ابن اعور بن جعدہ تھے۔ یہ علم قیافہ کے عالم تھے۔ ابن یونس نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جو فتح مصر میں حاضر تھے۔ ان کو مجزز اس لئے کہا جاتا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قیدی قید ہو کر آتا تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتا تھا اور اسے آزاد کر دیتا۔ ﴿مدلجی﴾ بنو مدلج کی جانب نسبت کی وجہ سے مدلجی کہلائے۔ مدلج باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ نسب یہ ہے مدلج بن مرہ بن عبد مناف بن کنانہ۔ مشہور و معروف قبیلہ ہے۔ قیافہ کا علم اس قبیلہ میں اور بنو اسد میں پایا جاتا تھا اور عرب ان کو اس سے جانتے پہچانتے تھے۔ ﴿ہذہ الاقدام بعضہا من بعض﴾ ان دونوں کے مابین نسبی تعلق ہے اور یہ بات اس نے اس وقت کہی جب اس نے اسامہ اور زید کو اکٹھے لیٹے ہوئے دیکھا۔ دونوں کے چہرے اور سر چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے اور قدم دراز تھے اور کھلے ہوئے تھے۔ آپ کی مسرت و انبساط اور خوشی کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے ان کے نسب میں طعن کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا باپ زید سفید رنگ کا تھا۔ باوجودیکہ طعن کا کوئی بہت بڑا مقام نہیں تھا کیونکہ ان کی والدہ ام ایمن کالے رنگ کی حبشی خاتون تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ثبوت نسب کے سلسلہ میں قیافہ شناسی سے کام لیا جاسکتا ہے اور فیصلہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور عدالت اسے تسلیم کرتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ﴾ بنو مدلج سے ہونے کی وجہ سے مدلجی کہلائے۔ دور جاہلیت میں ان کی قیافہ شناسی مسلمہ تھی۔ ان کو مجزز اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ قیدی بنائے اور ان کی پیشانی بال کاٹ دیئے گئے۔ مجزز محدث کے وزن پر ہے۔ مجزز بن اعور بن جعدہ کنانی مدلجی۔



۱۵۔ کِتَابُ الْعِتْقِ

آزادی کے مسائل

(۱۲۲۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَيُّمَا أَمْرٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ أَمْرًا مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ غُضُوٍ مِنْهُ غُضُوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس مسلمان نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم کی آگ سے آزاد فرما دے گا۔“

(بخاری و مسلم) اور ترمذی میں ابوامامہ کی روایت ہے جسے ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ ”جس مسلمان مرد نے دو مسلمان لونڈیوں کو آزاد کیا تو وہ دونوں اس مرد کے دوزخ سے آزاد ہونے کا سبب بن جائیں گے۔“ اور ابوداؤد میں کعب بن مرہ کی روایت میں ہے کہ ”جو مسلمان خاتون کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرے گی تو وہ اس کے جہنم سے آزاد ہونے کا موجب ہوگی۔“

لغوی تشریح: ﴿کتاب العتق﴾ عین کے کسرہ کے ساتھ اور ”تاء“ کے سکون کے ساتھ۔ آزادی دینا یعنی صرف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی غلام کو آزاد کرنا۔ ﴿استنقذ﴾ جس نے بچایا، نجات دی۔ ﴿کانتا فکاکہ﴾ ”قا“ پر لغوی طور پر فتح اور کسرہ دونوں ہیں یعنی دونوں لونڈیاں آزادی بخشے والے کی خلاصی و رہائی کا موجب بن جائیں گی۔ ﴿معتق﴾ کی ”تا“ کے نیچے کسرہ ہے۔ آزاد کرنے والا ﴿من النار﴾ یعنی ان دونوں کا آزاد کرنا نار جہنم سے اس کی خلاصی و رہائی کا سبب ہوگا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان غلام کو نعمت آزادی سے بہرہ ور کرنا بخشش و مغفرت اور جہنم سے آزادی کا موجب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مختلف انداز میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ یہ انسانیت پر نبی ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپؐ نے عہد غلامی کی زنجیروں سے انسانوں کو آزادی کی غیر مترقبہ نعمت سے نوازا ہے اور غلاموں کے حقوق سے خبردار کیا ہے ورنہ غلاموں کو تو جانوروں سے بھی بدتر حالات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

راوی حدیث: ﴿کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ﴾ بعض مرہ بن کعب بھی کہتے ہیں۔ پہلے بصرہ آئے پھر اردن منتقل ہو گئے۔ اور وہیں ۵۷ھ یا ۵۹ھ کو وفات پائی۔

(۱۲۲۱) وَعَنْ أَبِي دَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانُ بِاللَّهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ». قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَغْلَاهَا ثَمَنًا، وَأَنْفُسَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ بہترین عمل کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ”اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا۔“ میں نے عرض کیا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا ”وہ غلام جو قیمت میں زیادہ گراں اور مالکوں کی نظروں میں زیادہ نفیس و محبوب ہو۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ای الرقاب الفضل﴾ یعنی کسی غلام کا آزاد کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے؟ ﴿انفسها﴾ اہل التفہیم نفاس سے ہے۔ یعنی مالکوں کی نظروں میں زیادہ نفیس اور زیادہ پسندیدہ اور زیادہ معزز۔

(۱۲۲۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ أَغْتَقَ شِرْكَاءَ لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قَوْمَ عَلَيْهِ قِيمَةٌ عَدْلٍ، فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدَ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس کے پاس مزید اتنا مال بھی ہو کہ غلام کو خرید کر آزاد کر سکے تو انصاف سے اس کی قیمت مقرر کر کے دوسرے شرکاء کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کر دے تو یہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا۔ ورنہ جتنا کچھ آزاد ہوا سو ہو چکا۔“ (بخاری و مسلم)

وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «وَلَا قَوْمَ عَلَيْهِ، وَاسْتُسِمِيَ حَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ». وَقِيلَ: إِنَّ السَّعَايَةَ مُدْرَجَةٌ فِي

دونوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ”ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس پر مشقت ڈالے بغیر اسے آزادی حاصل کرنے کا موقع دیا

الخَبَرِ . جائے گا۔“ (اگلی عبارت کا مفہوم لغوی تشریح میں دیکھیں)

لغوی تشریح: ﴿شُرکا﴾ شین کے نیچے کسرہ اور ”را“ ساکن۔ معنی اس کے حصہ اور نصیب کے ہیں۔ ﴿یَبْلَغ ثَمَنُ الْعَبْدِ﴾ یعنی غلام کی باقی قیمت۔ ﴿قَوْم﴾ صیغہ مجہول۔ تقویم سے ماخوذ ہے۔ اس غلام کی عدل و انصاف سے قیمت طے کروائی جائے گی۔ ﴿لَاعْطَى شُرْكَاءَهُ﴾ الخ یہ آزاد کرنے والا باقی شرکاء کو ان کے حصے کی قیمت ادا کرے گا اور یہ غلام پورے کا پورا اس کی جانب سے آزاد ہو جائے گا۔ یہ خبر ہے مگر امر کے معنی میں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس آدمی پر اس غلام کا آزاد کرنا لازمی اور ضروری ہے اس سے جائے پناہ کوئی نہیں۔ ﴿وَالَا﴾ یعنی اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال نہ ہو۔ ﴿فَقَدْ عَتَقَ الْخ﴾ عتق کی تا پر فتح ہے مطلب یہ ہے کہ پھر جتنا اس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور باقی اسی طرح غلام رہے گا۔ ﴿وَالَا قَوْمَ عَلَيْهِ وَاسْتَسْعَى الْخ﴾ قوم اور استسعی دونوں صیغہ مجہول ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس مزید اتنا مال نہیں ہے جو اس کی پوری قیمت کے برابر ہو تو پھر غلام کو کم کر لانے کی زحمت دی جائے گی اور اسے تکلیف دی جائے گی کہ وہ اتنا مال تلاش کرے جو دوسرے شریک کے حصہ کے برابر ہو جب غلام وہ حصہ مالک کے سپرد کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ ﴿الاستسعاء﴾ سے یہاں یہی مراد ہے۔ (اسی مادہ سے السعایہ بھی آتا ہے کہ جس کا معنی ہے ”چغلی“ کہا جاتا ہے کہ: ”چغلی خبریں لیٹی ہوئی ہوتی ہے۔“

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے تو پہلی حدیث کو لے لیا کہ غلام کا بقیہ حصہ غلام ہی رہے اور اس سے سعی کسب نہیں کرائی جائے گی اور کچھ نے کہا کہ نہیں اس میں کوئی حرج نہیں حالانکہ فقد عتق منه ما عتق کا جملہ کسب کے منافی نہیں ہے۔ اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام شرکاء حصص میں سے صرف ایک کے حصہ کے آزاد کرنے سے فی الفور غلام پورا آزاد نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کی حیثیت ایسے مکاتب کی ہوگی جس نے اپنی کتابت کا کچھ حصہ توادا کر دیا ہے اور کچھ ابھی باقی ہے۔ یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے۔ اس قول کے حق میں دلیل موجود ہے کہ وہ غلام باقی حصے میں غلام ہی رہے اور مستقبل میں ہمیشہ رہے گا اور یہ کہ جتنا حصہ غلامی سے آزاد ہو چکا ہے اس میں کسب سعی کی ضرورت نہیں۔ ﴿وَقِيلَ إِنَّ السَّعْيَةَ مَدْرَجَةٌ فِي الْخَبَرِ﴾ سبل السلام میں ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جملہ بھی مرفوع روایت ہوا ہے۔ مدرج فی الخبر اور کہا گیا ہے غلام کیلئے حدیث میں سعی و کسب کا ذکر مدرج ہے مگر سبل السلام میں ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جملہ بھی مرفوع روایت ہوا ہے۔ جب تک اس پر مضبوط دلیل قائم نہ ہو اسے مدرج نہیں کہا جاسکتا۔

(۱۲۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ كُفِيَ بَابُ الْخَبَرِ»

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بیٹا باپ کیلئے کافی نہیں۔ الا یہ“

کہ باپ غلام ہو تو وہ اسے خرید کر آزاد کر دے۔“

يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيهِ، ثُمَّ يُعْتَقَهُ. (مسلم)

رواہ سنن ابی داؤد

لغوی تشریح: ﴿لا یجزی﴾ ”یا“ پر فتح، معنی ہے کہ نہیں کافی ہوگا۔ ﴿فیعتقه﴾ اس میں ”فا“ تعقیب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے آزاد نہیں ہوگا بلکہ خرید کر اسے پھر آزاد کرے۔ ظاہر یہ حضرات نے اس کا یہی معنی لیا ہے اور جمہور نے کہا ہے کہ وہ صرف خریدنے سے آزاد ہو جائے گا لیکن جب کہ خریدنا ہی اس کی آزادی کا سبب ہے تو مجازی طور پر اس کی طرف منسوب کر دیا ہے ان کی دلیل آنے والی حدیث ہے۔

(۱۲۲۴) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «مَنْ فرمایا ”جو شخص کسی قربت دار کا مالک ہو جائے تو وہ مَلَكٌ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٌ فَهُوَ حُرٌّ“۔ رواہ غلام آزاد ہے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا أَخَذُوا الْأَزْبَعَةَ، وَزَجَّجَ جَمْعٌ مِنَ الْخَطَايَا أَنَّهُ ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اسے موقوف قرار دیا موقوف ہے۔

لغوی تشریح: ﴿ذا رحم﴾ رحم کے ”را“ پر فتح اور ”حا“ کے نیچے کسرہ۔ وہ جگہ جہاں بچہ ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے پھر اس کا استعمال قربت کیلئے کیا جانے لگا۔ پس وہ تعلق جو تیرے اور اس کے درمیان حرمت نکاح کو واجب کرتا ہے۔ ﴿محرم﴾ قیاس کے اعتبار سے اس پر نصب ہے لیکن دراصل جاری وجہ سے مجرور ہے اور ”محرم“ کے میم پر فتح اور ”حا“ ساکن اور ”را“ پر فتح اور محرم کو صیغہ مفعول بھی کہا گیا ہے اس صورت میں یہ تحریم سے ماخوذ ہوگا اور محرم کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح حرام ہو مثلاً باپ، بھائی، چچا اور اس ضمن میں دوسرے رشتہ دار۔ ﴿فہو حر﴾ یہاں حر سے مراد ہے وہ قربت دار خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس کی ملکیت کے سبب وہ آزاد ہو جائے گا۔

حاصل کلام: یہ حدیث بقول محدثین موقوف ہے مگر اس باب میں اور احادیث بھی مروی ہیں جن میں سے ایک کو ابن قنن اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی رو سے جن تعلق داروں کا بہم نکاح نہیں ہو سکتا ان میں غلامی اور آقا کی کا تعلق بھی ایسا ہے جس کی وجہ سے نکاح نہیں رہ سکتا۔ (البل)

(۱۲۲۵) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، أَنَّ رَجُلًا ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمَالِكٍ لَهُ، عِنْدَ مَوْتِهِ، آزاد کر دیئے۔ ان غلاموں کے علاوہ اس کی کوئی اور لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ جائیداد نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلب رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَانًا، ثُمَّ فرمایا اور ان کے تین حصے کئے پھر ان میں سے قرعہ

أَفَرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرْقَىٰ اندازی فرمائی۔ پھر آپؐ نے دو غلاموں (ایک تہائی) کو اَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا. رَوَاهُ آزاد فرما دیا اور باقی چار کو غلام رہنے دیا اور آزاد کرنے والے کے حق میں سخت کلمہ بھی فرمایا۔ (مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿فجزاهم بالاحسان﴾ جزا کی ”زا“ پر تشدید۔ معنی ہے کہ ان کو تقسیم کیا تین حصوں میں۔ ہر ایک حصہ کو دو غلاموں سے منسلک کر دیا۔ ﴿ارقی﴾ ”قاف“ پر تشدید ارقاق سے ماضی کا صیغہ ہے۔ باقی چاروں پر غلامی کا حکم بدستور باقی رکھا۔ ﴿وقال له قولا شديدا﴾ آزاد کرنے والے کے فعل و عمل کو ناپسند کرنے اور مکروہ سمجھنے کی وجہ سے اسے سخت الفاظ سے یاد فرمایا اور ابوداؤد میں ہے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اگر میں اس کی تدفین سے پہلے موجود ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔“ سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری کا صدقہ وصیت کا حکم رکھتا ہے اور وہ ترکہ کے تیسرے حصہ میں نافذ ہوگا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے وقت صدقہ کی حیثیت وصیت کی ہوتی ہے اور وہ شرعاً ترکہ کی ایک تہائی وصیت کرنے کا مجاز ہے اس سے زائد نہیں اور اگر مرنے والا مرض الموت میں اس کے خلاف صدقہ یا وصیت کر گیا تو اس کی اصلاح کی جائے گی اور وہ نافذ العمل نہیں ہوگا۔

(۱۲۲۶) وَعَنْ سَفِينَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ام سلمہؓ نَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَمْلُوكًا لِأُمِّ كَاغْلَام تھانہوں نے مجھے کہا کہ میں تجھے اس شرط سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، پر آزاد کرتی ہوں کہ تو رسول اللہ ﷺ کی تاحیات فَقَالَتْ: أَعْيَقُكَ، وَأَشْتَرِيكَ عَلَيْكَ أَنْ خدمت بجالاتا رہے۔ (اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور حاکم تَحْدِثِمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا عِشْتُ. رَوَاهُ نے روایت کیا ہے)

أَخْبَدَ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّيْمِيُّ وَالْحَاكِمُ.

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزادی کا پروانہ مشروط طور پر بھی دینا جائز ہے اور غلام سے تاحیات کسی کی خدمت کی شرط لگانا بھی درست ہے۔

(۱۲۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نَعَالَى عَنْهَا، أَنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”(ولاء) اسی کا حق ہے جو اسے آزاد قَالَ: «إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَغْتَقَ». مُتَّفَقٌ کرے۔“ (بخاری و مسلم یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے)

عَلَيْهِ فِي حَدِيثِ طَوِيلَةٍ.

لعنوی تشریح: ﴿الولاء﴾ ولاء کے ”واؤ“ پر فتح اور آخر پر مد ہے یعنی عتق کی ولاء اور وہ یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام جب فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ کا حق آزاد کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ یہ حدیث مفصل

طور پر کتب البیوع میں اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۲۲۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْوَلَاءُ لِحِمَّةٍ كُلِّحِمَةٍ تَعْلُقُ بِهِ جَسَدٌ نَبْشٍ أَوْ يَبَاقُ وَلَا يُؤْهَبُ». رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جَبَّانٍ وَالْحَاكِمُ، وَأَضْلَفَهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ بِغَيْرِ هَذَا اللَّفْظِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ولاء بھی نسب کی طرح ایک جزو اللہ ﷻ: «الولاء لِحِمَّةٍ كُلِّحِمَةٍ تَعْلُقُ بِهِ جَسَدٌ نَبْشٍ أَوْ يَبَاقُ وَلَا يُؤْهَبُ»۔ رواہ الشافعی، وصحَّحہ ابن جبَّان والحاکم، وأضلفہ فی الصحیحین بغیر هذا اللفظ۔“ (اسے شافعی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور صحیحین میں اس کا اصل ہے جس کے الفاظ یہ نہیں)

لغوی تشریح: لحمۃ لام پر ضمہ اور فتح دونوں درست ہیں۔ کپڑے کے بانا کو کہتے ہیں اور سبل السلام میں ہے کہ اس کو تعلق نسب سے تشبیہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ میراث جس طرح نسب میں جاری ہوتی ہے اسی طرح ولاء میں بھی جاری ہوتی ہے جیسے کپڑے کے بننے کو تانے کے ساتھ ملا دیتے ہیں تو ایک ہی چیز بن جاتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والے کو ولاء اسی طرح ملتی ہے جس طرح نسب کے قریبی کو میراث ملتی ہے۔ جس طرح باپ بیٹے اور بھائی بھائی کا ایسا تعلق ہے جو ناقابل فروخت ہے اور بہہ بھی نہیں ہو سکتا اسی طرح ولاء نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ بہہ۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ ولاء اس میراث کو کہتے ہیں جو شرعاً آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کردہ کی وجہ سے ملتا ہے۔

۱ - بَابُ الْمَدْبَرِ وَالْمَكَاتِبِ وَأُمِّ الْمَدْبَرِ

(۱۲۲۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَن ذُبُرٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: فَأَخْتَأَجَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنا ایک غلام مرتے وقت آزاد کر دیا۔ اس کی ملکیت صرف یہی مال تھا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا ”کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خریدتا ہے؟“ نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے اسے آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں پس وہ محتاج ہوا۔

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اس پر قرض تھا پس آپ نے اسے آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کیا اور اسے دے کر فرمایا ”اپنا قرض ادا کر۔“

وَفِي رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِيِّ: وَكَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَبَاعَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَأَعْطَاهُ، وَقَالَ: «أَقْضِ دَيْنَكَ».

لغوی تشریح: ﴿باب المدبر﴾ تدبیر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور ”مدبر“ اس غلام کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک یوں کہدے کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ ﴿والمکاتب﴾ یہ اسم مفعول ہے مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا و مالک سے ایک مقرر مال پر معاہدہ کر لے کہ جب وہ طے شدہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اس عقد کو مکاتب کہتے ہیں۔ ﴿ام الولد﴾ اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کی اس کے مالک سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔

حاصل کلام: یہ حدیث کتاب البیوع میں مختصر گزر چکی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلام کو مدبر کرنا درست ہے اور جمہور کہتے ہیں کہ اس کو تیسرے حصے میں سے تدبیر کیا جاسکتا ہے سارے راس المال سے نہیں۔ اس حدیث سے ”بولی“ دینا جائز ثابت ہوا۔ یعنی ایک چیز کو فروخت کرنے کیلئے کہنا کہ کون اس چیز کو خریدتا ہے؟ ایک نے کہا میں اسے اتنے میں خریدتا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں اتنے میں خریدتا ہوں۔ اس طرح گاہک قیمت بڑھاتے جاتے ہیں۔ مالک جب دیکھتا ہے کہ اب اس کی قیمت ٹھیک لگ گئی ہے تو وہ اسے فروخت کر دیتا ہے۔ آج کل منڈیوں میں عام طور پر سودا جات اسی طرح فروخت ہو رہے ہیں اور یہ طریقہ جائز ہے۔

راوی حدیث: ﴿نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ﴾ ان کا لقب نعام تھا۔ نون پر فتح اور ”خا“ پر تشدید۔ قریش کے قبیلہ عدی سے تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ شروع میں اپنا ایمان مخفی رکھا۔ انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو بنو عدی نے کہا یہاں سے نہ جاؤ چاہے کسی بھی دین پر قائم رہو کیونکہ یہ یوگان و یتائی پر خرچ کرتے تھے پھر انہوں نے صلح حدیبیہ والے سال ہجرت فرمائی۔ عہد صدیقی یا فاروقی میں فتح شام کے موقع پر شہادت پائی۔

(۱۲۳۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ، مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ ذَرْهُمُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ. وَأَضْلَعَهُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَالثَّلَاثَةَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک اس کی مکاتبت سے ایک درہم بھی باقی ہے۔“ (اسے ابو داؤد نے حسن سند سے نکالا ہے اور اس کی اصل احمد اور تینوں کے ہاں ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿المکاتب عبد﴾ جس پر غلام ملوک کے احکام جاری ہوں گے۔ حاصل کلام: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ”مکاتب“ جب تک کتابت کی رقم ادا نہ کر سکے اس وقت تک وہ غلام ہی رہے گا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

(۱۲۳۱) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کے پاس

ﷺ: «إِذَا كَانَ لِإِحْدَاكُم مَّكَاتٌ، مَكَاتٌ هُوَ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ ادا کر کے وَكَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي، فَلْتَحْتَجِبْ آزاد ہو سکتا ہے تو پھر (عورت کو) اس سے پردہ کرنا مِنْهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَزْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ. چاہئے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکاتب کے پاس زر کتابت ادا کرنے کیلئے رقم کا بندوبست ہو جائے تو مالک کو اس سے پردہ کرنا چاہئے۔ حالانکہ مالک غلام سے پردہ کرنے کی پابند نہیں ہوتی۔ یہ امر استحباب اور تورع کیلئے ہے کیونکہ اوپر والی حدیث میں ہے کہ مکاتب جب تک پوری زر کتابت ادا نہ کر دے وہ اس وقت تک غلام ہی کے حکم میں رہتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پردہ ایک مسلمان خاتون کیلئے ضروری ہے جب مکاتب سے پردہ کا حکم ہے تو دوسروں سے کیوں نہیں۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عورت غلام کو دیکھ سکتی ہے۔

(۱۲۳۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نے فرمایا کہ ”مکاتب“ جتنا آزاد ہے اس قدر آزاد قَالَ: «يُودَى الْمُكَاتِبُ بِقَدْرِ مَا عَتَقَ کی دیت ادا کرے گا اور جتنا غلام ہے اس قدر غلام مِنْهُ دِيَّةُ الْحَرِّ، وَبِقَدْرِ مَا رَقِيَ مِنْهُ دِيَّةٌ کی۔“ (اسے احمد، نسائی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے) الْعَبْدُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿یودی المکاتب﴾ یودی فعل مضارع ”یا“ پر ضمہ اور واؤ ساکن دال پر فتح میخەر مجہول ودی بدی دیہ سے معنی ہے مکاتب کی دیت دے گا۔ ﴿بقدر ما عتق منه﴾ وہ حصہ جس کے ادا کرنے کے بعد وہ آزاد ہوتا ہے۔ ”دیہ الحر دیہ منسوب ہے یعنی آزاد کی دیت۔ ﴿وبقدر مارق منه﴾ غلام کی دیت دی جائے گی جس قدر غلام رہ گیا ہے۔ مثلاً جب مکاتب کو قتل کر دیا گیا جب کہ اس نے آدھی زر کتابت ادا کر دی تھی تو اس صورت میں قاتل آدھی دیت آزاد کی اور آدھی غلام ہونے کی دے گا۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عام فقہاء کا قول یہ ہے کہ مکاتب جب تک پورا زر کتابت ادا نہ کر دے اس وقت تک وہ بار اس کے ذمہ ہے۔ جہاں تک ہمارا مبلغ علم ہے علماء میں سے سوائے ابراہیم نخعی کے اس حدیث پر کسی نے فتویٰ نہیں دیا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک قول یہی ہے اور جب حدیث کی صحت ثابت ہو تو اس پر عمل واجب ہے بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو اور نہ اس کے معارض کوئی دوسری حدیث ہو جو اس سے بہتر ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مکاتب کے قتل کئے جانے کی صورت میں دیت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ جب مکاتب قتل ہو جائے اور وہ اپنی نصف زر کتابت ادا کر چکا ہو تو اس صورت میں قاتل نہ آزاد کے سوا اونٹ ادا کرے گا اور نہ غلام کے آدھے بلکہ جب وہ آدھی زر کتابت دے چکا ہے تو پھر قاتل پر ۵ اونٹ

واجب الادا ہوں گے۔

(۱۲۳۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَخِي جُوَيْرِيَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ جُوَيْرِة رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ ذَرْهَمًا، وَلَا دِينَارًا، وَلَا عَبْدًا، وَلَا أَمَةً، وَلَا شَيْئًا، إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءُ، وَسِلَاحَهُ، وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً. حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہما نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم میراث میں پیچھے چھوڑا اور نہ دینار اور نہ کوئی غلام اور نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز۔ بس ایک سفید خچر، اپنا اسلحہ جنگ اور کچھ تھوڑی سی زمین جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔ (بخاری، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ).

لغوی تشریح: ﴿ولامۃ﴾ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آپؐ نے ام ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے چھوڑا تھا پھر لامۃ کتنا کیسے درست ہوا جبکہ ان کی وفات تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ہے۔ اس کا جواب اس حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ چونکہ وہ ام ولد تھیں، اس لئے وہ لونڈی نہ رہیں۔ اسی بنا پر مصنف رحمہ اللہ نے اس باب میں اس حدیث کو بیان کیا ہے اور رہی وہ تھوڑی سی زمین جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ آپؐ کو اپنی زندگی میں تین زمینیں حاصل ہوئی تھیں۔ بنو نضیر کے کجور کے باغ، خیبر کی زمین اور فدک کی زمین، بنو نضیر کی کجوریں تو آپؐ کیلئے خصوصی طور پر تھیں۔ اکثر آپؐ نے ان میں سے ماجرین کو عطا فرما دی تھیں۔ اور تھوڑی سی ان میں سے بطور وقف برائے ضروریات ناگمانی روک لی تھیں اور یہ وہی صدقہ تھا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ رہا خیبر کی زمین کا معاملہ تو اسے آپؐ نے تین ہزار چھ سو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کا نصف ایک ہزار آٹھ سو، اسے آپؐ نے غزوہ خیبر میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں دوسرے کسی مسلمان کی طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی حصہ تھا اور دوسرا نصف حصہ الگ رکھا وہ بھی ایک ہزار آٹھ سو تھا یہ حصہ آپؐ نے اپنی اور مسلمانوں کی ناگمانی ضروریات کیلئے وقف کر دیا۔ رہا فدک کا حصہ تو یہ آپؐ کیلئے مخصوص تھا اسے آپؐ نے مسافروں کیلئے وقف و مخصوص کر دیا تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے نبی ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ تریسٹھ کے لگ بھگ لونڈی غلام آپؐ کے قبضہ میں آئے۔ آپؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا اور اپنے پیچھے کوئی میراث نہیں چھوڑی بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ ”انبیاء کا گروہ درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑتے جو ترکہ چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔“

راوی حدیث: ﴿عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ﴾ یہ صاحب ابن حارث بن ابی ضرار بن حبیب خزاعی مصلقی

تھے۔ یعنی قبیلہ خزاعہ کی شاخ مصطلق سے تھے۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔

(۱۲۳۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَيُّمَا أُمَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَرَوَّجَهُ جَمَاعَةٌ وَفَقَهُ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث اور پہلی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ام ولد اپنے آقا کی وفات کے بعد از خود آزاد ہو جاتی ہے۔ یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں حسین بن عبد اللہ ہاشمی بہت ہی کمزور و ضعیف راوی ہے۔

(۱۲۳۵) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعَانَ مُجَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ غَارِمًا فِي عُسْرَتِهِ، أَوْ مُكَاتَبًا فِي رَقَبَتِهِ، أَظَلَّهُ اللَّهُ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے مجاہد فی سبیل اللہ کی اعانت و مدد کی یا جنگی حالات میں کسی مقروض سے تعاون کیا یا کسی مکاتب کو اس کے زر کتابت کی ادائیگی میں ہاتھ بٹایا کہ وہ آزاد ہو جائے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اس روز سایہ عطا فرمائے گا جس روز اس کے سایہ کے ماسوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔“ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الغارم﴾ جس پر قرض کا بار ہو یعنی مقروض۔ دراصل لغت میں غارم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کا ضامن بنے۔ جس کا ضامن بنے وہ اپنے ذمہ کی رقم وغیرہ ادا نہ کر سکے اور ضامن کو وہ رقم ادا کرنی پڑے تو یہ ضامن بھی غلام کہلائے گا۔ تہی دست ہو تو ایسے مقروض کو بھی غلام کہتے ہیں پھر ہر ایک مقروض پر یہ لفظ بولا جائے گا۔

حاصل کلام: اسلام خیر خواہی، مواساة اور باہمی ہمدردی کا درس دیتا ہے۔ برے وقت اور خراب حالات میں ایک دوسرے سے تعاون کی تلقین و ترغیب دیتا ہے۔ اسی کی روشنی میں اس حدیث میں مقروض کو بار قرض سے بسکدوش کرانے اور مجاہد فی سبیل اللہ کی ضروریات پوری کرنے کی ترغیب ہے کہ قیامت کے

915 آزادی کے مسائل

روز جب کوئی سایہ دار چیز نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ اسے سایہ نصیب کریں گے۔



۱۶۔ کِتَابُ الْجَامِعِ

متفرق مضامین کی احادیث

ادب کا بیان

۱۔ بَابُ الْأَدَبِ۔

(۱۲۳۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ، إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانصَحْهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدِ اللَّهَ فَسَمِّنْهُ، وَإِذَا مَرَضَ فَعُدَّهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ جب ملاقات ہو تو“ تو اسے سلام کہہ اور جب دعوت پر مدعو کرے تو دعوت قبول کر اور جب نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر اور چھینک مار کر الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں تو یرحمک اللہ کہہ اور جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر اور جب وفات پا جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کر۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب الجامع﴾ اس میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے مثلاً آداب، اخلاق، نیکی و خیر خواہی، زہد و تقویٰ اور اذکارِ منونہ کا وغیرہ۔ ﴿ست﴾ صرف چھ حقوق پر منحصر ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔ ﴿فسمنه﴾ امر ہے تشمیت سے اور وہ اس طرح کہ چھینک مارنے والا الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ ﴿فعطس فحمد الله﴾ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر چھینک مارنے والا الحمد للہ نہ کہے تو سامع پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔ ﴿فعده﴾ یہ عیادۃ سے امر ہے اور باب نصر سے ہے۔ ﴿فاتبعه﴾ اس کی اتباع سے مراد ہے کہ اس کے جنازے کے پیچھے پیچھے چل۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق بیان ہوئے ہیں۔ مسلم کی ایک روایت میں پانچ کا ذکر بھی ہے، اس میں خیر خواہی کا ذکر نہیں اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب وہ تجھے کسی معاملہ پر قسم اٹھوائے تو حق ہونے کی صورت میں قسم دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان چھ حقوق کا ادا کرنا ہر مسلمان پر بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ مگر ظاہر حدیث کے الفاظ سے ان حقوق کی ادائیگی واجب ہی معلوم ہوتی ہے۔

(۱۲۳۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «انْظَرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظَرُوا إِلَى مَنْ هُوَ يَزِيدُ مِنْكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدُرُوا كَوْحِيرَهُ سَمَّوْكَ». (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ لَا تَنْظَرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ ﴾ اپنے سے اوپر سے مراد مال و دولت میں 'جاہ و حشمت میں اور دنیوی امور و معاملات میں بالا و برتر۔ ﴿ اجدر ﴾ زیادہ مناسب، زیادہ لائق اور زیادہ مستحق۔ ﴿ ان لا نزدرو ﴾ حقیر اور معیوب نہ سمجھو اور یہ اس لئے کہ انسان جب اپنے سے فروتر کی طرف دیکھتا ہے تو قناعت کرتا ہے، شکر ادا کرتا ہے اور جب اپنے سے بالاتر کی طرف دیکھتا ہے تو حرص و لالچ اور حسد کرتا ہے اور جس نعمت میں وہ اس وقت ہوتا ہے اسے حقیر تصور کرتا ہے۔

(۱۲۳۸) وَعَنْ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: نَسِيتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِنْسَانِ، فَقَالَ: «الْبِرُّ حُسْنُ مَا خَلَقَ فِي صَدْرِكَ وَالْإِنْسَانُ مَا خَلَقَ فِي صَدْرِكَ». (مسلم)

آخر جہ مسلمہ۔

لغوی تشریح: ﴿ مَا خَلَقَ فِي صَدْرِكَ ﴾ تیرے سینے میں اضطراب پیدا کرے اور تو اسے انجام دینے میں تردد اور تذبذب میں مبتلا ہو کہ اس کے کرنے میں ملامت ہوگی یا اسے اس خوف اور ڈر کے پیش نظر چھوڑ دے کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں نیکی اور گناہ کی حقیقت کے بارے میں بیان ہوا کہ نیکی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ان سے دوستی رکھے، ان پر مشقت نہ ڈالے، ان کے کام آئے، ان کے بوجھ اٹھائے، ان سے برا سلوک نہ کرے۔ ہاتھ، زبان سے ان کے ساتھ دست درازی نہ کرے۔ بلاوجہ آپ سے باہر نہ ہو جائے۔ حتی الوسع درگزر اور عفو سے کام لے۔ مواخذہ اور گرفت کا رویہ اختیار نہ کرے وغیرہ اور گناہ یہ ہے کہ دل میں کھٹک اور شبہ رہے کہ نہ جانے یہ کام اللہ کی نظر میں کیسا ہے۔ دل میں تسلی و تشفی نہ ہو۔ اس دنیا میں نیکی اور گناہ کی کشمکش جاری ہے اور جاری رہے گی۔ نیکی اور برائی کو پہچاننے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔

راوی حدیث: ﴿نَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ﴾ نواس میں واؤ پر تشدید اور سمعان میں سین پر فتح یا کسرہ۔ بن خالد کلابی عامری۔ بنو کلب سے تعلق تھا۔ شامی صحابہؓ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کے باپ نے نبیؐ کے پاس ان کو بلانے کے لئے ایک وفد بھیجا۔ نبیؐ کو جوتے ہدیئے میں بھیجے جنہیں آپؐ نے قبول فرمایا۔

(۱۲۳۹) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَوْنَ تِسْرَةً كَوَالِغِ كَرِيسٍ تَأْوِثُكُمُوهُ اثْنَانِ دُونَ الْآخَرِ، حَتَّى تَخْتَلِطُوا لَوْ كُنْتُمْ مَلَّ جَلَّ نَهَاجٍ كَيْفَ تَكُونُ اسَ طَرَحِ يَه بِالنَّاسِ، مِنْ أَجْلِ أَنْ ذَلِكَ شَيْءٌ مِنْ غَمَلِكُمْ وَأَنْ تَكُونَ رَجِيحَةً خَاطِرُ كَرِيهِ». (بخاری و یحزَنُهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔ مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿التناجی﴾ سرگوشی کو کہتے ہیں۔ حاصل کلام: اس حدیث میں ساتھی کو نظر انداز کر کے کانا پھوسی اور سرگوشی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جس سے انسانی جذبات و احساسات کا احترام ملحوظ رکھنے کا سبق ملتا ہے کہ ایسا کام انجام نہ دیا جائے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو اور اسے خیال گزرے کہ یہ مجھے اپنا نہیں بلکہ غیر تصور کرتے ہیں یا اسے کھٹکا اور اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں میرے خلاف ساز باز کر رہے ہیں اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے دوسرے کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچتی ہے اس لئے جماعتی زندگی میں کانا پھوسی اور سرگوشی کرنا منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۲۴۰) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلَكِنْ تَفْسَحُوا وَتَوْسَعُوا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کوئی آدمی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ نہ بیٹھے۔ اگر جگہ کی کمی ہو تو حلقہٴ مجلس وسیع اور کشادہ کر لے اور اس میں توسیع کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ولكن تفسحوا﴾ یعنی اہل مجلس سکر کر قریب قریب ہو جائیں۔ تفسحوا اور توسعوا تقریباً ہم معنی ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مجلسی آداب کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر مجلس میں جگہ کی کمی واقع ہو رہی ہے اور لوگوں کی آمد بدستور جاری ہے تو پہلے نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگ ذرا سکر جائیں، ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں یا مجلس کو ذرا اور وسیع کر لیا جائے تاکہ آنے والے حضرات بھی بیٹھ سکیں۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک آدمی کسی ضرورت کے پیش نظر اپنی نشست چھوڑ کر ذرا دیر کیلئے باہر جائے تو

اظہار کرے۔“ اسی طرح کم تعداد‘ زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں اس میں کثرت کو قلت پر فوقیت اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اسلام نے حفظ مراتب کا اہل اسلام کو سبق دیا ہے جس پر ماشاء اللہ یہ امت عمل پیرا ہے۔

(۱۲۴۳) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يُجْزَى عَنْ الْجَمَاعَةِ - إِذَا مَرُّوا - أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ، وَيُجْزَى عَنْ الْجَمَاعَةِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدُهُمْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب ایک جماعت کسی کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ایک آدمی کا سلام کہہ دینا کافی ہے اور جماعت میں سے ایک آدمی کا جواب دینا کافی ہے۔“ (مسند احمد، سنن بیہقی)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کہنا اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ جماعت میں سے ایک فرد اگر جواب دے گا تو تمام کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی۔

(۱۲۴۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلَى أَضْبَاقِهِ» أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام مت کرو اور جب ان سے راستہ میں ملد بھڑ ہو جائے تو انہیں تنگ راستہ کی طرف مجبور کر دو۔“ (مسلم)

(۱۲۴۵) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا عَظَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ. فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَلْيَقُلْ لَهُ: يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمد للہ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے) کہنا چاہئے اور اس کا بھائی اسے یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے۔ جب وہ یرحمک اللہ کہہ دے تو پھر چھینک مارنے والا جواباً کہے یرحمکم اللہ (اللہ تمہارا حال درست فرمائے)۔

(بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک کا جواب دینا چاہئے بشرطیکہ چھینک مارنے والا پہلے الحمد للہ کہے اور یہ جواب تین بار تک چھینک آئے تو دینا چاہئے اس سے زیادہ ہو تو جواب نہیں دینا چاہئے

کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ ”تین سے زیادہ چھینکیں زکام کی علامت ہیں۔“ (ابوداؤد) (۱۲۴۶) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا». ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی کھڑے کھڑے آخرِ حجہ مُسَلِّمٌ۔“ پانی نہ پئے۔“ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے کی ممانعت ہے۔ اس ممانعت کو جمہور علماء نے بھی تنزیہی پر محمول کیا ہے لیکن ابن حزم کا قول ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے اور بعض علماء اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے آب زم زم کھڑے ہو کر پینا ثابت ہے غالباً اسی بنا پر جمہور نے کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کو بھی تحریمی پر محمول نہیں کیا۔

(۱۲۴۷) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشَّمَالِ، وَلْتَكُنِ الْيَمْنَى أَوْ لَهَا تَنْعَلُ، وَآخِرُهُمَا تَنْزَعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی جوتا پہننے لگے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے اور چاہیے کہ دائیں پاؤں میں جوتا پہلے پہنے اور دونوں پاؤں میں سے آخر میں دائیں پاؤں سے جوتا اتارے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الانتعال﴾ جوتے پہننا۔ حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے ہر باعث تکرم اور موجب عزت کام کا آغاز دائیں طرف سے ہونا چاہئے اور ہر کم اہمیت والا کام بائیں جانب سے شروع کیا جائے۔ مثلاً جوتا پہننا، ننگھی کرنا، وضو کرنا، قیض و شلوار یا پاجامہ وغیرہ پہننا دائیں طرف سے اور جوتا اتارنا، استنجا کرنا وغیرہ بائیں جانب سے۔ اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اور نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر نکالنا چاہئے۔

(۱۲۴۸) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَمْسَسُ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَلْيَنْعِلْهُمَا جَمِيعًا، أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. دے۔“ (بخاری و مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلے پھرے یا دونوں یکجا پہنے یا پھر دونوں اتار لے۔“

لغوی تشریح: ﴿ليخلعهما﴾ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا ضبط اس طرح کیا ہے کہ حرف مضارع یعنی یا پر ضمہ ہے اور اسے باب افعال سے مانا ہے اور تشنہ کی ضمیر دونوں پاؤں کی جانب راجع ہے اگرچہ ان دونوں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس تکلف کی چنداں ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ باب فتح سے بھی جوتا پہننے کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿اوليخلعهما﴾ دونوں پاؤں سے اتار لے یہ نووی رحمہ اللہ کی تفسیر کی رو سے

ہے اور یہ معلوم ہے کہ ضمیر کا فعلین کی جانب مرجع زیادہ فصیح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿احلح نعلیک﴾ اپنے جوتے اتار دو۔

حاصل کلام : اس حدیث کی رو سے ایک جو تا پسن کر نہ چلنا چاہئے۔ دونوں پہنے یا دونوں اتار دے۔ بعض علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ جوتے پہننے سے مقصود دونوں پاؤں کو تکلیف دہ چیزوں مثلاً کانٹا وغیرہ سے بچانا ہوتا ہے جب کہ ایک پاؤں ننگا ہوگا تو مقصد حاصل نہیں ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شیطان کے چلنے کا طریقہ ہے۔ (سبل) سیدھی سی بات ہے کہ ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا لئے پھرنا شائستگی اور تہذیب کے بھی منافی ہے۔

(۱۲۴۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: «لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ
نَوْبَهُ خِيَلَاءَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا جو تکبر سے اپنا کپڑا پاؤں کے نیچے اور پیچھے گسیٹا پھرے۔“ (بخاری و مسلم)

غلوٰی تشریح: ﴿الخیلاء﴾ ”خا“ پر ضمہ اور کسرہ بھی اور ”یا“ پر فتح۔ اس کے معنی تکبر، عجب، تفاخر اور اترانا وغیرہ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے مردوں کیلئے ٹخنوں سے نیچے چادر وغیرہ کا لٹکانا حرام ہے۔ کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے۔

(۱۲۵۰) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرَبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہی سے پیتا ہے۔“ (مسلم)
 حاصل کلام: اس حدیث کی رو سے کھانا پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہئے۔ بلاوجہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا پینا حرام ہے اور شیطان سے مشابہت ہے۔

(۱۲۵۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كُلُّ مَنْ كَرِهَ لِمَنْ اسْرَفَ أَوْ فُخِرَ بِلَيْسَ مِنْكُمْ» (اس کو ابوداؤد اور

سَرَفٍ وَلَا مَخِيلَةٍ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ احمد نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے معلق بیان کیا وَأَحْمَدُ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ. ہے۔

لغوی تشریح: ﴿السرف﴾ سین اور ”را“ دونوں پر فتح، ہر عمل اور فعل میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا اور اتفاق میں زیادہ مشہور ہے اور محملۂ بروزن عظیمہ کے معنی ہیں تکبر، عجب۔ حاصل کلام: اس حدیث میں اسراف اور تکبر سے منع کیا گیا ہے خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو، لباس سے ہو یا صدقہ و خیرات سے۔ یہ دونوں بہر آئینہ ناجائز ہیں۔ شیخ عبداللطیف بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث انسان کے دنیوی و اخروی مصالح کی جامع ہے۔ کیونکہ اسراف ہر جگہ نقصان کا باعث ہے۔ زیادہ کھانے سے صحت برباد ہوتی ہے اور معیشت پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور تکبر کرنے والا دنیا میں دوسروں کی نظروں میں بھی مبغوض ہوتا ہے اور آخرت میں ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بنتی ہے۔ (بل)

نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

۲ - بَابُ الْبِرِّ وَالصَّلَةِ

(۱۲۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ أَسْوَءَ مَا يَكُونُ مِنْ رَحْمَةٍ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿باب البر﴾ ”باء“ کے نیچے کسرہ بھلے اور نیک کام میں وسعت پزیری۔ یہ ہر قسم کی برائیوں سے بچنے اور ہر قسم کی بھلائیوں کے اکتساب سے حاصل شدہ تمام نیکیوں اور بھلائیوں کو جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق اس خالص عمل پر ہوتا ہے جو دم واپس تک مسلسل و لگاتار ہوتا رہے۔ ﴿والصلۃ﴾ مصدر ہے۔ قطع کی ضد ہے۔ معنی اس کے ملانا، جوڑنا، صلہ رحمی کرنا، اور صلہ رحمی کنایہ ہے قریبی رشتہ داروں سے احسان اور حسن سلوک کا، صلہ رحمی یعنی جوڑنے سے قریبی رشتہ دار نسبی اور سرالی دونوں مراد ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنا اور ان پر مہربانی کرنا اور قطع رحمی صلہ رحمی کی ضد ہے۔ ﴿ان یبسط﴾ صیغہ مجہول۔ رزق میں توسیع و کشادگی پیدا ہو، ﴿ان ینسأ﴾ یہ بھی صیغہ مجہول۔ یعنی اضافہ ہو۔ ﴿فی اثرہ﴾ یعنی اس کی عمر میں، مدت اجل میں، عمر میں اضافہ کے معنی یہ ہیں کہ اسے نیک کاموں اور اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق سے نوازا جائے گا اور اس کی زندگی اور ایام زندگی میں برکت ڈالی جائے گی اور اس کا ذکر جمیل اس کی وفات کے بعد بھی باقی رہے گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عمر میں اضافہ حقیقت میں ہے اللہ کے علم کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہیں بلکہ فرشتے

کے علم کے اعتبار سے ہے جسے انسان کی عمر پر مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کی عمر سو برس کی ہوگی اگر وہ صلہ رحمی کرے گا اور اگر قطع رحمی کرے گا تو ساٹھ برس ہوگی۔ حالانکہ اللہ کے علم میں ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا قطع رحمی۔ جو علم الہی میں ہے اس میں کوئی ردوبدل اور تغیر نہیں ہوگا اور جو فرشتے کے علم میں ہے اس میں کی بیشی کا امکان ہے۔ پہلی تاویل رائج ہے۔

(۱۲۵۳) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، حَضْرَتِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ اللَّهُ ﷻ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ دَاخِلٌ مِنْهُمْ هُوَ الْغَائِبُ عَنْهُمْ. (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں قطع رحمی کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے کہ ایسا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ قطع رحمی کبیرہ گناہ ہے اور جنت میں داخل نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس جرم کا مرتکب فی الفور جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اپنے اس گناہ کی سزا کے بعد ہی جنت میں جائے گا۔

(۱۲۵۴) وَعَنْ الْمُغْبِرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، حَضْرَتِ مُغْبِرَةَ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَادَّ النَّبَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتٍ، وَكَرِهَ لَكُمْ قَيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ». (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿عقوق﴾ عین پر ضرمہ۔ ﴿عق﴾ سے ماخوذ ہے جس کے دراصل معنی قطع کرنے، پھاڑنے کے ہیں اور عق والدہ الخ۔ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ اپنے والد کو اذیت و تکلیف دے اور اس کی نافرمانی اور اس کے خلاف خروج و بغاوت کرے۔ اس سے مراد ہے کہ اپنے قول و فعل سے اپنے والدین کو اذیت دے اور اس میں عرف کے مطابق نرمی نہ ہو۔ ﴿واد﴾ اس میں ہمزہ ساکن ہے۔ بچی کو زندہ درگور کرنا۔ ﴿منعاً وھات﴾ منع کے معنی روکنا یعنی اموال اور حقوق میں سے واجبات بھی ادا کرنے سے باز رہنا اور ھات میں تا کے نیچے کسرہ ہے اور یہ امر مجذوم ہے اور اس سے مراد ہے ایسا مال طلب کرنا جس کے طلب کرنے کا اسے استحقاق نہ ہو۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالدار آدمی کیلئے بخل اور سوال کرنا حرام قرار دیا ہے۔ ”قیل وقال“ بہت زیادہ باتیں کرنا، کثرت کلام اور لالچنی و بے معنی جھگڑا اور مجادلہ اور لوگوں کے معاملات و حالات، ان کے حکایات اور تصرفات کے بارے میں باتوں میں مشغول رہنا۔

(۱۲۵۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قَطَعَ رَحِمَهُ قَطَعَ اللَّهُ رَحِمَهُ». (بخاری و مسلم)

وَلَذَكَ حَشْبَةً أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ». قُلْتُ: اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تمہارے ساتھ
تُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةٍ مل کر کھائیں گے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ پھر کون
جَارِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. سا؟ آپ نے فرمایا ”یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی اہلیہ
سے زنا کرے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ندا﴾ نون کے نیچے کسرہ اور دال پر تشدید۔ اس کے معنی ہیں شریک، سا جہی اور اصل
میں اس کے معنی ہیں نظیر، ثیل، پناہ کنندہ۔ ﴿حلیلہ جَارِکَ﴾ ہمسایہ کی اہلیہ، قتل اور زنا مطلقاً کبیرہ
گناہ ہیں لیکن قتل ولد اور ہمسایہ کی بیوی سے منہ کالا کرنا، عظیم ترین اور فحش ترین افعال ہیں کیونکہ
دوسروں کے مقابلہ میں ان دونوں کا حق زیادہ ہے کہ ان کے حقوق کا خیال و لحاظ رکھا جائے اور ان کو
تحفظ فراہم کیا جائے۔ جب باڑھ ہی کھیت کو کھانے لگ جائے تو اس کھیت کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

(۱۲۵۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی
بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کبیرہ گناہوں میں
سے اپنے والدین کو گالی دینا ہے۔“ کہا گیا کہ کیا کوئی
«مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ»، شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ نے
قِيلَ: وَهَلْ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ فرمایا ”ہاں! کہ وہ کسی آدمی کے باپ کو گالی گلوچ
قَالَ: «نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ کرتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی گلوچ کرتا ہے اور
أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ». مُتَّفَقٌ وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی والدہ کو
غَلِيَةً. گالی دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کام کیلئے سبب بننا گویا خود اس کام کو انجام دینا ہے۔
بالفاظ دیگر حرام چیز کے اسباب بھی حرام ہوتے ہیں۔ اگر اسباب کو عملی جامہ پہناتے وقت مسبب کی نیت نہ
بھی ہو پھر بھی ان کا ارتکاب جرم ہے۔ نیز اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی کام کا اگر نتیجہ حرام ہو تو وہ کام
بھی حرام ہے۔ اس لئے اگر اپنے والدین کو گالی سے بچنا ہے تو دوسرے کے والدین کو گالی نہ دو اور نہ ہی
ان کو برا بھلا کہو۔

(۱۲۵۹) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ حضرت ابویوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا کہ ”کسی مسلمان کیلئے یہ حلال نہیں
قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع
أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. يَلْتَقِيَانِ تعلق رکھے۔ جب دونوں کا آمنہ سامنا ہو تو یہ اپنا منہ
فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، ادھر کر لے اور وہ ادھر کر لے۔ دونوں میں بہتر

وَحَيَّرَهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ». مُتَّفَقٌ أَنَّهُ هُوَ الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ فِي الْوُجُوهِ. (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو مسلمان بھائیوں کی ناراضی ذاتی نوعیت کے معاملات کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں تین روز سے زیادہ دن ناراض رہنا جائز نہیں ہے لیکن اگر ناراضی کی وجہ دینی معاملہ ہو تو اس کیلئے غالباً کوئی حد نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ سے تادم زیست قطع روابط کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ دینی ناراضی تو عین ایمان کی علامت ہے۔ علت ناراضی موجود ہے، اس وقت تک قطع تعلق درست ہے جب وہ سبب دور ہو جائے تو ناراضی کو بھی ختم کر دینا چاہئے کیونکہ مومن صادق کے ہاں باہم تعلقات کا سبب دین ہے، دنیا نہیں۔

(۱۲۶۰) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿المعروف﴾ بھائی کا ہر کام۔ دوسری حدیث جو آگے بیان ہو رہی ہے اس کیلئے ایک نص ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف مال خرچ کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے۔ ترمذی اور ابن حبان میں ابوداؤد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تیرے اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا بھی صدقہ ہے اور اس کی اچھے کام کی طرف رہنمائی کرنا اور غیر شرعی کام سے روکنا بھی صدقہ ہے اور گم کردہ راہ گیر کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے یہاں تک کہ راستہ سے ہڈی اور کانٹے کا اس نیت سے دور کرنا کہ راہ چلتے مسافر کیلئے باعث اذیت و تکلیف ہو گا“ صدقہ ہے۔ اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں کچھ پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔“

(۱۲۶۱) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِهِ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿بوجہ﴾ تنوین کے ساتھ۔ ﴿طلق﴾ اس میں لام ساکن ہے۔ طلیق بروزن امیر آتا ہے اور طلق کسف کی طرح طلق کہتے ہیں خندہ پیشانی کو یعنی اپنے بھائی سے ملاقات کے وقت چہرہ مسکراتا، ہنستا، کھلتا ہو۔

(۱۲۶۲) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ النَّبِيِّ ﷺ: «كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ».

اللہ ﷻ: «إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ» ”جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال لیا مائعاً، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ“۔ أَخْرَجَهُمَا۔ کرو اور اپنے ہمسایہ کا بھی خیال رکھا کرو۔“ (ان مسلم)۔
دونوں احادیث کو مسلم نے روایت کیا ہے

لعوی تشریح: ﴿المرقہ﴾ ’میم‘ را اور قاف پر فتح۔ وہ پانی جس میں گوشت کو جوش دے کر ابلا جاتا ہے اور وہ چکناٹ والا ہو جاتا ہے۔ ﴿تعاهد﴾ ’صیغہ امر کے ساتھ۔ خیال رکھو اور ﴿جیران﴾ جوار کی جمع جس کے معنی ہمسایہ و پڑوسی کے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ہمسایہ سے حسن سلوک کا حکم ہے حتیٰ کہ فرمایا اگر گوشت پکانے کی نوبت آگئی ہے تو بجائے قورمہ اور بھنا ہوا پکانے کے اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال کر شوربا تیار کر لیں اور اس میں سے ہمسایہ کے ہاں بھی بھیج دیں، ہمسایہ اگر غریب ہو تو آپؐ کا یہ ارشاد وجوب کیلئے ہو گا اور اگر امیر ہو تو پھر استہباب پر محمول ہو گا۔ ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جبریل علیہ السلام جب میرے پاس تشریف لاتے تو مجھے حق ہمسایہ کی پرزور تلقین کرتے رہتے حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں ہمسایہ کو وارث نہ بنا دیا جائے۔

(۱۲۶۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ“۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو کوئی دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں میں سے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز، قیامت کی سختیوں میں سے اس کی کوئی سختی دور فرما دے گا اور جو کوئی کسی تنگ دست کیلئے دنیا میں آسانی پیدا کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کیلئے آسانی پیدا فرمائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے گا۔“
(مسلم)

لعوی تشریح: ﴿نفس﴾ تنفیس سے ماخوذ ہے، کشادہ کرتا ہے، دور کرتا ہے اور تکلیف کے بندھن سے کھول کر آزاد کر دیتا ہے۔ ﴿کربہ﴾ کاف پر ضمہ اور ”را“ ساکن۔ اس کی جمع ﴿کرب﴾ کاف کے فتح سے آتی ہے یعنی مشقت، حزن اور پریشانی۔

(۱۲۶۴) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اس كُو بھى نيكى پر عمل پيرا ہونے والے كے برابر أَجْرٍ فَاعِلِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ. ثواب ملتا ہے۔“ (مسلم)

حاصل كلام: اس حدیث سے معلوم ہوا كہ نيك عمل كى راہنمائى كرنے والے كو اتنا ہى اجر و ثواب ملے گا جتنا اس نيكى پر عمل كرنے والے كو ملے گا۔ يہ راہنمائى براہ راست ہو يا بالواسطہ كہ دوسرے كسى عالم كى طرف رجوع كا اشارہ كيا جائے۔ دونوں كو شامل ہے۔

(۱۲۶۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللَّهِ فَأَعِيدُوهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللَّهِ فَأَعْظُمُوهُ، وَمَنْ أَتَى اس سے سوال كرے تو اس كو پناہ دو اور جو كوئى اللہ كے نام پر تم إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ دینے كى طاقت و وسعت نہ ہو تو پھر اس كے حق میں تَجِدُوا فَادْعُوا لَهُ». أَخْرَجَهُ التَّيْهَنِيُّ. دعا كرو۔“ (سنن بیہقی)

لغوى تشریح: ﴿من استعاذكم بالله﴾ اس كے معنی يہ ہيں كہ جو كوئى اللہ كے نام سے پناہ طلب كرے كسى ايسے كام كے بارے ميں جو اس پر واجب نہ ہو تو وہ پناہ دے دے اور جس كا اس سے مطالبہ كيا گيا كہ وہ اسے انجام دے تو اسے چھوڑ دے۔ اسی طرح مصائب يا نا پسنديدہ كاموں ميں اللہ كے نام سے پناہ كا طالب ہو تو اسے پناہ دينا واجب ہے۔ ﴿فكافئوه﴾ امر كا صيغہ ہے معنی ہے كہ اسے اس كے احسان سے اچھى جزا دو۔

حاصل كلام: اس حدیث ميں اللہ كے نام پر پناہ طلب كرنے والے كو پناہ دینے اور اللہ كا نام لے كر سوال كرنے والے كو كچھ نہ كچھ ضرور دینے اور احسان كا بدلہ احسان سے دینے كى تاكيد ہے۔ اللہ كے نام سے سوال كرنے والے كو حتى الوسع كچھ نہ كچھ دينا چاہئے۔ مگر دست سوال دراز كرنے والے كو كلام ہے كہ اللہ كا واسطہ دینے سے بچنا چاہئے۔ حضرت ابو موسیٰ سے مروى ہے كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمايا ”لمعون“ ہے وہ جو اللہ كا نام لے كر سوال كرے اور وہ بھى لمعون ہے جس سے اللہ كے نام پر سوال كيا جائے اور وہ كچھ بھى نہ دے بشرطيكہ وہ سوال كسى برى چيز كا نہ ہو۔“ بہر حال اللہ تعالٰى كا نام لے كر سوال كرنا دوسرے كو بھى مشكل ميں ڈال ديتا ہے اس لئے بڑى احتياط كى ضرورت ہے۔

۳ - باب الزُّهْدِ وَالْوَدَعِ. دنيا سے بے رغبتى اور پرہیز گارى كا

بیان

(۱۲۶۶) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ - وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعِهِ إِلَى أُذُنَيْهِ - : «إِنَّ الْحَلَالَ بَيْنَ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيْنَ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ، لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِزِّهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ. كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ. أَلَا! وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا! وَإِنَّ فِي حِمَى اللَّهِ مَحَارِمَهُ. أَلَا! وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا! وَهِيَ الْقَلْبُ».

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور نعمان اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں کی طرف لے گئے ”حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ان دونوں کے درمیان شبہات ہیں۔ لوگوں کی اکثریت ان کو نہیں جانتی۔ پس جو کوئی شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کو بچالیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پھنس گیا۔ جیسے چرواہا کہ چراگاہ کے گرد مویشی چراتا ہو تو کبھی نہ کبھی مویشی چراگاہ میں چلے جاتے ہیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے۔ خبردار! حرام چیزیں اللہ کی چراگاہ ہے۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لو! وہ ٹکڑا دل ہے۔“ (بخاری و مسلم)

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿باب الزهد﴾ زہد کے ”زاء“ پر ضمہ اور ہا ساکن۔ رغبت و دلچسپی کی ضد، کتاب و سنت کے تقاضا کے عین مطابق دنیوی رغبت و دلچسپی سے کنارہ کشی اور اسے ترک کرنا۔ ﴿والبوع﴾ واؤ اور راء دونوں پر فتح اور را کو ساکن پڑھنا ہی جائز ہے۔ اس کے معنی میں گناہوں سے دور رہنا معاصی اور شبہ میں ڈالنے والی چیزوں سے اجتناب کرنا۔ ﴿أهوى النعمان بإصبعيه﴾ دونوں انگلیوں کو لہبا کیا، وراز کیا اور اونچا اٹھایا۔ یعنی اشارہ کیا کہ ان کانوں نے ارشاد نبوی کو سنا ہے۔ ﴿الحلال بين﴾ بین میں ”با“ پر تشدید اور نیچے کسرہ ہے۔ مطلب ہے کہ حلال بالکل واضح و نمایاں ہے، دلیل کی بنا پر اس کی حلت میں کوئی شک نہیں یا اصل کی بنیاد کی وجہ سے اس سے جزئیات کا استخراج ممکن ہے۔ ﴿والحرام بين﴾ حرام بھی واضح ہے دلیل کی بنا پر اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں، جیسے مردار ہے، خون ہے یا ہر مسئلہ کی

بنیاد سے استنباط ہو جیسے ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ ﴿منشہات﴾ اس ”با“ پر کسرہ ہے۔ ایسے امور جو خلط ملط ہوں، طے جلے اور مخلوط ہوں اس وجہ سے کہ ان کی ایک جہت حلال سے ہے اور ایک حرام سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو حرام کی وجہ سے مشتبہ ہیں یعنی جس سے حرمت صحیح ثابت ہو۔ ﴿فقد استبرأ لدینہ﴾ اس نے اپنے دین میں برأت حاصل کر لی لہذا شرعاً وہ مذموم نہیں۔ ﴿وعرضہ﴾ اور بچا لیا محفوظ کر لیا یعنی اپنی عزت و آبرو کو لوگوں کے طعن و ملامت سے بچا لیا۔ ﴿ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام﴾ حرام میں جا گھسا اور حرام میں گرنے کے قریب پہنچ گیا۔ تشبیہ اس تاویل کی موید ہے۔ ﴿الحمی﴾ حاء کے نیچے کسرہ اور میم پر فتح مقصورہ ایسی چراگاہ جو بادشاہ اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے کہ صرف اس کے چرواہے ہی یہاں جانور چرا سکیں گے۔ پس جو کوئی اور چرواہا اس میں داخل ہوا یا اس میں جانور چرائے تو اسے سزا کیلئے پیش کیا جائے گا لہذا جو سلامتی چاہتا ہے وہ اس میں داخل ہونے کے خوف سے قریب ہی نہ جائے۔ اس تشبیہ کا یہی مفہوم ہے ﴿مضغۃ﴾ میم پر ضمہ، ضاد ساکن۔ گوشت کا ٹکڑا۔ اس حدیث کا درجہ و مرتبہ کسی پر مخفی نہیں۔ ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جن پر قواعد اسلام گردش کرتے ہیں۔

حاصل کلام: یہ حدیث اصول اسلام میں سے شمار کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حلال اور حرام چیزیں تو واضح ہیں ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے البتہ مشبہات ایسی چیزیں ہیں جن کی حرمت واضح نہیں یا جن کے بارے میں دلائل دونوں جانب قریب قریب مساوی ہوں۔ اس قسم کے مسائل سے بچنا چاہئے اور ظن و تخمین سے کام نہیں لینا چاہئے۔ نیز اس میں بتایا گیا ہے کہ بدن کی اصلاح اور اس کے بگاڑ کا انحصار دل پر ہے۔ پورے جسم میں اس کی وہی حیثیت ہے جو بادشاہ کی ہے، تمام اعضاء بدن اس کی رعیت اور عوام ہیں۔ اگر بادشاہ نیک ہو تو رعایا بھی نیک ہوگی اور جب بادشاہ برا ہو تو رعایا بھی بری ہوتی ہے۔

(۱۲۶۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «تَعَسَّ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالذَّهْمُ بِنْدِهِ أَمَّا إِنْ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ لَمْ يَرُضْ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”برباد ہو گیا سونے، چاندی اور خلعت کا بندہ اگر اسے یہ ملیں تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔“ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿تَعَسَّ﴾ سمع اور فتح کے باب سے ہے، ہلاک و برباد ہو گیا۔ ﴿القطیفۃ﴾ وہ کپڑا جس کے پھندے ہوں اور ﴿عبد الدینار الخ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ ان اشیاء پر حریص اور ان کی وجہ سے فتنہ میں ایسا مبتلا ہو کہ انہی کی فریفتگی اور شیفگی میں گم ہو گیا ہو، اس کی زندگی کا مقصد ہجران کو جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے اور پھندے دار چادر زیب تن کر کے فخر کے ساتھ اکڑ کر چلنے کے سوا کچھ بھی نہ

متفرق مضامین کی احادیث

ہو۔ رہا وہ شخص جو ان اشیاء کو بس حق کی حد تک حاصل کرے اور جہاں ان کا حق ہو وہیں ان کو رکھے اور خرچ کرے تو یہ اس ضمن میں نہیں آتا اگرچہ اس کے پاس کتنا ہی مال جمع ہو جائے۔ ﴿دعویٰ﴾ دنیوی مال و متاع سے اللہ سے راضی ہو جاتا ہے۔

(۱۲۶۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَنْكِبِي، فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرَ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرَ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پکڑ کر فرمایا ” (اے ابن اللہ ﷺ بِمَنْكِبِي، فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرَ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرَ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿بمنکبی﴾ مفرد اور تشبیہ دونوں طرح مروی ہے۔ میم پر فتح اور کاف کے نیچے کسرہ، بازو اور کندھے کے ملنے کی جگہ۔ ﴿غریب﴾ جو اپنے وطن سے دور ہو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان کسی شہر میں مقیم ہوتا ہے لیکن وہاں اس کی کوئی بہت زیادہ جان پہچان نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں سے وحشت زدگی محسوس کرتا ہے، حدیث میں دراصل یہی شخص مراد ہے۔ ﴿عابر سبیل﴾ ایسا آدمی جو ہمیشہ سفر پر رہے، راستے طے کرتا رہے۔ نہ اپنے شہر میں اور نہ کسی دوسرے میں ٹھہرتا ہی نہیں۔ ﴿خذ من صحتک الخ﴾ اپنی صحت کے وقت اپنی بیماری کیلئے کچھ سلمان کرے۔ اس ﴿السقم﴾ سین اور قاف پر فتح، جس کے معنی بیماری اور مرض کے ہیں اور سین پر ضمہ اور میم ساکن بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں بھی معنی بیماری اور مرض کے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اپنی صحت کے ایام میں اطاعت و فرمانبرداری اور صدقہ و خیرات کے کام اتنے کر لے کہ جو تجھے ایام بیماری میں نفع دیں اور تاخیر کی وجہ سے عمل میں جو کمی و کوتاہی رہ گئی ہے اس کا سدباب ہو جائے اور اس کمی کو پورا کر دے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں دنیا کی بے ثباتی اور اس کے فانی ہونے کا بیان ہے اور زندگی بسر کرنے کا ایک اصول بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو کس خیال سے رہنا چاہیے۔ دنیا انسان کا گھر نہیں بلکہ مسافر خانہ ہے جیسے مسافر اپنی اصل منزل کی جانب رواں دواں ہے، راستے کی چیزوں سے قلبی تعلق وابستہ نہیں کرتا، اس کا مطمح نظر اپنی منزل مقصود تک پہنچنا ہے۔ دنیا میں بھی ایک انسان کو بس اسی طرح رہنا چاہئے کہ معلوم نہیں کب رخت سرفراہنے کا حکم صادر ہو جائے۔

(۱۲۶۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَنْكِبِي، فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرَ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرَ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے دوسری قوم سے اللہ ﷻ، «مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ. مشابہت پیدا کی پس وہ انہی میں سے ہے۔“ (اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا)

حاصل کلام: یہ حدیث تشبہ باکفار کی حرمت کی دلیل ہے اور اسی سے علماء نے غیر مسلموں کا فیض اپنانے کو مکروہ قرار دیا ہے یہ ”تشبیہہ“ کا باب بڑا وسیع ہے۔ اس میں عبادات، عادات و اطوار خوردونوش، ملبوسات، زیب و زینت، آداب و رسومات، رجحانات اور میل جول سب شامل ہے اور حدیث میں ان تمام چیزوں کی ممانعت ہے اگر اس مقام پر تنگی داماں کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں ان کی نصوص بالتفصیل بیان کرتے۔ علامہ ناصرالدین البانی نے اپنی ”حجاب المرأة المسلمة“ کے صفحہ ۷۸، ۹۰ طبع ثانی میں اس موضوع پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔

(۱۲۷۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ
النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ: «يَا غُلَامُ!
احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ
تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ
اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ».
رَوَاهُ الثَّوْمِيّ، وَقَالَ: حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک
دن میں نبی ﷺ کے پیچھے (کھڑا) تھا۔ آپ نے فرمایا
”اے لڑکے! تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر اللہ
تعالیٰ تیری نگہبانی کرے گا۔ تو اللہ کی طرف دھیان
رکھ، تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو کچھ
مانگے تو (صرف) اللہ تعالیٰ سے مانگ اور جب تو مدد
طلب کرے تو (بس) اللہ سے مدد مانگ۔“ (ترمذی نے

اسے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے)

نغوی تشریح: ﴿احفظ الله﴾ یہ امر کا صیغہ ہے۔ معنی ہے کہ اللہ کو یاد کرو اور اس کے اوامر پر عمل پیرا رہ کر ان کو یاد رکھو اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے اسے یاد رکھو اور اس کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور تعدی نہ کر کے اس کو یاد رکھو۔ ﴿تجاهد﴾ اپنے روبرو اور سامنے پائے گا اور وہ دونوں جہانوں میں شر سے محفوظ رکھے گا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں خالص توحید کی بہترین انداز میں تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے مقررہ کردہ حدود اور اس کے اوامر و نواہی کا ہر وقت پوری طرح خیال رکھے۔ خود بھی ان سے بچنے کی کوشش کرتا رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے اور اللہ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ وہ ایسے بندے کو دنیوی مصائب و آلام سے بچائے گا۔ ان سے بچنے کا راستہ سمجھائے گا۔ قیامت کے روز جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ مسند امام احمد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”ساری دنیا والے مل کر بھی تیرا کچھ بگاڑنا چاہیں، نقصان پہنچانا چاہیں تو نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ نقصان

پہنچا سکتے ہیں اور نہ تیرا کچھ سنوا کر سکتے ہیں کیونکہ یہ سارے مل کر صرف اتنا نفع ہی پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر نقصان پہنچانا چاہیں تب بھی صرف اتنا ہی پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے۔ اس میں نہ یہ از خود کمی کر سکتے ہیں اور نہ بیشی۔ کیونکہ تقدیر لکھنے والی قلمیں خشک ہو چکی ہیں اور دفتر پلٹ کر بند کر دیئے گئے ہیں۔ اب ان میں اضافہ یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔“

(۱۲۷۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! ذُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللَّهُ، وَأَحَبَّنِي النَّاسُ. فَقَالَ: «إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا، يُحِبُّكَ اللَّهُ، وَإِزْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ، يُحِبُّكَ النَّاسُ». وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَغَيْرُهُ، وَسَنَدُهُ حَسَنٌ.

(اسے ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند

(حسن ہے)

حاصل کلام: اس حدیث میں محبوب جہاں بننے کا گرتلایا گیا ہے کہ انسان دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز ہو کر بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے اور دنیا کی طمع اور لالچ میں نہ پڑے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم کے ص ۸ پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث کم از کم تشبیہ بالکفار کی حرمت کی متقاضی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کا ظاہری مضمون تشبیہ بالکفار کی صورت میں کفر کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی میں ہے ”ومن يتولهم منكم فانه منهم“ کہ جو انہیں دوست رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے اور یہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بیان کی نظیر ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ ”جس نے مشرکین کے علاقہ میں اپنی بیوی سے رخصتی کے بعد شب عروسی کی اور ان کے نیروز و مہر جان ایام منائے اور ان کے ساتھ مشابہت کرتا رہا حتیٰ کہ وفات پا گیا تو ایسے آدمی کا حشر قیامت کے روز انہی کے ساتھ ہوگا۔“ اسے تشبیہ مطلق پر محمول کیا گیا ہے جو کفر کو واجب کر دیتا ہے اور تشبیہ کے بعض پہلوؤں کی حرمت کا متقاضی ہے اور کبھی ان میں شمار ہونا اس قدر مشترک پر محمول ہوتا ہے جس میں بہر حال تشبیہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ اگر وہ کفر ہو یا محصیت یا ان کا شعار ہو تو اس کا بھی حکم وہی ہوگا۔ بہر حال تشبیہ کی حرمت ایسی علت و سبب کا تقاضا کرتی ہے جس میں تشبیہ ہو اور تشبیہ عام ہے۔ اس میں گو اپنی غرض مطلوب تھی مگر جب اصل عمل تو غیر سے ماخوذ ہے۔ مگر جس نے کوئی کام کیا اور وہ اتفاقاً غیر کے

عمل کے مشابہ ہے اور دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ اخذ نہیں کیا تو اس کا کفار کے ساتھ تشبیہ ہونا محل نظر ہے۔ لیکن اس سے بھی منع ہی کیا جاتا ہے تاکہ یہ ان کے ساتھ تشبیہ کا ذریعہ نہ بن جائے اور اس لئے بھی کہ اس میں کفار کی مخالفت ہے جیسا کہ داڑھی کو رنگنے اور مونچھوں کو صاف کرنے کا حکم ہے حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بڑھاپے کا رنگ تبدیل کرو اور یہود سے مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بالوں کو نہ رنگنے میں ان کے ساتھ تشابہ ہمارے ارادہ اور عمل کے بغیر بھی ہو جاتا ہے اور یہ اتفاقی طور پر ان سے عملی موافقت کی بڑی واضح مثال ہے۔ پھر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس غبی کی انتہائی غایت اپنی قلبی بصیرت کی روشنی میں ذکر کی ہے کہ یہاں ظاہر اور باطن میں مضبوط ربط و تعلق ہے اور تشبہ بالکفار ان کے ساتھ دوستی اور باہمی مودت کا سبب بنتا ہے حالانکہ تعلق ممنوع ہے اور دین میں مداخلت اختیار کرنے کا موجب ہے اور اس سے ان کے اخلاق اور خبیث عادات اپنے تمام تر نقصانات کے ساتھ ساتھ جو اللہ کے غضب کا بھی موجب ہیں مسلمانوں کی صفوں میں سرایت کر جاتی ہیں اور یہ اس دور کی چشم دید حقیقت ہے جسے ہم دونوں آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور دونوں کانوں سے سنتے ہیں۔

(۱۲۷۲) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي
وَقَاصِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ:
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ
اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ
الْخَفِيَّ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿الحفی﴾ جو امور واجب ہیں اور حلال ہیں ان پر عمل پیرا ہو اور جو حرام ہیں ان سے اجتناب کرے۔ ﴿الغنی﴾ اس سے مراد دل کا غنی ہونا ہے یعنی لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس میں اسے کوئی طمع و دلچسپی نہ ہو اگرچہ اس کا اپنا ذاتی مال کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ ﴿الخفی﴾ وہ شخص جس کی عبادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہو۔ پردہ اخفاء میں رہے اور اس کی پرہیزگاری کا ریا و شہرت کے ظن و گمان سے دور رہنے کی وجہ سے بھی کسی کو علم نہ ہو۔

(۱۲۷۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ
تَرْكُهُ مَا لَا يَغْنِيهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ:
حَسَنٌ.

غروی تشریح: ﴿مالا یعنیہ﴾ جو اہم اور مفید نہیں۔
 حاصل کلام: اس حدیث کو نبی ﷺ کے ارشادات میں جوامع الکلم کی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا میں انسان

کا مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ ایک مومن صادق کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ بے مقصد اور بے فائدہ کام سرانجام ہی نہ دے۔ وہ یہاں وقت کاٹنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی عبادت اور رضا جوئی حاصل کرنے کیلئے آیا ہے۔ اس لئے جو اعمال مقصد حیات کے منافی، اصلاح دین کے مخالف ہیں وہ سب بے کار اور لالچنی ہیں۔ مالک کا سچا غلام ان کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا جو مالک کو ناپسند اور اس کی رضا کے منافی ہوں۔

(۱۲۷۴) وَعَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ حَضْرَتِ مَقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرْبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَرِ بِرَجُلٍ جَوَّادٍ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا مَلَكَ إِنْسَانٌ يَهْرُتُ بِهِ وَهُوَ اس كَاطِبِثُ هِيَ»۔ (اس کی روایت ابْنُ آدَمَ وَعَاءٌ شَرَّاهُ مِنْ بَطْنِ تَمِيمٍ أَخْرَجَهُ ترمذی نے کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے الترمذی، وَحَسَنٌ۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بسیار خوری کو بدترین خصلت قرار دیا گیا ہے۔ بسیار خوری بہت سے دینی اور دنیاوی مفاسد اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ ایسا آدمی صرف کھانے پینے کی فکر میں رہتا ہے اور بسا اوقات وہ یہ بھی تمیز نہیں کرتا کہ جس کھانے سے پیٹ بھر رہا ہے، وہ حلال ہے یا نہیں۔ بسیار خوری امراض معدہ کا باعث بھی ہے اور دل و دماغ پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسند بزار میں ہے کہ بسیار خور قیامت کے دن بھوکا ہوگا۔ اس لئے یہ عادت دنیا و آخرت دونوں کی خرابی کا باعث ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں بسیار خوری کے دس نقصانات کا اور بقدر کفایت کھانے کے دس فوائد کا تذکرہ کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

(۱۲۷۵) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَرِ بِرَجُلٍ جَوَّادٍ قَالَتْ: «كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»۔ (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی وَابْنُ مَاجَهَ، وَسَنَدُهُ قَوِيٌّ۔ سند قوی ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر آدمی زادہ خطا و گناہ کا پتلا ہے۔ انبیاء کرامؑ کے علاوہ کوئی بھی انسان معصوم نہیں۔ مگر آدمیت کا تقاضی ہے جب کبھی خطا سرزد ہو فوراً حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ و استغفار کرے۔ شیطان کی طرح گناہ پر اصرار نہ کرے۔

(۱۲۷۶) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَرِ بِرَجُلٍ جَوَّادٍ قَالَتْ: «كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»۔ (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی وَابْنُ مَاجَهَ، وَسَنَدُهُ قَوِيٌّ۔ سند قوی ہے)

﴿صَلَّى﴾: «الصَّمْتُ حِكْمَةٌ، وَقَلِيلٌ عَمَلٌ پیرا ہونے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔»
 فَأَعْلَهُ. أَخْرَجَهُ التَّبَهِيُّ فِي الثُّغْبِ بِسَنَدٍ (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ
 ضعیف. وَصَحَّ أَنَّهُ مَوْفُوفٌ مِنْ قَوْلِ لُفْمَانَ رَوَايَتِ كَيْسَانَ اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ لقمان حکیم کا قول
 ہے) الخبیم.

حاصل کلام: اس حدیث میں خاموش و مہربان رہنے کو حکمت و دانائی اور عقلمندی و دانش مندی قرار دیا
 گیا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس پر عمل پیرا ہونے والے اور اسے اختیار کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے
 ہیں۔ یہ گو حضرت لقمان عبدالسلام کا قول ہے مگر بہت سی احادیث میں خاموشی کی تائید اور فضول گوئی کی
 مذمت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ”جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔“ ایک حدیث میں ہے
 ”جو کوئی بات کرے تو اسے چاہئے کہ ہمیشہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔“

۴ - بَابُ التَّزْهِيْبِ مِنْ مَسَاوِيءِ الْأَخْلَاقِ برے اخلاق و عادات سے ڈرانے اور خوف دلانے کا بیان

(۱۲۷۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ نَحْوَهُ.
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ اس لئے
 کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح
 آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“ (اس کی تخریج ابو داؤد
 نے کی ہے اور ابن ماجہ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی
 طرح مروی ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب التزہیب﴾ خوف دلانا، ڈرانا اور ﴿من مساوی﴾ میم پر فتح مساوۃ کی جمع۔
 معنی برائی۔ اور یہ برائی قولی اور فعلی دونوں طرح کی۔ ﴿الاحلاق﴾ خلق ”خاء“ اور ”لام“ دونوں پر ضمہ
 معنی عادت و خصلت۔ ﴿ایاکم والحسد﴾ حسد اس میں منصوب ہے، تحذیر کیلئے۔ یعنی حسد سے بچو اور
 ڈرو اور حسد یہ ہے کہ دوسرے کے پاس نعمت کو ناپسند و مکروہ سمجھے اور اس نعمت کے زوال کی تمنا و
 خواہش کرے لیکن اگر وہ ایسی تمنا کرے کہ فلاں کے پاس جو نعمت ہے وہ مجھے بھی مل جائے اس میں یہ
 خواہش و تمنا نہ پائی جائے کہ اس سے وہ زائل ہو جائے تو اسے اصطلاح شرع میں غبطہ یعنی رشک کہتے
 ہیں۔ یہ رشک دینی امور میں مطلوب ہے اور دنیوی امور میں معاف ہے۔

حاصل کلام: حسد کبیرہ گناہ ہے۔ شیطان کی پہلی نافرمانی حسد کی بنا پر تھی۔ قاتیل نے ہاتیل (اپنے بھائی)
 کو حسد کی بنا پر قتل کیا۔ حضرت یوسفؑ کے خلاف ان کے بھائیوں کی کارگزاری اسی حسد کے نتیجے میں

تھی۔ علمائے یسود بلکہ عبداللہ بن ابی منافق کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کا باعث بھی یہی حسد تھا۔ اس کی شہادت پر متعدد روایات مروی ہیں۔ یہ غیر مومنانہ عادت ہے اسی لئے آپؐ نے بڑی سختی سے اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۱۲۷۸) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ، اللہ ﷺ نے فرمایا ”کسی کو پچھاڑ دینا ہمداری نہیں إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ ہے۔ ہمدار تو وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ کو قابو میں الْغَضَبِ“۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ رکھے۔“ (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿الشديد﴾ شجاع، قوی اور ہمدار ﴿الصرعة﴾ صادر پر ضمہ اور عین پر فتحہ ایسا آدمی جو اکثر اوقات اپنی قوت سے لوگوں کو پچھاڑ لیتا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اپنے حریف اور دشمن کو معاف کر دینا، اس سے درگزر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ آدمی طاقت کے باوجود غصہ کی حالت میں مد مقابل سے انتقامی کارروائی نہ کرے اور ایسے نازک موقع پر اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کا جہاد کفار کے خلاف جہاد سے بھی مشکل ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے غصہ کے موقع پر اپنے نفس پر قابو پالینے کو تمام لوگوں سے زیادہ طاقت ور اور قوی شمار کیا ہے۔

(۱۲۷۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ اللہ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ نے فرمایا ”ظلم، قیامت کے روز بہت سی اللہ ﷺ: «الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ تَارِكِيَّوْنَ اور اندھیروں کا باعث ہے۔“ (بخاری و الْقِيَامَةِ“۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں ظلم سے بچنے کا حکم ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں جو ظلم کرے گا وہ قیامت کے روز بہت سے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا اور یہ ظلم اپنی تمام اقسام پر مشتمل ہے۔ یعنی ظلم جان پر ہو، مال میں ہو، کسی کی عزت و آبرو پر ہو، حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو بہر نوع ظلم ہے اور حرام ہے۔

(۱۲۸۰) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز اللہ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ: «اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ اندھیرے اور تاریکیاں ہوں گی۔ نیز بخلی سے بھی ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَاتَّقُوا الشُّعْ بچو۔ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اسی سے ہلاک فَإِنَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ“۔ أَخْرَجَهُ ہوئے ہیں۔“ (مسلم)

مُسْلِمٌ.

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی ظلم سے منع کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز یہ تاریکیوں اور اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ جہاں روشنی اور نور کی ضرورت ہوگی وہاں تاریکیوں اور اندھیروں سے پالا پڑے گا۔ نیز اس میں لالچ و کنجوسی سے بچنے کا بھی حکم ہے اور ﴿شَح﴾ حصول مال کا لالچ اور اس کی حرص کے ساتھ ساتھ اس کے خرچ کرنے میں بخل اور کنجوسی کو کہتے ہیں اور یہی حرص و بخل ہمیشہ خون ریزی اور بد عملی کا باعث بنتا ہے جس سے حدیث میں خبردار کیا گیا ہے۔ (سبل)

(۱۲۸۱) وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ كَبِيدٍ حَضْرَتِ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ اللَّهُ ﷻ لَمْ يَمَّا "سَبْ سَ زِيَادَه خُوفَ تَهَارِے رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ أَخَوْفَ مَا لَنَا مِنْ شَرِّكَ أَصْغَرَ كَافٍ وَهُوَ رِيَاكَارِیْ هَے۔»
أَخَافُ عَلَيْكُمْ الشَّرْكَ الْأَصْغَرُ: (امام احمد نے اسے سند حسن کے ساتھ نکالا ہے)
الرِّيَاءُ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

لغوی تشریح: ﴿الرِّیاء﴾ ”راء“ کے نیچے کسرہ۔ غیر اللہ کا لحاظ کر کے، نیکی و اطاعت کرنا اور نافرمانی و معصیت چھوڑنا ریا ہے یا کسی دنیوی مقصد کیلئے نیکی کرنا اور گناہ کو ترک کرنا اور لوگوں کو اطلاع دینا کہ میں فلاں کام کر رہا ہوں یا یہ خیال کرے کہ اس کے عمل سے لوگ باخبر ہو جائیں۔ اس میں دنیوی غرض و مقصد ہو۔ رضائے الہی کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔

حاصل کلام: ریاہ کاری انسان کی گفتگو اور بات چیت میں ہو سکتی ہے اور عمل و فعل میں بھی اور اس سے ریاہ کار کا مقصد غیر اللہ کو خوش کرنا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ لوگوں کو دکھا کر کوئی کام انجام دے اور دوسرا یہ کہ اگر کسی نے نہ دیکھا تو خود لوگوں کو بتا دے کہ میں نے یہ کام کیا ہے اسے سمعہ کہتے ہیں اور پہلی کو ریاہ، یہ دونوں ہی حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہت مذمت فرمائی ہے اور اسے منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے ہر ممکن طریقہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۱۲۸۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَبَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: كَے ہاں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔“ (بخاری و مسلم) اور دونوں کے

”وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ“۔ ”جب لڑتا ہے تو گالی بکتا ہے۔“

لعنوی تشریح: ﴿آیۃ المناہق﴾ یعنی منافق کے نفاق کی نشانی۔ ﴿خاصم﴾ جھگڑا کرتا ہے، لڑتا ہے۔ ﴿فجر﴾ سب و شتم کرتا ہے، گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ ان تمام امور کا مرکب ہونا نفاق عملی ہے اور یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور دوسری قسم نفاق اعتقادی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کا تو اظہار کرے مگر باطن میں کفر بھرا ہوا ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں منافق کی چار علامات بیان کی گئی ہیں اور مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو نیز یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اکثر محقق علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ کام اعتقادی منافقوں کے ہیں اور جب ایک سچا مومن اپنے اندر یہ صفات پیدا کرے گا تو منافق جیسا بن جائے گا، ایسے شخص پر منافق کا لفظ مجازی طور پر بولا جائے گا۔

(۱۲۸۳) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، أَسَ قَتْلُ كَرْنَا كُفْرَہ۔“ (بخاری و مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿السباب﴾ سین کے نیچے کسرہ، گالی دینا۔ ”سب“ کے باب مفاعله کا مصدر ہے۔ حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمان کا مسلمان کو گالی دینا فسق قرار دیا گیا اور ”فسق“ آدمی کا اللہ کی اطاعت سے باہر نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اسلام میں مسلمان کو گالی دینا ممنوع ہے اور گالی دینے والا حکم الہی سے باہر نکل جاتا ہے، اس لئے ایسے شخص کو فاسق کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمان کا قتل جائز سمجھتا ہو اور اسلام کی وجہ سے اس سے لڑتا ہو تو اس کے کفر حقیقی پر سب کا اتفاق ہے اور اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو اس پر کفر کا اطلاق مجازی طور پر ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میری امت کے سب لوگ عافیت میں رکھنے کے قابل ہیں مگر جو لوگ کھلے عام ظاہری طور پر گناہ کا ارتکاب کریں، وہ لوگ اس کے مستحق نہیں۔“ علماء میں فاسق کے فسق سے آگاہ کرنے میں اختلاف ہے۔ طبرانی میں بسند حسن مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم لوگ کب تک بدکار لوگوں کا حال بیان کرنے سے باز رہو گے۔ اس کی توہین اور ہتک کرو۔“ اس حدیث کی روشنی میں فاسق کے فسق کو اگر اس لئے ظاہر کیا جائے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں تو بالکل جائز ہے۔

(۱۲۸۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ جُھوٹ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

أَخَذَ الْحَدِيثَ ۱. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿ایاکم والظن﴾ یہاں ظن منصوب اس وجہ سے آیا ہے کہ تحذیر مقصود ہے اور تحذیر کہتے ہیں ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کو اور ظن سے مراد برا گمان ہے اور یہ قابل مذمت ہے اور اطلاق کے وقت مذمت کا پہلو ہی ذہن میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے گمان کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنِّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِنَفْسِهِمْ خَيْرًا (۲۴:۱۴)

حاصل کلام: ظن کو بہت بڑا جھوٹ اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان اپنے دل ہی دل میں گمان و ظن کی پرورش کرتا رہتا ہے۔ پھر اسے زبان پر لاتا ہے جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے علماء نے اسے تہمت قرار دیا ہے اور تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ گویا ظن کا دوسرا نام تہمت ہے اور تہمت کبیرہ گناہ ہے اور گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر قابل معافی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ جس معاشرے میں بدگمانیاں پرورش پائیں گی وہاں حسن ظن نام کی کوئی چیز پنپ نہیں سکتی۔ اس معاشرے کے افراد کے درمیان اعتماد کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ یہ معاشرے کی تعمیر و ترقی کی علامت نہیں بلکہ زوال و تخریب کی نشانی ہے۔ صالح معاشرہ میں بدگمانی کے جراثیم کو پنپنے نہیں دیا جاتا چاہئے۔

(۱۲۸۵) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ”جس رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ عَبْدٍ بَدَّءَ كُفْرًا رَعِيَّتَ اس کے سپرد کردی جائے يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ اگر اسے ایسی حالت میں موت آئے کہ رعیت و وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ عَواِم میں انصاف نہ کرتا رہا ہو، خیانت کا ارتکاب الْجَنَّةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً﴾ جسے اللہ راعی، حاکم، سربراہ اور لوگوں پر امیر مقرر فرما دے اور رعیت کی را پر فتح اور عین کے نیچے کسرہ اور ”یاء“ پر تشدید۔ اس کی جمع رعایا۔ را پر فتح۔ رعایا سے مراد عوام الناس ہیں۔ جو امیر کے سامنے سرگوں اور تابع فرمان رہیں۔ ﴿غاشٌّ﴾ شین پر تشدید۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ خیانت کرنے والا جو لوگوں کے حقوق پوری طرح ادا نہ کرے۔

حاصل کلام: سربراہ مملکت اور امیر کو چاہئے کہ اپنی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ ہر ایک کو انصاف مہیا کرے۔ کسی سے ناانصافی نہ کرے اور نہ دوسرے سے ناانصافی ہونے دے۔ ان کے کاموں میں آسانی اور نرمی پیدا کرے۔ انہیں مشکلات اور مشقتوں میں نہ ڈالے۔ عوام کے معمولی قصور پر مؤاخذہ نہ کرے، درگزر اور معافی کا رویہ اپنائے، ان کو حتی الوسع ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرے، ان کے

مال پر ہاتھ صاف نہ کرے، عزت و ناموس پر ڈاکہ نہ ڈالے، ٹیکوں کی بھرمار سے عوام کا جینا دشوار نہ کرے، ان کو چوروں، ڈاکوؤں اور دہشت گردوں سے تحفظ مہیا کرے۔ اس کی بجائے اگر وہ عوام کا خون چوستا ہے تو ایسے حاکموں کیلئے اس حدیث میں شدید وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا۔ جنت کا حرام ہونا صاف بتا رہا ہے کہ رعیت کو دھوکہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے اگر حاکمین اور امراء چاہتے ہیں کہ جنت میں داخلہ مل جائے تو انہیں ایسے فعل سے باز رہنا چاہئے۔

(۱۲۸۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا أَلْهَى! مِيرَى امْتٍ مِنْ جَوْشَخْصٍ كَسَى كَلَامِ كَاوَالِي وَ سِرْبَاهِ بَنِيَا جَائِے اور وہ لوگوں کو شَيْنَا فَنُشَقُّ عَلَيْهِمْ فَاشْفَقُ عَلَيْهِ». مشقت میں مبتلا کرے تو تو اس پر سختی فرما۔“ (مسلم) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: ﴿فشق علیہم﴾ لوگوں کو مشقت اور تکلیف میں مبتلا کرے تو تو بھی اس کے ظلم اور جور کی وجہ سے اس پر سختی فرما۔

حاصل کلام: اس حدیث میں ظالم حکمرانوں کے حق میں اللہ کے رسول نے بددعا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے نبی کی بددعا اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔ اس سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ حاکم اپنی رعایا پر شفقت اور نرمی سے پیش آئے۔ ان سے عفو و درگزر کا معاملہ کرے اور اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ محبت کا معاملہ کرے تو اسے اپنی رعایا سے بھی محبت کا معاملہ کرنا چاہئے اور ناروا ظلم و ستم سے باز آجائے۔

(۱۲۸۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ مَنْهَ پر مارنے سے اجتناب کرے۔“ (بخاری و مسلم) الْوَجْهَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باہم لڑائی جھگڑے میں مارتے وقت منہ (چہرے) کو بچانا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”جب کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر مت مارے“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چہرے پر مارنا حرام ہے۔ یہ مارنا حدود و تعزیرات میں ہو یا تادیب کے طور پر۔ حتیٰ کہ جانوروں کے چہرے پر مارنے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

(۱۲۸۸) وَعَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَوْصِنِي. قَالَ: «لَا تَغْضَبَ». فَرَدَّدَ مِرَارًا، وَقَالَ: «لَا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”غصہ مت کیا

اگر وہ اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی تو نے غیبت کی اور اگر وہ بات جو تم اس کے متعلق کہتے ہو اس میں موجود ہی نہیں تو اس پر تو نے بہتان تراشی کی ہے۔“
(مسلم)

لغوی تشریح: ﴿الغيبه﴾ غین کے نیچے کسرہ اور یا ساکن۔ اس کی تفسیر تو حدیث میں موجود ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے فی الاحکام میں غزالی کی پیروی میں کہا ہے، غیبت یہ ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس طور پر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو خواہ بدن انسان میں پایا جائے یا اس کے دین میں، اس کی دنیا، اس کے نفس، اس کے اخلاق و عادات، اس کے مال، اس کے والد، اولاد، بیوی، خادم، اس کی حرکات، اس کی خندہ پیشانی، اس کی خشک مزاجی وغیرہ سے، یہ ساری چیزیں اس کے برے ذکر میں شمار ہوں گی۔ خواہ یہ ذکر الفاظ میں ہو یا اشارہ و کنایہ میں۔ (سبل) ﴿اغتبته﴾ اس پر عیب لگایا۔ عیب جوئی کی اس کی یعنی اس کی غیبت کی۔ ﴿بہتہ﴾ با اور ہا پر فتح اور تا پر تشدید اور فتح۔ بہتان سے صیغہ مخاطب ہے یعنی اس پر بہتان تراشی کی اور اس پر جھوٹ باندھا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں غیبت کی قباحت و شاعت بیان ہوئی ہے۔ غیبت بالافتراق حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ قرآن میں غیبت کرنے کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ غیبت کرنے والا اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرتا ہے اور اس کی دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔

(۱۲۹۲) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَسُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا. وَلَا يَبِغْ بَغْضَكُمْ عَلَى بَيْعٍ بَغْضٍ، وَتَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هَهْنَا»، وَيُنْبِئُ إِلَى صَدْرِهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، «يَحْسِبُ امْرِئٌ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور قیام نہ بدھاؤ۔ ایک دوسرے سے بے رخی نہ اختیار کرو۔ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے غیبت نہ کرو۔ ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر ہی سمجھتا ہے“ اپنے سینہ کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا کہ ”تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کیلئے بس اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر

وَمَالُهُ وَعَرْضُهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔ سمجھئے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو حرام ہے۔ ”(مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿ولا تناجشوا﴾ یہ نجش سے ماخوذ ہے اور نجش یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی سلمان کی قیمت بولی دے کر بڑھاتا ہے۔ اس کا مقصد سودا خریدنا نہیں ہوتا محض دوسرے خریداروں کو دھوکہ دینا مقصود ہوتا ہے کہ وہ اس کی دیکھا دیکھی سلمان کی قیمت میں اضافہ کر دیں اور اصلی قیمت سے کہیں زیادہ قیمت وصول ہو جائے۔ کتاب البیوع میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ ﴿ولا تدابروا﴾ ایک دوسرے کو نہ چھوڑیں کہ ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی سے بے رخی کرے اور اس کی جانب سے منہ موڑ لے اور اسی طرح دوسرا بھی منہ موڑ لے۔ ﴿ولا یبغ﴾ غین کے ساتھ، اس کا معنی ہے کہ ظلم نہ کرے اور ایک نسخہ میں عین کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کتاب البیوع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ﴿لا یخذلہ﴾ ذال پر ضمہ۔ یہ خذلان سے ماخوذ ہے۔ یعنی کسی کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینا اور اعانت نہ کرنا۔ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ظالم کے ظلم کے دفع کرنے کیلئے مدد طلب کی جائے تو اس صورت میں اس کی اعانت و مدد کرنا چاہی بشرطیکہ مدد کرنا ممکن ہو اور کوئی عذر شرعی بیچ میں لاحق نہ ہو۔ ﴿بحسب امری من الشر﴾ انسان کیلئے بس یہی کافی ہے یعنی اس کی اخلاق برائی کیلئے بس یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ﴿بحسب امری﴾ مبتداء ہے اور ”باء“ اس میں زائد ہے اور ﴿ان یحقر﴾ اس کی خبر ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اچھے مسلم معاشرہ میں افراد میں کس طرح باہمی برتاؤ اور رہن ہونا چاہئے، کا جامع بیان ہے۔ اس حدیث میں حسد جیسی مملکت بیماری جو نیکیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور معاشی اعتبار سے ایک سودے کی قیمت صرف مالک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے بڑھانا بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہیں ہے کیونکہ خریدار بھی تو اس کا بھائی مسلمان ہے، اسے نقصان پہنچانا کہاں کی شرافت ہے۔ بغض نہ رکھا کرو، اس سے باہمی محبت میں بڑا فرق واقع ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر زیادتی، سرکشی اور ظلم نہ کرو بلکہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ بنو۔ کوئی کسی کو ضرر و نقصان نہ پہنچائے اور نہ ایک دوسرے کے عیب تلاش کرے، نہ کسی کو حقیر جانے اور نہ ہی خود کو بڑا سمجھے کیونکہ بڑا سمجھنا اور دوسرے بھائی کو حقیر سمجھنا تکبر ہے، جو انتہائی خطرناک بیماری ہے۔ ہر مسلمان پر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ کوئی کسی کی جان مال اور عزت سے مت کھیلے۔

(۱۲۹۳) وَعَنْ قُطَبَةَ بْنِ مَالِكٍ حضرت قطبہ بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يه دُعَايَهُ كَلِمَاتٍ فَرَمَا كَرْتَهُ تَحْتَهُ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ يَقُوْلُ: «اللَّهُمَّ جَنِّبْنِي

مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ، وَالْأَعْمَالِ، اور بری بیماریوں سے بچا۔“ (اس کو ترمذی نے روایت
وَالْأَهْوَاءِ، وَالْأَذْوَاءِ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ الفاظ اسی کے
وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَاللَّفْظُ لَهُ. ہیں)

لعنوی تشریح: ﴿جنسبی﴾ بچنے اور دور رکھنے کی دعا ہے۔ جنسبی تجنیب سے ماخوذ ہے جس کا معنی
ہے مجھ سے دور فرما دے یا مجھے دور رکھ۔ ﴿منکرات الاخلاق﴾ ایسے اخلاق اور عادات جو عاداتاً اور
شرعاً ناپسندیدہ ہوں۔ ﴿والاھواء الاخلاق﴾ پر اس کا عطف ہے اور ہوئی کی جمع ہے اور ہوئی کہتے ہیں
ایسی خواہش نفس کو جس میں کسی ایسے مقصد کی طرف نظر نہ ہو جسے شرع نے پسندیدہ قرار دیا ہو۔ ﴿والا
دواء﴾ اس کا عطف بھی الاخلاق پر ہے اور یہ داء کی جمع ہے، معنی اس کے بیماری اور مرض کے ہیں اور
منکرات الامراض ان بیماریوں کو کہتے ہیں جو پرانی اور دیرینہ ہوں، جن سے نفرت کی جاتی ہو اور دور رہا
جاتا ہو مثلاً برص، جذام کے امراض ہیں یا ملوک امراض جن سے عموماً موت واقع ہو جاتی ہے جیسے ذات
الجنسب کا مرض ہے۔ ہیضہ، طاعون اور فالج وغیرہ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برے اخلاق، برے اعمال، بری خواہشات اور بری بیماریوں
سے ہر وقت اللہ سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ ان امور سے اللہ کی توفیق ہی سے بچا جا
سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿قطبہ بن مالکؓ﴾ قطبہ بن مالک بن ثعلبہ سے ہونے کی وجہ سے ثعلبی کہلاتے
اور ثعلبہ بن سعد بن ذبیان میں ذبیان کی طرف نسبت کر کے ذبیانی کہلاتے تھے، کوفہ سے تعلق تھا اور ان
کے بھتیجے زیاد بن علاقہ نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔

(۱۲۹۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ عَنْهُمَا، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُتَمَارِخُهُ، وَلَا تُعَدُّهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفُهُ». وعدہ بھی نہ کرو جس کی بعد میں خلاف ورزی کرو۔“
أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ. (اسے ترمذی نے کمزور سند سے روایت کیا ہے)

لعنوی تشریح: ﴿لا تمار﴾ ”تاء“ پر ضمہ مماراة سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں مجاہدہ نہ کرو، جھگڑانہ
کرو۔ سبل السلام میں ہے مراہ کی حقیقت یہ ہے کہ غیر کے کلام و گفتگو میں طعن کرنا، محض خلل ڈالنے
کی غرض سے۔ اس غرض کے سوا کہ اس سے کہنے والے کی تحقیر مقصود ہو اور کوئی مقصد و غرض نہ ہو
اور اپنی امتیازی شان اس پر مسلط کرنا ہو۔ ﴿ولا تمازحہ﴾ یہ ”مزاح“ سے ماخوذ ہے اور ”مزاح“ خوش
طبعی کرنے اور ٹھٹھا مزاق کرنے کو کہتے ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ”وہ مزاح ممنوع ہے جس

میں افراط ہو اور جو ہمیشہ کیا جاتا رہے کیونکہ مزاح سے ہنسی اور سنگ دلی پیدا ہوتی ہے، اللہ کے ذکر سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور دین کے حقیقی مسائل سے فکر ہٹ جاتی ہے بلکہ اکثر اوقات یہ مذاق ایزاءِ رسانی کا باعث بنتا ہے اور اس سے بے شمار بغض و کینہ جنم لیتا ہے، انسان کا وقار اور ہیبت و رعب جاتا رہتا ہے اور جو انسان ان خطرات سے محفوظ رہتا ہے، وہ مزاح مباح ہے اور ایسا مزاح کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے جس سے مخاطب کا دل خوش ہو جاتا اور اس کی محبت میں اضافہ ہو جاتا۔ اس لئے ایسا مزاح مستحب ہے۔ یہ مسئلہ خوب سمجھ لو کیونکہ اس کی بہت ضرورت رہتی ہے۔

(۱۲۹۵) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضَرْتُ ابُو سَعِيدٍ خُدْرِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «حَضَلْتَانِ لَا كُفْرَ فِيهِمَا وَلَا نَجَسَ فِيهِمَا: الْبُخْلُ وَالسُّوءُ خُلُقٌ». (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور اس کی سند میں ضَعْفُ ہے۔)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کامل بد خلق اور بخیل نہیں ہو سکتا۔ ایمان تو حسن خلق اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کا نام ہے۔ جب یہ دونوں غناء ہیں تو کامل ایمان کا مدعی کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۱۲۹۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمُسْتَبَانِ مَا قَالَا فَعَلَىٰ» (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) مَا لَمْ يَنْتَدِ الْمَظْلُومُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) مَظْلُومٌ يَزِيدُ فِي كَرَمِهِ. (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿المستبان﴾ اس میں ”باء“ پر تشدید ہے اور باب افتعال سے اسم فاعل ہے یعنی ایک دوسرے کو سب و شتم کرنے والے دو آدمی۔ ﴿فعلى البادى﴾ گناہ کا بار اس شخص پر ہے جس نے گلی دینے میں پہل کی اور جواب میں گلی دینے والا اس زمرہ میں نہیں آتا۔ اس جرم کا سارا گناہ اس کے سر ہے کیونکہ وہی اس کا سبب بنا ہے۔ ﴿ما لم ينتد المظلوم﴾ تاوقتیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ اگر وہ حد پھیلائے گیا یعنی اس نے جواباً زیادہ گلی دی اور گلی کا آغاز کرنے والے کو زیادہ ستایا اور اذیت دی تو اس کی ایزاءِ رسانی اس کے گناہ کے ساتھ شامل ہو جائے گی اور بسا اوقات ایسا بھی امکان ہے کہ ابتداء کرنے والے سے اس کا گناہ زیادہ ہو جائے۔

(۱۲۹۷) وَعَنْ أَبِي صِرْمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمُسْتَبَانِ مَا قَالَا فَعَلَىٰ» (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) مَا لَمْ يَنْتَدِ الْمَظْلُومُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) مَظْلُومٌ يَزِيدُ فِي كَرَمِهِ.

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”جس نے کسی مسلمان کو ضرر پہنچایا“
 ﴿مَنْ ضَارَّ مُسْلِمًا ضَارَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ شَاقَّ مُسْلِمًا شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ﴾۔
 اللہ تعالیٰ اسے ضرر دے گا اور جس نے کسی مسلمان کو مشقت میں مبتلا کیا اللہ تعالیٰ اسے مشقت اور مصیبت میں مبتلا فرمائے گا۔“ (اس حدیث کو ابو داؤد اور

ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿من ضار مسلماً﴾ یعنی جس کسی نے مسلمان کو مالی و جانی نقصان اور عزت و آبرو میں ناخن تکلیف دی اللہ تعالیٰ اسی جیسی تکلیف و مشقت بطور مجازات اس پر ڈال دے گا اور اسے اس میں مبتلا فرما دے گا۔ ﴿من شاق﴾ جس نے مسلمان سے ناخن جھگڑا کیا اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈال دے گا۔ (نازل فرما دے گا)

حاصل کلام: اس حدیث میں مسلمان کو تکلیف دینے، اذیت پہنچانے سے خبردار کیا گیا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کو تکلیف دیتا ہے، اس پر ظلم کرتا ہے اور اس سے بغیر کسی وجہ سے ناخن جھگڑا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر مشقت نازل کر دیتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿ابوصرمہ رضی اللہ عنہ﴾ قبیلہ مازن سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے مازنی کہلائے۔ ان کا نام مالک بن قیس تھا یا قیس بن مالک۔ بدر وغیرہ غزوات میں حاضر رہے۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

(۱۲۹۸) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ يَبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.
 حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ بغض رکھتے ہیں۔ بد خو، فحش گو سے۔“ (اسے ترمذی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

(۱۲۹۹) وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - رَفَعَهُ - : «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْحَاكِمِ». وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ.
 انہیں (ابودرداء) سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے، کہ ”ایک مومن بہت طعن کرنے والا، بہت لعنت کرنے والا، فحش گوئی کرنے والا اور بے حیاء نہیں ہوتا“ (ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿البذی﴾ بذاء سے فعلیل کے وزن پر۔ قبیح گفتگو اور فحش گوئی کو کہتے ہیں جو مومن کی صفات و اوصاف میں سے نہیں ہے۔ ﴿الطعان﴾ اللعان ﴿دونوں میں عین پر تشدید ہے، مطلب بہت

لعن کرنے والا، بہت لعنت کرنے والا۔ مگر یہاں زیادت کا مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ لعنت کرنا تو حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ (سبل السلام)

حاصل کلام: ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مومن کامل کیلئے لائق نہیں کہ وہ بد خو، فحش گو اور لعن و طعن کرنے والا ہو۔ البتہ اس سے وہ عمل یا شخص مستثنیٰ ہے جسے خود اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔ مثلاً کافر، شراب پینے والا، حلالہ کرنے والا وغیرہ۔

راوی حدیث: ﴿ابوالدرداء رضی اللہ عنہ﴾ بڑے جلیل القدر اور نہایت عابد و زاہد صحابی تھے۔ ان کا نام عویمر بن زید یا ابن مالک بن عبد اللہ بن قیس تھا۔ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ خزرج قبیلہ سے تھے۔ بدر کے روز اسلام قبول کیا۔ احد میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بدری اصحاب میں شامل فرمایا تھا۔ انہوں نے جمع قرآن کی خدمت انجام دی۔ دمشق کے والی رہے۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ ان کے اقوال زیریں میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک لمحہ کی شہرت طویل حزن و ملال سے دوچار کر دیتی ہے۔ ۳۲ میں وفات پائی۔

(۱۳۰۰) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضُوا إِلَيَّ مَا قَدَّمُوا». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ. (بخاری)

حاصل کلام: اس حدیث میں کسی بھی مرنے والے کو برا کہنے اور گالی دینے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ مردے کو گالی دینے کی وجہ سے اس کے لواحقین کو اذیت پہنچ سکتی ہے جو باہمی دشمنی اور عداوت کا باعث بن سکتی ہے ویسے بھی یہ لغو اور فضول سی بات ہے ورنہ مرنے والا اپنے مالک کے پاس پہنچ چکا ہے، اب اس کا معاملہ اس کے سپرد ہے، سزا دے یا نہ دے۔ کسی کے گالی دینے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔ پھر یہ کونسی شرافت ہے کہ جو جوابی کاروائی کی پوزیشن ہی میں نہیں ہے اسے گالی گلوچ کرنے سے سوائے اپنے نفس کو تسلی دینے کے کیا حاصل ہے۔

(۱۳۰۱) وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ». مَنَّكَ هُوَ كَا. (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿قَتَات﴾ قاف پر فتح اور تاء پر تشدید۔ ”نمام“ کے معنی میں یعنی چغل خور جو کسی انسان کی یا کسی قوم کی بات دوسرے انسان یا قوم کے پاس اس طریقہ سے نقل کرے کہ دونوں میں فساد برپا ہو جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”نمام“ اور ”قَتَات“ میں لطیف سا فرق ہے۔ نمام اس آدمی کو کہتے

ہیں جو لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے میں شریک ہو پھر ان کے خلاف چغل خوری کرے اور ان کی گفتگو کو آشکارا کرے جسے وہ افشا کرنا ناپسند کرتے ہوں اور فحش اس آدمی کو کہتے ہیں جو دوسروں کی بات ان کی بے خبری میں سنے پھر چغل خوری کرے اور ان کی بات کو آگے نقل کر دے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے آگے نقل کرنے میں شرعی مصلحت نہ ہو۔ ورنہ یہ مستحب ہے یا واجب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کو پتہ چل گیا کہ ایک شخص دوسرے آدمی پر ظلم کرنا، ایذا دینا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو ڈرائے، دھمکائے کہ ایسا نہ کرے اور جس پر ظلم کرنا چاہتا ہے، اسے جا کر بتائے کہ وہ ہوشیار و محتاط رہے اور اسی طرح جس نے سربراہ مملکت یا اس کے کسی نمائندے کو اس سے مطلع کر دیا تو اس سے منع نہیں کیا گیا۔ یعنی ایسا کرنا جائز ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ چغلی کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔

(۱۳۰۲) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ كَفَّ عَصْبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ». أَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ. وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عِنْدَ ابْنِ أَبِي الدُّنْيَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کسی نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔“ (اسے عَذَابُهُ)۔ أَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ. وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عِنْدَ ابْنِ أَبِي الدُّنْيَا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں غصہ پر قابو پانے کی فضیلت ہے۔ اپنے زیر دستوں اور خردوں کی کسی غلطی پر غصہ نہ کھانا بلکہ انہیں معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

(۱۳۰۳) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِيقِ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ آدَمِيٌّ جَنَّتْ فِيهِ دَاخِلٌ فِيهَا» (ترمذی نے اس کو حَبَّ، وَلَا بِخَبِيلٍ، وَلَا سَيِّئٍ روایت کیا اور اس نے اسے دو احادیث کی صورت میں الْمَلَكَةِ)۔ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفَرَّقَهُ حَدِيثَيْنِ، الْاَلْكُ بَيَانُ كَيْفِهِ اَوْرَاسُ كِي سَدِّ مِيْنِ ضَعْفُ اِهْ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”دھوکہ باز، بخیل اور بدخلق آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (ترمذی نے اس کو حَبَّ، وَلَا بِخَبِيلٍ، وَلَا سَيِّئٍ روایت کیا اور اس نے اسے دو احادیث کی صورت میں الْمَلَكَةِ)۔ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفَرَّقَهُ حَدِيثَيْنِ، الْاَلْكُ بَيَانُ كَيْفِهِ اَوْرَاسُ كِي سَدِّ مِيْنِ ضَعْفُ اِهْ)۔

لعنوا تشریح: ﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ﴾ یعنی آغاز ہی میں جنت میں داخل نہیں ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ پہلے کوئی سزا اور عذاب اگر ہے تو اسے بھگتے بغیر جنت میں نہیں جاسکے گا۔ ﴿حَبَّ﴾ خاء پر فتح اور باء پر تشدید۔ دھوکہ باز جو دھوکہ و فریب سے لوگوں میں فساد اور خرابی پیدا کرے۔ ﴿وَلَهُ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ﴾ مملکت کے مہم اور لام پر فتح ”ملک“ کے معنی میں ہے۔ ﴿سَيِّئُ الْمَلَكَةِ﴾ جو اپنے غلاموں سے برا سلوک کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ مملکت کو پختہ عادت کے معنی میں لیا جائے تو اس صورت میں

نعوی تشریح: ﴿العجلۃ﴾ عین اور جیم پر فتح۔ کسی کام کو انجام دینے میں جلدی کرنا۔ سرعت اور تیزی سے کام کرنا۔ یہ قابل مذمت حرکت ہے اس لئے کہ ایسا کرنے سے امور کے انجام پر غور و فکر کرنے اور ان میں خوب چھان بین کرنے کی نوبت نہیں آتی اور اسی کے نتیجہ میں انسان ہلاکت کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے اور یہ شیطان کا دھوکہ و فریب اور اس کی وسوسہ اندازی ہے جس سے ہر نوع بچنا چاہئے۔

(۱۳۰۸) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «بَدْ خَلْقِي نَحُوسَتُ هِيَ» (اس کو احمد نے **عَلَيْهِ**: «الشُّومُ سُوءُ الْخُلُقِ»۔ أَخْرَجَهُ روايت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے) اُحْمَدُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ۔

نعوی تشریح: ﴿الشوم﴾ یمن اور برکت کی ضد ہے۔ اس کے شین پر ضمہ اور حمزہ ساکن ہے اور آسانی سے پڑھا جاتا ہے یا پھر واؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔
حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی نحوست یا مصیبت جو انسان پر وارد ہوتی ہے اس کا اصل سبب بد خلقی ہے۔ نیز یہ بھی کہ بد خلقی اور خوش خلقی انسان کے اختیار میں ہے اگر چاہے تو بد خلقی کی راہ اختیار کر لے اور چاہے تو خوش خلقی کی شاہراہ پسند کر لے۔ بد خلقی کا انجام نحوست ہے اور خوش خلقی کا انجام خیر و برکت ہے۔

(۱۳۰۹) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شَفَعَاءَ رَوْزَ نَهْ سَفَارَشْ كَرْنِ وَالْهَلْ هَوْنِ كَے اور نہ گواہی وَلَا شَهْدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»۔ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔ دینے والے۔ (مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پاکشت لعنت کرنے والے ایسے لوگوں کی سفارش قبول نہیں فرمائے گا اور نہ ایسے لوگوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس قبولیت شہادت کا بعض نے تعلق دنیا سے بتایا ہے کہ چونکہ ایسے لوگ فاسق ہوتے ہیں، اس لئے ان کی شہادت دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے روز انبیاء کرام کی تبلیغ دین پر شہادت نہیں دے سکیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں تب بھی شہادت کے مرتبہ کو نہیں پاسکیں گے۔ (سبل)

(۱۳۱۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «بُؤْ شَخْصُ كَسِي مُسْلِمَانِ كُوكَسِي كَنَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ» کی عار دلائے گا تو وہ خود وہ کام کر کے مرے گا۔

بَذَنِبَ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ». أَخْرَجَهُ (اس کو ترمذی نے نکالا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے الترمذی، وَحَسَنَهُ، وَسَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ۔ حالانکہ اس کی سند میں انقطاع ہے)

لعنوی تشریح: ﴿عیر﴾ تعبیر سے ماضی کا صیغہ ہے یعنی اسے عار کی طرف منسوب کیا اور اسے برا کہا تاکہ اس کو ذلیل و رسوا کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو برسرعام عیب یاد دلا کر اس کی تذلیل و تحقیر کرنا گناہ ہے اور جو شخص ایسا کردار ادا کرے وہ عمل مکافات کیلئے بھی تیار رہے حالانکہ مسلمان بھائی کے عیب پر تو پردہ ڈالنے کی تلقین ہے کہ جو آج کسی کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب چھپا دے گا۔

(۱۳۱۱) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور انہوں نے عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «وَيْلٌ لِّلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ كَرُ لُؤْغُوں كُؤْهَسَاءِ۔ اس پر ہلاکت ہے۔ پھر اس پر الْقَوْمُ، وَيْلٌ لَهُ، ثُمَّ وَيْلٌ لَهُ»۔ أَخْرَجَهُ (اسے تینوں نے قوی سند کے ساتھ روایت الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ۔ کیا ہے)

حاصل کلام: جھوٹ بولنا تو قرآن و سنت کی روشنی میں ویسے ہی حرام اور گناہ کبیرہ ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بیان کر کے لوگوں کو ہنسانا اور ان کی دلچسپی و دل لگی کا سامان مہیا کرنا بھی حرام ہے کیونکہ خوشی کا اظہار تو کسی اچھی بات پر ہونا چاہئے تاکہ جھوٹی بات پر۔ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہو اسے روک دینا چاہئے یا کم از کم جھوٹ کی اس مجلس کو چھوڑ دینا چاہئے۔

(۱۳۱۲) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُفَّارَةٌ مِّنْ اغْتَبْتَهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ»۔ (اسے حارث بن ابی اسامہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ غیبت کے گناہ کو دور کرنے کیلئے استغفار کافی ہے۔ لیکن علماء کا قول ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ آدمی کا اتنا پتا معلوم نہ ہو جس کی غیبت کی گئی ہے۔ اگر معلوم ہو جائے تو پھر اس سے معافی کے بغیر چارہ نہیں۔

(۱۳۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے
 ﴿اَبْغَضُ الرَّجَالِ اِلَى اللَّهِ الْاَلَدُ﴾ مبغوض بندہ وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑالو ہو۔“
 ﴿الْخَصْمُ﴾. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ. (مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿الالد﴾ ممرہ پر فتح اور لام پر فتح اور دال پر تشدید۔ سخت جھگڑالو اور ﴿الخصم﴾ کے
 ”خا“ اور صا پر فتح اس کا معنی بھی جھگڑنے والا۔
 حاصل کلام: لڑنے جھگڑنے میں شدت اور سختی کرنا شریف لوگوں کا کام نہیں۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو
 عند اللہ سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ شدت اور سختی دونوں حرام ہیں مگر اپنے حقوق کے حصول کیلئے جائز
 حد تک جھگڑنا جائز ہے۔

۵ - باب التزغیب فی مکارم الأخلاق

مکارم اخلاق (اتجھے عمدہ اخلاق کی)

ترغیب کا بیان

(۱۳۱۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «عَلَيْكُمْ بِالصَّدَقِ، فَإِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ، وَيَتَحَرَّى الصَّدَقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صَدِيقًا، وَإِنَّا كُنْمُ وَالْكَذِبِ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ، وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَابًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”سچائی کو لازم پکڑو کہ سچ
 نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی
 جانب راہنمائی کرتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور
 سچ کی تلاش میں رہتا ہے تا آنکہ اسے اللہ کے ہاں
 صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ گناہ
 کی جانب لے جاتا ہے اور گناہ آتشیں جہنم کی جانب
 لے جاتا ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور
 جھوٹ میں کوشش کرتا رہتا ہے تو اسے اللہ کے ہاں
 جھوٹا لکھا جاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

لعنوی تشریح: ﴿باب الترغیب﴾ ”مکارم“ مکرمہ کی جمع ہے مکرمہ کے میم اول پر فتح کاف
 ساکن اور ”را“ پر ضمہ ہے شریفانہ کام کو کہتے ہیں۔ ﴿علیکم بالصدق﴾ اس کا معنی صدق کو لازم
 پکڑنے اور اختیار کرنے کے ہیں اور صدق نام ہے واقعہ کے مطابق کام یا بات کرنے کا۔ ﴿فان الصدق﴾
 یعنی صدق کو لازم پکڑنے اور اس پر مداومت اختیار کرنا ﴿یتحرى الصدق﴾ صدق کے سلسلہ میں
 انتہائی کوشش اور جدوجہد۔ ﴿صدیقاً﴾ صا کے نیچے کسرہ اور دال پر تشدید۔ صدق میں مبالغہ کو کہتے

ہیں۔ انتہائی سچ بولنے والا۔ اس حدیث میں سچ بولنے والے کے حسن خاتمہ اور اس کے برے انجام سے مامون و محفوظ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿الفجور﴾ ”فاجر“ پر ضمہ اس کے معنی ہیں فساد کی جانب میلان رکھنا اور معاصی کی طرف لپکنے کو فتح و غور کہتے ہیں اور یہ شر و برائی کیلئے جامع نام ہے۔ ﴿حتیٰ یکتب عند اللہ کذابا﴾ مؤلف نے فتح الباری شرح بخاری میں کہا ہے کہ کتابت سے مراد یہاں اس کے بائیں فیصلہ کرنا ہے اور ملاء اعلیٰ سے دونوں مخلوق کیلئے اس کا اظہار کرنا ہے۔

(۱۳۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «يَأْتَاكُمْ وَالظَّنُّ، فَإِنَّ الظَّنَّ جُھوٹ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: دونوں احادیث میں جھوٹ سے بچنے اور ہمیشہ سچائی کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ سچائی کا آخری ثمرہ و نتیجہ جنت ہے اور جھوٹ کا نتیجہ خالق کائنات کی ناراضگی کی صورت میں دوزخ ہے۔ گویا اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو کوئی اپنی تمام باتوں میں سچ اختیار کرتا ہے اور سچائی کو اپنی زندگی کا عین مقصد سمجھتا ہے تو سچائی اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور اس کا نتیجہ جنت ہے۔

(۱۳۱۶) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَأْتَاكُمْ وَالْجُلُوسُ بِالطَّرَفَاتِ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا، نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ: «فَأَمَّا إِذَا أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ»، قَالُوا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: «غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿ایاکم والجلوس﴾ ”ایکے ایک اور بیٹھنا“ کے معنی ہیں بیٹھنا اور دال پر تشدید۔ کوئی چارا جائے فرار نہیں۔ ﴿لا بدمنہ﴾ ”وہاں کما جاتا ہے جہاں اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور جس کے سر انجام دیئے بغیر گزارہ نہ ہو معنی یہ ہوا کہ ضرورت و حاجت ہمیں راستوں پر بیٹھنے کیلئے مجبور کرتی ہے۔

پس اس سے ہمارے لئے کوئی کشادگی و فراخی کی گنجائش نہیں۔ ﴿فَانِ ابْتِغَاءُ﴾ پس اگر تم لوگوں کے راستوں میں بیٹھنے سے باز نہیں آئے تو پھر راستہ کا حق ادا کرو اور وہ یہ کہ اپنی نظروں کو غیر محرم پر پڑنے سے بچاؤ۔ ﴿كَفِ الْاِذْيَ﴾ راہ گیاروں کو اذیت دینے سے رک جاؤ اور دوسری روایات میں راستے کے حق کے بارے میں مزید بیان بھی ہے کہ راستہ کی راہنمائی کرے، مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرے، گم کردہ راہ مسافر کو راہ راست دکھائے۔ جب کوئی چھینک آنے کے بعد الحمد للہ کہے تو اس کا جواب (برحمتہ اللہ) دے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں راستوں میں جہاں سے لوگ گزرتے ہوں بیٹھنا اور قصہ گوئیاں کرنا ممنوع ہے۔ گلی کوچوں میں بیٹھنا، راہ چلنے والوں کیلئے راستہ تنگ کرنا کوئی شرافت ہے۔ راستوں پر خواتین کا آنا جانا بھی رہتا ہے۔ لامحالہ ان کیلئے مشکل پیدا ہوتی ہے ان کے علاوہ ٹریفک کے مسائل ہیں اور اگر راستے پر بیٹھنا مجبوری ہو تو پھر اس کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

(۱۳۱۷) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفْقَهُهُ فِي» کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ «الدِّينِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

لفظی تشریح: ﴿الفقه فی الدین﴾ قواعد اسلام کا سیکھنا، کتاب و سنت کے حلال و حرام کی معرفت حاصل کرنا۔ رہا ائمہ کے تخریج شدہ اقوال کی معرفت تو اسے اس امام کے مذہب کی فقہ کیس گے۔ یہ فقہ فی الدین نہیں ہے۔

(۱۳۱۸) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرَتِ ابُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ» (اسے ابوداؤد اور ترمذی من حُسْنِ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے) وَالتَّوْبَةُ، وَصَحَّحَهُ.

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز ترازو بھی ہوں گے جن میں اعمال تو لے اور وزن کئے جائیں گے اور ترازو میں سب سے وزنی چیز انسان کے عمدہ اخلاق ہوں گے۔ اس سے اچھے اور بہترین اخلاق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱۳۱۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا حَضْرَتِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «حَيَا اِيْمَانُ» (بخاری و مسلم)

مَنْفَعٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿الحیاء﴾ لغوی طور پر حیا کے معنی ہیں، کسی عیب کے ڈر سے طبیعت میں تغیر و انکساری پیدا ہونا اور شرعاً یہ ایسی خصلت و عادت ہے جو برے اور بدنام کام سے بچنے کا موجب و باعث ہوتی ہے اور حقدار کے حق میں کوئی کوتاہی و کمی کرنے سے روکتی ہے اور حیا اگرچہ ایک طبعی خصلت ہے لیکن اسے شرعی طور پر استعمال کرنے ہی کیلئے جانے اور نیت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کو ایمان کا جزء اور شاخ قرار دیا گیا ہے اور کبھی کلیتاً کسی بھی ہوتا ہے اور اسے ایمان کا جزء قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ صاحب حیا کو اس کا حیا گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔ جس طرح کہ ایمان گناہوں سے روکنے کا سبب ہوتا ہے، اسی طرح حیا بھی انسان کو معاصی و گناہوں سے بچنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ ڈھال کا کام دیتا ہے۔ (سبل السلام)

(۱۳۲۰) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْ شَرْمٌ نَهَ كَرَّهٌ تَوْجُوَ چاہے کر۔» (بخاری) فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حاصل کلام: پہلے ثبوت کے کلام سے مراد وہ بات ہے جس پر سب انبیاء کا اتفاق ہے۔ یہ چیز ان کی شریعتوں کی طرح منسوخ نہیں ہوئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کی کچھ باتیں ایسی ہیں جو منسوخ نہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ”جب تو شرم و حیا نہ کرے تو جو چاہے کر“ بے حیائی سے روکنے کا جب یہ ذریعہ نہیں تو انسان بے حجابی میں جو چاہے گا، کرے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے دیکھ لو اگر وہ ایسا ہو کہ اس سے حیا کی جائے تو اسے چھوڑ دو۔ (سبل)

(۱۳۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلِّ خَيْرٍ، أَخْرَصَ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعْمَنَ بِاللَّهِ، وَلَا تَعْجُزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قوی مومن اچھا، اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے ضعیف و کمزور مومن سے۔ ہر مومن میں بھلائی و اچھائی ہے۔ جو چیز تیرے لئے منافع بخش ہے اس کی حرص و لالچ کر۔ مدد صرف اللہ سے طلب کر، عاجز و درماندہ بن کر نہ بیٹھ اور اگر تجھے چیز حاصل ہو تو اس طرح مت کہو کہ اگر فلاں کام میں نے اس طرح سرانجام دیا ہوتا تو اس سے مجھے یہ اور یہ فوائد

قُلْ: قَدَّرَ اللَّهُ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ حَاصِل ہوتے۔ بلکہ اس طرح کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ «لَوْ» تَفْتَحَ عَمَلَ الشَّيْطَانِ۔ اَخْرَجَهُ نے اپنی تقدیر میں جو چاہا۔ کیونکہ لفظ ”لو“ یعنی اگر مُسْلِمٌ۔ شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فان لو﴾ ”لو“ کا لفظ کسی کام کے مراد اور مقصود کے خلاف واقع ہونے پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی آدمی کہتا ہے اگر میں اس طرح کرتا تو اس کا نتیجہ لازماً اس طرح ہوتا جیسا کہ حدیث بالا میں مذکور ہے۔ ﴿تفتح عمل الشيطان﴾ یہ شیطان کا عمل کھول دیتا ہے۔ یعنی اچھے کام کے ہاتھ سے نکل جانے پر شیطان اسے شدت حرص اور حسرت و افسوس پر ابھارتا ہے اور قضاء و قدر پر عدم رضامندی پر مائل کرتا ہے اور اس میں تقدیر کو بدلنے کے امکان کا گمان دلاتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں لفظ ”لو“ جس کے معنی ”اگر“ کے ہوتے ہیں کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے اور بعض احادیث سے اس کے استعمال کی گنجائش نظر آتی ہے۔ لہذا یہ ممانعت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔ قاضی عیاض وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر ”لو“ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اگر میں فلاں کام اس طرح انجام دیتا تو یقیناً اس کا نتیجہ اس طرح برآمد ہوتا اس طور پر لفظ ”لو“ کا استعمال حرام ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہی ہو کر رہتا تھا جو ہو چکا ہے اور ہوگا بھی وہی جو تقدیر الہی میں ہے تو ایسی صورت میں لفظ ”لو“ کا استعمال درست ہوگا، ممنوع نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر دین اسلام کی تابعداری نہ کرنے پر تاسف کی صورت میں ”لو“ کہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ دوسرے اس حدیث میں قوی و مضبوط مومن کو اللہ تعالیٰ ضعیف و کمزور کے مقابلہ میں محبوب رکھتا ہے کیونکہ جماد میں قوت و طاقت کی ضرورت ہے۔ تندرست و صحت مند آدمی بیمار و کمزور آدمی کے مقابلہ میں دین کی خدمت بھی زیادہ کر سکتا ہے اور عبادت بھی زیادہ اور غریاء و مساکین اور ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی خدمت بھی زیادہ کر سکتا ہے۔ لیکن قوت و ہمت کے باوجود انسان تنہی کچھ کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔ اس لئے اس میں حکم ہے کہ بہر نوع اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ وہی تمہارا کارساز ہے۔

(۱۳۲۲) وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ حَضَرْتُ عِيَاضَ بْنَ حِمَارٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا، حَتَّى لَا يَنْبَغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَفْخَرُ دُوسَرُهُ بِفَخْرِهِ»۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿التواضع﴾ تذلل و انکساری۔ یہ کبر کی ضد ہے۔ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں کے

مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا اور ممتاز سمجھتا ہے۔ احکام الہی کی بغاوت کرتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے اس وجہ سے نفرت کرتے ہیں۔ جب تواضع تکبر کی ضد ہے تو تواضع کے آثار بھی اس کے مخالف ہوں گے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں تواضع و انکساری اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔ باوجود بلند مرتبہ اور بلند شان ہونے کے، انسان کا اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں بڑا نہ سمجھنا اور لوگوں کو حقیر تصور نہ کرنا تواضع ہے۔ تواضع و انکساری سے انسان دوسرے انسانوں کو اپنا دوست اور ہمنوا بنا لیتا ہے اور تکبر و نخوت سے لوگوں کو اپنے سے دور کر لیتا ہے۔

(۱۳۲۳) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَنَهُ، وَلاَحَمَدُ مِنْ حَدِيثِ إِسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ نَحْوَهُ.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے چہرے کو آتش جہنم سے محفوظ رکھے گا۔“ (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے اور مسند احمد میں اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اسی طرح ہے)

لغوی تشریح: ﴿مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ﴾ اس کا مطلب ہے کہ جس نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا دفاع کیا اور اس کی آبرو کی حفاظت کی ﴿بِالْغَيْبِ﴾ ایسی صورت میں جب اس کا بھائی موجود نہیں تھا، غیر حاضر تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں اس مسلمان کی بڑی فضیلت کا بیان ہے جو اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے بلکہ یہ دفاع واجب ہے کیونکہ یہ انکار منکر کے باب میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں دفاع نہ کرنے والے کی مذمت بھی آئی ہے۔ پھر اس دفاع سے غیبت وغیرہ کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے آئندہ وہ اس سے اجتناب کرے گا اور جس کا دفاع کیا ہے، اس سے بھائی چارہ اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

راوی حدیث: ﴿إِسْمَاءُ بِنْتُ يَزِيدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا﴾ یہ یزید بن سکن کی صاحب زادی تھیں۔ قبیلہ اشل سے تھیں اس لئے اشلہ کہلاتی تھیں۔ خواتین کی خلیہ تھیں۔ یرموک میں شریک ہوئیں۔ اس روز اس نے اپنے خیمہ کی لکڑی سے نو دشمنوں کو قتل کیا۔

(۱۳۲۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ»، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”صدقہ و خیرات کسی مال میں کمی واقع نہیں کرتا اور اللہ اس شخص کو جو درگزر کرتا ہے،

وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ. اأَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

(مسلم)

لغوی تشریح: ﴿ما زاد الله رجلاً بعفو﴾ اللہ اس شخص کو جو عفو و درگزر کرتا ہے نہیں بڑھاتا۔ یعنی اس کا کسی شے کے معاف کرنے کی وجہ سے یا انتقام و بدلہ لینے کی قوت و طاقت کے باوجود اسے معاف کر دینے کی وجہ سے۔ ﴿الاعزاً﴾ مگر عزت۔ دنیا میں۔ کیونکہ عفو و درگزر کی صفت سے پہچانا گیا اس نے تو دلوں میں بہت بڑا مقام پیدا کر لیا یا پھر آخرت میں بھی عزت عطا فرمائے گا بایں طور کہ اس کے ثواب میں اضافہ فرما دے گا یا عزت و توقیر دینا اور آخرت دونوں میں عطا فرمائے گا۔ ﴿وما تواضع احد لله﴾ اللہ نہیں تواضع کرتا کوئی بھی اللہ کیلئے۔ یعنی اس طرح کہ وہ خود جس مرتبہ اور منصب کا مستحق ہے اپنے آپ کو اس سے نیچے اتار لے اس امید و توقع کے پیش نظر کہ اللہ کا قرب نصیب ہو جائے اس کے سوا کوئی دوسری غرض و مقصد نہ ہو۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مکارم اخلاق کی تین چیزوں کا ذکر ہے اور تینوں اخلاق فاضلہ کی جڑ ہیں۔ اور وہ صدقہ، عفو و درگزر اور تواضع ہیں۔ جس انسان میں یہ تینوں وصف پائے جائیں گے وہ شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور مخلوق خدا بھی اس سے محبت کرے گی۔

(۱۳۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ. حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! صَلُّوا الْأَرْحَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، وَطَعَّمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ، وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ صَاحِبِينَ» (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور بِسَلَامٍ. اأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

لغوی تشریح: ﴿افشوا﴾ افشاء سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی پھیلانا، عام کرنا کے ہیں۔ ﴿صلوا الارحام﴾ وصل سے امر کا صیغہ ہے۔ ﴿نیا م﴾ نون کے نیچے کسرہ اور یہ نائم کی جمع ہے یعنی سونے والے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جن امور کو موجبات جنت قرار دیا گیا ہے ان میں تین کا تعلق انسانوں کے ساتھ باہمی پیار اور محبت سے ہے اور ایک کا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے، گویا اشارہ ہے کہ جس کا تعلق اللہ اور اللہ کے بندوں سے درست ہوا وہ جنت میں جائے گا اور یہ بھی کہ جو ان امور خیر کی پابندی کرے گا اس کیلئے جنت کے حصول کا راستہ آسان ہو جائے گا، وہ نیکی کی شاہراہ پر چل نکلے گا اور برائیوں سے

اللّٰهُ وَحُسْنُ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ نَعْلَاهُ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حاصل کلام: اس حدیث میں تقویٰ اور حسن خلق اختیار کرنے والوں کو دخول جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اوامر پر عمل کرنا اور منہیات و نواہی سے رک جانا اور حسن خلق، اچھے عمل و کردار کا نام ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں تقویٰ اور حسن خلق کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور اس کی کتنی اہمیت و فضیلت ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔

(۱۳۲۸) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ: «إِنَّكُمْ لَا تَسْمُونَ النَّاسَ ﷺ نے فرمایا ”تم لوگوں میں رسائی مال کے ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے اس لئے تمہیں چاہئے کہ حسن خلق و کشادہ روئی سے لوگوں کے اندر رسائی پیدا کرو۔“ (اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے یَقْبَلُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿لَا تَسْمُونَ﴾ یہ الواسع سے ماخوذ ہے اسی طرح ﴿يَسْمَعُونَ﴾ بھی اسی ”الوسع“ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم مال خرچ کر کے لوگوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ لوگوں کی تعداد زیادہ اور مال کم ہے۔ لیکن یہ کلام تم خندہ روئی اور خندہ پیشانی سے کر سکتے ہو لہذا اسی کو اپنے اوپر لازم کرو نیز نرم پہلو اور نرم رویہ سے بھی اسے پورا کر سکتے ہو۔ اس کے برعکس سختی سے اور درشتگی سے یہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ (سبل السلام)

(۱۳۲۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مُؤْمِنٌ بِمَرْءَةِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ». أَخْرَجَهُ حَسَنٌ (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اس کی سند

حسن ہے)

لغوی تشریح: ﴿مُؤْمِنٌ بِمَرْءَةِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ﴾ المراءۃ کے ميم کے نیچے کسرہ اور حمزہ پر مد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئینہ جس طرح اپنے دیکھنے والے کے محاسن اور نقائص بلا کم و کاست اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، اسی طرح ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کیلئے آئینہ کی طرح ہے کہ وہ اپنے بھائی کو عیوب اور نقائص پر متنبہ کر کے اسے خبردار کر دیتا ہے کہ اپنی اصلاح کر لے۔ یہ کلام آئینہ صرف اپنے دیکھنے والے کو ہی بتاتا ہے، دوسرے کے روبرو چنپی نہیں کھاتا اور آئینہ اتنا عیب و نقص ہی بتاتا ہے جتنا دیکھنے والے کے چہرے میں ہوتا ہے، اس میں اپنی جانب سے کمی بیشی نہیں کرتا اور اس کے سامنے بیان کرتا ہے، اس کی عدم موجودگی اور پیٹھ پیچھے نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک مومن کو اپنے مومن بھائی کے

سامنے اس کے عیوب بیان کرنے چاہئیں، اس کی غیر موجودگی میں نہیں اور اتنے عیوب ہی بیان کرنے چاہئیں جتنے حقیقت میں اس میں پائے جاتے ہوں، اس میں اپنی جانب سے کمی بیشی نہ کرے۔ آئینہ نکڑے ہو کر بھی اپنے دیکھنے والے کے عیوب ہر نکڑے میں وہی دکھاتا ہے جو اس میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح مومن کو اپنے بھائی سے ناراض ہو کر بھی اپنے مومن بھائی کے عیوب اتنے ہی بیان کرنے چاہئیں جتنے فی الواقع اس میں پائے جاتے ہیں۔ آئینہ ٹوٹ کر اپنی اصلیت کھو نہیں دیتا، اسی طرح مومن کو اپنی اصلیت کھو نہیں دینی چاہئے اور مومن کو اپنے عیوب پر تنبیہ کو اپنے لئے کچی خیر خواہی اور حقیقی ہمدردی سمجھنا چاہئے۔

(۱۳۳۰) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَهُوَ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُسَمِّ الصَّحَابِيَّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو مومن لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی جانب سے اذیت رسانی پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر اور اچھا ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں اور ان کی جانب سے اذیت رسانی پر صبر بھی نہیں کرتا۔“ (اس حدیث کو ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے مگر اس نے صحابی کا نام نہیں لیا)

حاصل کلام: اس حدیث میں اس آدمی کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے ان سے میل ملاقات رکھتا ہے۔ دین کی تبلیغ کرتا ہے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلہ سے ان کی جانب سے جو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے اس کو صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے، اس لئے کہ یہ تکلیف اسے دین کی وجہ سے دی گئی ہے۔ لہذا وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں میں آتا جاتا نہیں، ان سے میل ملاقات نہیں رکھتا۔ نہ وہ دین کی تبلیغ کرتا ہے اور نہ ہی ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے، نہ کسی سے تعاون لیتا ہے اور نہ دیتا ہے۔ البتہ جو آدمی ایذا رسانی کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اس سے اس کی اپنی دینداری کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کیلئے عزالت اور کنارہ کشی کی گنجائش ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۱۳۳۱) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ كَمَا حَسَنْتَ خُلُقِي، فَحَسِّنْ خُلُقِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے الہی جس طرح تو نے میری تخلیق کو خوب اچھا بنایا ہے، اس طرح میرے اخلاق کو اچھا اور حسین بنا دے۔“ (اسے احمد نے روایت کیا)

جِئَانُ۔ ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔
 لغوی تشریح: ﴿حسنت﴾ تحسین سے ماضی اور مخاطب کا صیغہ ہے۔ ﴿خلقی﴾ ”خا“ پر فتح اور لام ساکن اور دوسرے میں ”خا“ اور ”لام“ دونوں پر ضمہ ہے۔
 حاصل کلام: یہ دعا رسول اللہ ﷺ عموماً آئینہ دیکھنے کے موقع پر کیا کرتے تھے۔ آپؐ تو تخلیق اور اخلاق کے لحاظ سے کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔ آپؐ کی یہ دعا دراصل اس نعمت کے دوام کیلئے اور امت کو تعلیم دینے کیلئے تھی۔

۶ - بَابُ الذِّكْرِ وَالِدُعَاءِ ذکر اور دعا کا بیان

(۱۳۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِِي شَفَاتُهُ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهٗ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ، وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَلْفِيحًا۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے اس وقت تک ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے لئے اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں۔“ (اس کو ابن ماجہ نے نکالا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری نے اسے تعلقاً بیان کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿باب الذکر﴾ یعنی اللہ کا ذکر زبان سے اور دل سے۔ ﴿والدعاء﴾ دعا کہتے ہیں اللہ سے خیر طلب کرنا۔ دعا کبھی ضائع نہیں جاتی، بلکہ دعا مانگنے والے کے لئے تین میں سے ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ دعا کو بینہ شرف قبولیت سے نوازتے ہیں یا یہ کہ اس دعا کو مانگنے والے کے لئے آخرت میں ذخیرہ بنا دیتا ہے یا یہ کہ اس سے کسی برائی و مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔
 حاصل کلام: اس حدیث میں ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اللہ کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ ذکر کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی ثناء، تحمید و تجلیل وغیرہ کے کلمات کو دل اور زبان پر جاری رکھنے کا نام ہے۔ محض دل میں ان کلمات کا ہونے کا کوئی معنی نہیں جب تک کہ زبان بھی دل کی ہمنوا نہ ہو اور صرف زبان سے ادا کرنا اور دل اس سے بے خبر رہے، اس سے بھی کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جب دل اور زبان ہم آہنگ ہوں اور ایک دوسرے کے ہمنوا ہوں تو مطلوب حاصل ہوتا ہے اور یہی اللہ کے ہاں محبوب ہے۔ دعا اور ذکر میں طلب کا فرق ہے، دعا میں طلب ہوتی ہے، ذکر میں نہیں۔ دعا کی فضیلت میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی ”الوابل الصیب“ اس سلسلے میں بہترین کتاب ہے۔ اہل ذوق اس کی مراجعت فرمائیں۔

(۱۳۳۳) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

(۱۳۳۵) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ فِيهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہیں بیٹھتی کوئی قوم کسی مجلس میں کہ انہوں نے اس مجلس میں اللہ کا ذکر کیا اور نہ نبی ﷺ پر درود بھیجا مگر وہ (اے تیری قیامت کے روز باعث حسرت و ندامت ہوگی۔“ (اسے ترمذی نے

نکالا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے)

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مجلس میں اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہئے اور نبی ﷺ پر درود ضرور بھیجنا چاہئے مگر درود و سلام کا جو رواج ہمارے دور میں شروع ہوا ہے، اس کا وجود عمد رسالت اور دور صحابہ کرامؓ میں نظر نہیں آتا۔ یہ لوگوں کی اپنی ایجاد ہے اگر تو وہ اسے مسنون سمجھ کر باعث اجر و ثواب سمجھتے ہیں تو یہ بدعت ہے۔ اجتماعی ذکر میں درس و تدریس اور تعلیم و تعلم سب سے بہتر طریقہ ہے۔ اکٹھے ایک جگہ بیٹھ کر اپنے طور پر ذکر الہی اور درود پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۱۳۳۶) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، كَانَ كَمَنْ أَتَقَى أَرْبَعَةَ أَنْفُسٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو کوئی دس مرتبہ ان کلمات کو کہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں“ بادشاہت اسی کی ہے، سب تعریف اسی کے لئے ہے، سب بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ تو وہ اس شخص کی مانند ہو گیا جس نے اولاد اسماعیل سے چار بہترین و نفیس ترین غلاموں کو

آزاد کیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿مَنْ وَلَدَ إِسْمَاعِيلَ﴾ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور نسل میں سے اور ولد کی واؤ پر ضمہ ہے اور لام ساکن ہے اور دونوں پر فتح بھی جائز ہے اور ولد کا لفظ واحد، تشبیہ اور جمع سب پر یکساں بولا جاتا ہے اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کسی کو نعمت آزادی سے سرفراز کرنا بہت فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے کسی کے آزاد کرنے سے۔

(۱۳۳۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ (پاک ہے اللہ اپنی تعریفوں کے ساتھ) سو

راوی حدیث: ﴿جوسرہ بنت حارث رضی اللہ عنہا﴾ امہات المؤمنین میں سے ایک تھیں۔ غزوہ مریض میں اسیر ہوئیں۔ ثابت بن قیس بن شمس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی۔ مکاتبت کی رقم رسول اللہ ﷺ نے ادا فرما کر ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس پر لوگوں نے ان کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ ﷺ کی سسرالی رشتہ دار بن گئی ہیں۔ یہ خاتون ان کے قبیلے اور قوم کیلئے سب سے زیادہ باعث برکت ثابت ہوئیں۔ ۵۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۳۳۹) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَضْرَتِ ابِوسَعِيدٍ خُدْرِي رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَے فرمایا (آنے والے الفاظ) باقیات رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «الْبَاقِيَاتُ صَالِحَاتُ هِيْنَ لِعِنِ "اللّٰهُ كَے سوا كوئى الٰه نِيس" اللّٰهُ الصّٰلِحَاتُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، پاك هے، بلند شان والا هے اور وهى سب سے بڑا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، هے اور هر خوبى اللّٰهُ كيلئے هے اور برائى سے پهرنے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا اور تيكى كى قوت اللّٰهُ كى مدد كے بغير ممكن نِيس۔» بِاللّٰهِ. اَخْرَجَهُ التَّنَاطِي، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جَبَّانَ (اسے نسائى نے نكالا هے اور ابن حبان اور حاكم نے اسے وَالْحَاكِمُ. صحیح قرار دیا هے)

لغوی تشریح: ﴿الباقیات الصالحات﴾ یعنی باقیات صالحات میں سے ہیں اور ان اعمال سے مراد ایسے اعمال ہیں کہ جن کا اجر و ثواب عال کیلئے ہمیشہ ہمیش باقی رہتا ہے۔ ہر وہ کام جس کا تعلق اللہ کی اطاعت اور اعمال خیر سے ہو وہ باقیات صالحات میں سے ہیں۔ اس حدیث میں ان کلمات کو بالخصوص ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایمان باللہ کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں اور ایمان اللہ تمام بھلائیوں اور اچھائیوں کا منبع و مرکز ہے۔ ایمان باللہ کے بغیر کوئی بھلائی و اچھائی شمار نہیں ہے۔ پس یہ کلمات گویا باقیات صالحات کی جڑ ہیں۔ ﴿لاحول ولا قوۃ الا باللہ﴾ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہل لغت کا قول ہے کہ حول سے مراد حرکت اور حیلہ ہے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر نہ کوئی حرکت کر سکتا ہے اور نہ حیلہ سازی کر سکتا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ لاحول کا معنی ہے کہ شر کو دفع کرنے کی قوت اور خیر کو حاصل کرنے کی طاقت بھی اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے پھرنے کی طاقت اللہ کے تحفظ اور حفاظت کے بغیر ناممکن ہے اور اللہ کی اطاعت پر قوت بھی اس کی اعانت کے بغیر نہیں۔ یہ قول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہ سارے اقوال قریب المعنی ہیں۔

(۱۳۴۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بِنْتِ جُنْدُبٍ حَضْرَتِ سمرہ بن جندب رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَے فرمایا "اللّٰهُ كَے نزدیک سب سے محبوب و پسندیدہ کلام یہ چار الفاظ ہیں۔ ان میں سے اللّٰهُ اَرْبَعٌ، لَا يَضُرُّكَ بِاَيِّهِنَّ بَدَأْتُ: خواہ کسی سے ابتدا کرے تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

(وہ یہ ہیں) ”اللہ پاک ہے، بلند و بالا شان کا مالک ہے۔ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔“ (مسلم)

(۱۳۴۱) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ! كَيْفَ تَجِبُ جَنَّتِ الْخَزَانُونَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ؟ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَنْزٍ مِنَ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ النَّسَائِيُّ: «وَلَا مُلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ».

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا ”اے عبد اللہ بن قیس! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ جو یہ ہے کہ برائی سے منہ موڑنا اور نیکی پر زور سوائے اللہ کی مدد کے (ممکن) نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم) اور نسائی میں اتنا اضافہ ہے کہ ”اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔“

لعنوی تشریح: ﴿الملجاء﴾ پناہ گاہ، جائے تحفظ۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کلمہ کا جنت کا خزانہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کلمہ میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے اور اس کیلئے سر تسلیم خم کرنے کا اعتراف ہے اور اس کا اعتراف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی صانع نہیں ہے۔ اس کے ارادے کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اور اس معاملہ میں بندے کا کوئی اختیار نہیں اور یہاں کنز کا معنی ہے کہ جنت میں اس کا ثواب ذخیرہ ہوگا اور وہ بہترین و نفیس ہوگا ایسے ہی جیسے سارے اموال چھپا کر رکھا ہوا مال زیادہ نفیس اور قیمتی ہوتا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جتنی چیز نفیس اور قیمتی ہوتی ہے اتنی ہی اس کی حفاظت اور دیکھ بھال اہتمام سے کی جاتی ہے۔ اسے چھپا کر رکھا جاتا ہے اور یہ کلمات تو جنت کا خزانہ ہیں۔ اس لئے ان کی بھی محافظت کرنی چاہئے اور کثرت سے انہیں پڑھنا چاہئے۔

(۱۳۴۲) وَعَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک دعا ہی عبادت ہے۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے) اور ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، مَرْفُوعاً، بِلَفْظٍ: «الدُّعَاءُ مُخِ الْعِبَادَةِ».

”الدعاء مخ العبادۃ“ کے الفاظ ہیں یعنی دعا مغز عبادت ہے۔ اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، رَفَعَهُ: «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ». (ہے) وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

لغوی تشریح: ﴿ان الدعاء هو العبادة﴾ یعنی دعا ارکان عبادت میں سے سب سے عظیم اور اس کے اہم ترین اجزاء میں سے ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جج تو عرف کا نام ہے“ ﴿من العبادة﴾ عبادت کا مغز ہے، سے مراد ہے کہ دعا عبادت کا خلاصہ اور اصل ہے اور حج کے میم پر ضمہ اور خا پر تشدید ہے اور حج ہر چیز کے خالص حصہ کو کہتے ہیں۔ اسی لئے دماغ کو مغز کہتے ہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب ہوا کہ غیر اللہ سے جو دعائیں برائے قضاء حاجات و مشکلات کی جاتیں ہیں وہ گویا غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی لئے غیر اللہ سے دعا مانگنا شرک ہے۔ دعا کی تاثیر کا اندازہ تو اس سے لگائیں کہ طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ آسمان سے کوئی مصیبت و بلا نازل ہو رہی ہوتی ہے اور آدمی اتفاق سے اس موقع پر رب کائنات کے حضور دست بدعا ہوتا ہے تو قضاء آسمانی میں دونوں کی مدد بھیڑ ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے سے لپٹ جاتی ہیں، اس طرح دعا گویا نازل ہونے والی مصیبت کو راستہ ہی میں روک لیتی ہے اور اس پر نازل نہیں ہونے دیتی۔

(۱۳۴۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يَرُدُّ». أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَّانَ وَغَيْرُهُ.

حاصل کلام: استجاب دعا کے مختلف اوقات ہیں۔ ان میں ایک وقت اذان و اقامت کے درمیان کا وقت ہے۔ اس لئے کہ نمازی کی اس وقت توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، وہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت کو فضول باتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۳۴۴) وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ رَبَّكُمْ كَرِيمٌ، يَسْتَجِيبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا عِنْدَهُ إِذَا رَفَعَ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا»

صِفْرًا. أَخْرَجَهُ الْأَزْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ شَرْمُ آتِي هُـ"۔ (نسائی کے سوا چاروں نے اسے روایت الحاکم سے کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿حی﴾ فعل کے وزن پر۔ حیاء سے ماخوذ ہے اور معنی ہے شرم و حیاء والا۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے اور یہ آداب دعا کا ایک ادب ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں اٹھے ہوئے بندہ محتاج کے ہاتھ خالی واپس نہیں کئے جاتے۔ دعائے استقواء کے وقت رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ عام معمول سے ہٹ کر زیادہ ہی بلند فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کی جو نفی ہے، اس سے مراد استقواء کی طرح رفع الیدین میں مبالغہ کرنے کی نفی ہے۔

(۱۳۴۵) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَدَّ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَرُدُّهُمَا وَإِذَا مَدَّ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَرُدُّهُمَا (اسے ترمذی نے نکالا ہے اور اس کے کئی شواہد ہیں، ان الترمذی۔ وَلَهُ شَوَاهِدٌ مِنْهَا حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ، وَمَجْمُوعُهَا يَفْتَضِي أَنَّهُ حَدِيثٌ حَسَنٌ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھایا کرتے تو ان کو اس وقت تک واپس نہ لوٹاتے جب تک کہ چہرے پر پھیر نہ لیتے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا مانگنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملنا یا پھیر لینا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ دعا کے وقت اللہ کی جناب میں اٹھے ہوئے ہاتھ رحمت الہی سے لبریز ہو جاتے ہیں تو اس رحمت کو شکر یہ کے ساتھ چہرے پر مل لیا جاتا ہے، اس لئے کہ چہرہ اعضاء جسم میں سب سے اشرف عضو ہے۔ نیز چہرہ سارے جسم کا ترہمان نمائندہ ہے، جب نمائندہ کو یہ شرف مل گیا تو باقی اعضاء از خود اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی سند میں حماد بن عیسیٰ جہنی ضعیف راوی ہے۔ لیکن اس کے دوسرے شواہد موجود ہیں جن کی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(۱۳۴۶) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِیَ یَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً». أَخْرَجَهُ (ترمذی۔ ابن حبان نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والے ہوں گے۔" (ترمذی۔ ابن حبان نے اسے

(۱۳۴۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ، حِينَ يُمَسِّي وَحِينَ يُصْبِحُ: «اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي، وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أَغْتَالَ مِنْ تَحْتِي». أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کو صبح و شام کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے، اے الہی! میں تجھ سے عافیت کا طلبگار ہوں۔ اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال میں۔ الہی! میرے عیوب پر پردہ پوشی فرما دے اور مجھے امن میں رکھ خوف و ڈر سے اور میرے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اور اوپر سے حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں کہ میں نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔ (اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿یدع﴾ چھوڑتے، ترک کرتے۔ ﴿عوراتی﴾ عیوب اور گناہ۔ یہ دنیا و آخرت میں بدنی اور دینی تمام گناہوں کو شامل ہے۔ ﴿روعاتی﴾ یہ روعۃ کی جمع ہے۔ جس کا معنی گھبراہٹ ہے ﴿اغتيال﴾ صیغہ مجہول۔ اغتيال سے شکم کا صیغہ ہے۔ کسی چیز کو مخفی طور پر حاصل کرنا، پکڑنا، گرفت کرنا، نیچے سے گرفت کرنے سے مراد ہے زمین میں قارون کی طرح دھنسا دینا یا فرعون کی طرح پانی میں غرق کر دینا۔ حاصل کلام: اس حدیث میں چھ اطراف سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ انسان اوپر، نیچے، دائیں، بائیں چاروں اطراف سے اپنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے، یہ دشمن اس کے انسانوں میں سے بھی ہیں اور جن و شیاطین میں سے بھی اور بالخصوص زمین میں دھنس جانے یا ڈوب جانے سے پناہ طلب کی ہے نیز اس میں دین کی سلامتی، گناہوں سے بچنا، دنیا کی سلامتی، اہل و عیال کی سلامتی، مال و دولت کی سلامتی نیز آفات و مصائب ظاہری اور باطنی سے محفوظ رہنے اور بیماریوں اور تکالیف سے بچنے کی دعا ہے کہ وہی قادر مطلق ہے، اس کی جب تک کرم نوازی نہ ہو انسان نہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ ہی گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

(۱۳۴۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے ”اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ تیری عطا کردہ عافیت کے چلے جانے اور عذاب کے اچانک نازل ہونے اور

عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةً نَفْمَتِكَ، وَجَمِيعِ هَرَقَمِ كِي نَارِ اَنَسْكَ وَغَصَه سَه پَنَاه طَلَب كَرَتَا هَوْنِ“
(مسلم) اُخْرِجَهُ مُسْلِمًا.

لعنوی تشریح: ﴿النحول﴾ نخل ہونا اور ﴿فجاءة﴾ فاپر ضمہ الف ممدودہ کے ساتھ رحمت کے وزن پر آتا ہے۔ اس کا معنی اچانک ہے اور ﴿نقمة﴾ کے نون پر فتح اور قاف ساکن اور ایک قرأت کے مطابق قاف کے نیچے کسرہ اور نون کے نیچے بھی کسرہ اور قاف ساکن۔ انتقام سے اسم ہے اور یہ مکافات عقوبت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حاصل کلام: اللہ کی عطا کردہ نازل شدہ نعمتیں عموماً اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہیں، اس لئے زوالِ نعمت سے پناہ دراصل برے اعمال سے پناہ مانگنا ہے۔

(۱۳۵۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَرْضُ كِ غَلْبَةٍ، دُشْمَنُ كِ غَالِبُ آنِ اور اعداء كِ اَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلْبَةِ الدِّينِ، وَغَلْبَةِ العَدُوِّ، وَشِمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. رَوَاهُ اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

لعنوی تشریح: ﴿الدین﴾ دال پر فتح اس کے ہیں۔ قرض، ادھار۔ ہر ایسی چیز از قسم مال جو تجھ پر دوسرے کی واجب الادا ہو اور ﴿شِماتت﴾ کے شین پر فتح۔ جس کے معنی اس خوشی اور مسرت کے ہیں جو مصیبت کے وقت دشمن کو حاصل ہوتی ہے۔

(۱۳۵۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ اِيك آدمي كُويَه كَلِمَاتٍ كَسْتِ هُوَ سَا، اَللّٰهُ! ميں آپ رَجُلًا يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! اِنِّيْ اَسْأَلُكَ سَه سَوَال كَرَتَا هَوْنِ اس لئے كِه ميں گواہي ديتا هوں بِأَنِّيْ اَشْهَدُ أَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ كِه تيرے سوا كوئى اله نهيں هے اور عبادت كِ اِلَّا اَنْتَ، الْاَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. فَقَالَ: «لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهُ بِاسْمِهِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطِيَ، وَاِذَا دُعِيَ بِهِ اُجَابَ». اُخْرِجَهُ الْاَزْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ.

ذريعہ طلب کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور جب دعا

کی جاتی ہے تو اسے قبول فرماتا ہے۔“ (اسے ابوداؤد‘
ترمذی‘ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان
نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿الصمد﴾ الصمد اس سردار کو کہتے ہیں جس میں سرداری اور بزرگی کے تمام انواع
موجود ہوں اور یہ بھی قول ہے کہ ایسا سردار جس کی طرف تمام ضروریات و حاجات میں رجوع کیا جاتا
ہے اور مرغوب و پسندیدہ چیزوں کیلئے پسند کیا گیا ہو اور مصائب کے موقع پر جس سے مدد و اعانت مانگی جاتی
ہو۔ پریشانیوں کے دور کرنے کیلئے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ الصمد وہ
سردار جو اپنے افعال و صفات میں ہر پہلو سے کامل ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنی مخلوق کے فنا ہونے
کے بعد خود باقی رہنے والا ہو۔ علاوہ ازیں اس کے اور بھی معانی ہیں۔ ”والکفو“ کاف پر ضمہ اور واؤ
مخفف۔ اس کے معنی شبیہ، شیل اور نظیر ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت ان کلمات کو پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ قبولیت دعا کا
ذریعہ ہیں۔

(۱۳۵۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَصْبَحَ، يَقُولُ: «اللَّهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ نَحْيَا، وَبِكَ نَمُوتُ، وَإِلَيْكَ النُّشُورُ». وَإِذَا أَمْسَى قَالَ مِثْلَ ذَلِكَ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: «وَالِإِلَيْكَ الْمَصِيرُ». أَخْرَجَهُ الْأَزْمَعِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب صبح ہوتی
اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ کہتے ”اے اللہ! تیرے ذریعہ سے
ہم نے صبح کی اور تیرے ذریعہ سے شام کی اور
تیرے ہی ذریعہ ہماری زندگی ہے اور تیرے ہی
ذریعہ ہماری موت ہے اور تیری ہی طرف دوبارہ اٹھنا
ہے۔“ جب شام ہوتی تب بھی یہ دعا پڑھتے اور
”الیک النشور“ (تیری طرف اٹھایا جاتا ہے) کی
 بجائے ”والیک المصیر“ (تیری طرف واپس آنا
ہے) کے الفاظ ادا فرماتے۔ (اسے چاروں (ابوداؤد‘

ترمذی‘ نسائی اور ابن ماجہ) نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اللهم بک اصبحنا﴾ اس میں ”باء“ محذوف کے متعلق ہے اور وہ اصباح کی خبر
ہے۔ یہاں عبارت محذوف و مقدر ماننا ضروری ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی ﴿اصبحنا متلبسین
بتوبقک﴾ یعنی ہم نے تیری حفاظت کے ساتھ چپکتے، پلٹتے ہوئے صبح کی یا یہ معنی ہوگا کہ ہم نے تیری
نعمتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہوئے صبح کی یا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تیرے ذکر میں مشغول
رہتے ہوئے صبح کی یا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تیرے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے صبح کی یا یہ

معنی کہ ہم نے تیری توفیق کے شامل حال ہوتے ہوئے یا پھر یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تیری عطا کردہ قوت و ہمت کی بدولت حرکت کرتے ہوئے صبح کی۔ ﴿وَبَكَ نَحْيًا وَبَكَ نَمُوتُ﴾ یعنی زندگی اور موت تو ہی دیتا ہے۔ تیرے زندگی عطا فرمانے سے زندہ ہیں اور موت وارد کرنے سے مرجائیں گے۔ ﴿وَالْبَيْكَةُ النَّشُورُ﴾ یہ جملہ ”نشر المیت نشورا“ سے ماخوذ ہے۔ یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا۔ ﴿المصیر﴾ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اس کی جانب لوٹنا۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو انعام بھی انسان کو حاصل ہے وہ سب اللہ کی جانب سے ہے اس میں کسی ولی، کسی فرشتے حتیٰ کہ کسی نبی کا بھی دخل نہیں ہے۔ یہ سب خود اسی کے محتاج ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نیند اور موت کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ انسان کا نیند سے بیدار ہونا ایک طرح کا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اسی وجہ سے شام کے ذکر میں مصیر کا لفظ ہے، اس لئے کہ وہ نیند کا وقت ہے اور صبح اٹھنے کا وقت ہے۔ اسی مناسبت سے اس وقت البیکۃ النشور کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

(۱۳۵۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ «رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. سے بچا“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿قنا﴾ قاف کے نیچے کسرہ۔ دعائیہ صیغہ وفی یقی سے۔ اس میں نون ضمیر متکلم کا ہے، معنی ہے ہمیں محفوظ رکھ، ہمیں بچا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے اسے نبی ﷺ بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ یہ دعا سب کی جامع ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دنیا و آخرت کے جملہ مطالب اس میں آگئے ہیں۔ اس میں لفظ حسنہ میں دنیا کے اعتبار سے نیک عمل، نیک اولاد، وسعت رزق اور علم نافع، صحت و عافیت وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ صرف ایک لفظ حسنہ کہہ کر دنیا کی جملہ بھلائیں طلب کر لیں اور آخرت کیلئے یہی لفظ بول کر دخول جنت کی طلب کر لی اور وہاں کی گھبراہٹ سے امن و سلامتی اور حساب و کتاب کی آسانی طلب کر لی اور آگ کے عذاب یعنی جہنم کے عذاب سے پناہ کی درخواست کر دی۔ گویا اس مختصر مگر جامع دعا میں دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں مانگ لیں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ و نجات طلب کر لی۔

(۱۳۵۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى اشعری رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو «اللَّهُمَّ اَعْزِئْ لِي حَظِيَّتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي دَعَا فَرَمَا کرتے تھے ”اللہ! میری خطا معاف فرما دے۔ نیز میری نادانی و جہالت کے کاموں کو بخش اغفر لی حطیبتی وجہلی و اسرافی دے۔ میرے کام میں مجھ سے جو زیادتیاں سرزد

فِي أَمْرِي، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي،
 اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جِدِّي وَهَزْلِي،
 وَخَطِيئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي،
 اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ، وَمَا
 أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ،
 وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ
 الْمَقْدَمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخَّرُ، وَأَنْتَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ہوئیں ان کو بھی اور جو کچھ میرے بارے میں تیرے
 علم میں ہے ان سب کو بھی معاف فرما دے۔ اے
 اللہ! مجھ سے ارادتا یا غیر ارادی طور پر جو کچھ صادر
 ہوا اس کی مغفرت فرما دے۔ خواہ وہ میری لغزش ہو
 یا ارادے سے ہو یہ سب میری ہی جانب سے ہوا
 ہے۔ اے اللہ! جو کچھ میں کر چکا ہوں یا جو آئندہ
 کروں گا اور جو میرا پوشیدہ ہے یا جو مجھ سے ظاہر ہوا
 ہے اور جو کچھ بھی میرے متعلق تیرے علم میں ہے
 وہ سب بخش دے۔ تو ہی پہلے ہے اور تو ہی بعد میں
 اور تو ہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (بخاری و
 مسلم)

لغوی تشریح: ﴿جدی﴾ یعنی جو میں نے سنجیدگی سے کئے ہیں۔ ﴿وما اسررت﴾ جو میں نے خفیہ طور پر کئے۔

حاصل کلام: اس قسم کی جتنی دعائیں نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ یہ آپؐ نے امتثال امر کیلئے مانگی ہیں کیونکہ آپؐ تو معصوم عن الخطاء تھے یا امت کو تعلیم دینے کی غرض سے مانگی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ دعائی ﷺ تشہد کے آخر میں پڑھتے اور بعض میں ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد۔ عین ممکن ہے کہ دونوں طرح آپؐ نے یہ دعا پڑھی ہو کبھی سلام سے پہلے کبھی سلام کے بعد۔

(۱۳۵۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ
 اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ
 ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ! أَضْلِخْ لِي دِينِي
 الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي، وَأَضْلِخْ لِي
 دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي، وَأَضْلِخْ
 لِي آخِرَتِي الَّتِي إِلَيْهَا مَعَادِي، وَاجْعَلْ
 الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ
 خَيْرٍ، وَاجْعَلْ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ
 كُلِّ شَرٍّ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 ﷺ فرمایا کرتے تھے ”اے اللہ! میرے لئے دین
 درست رکھنا جس میں میرے کام کا بچاؤ ہے۔ میرے
 لئے میری دنیا کو درست فرما جس میں میری زندگی
 ہے اور میرے لئے میری آخرت درست فرما جس کی
 طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ میری زندگی کو ہر عمل
 خیر کی زیادتی کا سبب بنا اور موت کو میرے لئے ہر
 برائی سے راحت بنا دینا“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿معدی﴾ یعنی جس میں موت کے بعد میرا لوٹنا، میرا رجوع کرنا۔ ﴿اجعل الحیاة﴾

تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهَا هَذَا الدُّعَاءَ: «اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ، عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرٍ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَادَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جَبَّانٍ وَالْحَاكِمُ.

ان کو یہ دعا سکھائی ”الہی! میں تجھ سے ہر طرح کی بھلائی طلب کرتی ہوں۔ جلدی وصول ہونے والی ہو یا دیر سے ملنے والی۔ جس کو میں جانتی ہوں یا نہیں جانتی۔ اور ہر برائی سے میں تیری پناہ مانگتی ہوں‘ جلدی آنے والی ہے یا دیر سے‘ جس کا مجھ علم ہے یا وہ میرے علم میں نہیں ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے وہ خیر طلب کرتی ہوں جس کا تیرے بندے اور نبی نے سوال کیا تھا اور اس شر سے پناہ طلب کرتی ہوں جس سے تیرے بندے اور نبی نے پناہ مانگی تھی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور ایسے عمل اور قول کا سوال کرتی ہوں جو جنت سے قریب کرنے والے ہیں اور تیری پناہ طلب کرتی ہوں جنم سے اور ہر اس عمل اور قول سے جو اس جنم کے قریب کر دے اور میں بات کا سوال کرتی ہوں کہ تو نے جو فیصلہ میرے حق میں کیا ہے اس کو میرے حق میں بہتر بنا دے۔“ (اسے ابن ماجہ نے نکالا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تشریح: ﴿عاجلہ﴾ جو چیز جلدی میں حاصل ہو جانے والی ہو۔ یہاں دنیا کی بھلائی مراد ہے۔ ﴿آجلہ﴾ جو ذرا دیر و تاخیر سے ملنے والی ہو۔ اس سے مراد آخرت میں حاصل ہونے والی بھلائی ہے۔ ﴿عاذ﴾ پناہ طلب کی، امان طلب کی۔ ﴿وما قرب الیہا﴾ تقریب سے ماخوذ ماضی کا صیغہ ہے۔ یعنی جو اس کے قریب کر دے۔

حاصل کلام: یہ بھی جامع ترین دعاؤں میں سے ایک دعا ہے۔ جس میں مختلف اشیاء کے طلب اور استعاذہ کے بعد بالآخر عرض کی کہ میں ہر اس بھلائی کا خواستگار ہوں جس کی طلب رسول اللہ ﷺ نے کی ہے اور ہر اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ چاہی ہے، جس میں دنیا و آخرت کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

(۱۳۵۸) وَأَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا ”دو کلمے ہیں جو رحمن کو بڑے پیارے ہیں۔

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كَلِمَتَانِ زَبَانٍ عَلَى كُلِّ لِسَانٍ» (وہ یہ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ: سُبْحَانَ پاك ہے، عظمت والا۔“ (بخاری و مسلم) اللہ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ» .

لعوی تشریح: ﴿ثَقِيلَتَانِ﴾ دونوں کلمے وزنی ہیں۔ ان کے وزنی ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک باوجود اپنے حروف کے قلیل ہونے اور الفاظ کے خوشگوار ہونے کے توحید کے جملہ پہلوؤں پر محیط و حاوی ہیں۔ ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ﴾ کا کلمہ اللہ کی ذات و صفات اور اعمال میں ہر عیب و نقص سے پاک ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور کلمہ ﴿وَبِحَمْدِهِ﴾ اس کیلئے کمال کی تمام صفات کو لازم و واجب قرار دیتا ہے کیونکہ حمد و تعریف مطلق اور عام ہے۔ کسی مخصوص امر پر نہیں ہے اور مطلق حمد اسی کا حق ہے جس میں کمال کے تمام تر اوصاف پائے جاتے ہیں اور ﴿الْعَظِيمِ﴾ کا لفظ دوسرے کلمہ میں وہی فائدہ دے رہا ہے جو پہلے کلمہ میں ”بحمدہ“ دے رہا ہے کیونکہ عظمت بھی مطلق ہے۔ اس کی مستحق بھی وہی ذات ہے جس میں عظمت و کمال کے جملہ اوصاف پائے جائیں۔ پھر عظمت و کمال حقوق و عادات میں غیر کی شرکت کی نفی کرتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہونا اور اس کی توحید کا کمال اظہار ہے۔ توحید ہی اصل الاصول ہے اور ہر مطلوب کی انتہا ہے جس طرح جو ہر بڑا قیمتی اور عظمت شان والا ہوتا ہے۔ حجم میں چھوٹا اور وزن میں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دونوں کلمے باوجود حروف کے قلیل ہونے کے ان کا وزن بھاری ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں دو کلموں کا ہلکا و وزنی ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ زبان سے ان کا ادا کرنا سہل و آسان ہے۔ کلمے بڑی آسانی سے ہر ایک کی زبان پر رواں ہو جاتے ہیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور ان کے بھاری ہونے کا معنی یہ ہے کہ جس طرح نیکی کے مشکل اعمال وزن میں بھاری ہوں گے اسی طرح یہ آسانی سے پڑھے جانے والے کلمات بھی میزان اعمال میں بھاری اور ثقیل ہوں گے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کے روز اعمال کا جسم ہوگا اور اعمال کو تولو اور وزن کیا جائے گا۔ اس حدیث سے اللہ عزوجل کی وسعت و رحمت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے نیک و مخلص بندوں کے تھوڑے اعمال کے بدلہ میں اجر و ثواب زیادہ عطا فرمائے گا۔ یہ محض اس کا فضل و کرم اور مہربانی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

قَالَ مُصَنِّفُهُ - الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ
الْعَامِلُ الْعَلَامَةُ قَاضِي الْقَضَاةِ شَيْخُ
الْإِسْلَامِ أَمَنَعَ اللَّهُ بِوُجُودِهِ الْأَنَامَ -
فَرَعَ مِنْهُ مَلْحُصُهُ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ ابْنُ
بلوغ المرام کے مصنف، قاضی القضاۃ علامہ الدھر
شیخ الاسلام (اللہ ان کے علم سے خلق کثیر کو نفع
حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے) احمد بن علی بن
محمد بن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس

مُحَمَّدُ بْنُ حَجَرٍ فِي حَدِيثٍ عَشَرَ كِتَابُ كِي تَعْنِيفَ سَ ۱۱ / ۳ / ۸۲۸ ھ كُو اللّٰهُ
شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ سَنَةِ ثَمَانٍ زَوَالِجَلَالِ كَا شُكْرٍ اَدَا كَرْتِ ھُوَ ۱ اور رسول اللّٰهُ
وَعِشْرِينَ وَثَمَانِيَّةً، حَامِدًا لِلّٰهِ تَعَالَى ﷺ ۱ پر درود و سلام پڑھ كر آپؐ كِي تعظيم و تكريم
وَمُصَلِّيًا عَلَى رَسُولِهِ ﷺ وَمُكْرَمًا كَرْتِ ھُوَ فَارِغَ ھُوَ۔
وَمُبْجَلًا وَمُعْظَمًا۔

اللّٰهُ تَعَالَى مؤلف، شارح اور ھم سب كو اپنی وسيع تر رحمت سے حصہ وافر عطا فرمائے۔ انبياء كرام،
شهداء، صحابہ كرام اور سلف صالحين كِي رفاقت و معيت عطا فرمائے۔ آمين يا رب العالمين۔
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين



جرح و تعدیل یا تخریج احادیث میں مذکور ائمہ محدثین کے مختصر حالات زندگی

﴿ ائمہ سبہ ﴾

(۱) امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں، جو اطرافِ عالم میں پیشوا اور رہنما مانے جاتے ہیں۔ آپ کا نام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ہے۔ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ بارہ ربیع الاول ۲۴۱ھ وفات پائی۔ آپ دینِ اسلام میں آزمائش اور ثابت قدمی کے اعتبار سے سب سے بڑے عالم ہیں۔ آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے روز بیس ہزار عیسائی، یہودی اور پارسی دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

(۲) امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ: آپ حدیث میں محدثین کے امام تھے، آپ کا نام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ (باء پر فتح راء ساکن، دال پر کسرہ اور زاء پر کسرہ ہے) جعفی بخاری ہے۔ یاد رہے کہ جعفی کی نسبت ولاء اسلام کی ہے نہ کہ ولاء رق و غلامی کی، کیونکہ آپ کے جد امجد مغیرہ، یمان جعفی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے اور بخارا میں آنے پر ان کے طرف منسوب ہوئے۔ آپ شوال ۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ عید الفطر کی رات کو وفات پائی۔ آپ فن حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے اور آپ کی کتب الجامع الصغیر، اللہ تعالیٰ کی کتب قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتب ہے، جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

(۳) امام مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ: آپ بڑے ائمہ محدثین میں سے ایک تھے، آپ کا نام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری تھا۔ آپ ۲۰۴ھ کو پیدا ہوئے اور رجب ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی کتب الصغیر، صحیح بخاری کے بعد صحیح ترین کتب ہے۔ آپ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کبار ائمہ حدیث سے سماع کیا۔

(۴) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ: آپ کبار ائمہ محدثین میں سے ایک ہیں، آپ کا نام ابو

داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی بھستانی (سنن کے فتح اور کسرہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔ آپ سنن ابو داؤد کے مصنف ہیں، آپ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ ۱۵ شوال ۲۷۶ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ فن حدیث میں اس قدر نمایاں ہوئے کہ یہ کہا جانے لگا کہ امام ابو داؤد کے لیے حدیث اس طرح آسان اور نرم ہو گئی ہے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو گیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں ”میں نے نبی ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں، سنن میں موجود احادیث انہی پانچ لاکھ سے ہی میں نے منتخب کی ہیں۔“

(۵) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ: ترمذی: ثناء پر تینوں حرکات جب کہ میم پر ضمہ اور کسرہ دو حرکتیں ہیں، یہ دریائے جیون (آمودریا) کے مشرقی کنارہ پر واقع ایک قدیم شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ کا نام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ہے۔ آپ ”جامع الترمذی“ کے مصنف ہیں۔ آپ ۲۰۹ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۲۷۹ھ کو وفات پائی۔ آپ اپنی جامع کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ”جس کے گھر میں یہ جامع موجود ہو، گویا اس کے گھر میں باتیں کرتا ہوا نبی موجود ہے۔“ آپ امام بخاری رحمہ اللہ کے تیار کردہ اور فیض یافتہ شاگرد ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی وفات کے بعد خراسان میں کوئی ایسا جانشین نہیں چھوڑ گئے، جو علم و حفظ اور ورع و زہد میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا شیل ہو۔ آپ اپنے استاد امام بخاری کی وفات پر روتے روتے ٹاپینا ہو گئے اور برسوں ٹاپینا رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

(۶) امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ: نسائی: (نون کے فتح اور الف ممدودہ اور مقصورہ ساتھ) خراسان میں واقع ثناء نامی شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ کا نام ابو عبد الرحمن احمد بن علی بن شعیب بن علی الحافظ ہے۔ آپ السنن المجتبیٰ کے مصنف ہیں۔ آپ ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ کو وفات پائی، آپ نے فن حدیث میں اس قدر نمایاں مقام حاصل کیا کہ حفظ و اتقان میں بے مثال گردانے جانے لگے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد دیگر تمام سنن کی نسبت سب سے کم ضعیف احادیث آپ کی سنن میں ہیں۔ آپ نے مصر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد دمشق کا رخ کیا اور وہاں کتاب ”الخصائص فی فضل علی رضی اللہ عنہ“ کی تصنیف کی، جس پر لوگوں نے آپ کو روند اور مار پیٹ کر مسجد سے باہر پھینک دیا، پھر آپ کو مکہ مکرمہ پہنچایا گیا۔ جہاں حدیث کا یہ روشن چراغ زخموں اور ضربوں کی تاب نہ لا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

(۷) امام محمد بن یزید بن ماجہ رحمہ اللہ: آپ بڑے ائمہ محدثین میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ہے۔ آپ سنن کے مصنف ہیں۔ آپ کی ۲۰۷ھ کو پیدائش اور رمضان ۲۷۳ یا ۲۷۵ھ کو وفات ہوئی۔ اور ”ماجہ“ جیم کی تخفیف کے ساتھ اور اس کے آخر میں ہاء ساکن ہے، ثناء نہیں۔ آپ نے امام مالک کے ساتھیوں سے سماع کیا اور ایک بڑی تعداد میں مخلوق نے آپ سے

روایت کی۔ اور آپ کی سنن میں ضعیف بلکہ منکر احادیث کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

﴿ ائمہ سبعہ کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ﴾

* اسحاق بن راہویہ: آپ امام اور بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ کا نام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم تمیمی حنظلی مروزی ہے۔ آپ نيساپور کے رہنے والے، وہاں کے عالم بلکہ اہل مشرق کے بھی شیخ تھے، ابن راہویہ کے نام سے مشہور تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ”عراق میں اسحاق بن راہویہ کا کوئی ثقیل میں نہیں جانتا۔“ امام ابو زرہ رازی فرماتے ہیں ”امام اسحاق بن راہویہ سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا گیا۔“ امام ابو حاتم فرماتے ہیں ”اسحاق بن راہویہ تعجب کی حد تک ضابط و پختہ کار اور اغلاط سے پاک اور حافظہ کے مالک تھے۔“ آپ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵ شعبان ۲۳۸ھ کی رات کو فوت ہوئے۔

* احمد بن ابراہیم اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ: آپ امام، حافظ، متقدم عالم اور شیخ الاسلام تھے۔ آپ کا نام ابو بکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس اسماعیلی جرجانی ہے، اپنے علاقے میں شوافع کے بڑے امام تھے۔ بلاد عجم میں منفرد اور بے مثال تھے۔ آپ سے ایک مجمع روایت کی جاتی ہے، آپ نے الصحیح اور دیگر کثیر کتب تصنیف کیں، جن میں سے ایک مسند عمرؓ بھی ہے، جس کا خود آپ نے دو جلدوں میں اختصار کیا۔ امام حاکم کہتے ہیں ”اسماعیلی اپنے زمانے کے منفرد، بے مثال، محدثین و فقہاء کی سرداری، شرافت اور سخاوت میں ان سب کے سرخیل تھے، اور علماء، محدثین و فقہاء اور ان میں سے بلند پایہ اہل عقول کے درمیان ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ آپ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ سال کی عمر پر ۱۷ رجب ۳۷۱ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

* احمد بن عمرو بزار رحمۃ اللہ علیہ: آپ امام، حافظ اور بہت بڑے علامہ تھے۔ آپ کا نام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری ہے۔ آپ کبار ائمہ میں سے ایک اور ”المسند الکبیر“ اور ”العلل“ کے مصنف تھے۔ آپ نے امام طبرانی اور دیگر ائمہ سے علم حاصل کیا، اور ۲۹۲ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ بزار باء کے فتح اور زاء کی شد کے ساتھ ہے اور الف کے بعد بغیر نقطہ کے راء ہے۔

* احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ: السیسی: باء کے فتح کے ساتھ اس کے بعد یاء ساکن ہے۔ یہ نيساپور کے قریب ایک بمعن نامی شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ نامور امام، حافظ اور علامہ تھے۔ آپ کا نام ابو بکر احمد بن حسین ہے۔ شعبان ۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور آٹھ جمادی الاولیٰ ۳۵۸ھ کو وفات پائی۔ آپ کبار ائمہ حدیث اور بڑے فقہاء شافعیہ میں سے تھے، آپ نے ایسی ایسی تصنیفات لکھیں جن کی قرون اولیٰ میں کوئی مثال نہیں ملتی، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں: السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ، المبسوط اور الاسماء والصفات۔ امام ذہبی فرماتے ہیں ”امام بیہقی کی تالیفات ایک ہزار جزء کے لگ بھگ ہیں۔“

* عبد اللہ بن علی بن الجارود رحمۃ اللہ علیہ: ابن الجارود ایک بلند پایہ امام، حافظ اور ناقد تھے۔ آپ کا نام ابو محمد عبد اللہ بن علی بن جارود نسیاپوری ہے۔ مکہ مکرمہ میں براجمان ہوئے۔ ”المنتقى فی الاحکام“ کے مصنف اور علماء ثقات، مستدین اور قراء میں سے ایک تھے۔ اور ۳۰۷ھ کو وفات پائی۔

* ابو حاتم محمد بن ادريس رازی رحمۃ اللہ علیہ: آپ امام اور بہت بڑے حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو حاتم محمد بن ادريس بن المنذر حظلی رازی ہے۔ آپ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور شعبان ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔ آپ فن حدیث کے نامور محدثین اور کبار ائمہ جرح و تعدیل میں سے ایک تھے۔

* حارث بن ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا نام ابو محمد حارث بن ابی اسامہ محمد بن داہر تمیمی بغدادی ہے۔ آپ حافظ اور المسند کے مصنف تھے۔ البتہ اپنی مسند کو مرتب نہیں کر سکے۔ ابراہیم حربی اور ابو حاتم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ صدوق ہیں۔ آپ ۱۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۷ھ میں عرفہ کے روز فوت ہوئے۔

* ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ: امام ابو عبد اللہ امام المحققین تھے۔ آپ کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم نسیاپوری ہے اور ابن البیج (باء کے فتح اور کسور یاء کی تشدید کے ساتھ) سے معروف تھے۔ اور المستدرک علی الصحیحین کے مصنف تھے۔ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور صفر ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ آپ نے دو ہزار یا اس کے لگ بھگ مشائخ سے سماع کیا۔ تقویٰ اور دیانت کے ساتھ ساتھ آپ فائق اور بلند پایہ کتبوں کے مصنف بھی تھے۔

* ابو حاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ: آپ ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابو حاتم محمد بن حبان (حاء کے کسرہ اور باء کی تشدید کے ساتھ) بن احمد بن حبان البستی ہے۔ بستی باء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ، یہ بجمستان کے شہروں میں سے ایک شہر بستی کی طرف نسبت ہے، جہاں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ حفاظ آثار و احادیث، فقہاء دین اور تشنگان علم کے لیے ہادی و مرجع تھے۔ اور آپ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ایک تھے اور اسی کے عشرے میں داخل ہو کر ۳۵۴ھ میں سمرقند کے اندر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

* محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ الاسلام، حافظ کبیر اور بڑے ائمہ حدیث میں سے ایک تھے۔ خزیمہ، تغیر کے ساتھ ہے۔ ۲۲۳ھ کو نسیاپور میں پیدا ہوئے اور ۳۱۱ھ کو اسی نسیاپور میں وفات پائی۔ خراسان کے اندر اپنے زمانے میں امامت و حفظ کی آپ پر انشاء تھی۔ اور آپ کی تصنیفات ۱۴۰ سے متجاوز ہیں۔

* ابن ابی خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ امام، حافظ اور محقق عالم تھے۔ آپ کا نام ابو بکر احمد بن ابی خثیمہ زہیر بن حرب نسائی بغدادی ہے۔ اور التاریخ الکبیر کے مصنف ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں ”ثقة اور معتبر ہیں۔“

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔ ”ابن ابی خيثمه ثقہ، عالم، متقن و ضابط، حافظ، تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اور ادب کے راوی تھے۔“ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابن معین سے علم حدیث حاصل کیا اور ۹۳ سال کی عمر پر کربمادی الاولیٰ ۲۸۹ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

* علی بن عمرو دار قطنی رحمہ اللہ: دار قطنی: راء کے فتح اور قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ بغداد کے ایک بڑے محلہ دار قطن کی طرف نسبت ہے۔ حافظ کبیر اور بے مثال امام تھے۔ آپ کا نام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بغدادی ہے۔ ۳۰۶ھ کو پیدا ہوئے اور آٹھ ذوالقعدہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ آپ اپنے زمانے کے منفرد و بے مثال اور اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کے زمانے میں جاہ و حشمت، علم حدیث اور معرفت علل اسماء الرجال کی آپ پر انتہاء تھی۔

* امام دارمی رحمہ اللہ: سمرقند میں آپ کو شیخ الاسلام، حافظ حدیث اور امام کا مقام حاصل تھا۔ آپ کا نام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن فضل بن بھرام تھیں دارمی سمرقندی ہے۔ آپ ”المسنَد العالی“ کے مصنف تھے۔ آپ نے حرین، خراسان، شام، عراق اور مصر میں علم حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے امام مسلم رحمہ اللہ، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور دیگر ائمہ حدیث نے احادیث روایت کیں۔ آپ عقل و فضل کی بلندیوں کو چھوتے تھے اور دیانت، حلم، اجتہاد، عبادت اور دنیا سے بے رغبتی میں ضرب المثل تھے۔ ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ھ آٹھ ذوالحجہ ترویہ کے دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* ابو داؤد طیالسی رحمہ اللہ: آپ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام سلیمان بن داؤد بن جارود بصری، اور فارسی الاصل، آل زہیر کے آزاد کردہ اور بڑے ائمہ حدیث میں سے ایک تھے۔ قلاس اور ابن مدینی فرماتے ہیں ”میں نے طیالسی سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا۔“ ابن مہدی فرماتے ہیں ”آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر سچے تھے“ آپ نے ایک ہزار اساتذہ سے احادیث لکھیں اور اسی سال کی عمر پر ۲۰۴ھ میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

* ابن ابی الدینار رحمہ اللہ: آپ محدث، عالم اور صدوق تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدینا قرشی اموی بغدادی ہے۔ آپ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے، متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے خلفاء و امراء کی اولاد میں سے ایک جماعت کو ادب و علم سکھایا اور معتضد باللہ کو بھی آپ ہی نے ادب و اخلاق کی تربیت دی۔ ۲۰۸ھ کو پیدا ہوئے اور جمادی الاول ۲۸۱ھ میں وفات پائی۔

* امام ذہلی رحمہ اللہ: آپ امیر المومنین فی الحدیث، شیخ الاسلام اور حافظ نیساپور تھے۔ آپ کا نام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد بن فارس ہے۔ آپ بنو ذہل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے حرین، شام، مصر، عراق، ری، خراسان، یمن اور جزیرہ عرب میں علماء کی ایک بڑی جماعت سے سماع کیا اور علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ خراسان میں علم کے بہت بڑے شیخ اور استاد تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ”میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے بڑھ کر زہری کی احادیث کو جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔“

آپ ۱۸۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۲۵۸ھ کو رحلت فرما گئے۔

* ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ: آپ بہت بڑے محدث اور حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو زرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فروخ رازی قرشی ہے۔ آپ قریش کے آزاد کردہ اور ائمہ جرح و تعدیل اور کبار محدثین میں سے ایک تھے۔ امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں ”ابو زرعہ رازی نے حرمین، عراق، شام، جزیرہ عرب، خراسان اور مصر میں بہت سے ائمہ سے سماع کیا ہے۔ آپ حفظ و ذہانت، دین و اخلاص اور علم و عمل کے اعتبار سے زمانے کے نامور لوگوں میں سے ایک تھے۔“ ۷۴ سال کی عمر پر ۲۷۷ھ کے آخری دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا نام سعید بن منصور بن شعبہ مروزی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ طالقانی پھر بلخی تھے۔ مکہ مکرمہ میں براجمان ہوئے۔ سنن کے مصنف ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے آپ کی تعریف کی اور عظیم الشان قرار دیا ہے۔ حرب کرمانی فرماتے ہیں ”سعید بن منصور نے اپنے حافظہ سے ہمیں دس ہزار احادیث الماء کراہیں۔“ اور نوے کی دہائی میں پہنچ کر ۲۷۷ھ کو رمضان کے مہینے میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

* ابن السکین رحمۃ اللہ علیہ: آپ حافظ، امام اور قابل اعتماد عالم تھے، آپ کا نام ابو علی سعید بن عثمان السکین (سینہ اور کاف کے فتح کے ساتھ) بغدادی ہے۔ فن اور روایت حدیث کا اہتمام کیا، احادیث جمع کیں اور تصنیفات کی شکل دی۔ اور ۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۳ھ کو وفات پائی۔

* محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ: آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں، جو اطراف عالم میں رہنما اور پیشوا قرار پائے۔ آپ کا نام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی مکی ہے۔ مصر میں رہائش اختیار کی۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمعہ کی رات ۲۰۴ھ آخر رجب میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ غزہ میں پیدا ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچائے گئے اور مصر میں وفات پائی۔ آپ امت کے پیشوا، ساتھیوں میں منفرد اور مغرب و مشرق میں سب سے بڑے عالم تھے۔ علوم و فنون میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اصول فقہ کے بانی اور موجد بنے۔ آپ کے جد امجد شافع صحابی تھے اور جوانی میں نبی ﷺ سے ملاقات کی۔

* ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ حافظ اور بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا نام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن حواری عنسی (ان کے آزاد کردہ) کوئی ہے۔ آپ مسند، مصنف اور دیگر کتب کے مصنف تھے، علم حدیث میں چٹان کی مثل تھے۔ امام ابو زرعہ، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد اور دیگر ائمہ حدیث نے آپ سے احادیث روایت کیں۔ ماہ محرم ۲۳۵ھ میں فوت ہوئے۔

* سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ : آپ قابلِ حجت اور دنیا کے لیے مستند امام تھے۔ آپ کا نام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر نخعی طبرانی ہے۔ آپ نے ایک ہزار یا اس سے زیادہ مشائخ سے احادیث روایت کیں۔ طلبِ حدیث میں شام سے کوچ کیا اور ۳۳ سال سفر میں گزارے۔ آپ متعدد، مفید اور عجیب و غریب کتب کے مصنف ہیں، جن میں آپ کی درج ذیل تین معاجم، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ ۲۶۰ھ میں شام کے علاقہ طبرہ میں پیدا ہوئے اور اصہبان میں مقیم ہوئے اور ۲۸ ذی القعدہ ۳۶۰ھ کو اصہبان ہی میں وفات پائی۔

* احمد بن محمد طحاوی رحمۃ اللہ علیہ : آپ امام وقت، علامہ اور حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو جعفر احمد بن محمد سلامہ بن سلمہ ازدی، حجری، مصری، طحاوی، حنفی ہے۔ طحا: مصر کی ایک بستی کا نام ہے۔ آپ شروع میں شافعی تھے اور اپنے ماموں مزنی سے پڑھا کرتے تھے، ایک دن مزنی نے انہیں یہ کہا کہ اللہ کی قسم آپ کی طرف سے تو کچھ بھی نہیں آیا۔ جس پر وہ ناراض ہو کر ابن ابی عمران حنفی کی طرف منتقل ہو کر حنفی بن گئے اور مذہبِ احناف کے اثبات کے لیے بڑے تشدد واقع ہوئے اور اپنے مذہب کے لیے اخبار و احادیث تیار اور جمع کرنے اور دوسروں کے ہاں ضعیف قرار پانے والی احادیث سے استدلال کرنے میں بڑا تکلف کیا۔ اور بقول امام بیہقی مختلف تاویلات کے ذریعے سے احادیث کو ضعیف قرار دینے کے درپے ہوئے۔ ان کی مشہور ترین تصانیف میں سے ایک معانی الآثار ہے۔ ۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ جب کہ ایک دوسرے قول کے مطابق ۲۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اوائل ذی القعدہ ۳۲۱ھ میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ : آپ امام، علامہ، شیخ الاسلام اور حافظ مغرب تھے۔ آپ کا نام ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم نمری قرطبی ہے۔ آپ حفظ و اتقان میں اپنے زمانے میں موجود اہل علم کے سردار تھے۔ انساب اور اخبار میں بڑے ماہر تھے۔ ابن حزم فرماتے ہیں ”فقہ الحدیث کے متعلق بحث و تکرار کرنے میں میں قطعاً ان کا کوئی شیل نہیں جانتا، چہ جائے کہ کوئی ان سے اچھا اور بڑھ کر ہو۔“ آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں، جن میں الاستیعاب آپ کی مشہور ترین تصنیف ہے۔ ربیع الثانی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ سال عمر یا کر جمعہ کی رات آخر ربیع الثانی ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔

* عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ : آپ حافظ، علامہ اور حجت ہیں اور آپ کا نام ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن حسین بن سعید ازدی اشبیلی ہے۔ آپ بجاہ میں آباد ہوئے، اسی میں اپنے علم کی اشاعت کی، کتب تصنیف کیں اور شہرت پائی اور بجاہ ہی میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ فقیہ، حافظ حدیث اور علل کے عالم اور رجال کے جاننے والے تھے۔ آپ خیر و صلاح، زہد و ورع اور لزوم سنت کے ساتھ آراستہ تھے اور حصول دنیا میں پیچھے اور ادب و شعر میں دلچسپی رکھنے میں آگے تھے۔ ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الثانی ۵۸۱ھ کو بجاہ میں وفات پائی۔

* عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ : آپ امام اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری صنعانی ہے۔ آپ قبیلہ حمیر کے آزاد کردہ تھے۔ اہل علم کا ماویٰ اور مرجع تھے، امام احمد، اسحاق، ابن معین اور ذہلی نے آپ سے روایات لیں، آخری عمر میں نابینا ہوئے اور حافظ تبدیل ہو گیا۔ ۸۵ سال کی عمر یا کر شوال ۲۱۱ھ میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

* عبداللہ بن عدی رحمۃ اللہ علیہ : آپ شہرہ آفاق امام اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی ہے۔ آپ ابن القصار کے نام سے بھی مشہور تھے۔ آپ کبار علماء اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ایک تھے۔ ۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الثانی ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

* محمد بن عمرو العقیلی رحمۃ اللہ علیہ : آپ امام اور حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عقیلی ہے۔ آپ عظیم المرتبت، عظیم الشان عالم اور کتاب الضعفاء الکبیر اور دیگر بہت سی کتب کے مصنف ہیں اور حافظ میں بڑے بلند تھے اور حرمین میں قیام کیا۔ اور ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

* علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ : آپ جرح و تعدیل کے امام، حافظ وقت اور اہل حدیث کے پیشوا تھے۔ آپ کا نام ابو الحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی (بنو سعد کے آزاد کردہ) مدنی ہے۔ امام بخاری، امام ابو داؤد اور دیگر کثیر ائمہ حدیث نے آپ سے روایت کیا۔ ابن ہمدی فرماتے ہیں ”علی بن مدینی حدیث رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: علی بن مدینی کے سوا میں نے کسی کے پاس اپنے آپ کو حقیر اور کم تر نہیں سمجھا۔“ ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۴ھ کو سامرا میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

* ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ : آپ محدث اور حافظ تھے، آپ کا نام یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نساپوری اسفرائینی ہے، آپ ائمہ کبار میں سے ایک اور المسند الصبیح المخرج علی مسلم کے مصنف تھے۔ طلب حدیث کے لیے آپ نے زمین کے اطراف و اقطار کا سفر کیا، آپ نے بہت سے شیوخ و ائمہ سے احادیث روایت کیں۔ جیسا کہ آپ سے بھی بہت سے علماء نے احادیث روایت کیں۔ آپ نے پانچ حج کیے۔ ۳۱۶ھ میں فوت ہوئے اور اسفرائین میں آپ کی قبر بہت مشہور ہے، لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

* علی بن محمد ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ : آپ کا نام ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالملک فاسی ہے، آپ بہت بڑے حافظ، امام، ناقد اور علامہ تھے۔ قرطبہ میں پیدائش ہوئی اور فاس میں قیام کیا۔ آپ روایت حدیث کے سب سے زیادہ اصحاب علم و بصیرت اور اسماء الرجال کے سب سے بڑے حفاظ میں سے ایک تھے۔ اور متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ ۵۲۲ھ میں پیدا اور ربیع الاول ۶۳۸ھ میں فوت ہوئے۔

* امام مالک رحمۃ اللہ علیہ : آپ امت کے چار پیشواؤں و رہنماؤں میں سے ایک، دارالہجرت مدینہ طیبہ کے

امام، امت کے فقیہہ اور اہل حدیث کے سردار تھے۔ آپ کا نام ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہے۔ اصبحی آپ کے نويس دادا ذوالصبح کی طرف نسبت ہے اور اصبح یمن کے سب سے بڑے فضل و شرف والے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے، آپ ۹۳ھ یا ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۱۷۹ھ میں حدیث کا یہ روشن چراغ اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ آپ نے نو سو سے زائد مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا، جب کہ آپ سے لوگوں کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث بیان کی جو احاطہ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی اور آپ کے شاگردوں میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں۔

* محمد بن اسحاق ابن منندہ: آپ کا نام ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن منندہ (میم کے فتح، نون کے سکون اور دال کے فتح کے ساتھ) آپ بڑے ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے ایک امام اور چلتے پھرتے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا شمار ان محدثین میں ہوتا ہے جو کثیر الحدیث ہونے میں مشہور ہیں۔ طلب حدیث کے لیے آپ نے بلاد عالم کا سفر کیا، اور جب آپ واپس لوٹے تو آپ کے پاس کتابوں کی چالیس گھڑیاں تھیں۔ آپ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد ایک ہزار سات سو تھی۔ ۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور آخر ذی القعدة ۳۹۵ھ میں بیٹگی کے گھر آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔

* ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ: آپ مشہور حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ نعیم: تغیر کے ساتھ ہے۔ آپ بلند پایہ ائمہ، محدثین اور کبار حفاظ میں سے ایک تھے۔ آپ نے بڑے بڑے نامور فضلاء سے اور بڑے بڑے فضلاء نے آپ سے علم حاصل کیا۔ آپ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ جن میں سے المستخرج علی صحیح البخاری۔ المستخرج علی صحیح مسلم اور حلیۃ الاولیاء قابل ذکر ہیں۔ اور حلیۃ الاولیاء ان کی بہترین کتب میں سے ایک کتاب ہے، کہا جاتا ہے کہ جب یہ کتاب نيساپور پہنچی تو اہل نيساپور نے اسے چار سو دینار میں خرید لیا۔ آپ رجب ۳۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور صفر یا ایک قول کے مطابق بیس محرم ۴۳۰ھ کو اصہبان میں وفات پائی۔

* ابو یعلیٰ احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا نام احمد بن علی بن شعیب بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال تیمی ہے، آپ جزیرہ عرب کے محدث، حافظ اور المسند الکبیر کے مصنف ہیں، آپ مشہور ارباب صدق و امانت اور دین و حلم میں سے ایک تھے۔ معانی کہتے ہیں ”میں نے حافظ اسماعیل بن محمد بن فضل سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے متعدد مسانید مثلاً مسند العدنی اور مسند ابن منیع وغیرہ پڑھیں، یہ سب نمرس ہیں، جب کہ مسند ابی یعلیٰ اس دریا کی مانند ہے جو مجمع الانهار ہو (یعنی جہاں سب نمرس اکٹھی ہوتی ہوں) آپ شوال

۴۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۰ھ میں وفات پائی۔



بلوغ المرام

”بلوغ المرام“ ابو الفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی وہ لاٹانی کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود جامعیت اور افادیت کے اعتبار سے مسلمہ ہے۔ مسائل و احکام کا یہ نہایت اہم مجموعہ علماء اور طلباء کے لئے یکساں مفید اور اہمیت کا حامل ہونے کی وجہ سے دنیا بھر کے مدارس اسلامیہ و دینیہ میں داخل نصاب ہے۔ تصغیر کے نامور علماء کرام نے اس اہم کتاب کو اردو زبان میں ڈھالا۔ کم و بیش ہر حدیث کے نیچے پہلے لغوی تشریح اور پھر حاصل کلام کے نام سے شرح لکھی تاکہ ہر حدیث کی وضاحت ہو جائے اور جو احکامات اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں ان کی تشریح ہو جائے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے نہایت مفید رہے گا۔